فقہ الزکوٰۃ

www.KitaboSunnat.com

یوسف القرضاوی

البدر پبلی کیشنز
۲۴- راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور ۲



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

فقہ الزکوٰۃ

حصہ سوم

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

●

ترجمہ

www.KitaboSunnat.com

ساجد الرحمٰن صدیقی

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹... جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
فون.....

البدر پبلی کیشنز۔ ۲۳ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور ۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(جملہ حقوق بحق ادارہ معارفِ اسلامی کراچی محفوظ ہیں)

بار اوّل ——— ایک ہزار، مئی ۱۹۸۲ء
ناشر ——— عبدالحفیظ احمد

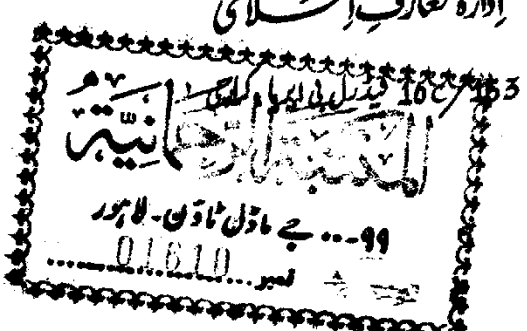
کتابت ——— محمد اسلم طور
قیمت ——— ۳۰ روپے

مجلد حصہ سوم، چہارم ———

مطبعۃ العربیہ
۳۰ - نیک روڈ - لاہور
فون ۶۸۷۲۹

254.4

ادارہ معارفِ اسلامی



محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادارہ معارفِ اسلامی

ادارہ معارفِ اسلامی رجسٹرڈ ایک آزاد علمی و تحقیقی ادارہ ہے جو اسلام کی حقیقی اور بے آمیز تعلیمات کو دورِ جدید کی زبان میں پیش کرنے اور اسلام کی رہنمائی میں آج کے معاشرے کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے علمی کام میں مصروف ہے۔ اس ادارہ کا قیام ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا۔ ایک بااختیار مجلس منتظمہ اس کے تمام اُمور کی ذمہ دار ہے۔ ادارہ کا مرکزی نظم کراچی میں ہے اور مختصر شاخ ڈھاکہ میں کام کر رہی تھی لیکن سقوطِ مشرقی پاکستان کے سبب اس سے ادارہ کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ جن مقاصد کے حصول کے لیے ادارہ کوشاں ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ اسلامی تعلیمات کو پوری تحقیق اور علمی جستجو کے بعد جدید ترین اُسلوبِ اظہار کو اختیار کرتے ہوئے پیش کرنا اور تمدن، تاریخ، قانون، معیشت اور دوسرے دائروں میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کرنا۔

۲۔ عُلمائے اسلام کے تحقیقی کارناموں کا ترجمہ، ترتیب نو، تشریح و توضیح اور اشاعت۔ اس طرح قدیم علمی خزانوں تک آج کے طالب علموں کی رسائی کا سامان کرنا۔

۳۔ عالم اسلام کے موجودہ مسائل اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ فہم پیدا کرنے کے لیے مسلم ممالک کے بارے میں بالعموم اور پاکستان کے بارے میں بالخصوص تحقیقی کام کرنا۔

۴۔ اسلامی موضوعات پر دورِ حاضر کے مسلم علماء کے نمایاں کارناموں کی وسیع اشاعت اور نفوذ کی خاطر دنیا کی اہم زبانوں میں بالخصوص عربی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی میں اُن کے ترجمہ اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۵۔ عام پڑھے لکھے لوگوں میں اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ اور مسلم دُنیا کے موجودہ مسائل کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لیے مناسب طرز کی عام فہم کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۶۔ تعلیم کو مثبت اسلامی آہنگ دینے کے لیے اور اسلامی بنیادوں پر تشکیل شدہ ایک نئے نظامِ تعلیم کے ارتقاء کی راہ ہموار کرنے کے لیے مختلف مراحل کی نصابی اور امدادی کُتب کی تیاری اور اشاعت کا کام کرنا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

چوتھا باب	۷
زکوٰۃ کے مصارف	۷
تمہید	۸
مصارف زکوٰۃ اور قرآن	۹
مصارف زکوٰۃ پر قرآن کی توجہ کی حکمت	۱۰
پہلی فصل: فقرا اور مساکین	۱۲
دوسری فصل: عاملین زکوٰۃ یا زکوٰۃ کا انتظامی اور مالی ادارہ	۴۸
تیسری فصل: مؤلفۃ القلوب	۶۷
چوتھی فصل: فی الرقاب (گردنوں کا آزاد کرانا)	
پانچویں فصل: الغارمون	۱۰۲
چھٹی فصل: فی سبیل اللہ	۱۰۹
ساتویں فصل: ابن السبیل (مسافر)	۱۶۱
آٹھویں فصل: مستحق زکوٰۃ اصناف کے بارے میں عمومی بحث	۱۸۳
نویں فصل: وہ اصناف جن پر زکوٰۃ خرچ نہیں کی جائے گی۔	۱۹۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں باب

۲۶۰ ادائے زکوٰۃ کا طریقہ

۲۶۰ تمہید

۲۶۱ پہلی فصل: زکوٰۃ کا ریاست سے تعلق

۲۶۲ دوسری فصل: زکوٰۃ میں نیت کا درجہ

۳۱۸ تیسری فصل: زکوٰۃ کی قیمت ادا کرنا

۳۳۸ چوتھی فصل: زکوٰۃ کا اس شہر سے باہر لے جانا جس سے وصول ہوتی ہے ۳۴۰

۳۵۵ پانچویں فصل: زکوٰۃ کو فوراً ادا کرنا اور اس میں تاخیر کرنا۔

۳۷۸ چھٹی فصل: زکوٰۃ سے متعلق چند متفرق مباحث۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

عرضِ ناشر

دُنیائے اسلام کے محقق اور مفکر جناب ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی محققانہ تصنیف "فقہ الزکوٰۃ" ادارہ معارفِ اسلامی کے تعاون سے پیش کر رہے ہیں۔ اس سے قبل ادارہ معارفِ اسلامی کراچی ہی کے تعاون سے مصنف محترم کی کتاب "اسلام اور معاشی تحفظ" کی اشاعت کا اعزاز بہم حاصل کر چکے ہیں۔ جس کے دو ایڈیشن قلیل مدت میں شائع ہو کر علمی حلقوں میں دادِ تحسین وصول کر رہے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب، ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی مقبول ترین کتاب ہو گی۔

یہ اس کتاب کا تیسرا حصہ ہے اور انشاء اللہ چوتھا اور آخری حصہ جلد شائع ہو گا۔

عبدالحفیظ احمد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۴

زکوٰۃ کے مصارف

۱ ـــــ فقراء و مساکین	(فقیر اور مسکین)
۲ ـــــ عاملین علیہا	(زکوٰۃ کے عامل)
۳ ـــــ مؤلفۃ القلوب	(تالیف قلب)
۴ ـــــ فی الرقاب	(غلاموں کی آزادی)
۵ ـــــ الغارمون	(مقروض)
۶ ـــــ فی سبیل اللہ	(راہِ خدا)
۷ ـــــ ابن السبیل	(مسافر)

۸ ـــــ مذکورہ مستحقین کے بارے میں چند مباحث۔

۹ ـــــ وہ اصناف جن پر زکوٰۃ صرف نہیں کی جاتی۔

●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہید

قرآن کریم میں زکوٰۃ کا ذکر اسی طرح اجمال کے ساتھ آیا ہے جس طرح قرآن کریم میں نماز کا ذکر اجمالاً آیا ہے چنانچہ قرآن کریم میں نہ تو ان اموال کا ذکر ہے جن پر زکوٰۃ واجب ہے اور نہ اس کی مقادیر کا ذکر ہے۔ اور نہ ہی اس کے وجوب کی شرائط بیان کی گئی ہیں مثلاً سال کا گزرنا، ایک محدود نصاب ملکیت میں ہونا، اور نصاب سے کم کا زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونا۔

زکوٰۃ کی یہ تفصیلات سنت تشریعی ـــــ قولی اور عملی ـــــ میں بیان ہوئی ہیں جس طرح کہ نماز کی تفصیلات بھی سنت ہی میں ذکر ہوئی ہیں۔

زکوٰۃ سے متعلق احادیث ثقہ راویوں کی ایک بڑی جماعت سے ہر دور میں منقول ہوتی رہی ہیں اس لیے ان پر ایمان لانا لازمی ہے کہ قرآن کریم کے بعد دوسرا تشریعی مأخذ سنت رسولؐ ہے جو درحقیقت بیان اور تشریح اور تفسیر ہے قرآن کریم کی۔ اور خود اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل : ۴۴)

اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ خود بھی غور و فکر کریں۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے حضرت عمران بن حصین سے کہا کہ ابو نجید! آپ حضرات ایسی حدیثیں بھی بیان کرتے ہیں جن کی اصل ہمیں قرآن میں نہیں ملتی۔ عمران یہ سن کر غصہ ہو گئے اور فرمایا کیا تمھیں قرآن میں یہ مل گیا ہے کہ ہر چالیس درہم پر ایک درہم زکوٰۃ ہے؟ اور فلاں فلاں جانوروں کی اس تعداد پر ایک بکری زکوٰۃ ہے، اور اونٹوں کی تعداد پر اتنے اونٹ زکوٰۃ ہے؟ ـــــ اس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر یہ اصول تمھیں کہاں سے ملے، یہ تمھیں ہم سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملے اور ہمیں نبی کریمؐ سے ملے۔" (روایت میں ہے کہ انھوں نے بطور مثال کئی باتیں ذکر فرمائیں۔)[1]

مصارفِ زکوٰۃ اور قرآن اگرچہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کا حکم اجمالاً آیا ہے لیکن قرآن کریم نے مصارف زکوٰۃ کو بڑی تفصیل اور وضاحت سے بیان کر دیا ہے تاکہ زکوٰۃ کی تقسیم حاکم کی اپنی مرضی پر موقوف نہ رہے اور اس میں حکمرانوں کا تعصب اور ان کے اپنے مفادات راہ نہ پا سکیں۔ اور اسی طرح ان لالچی لوگوں کو بھی ان کی حدود میں رکھا جائے جو ایسے مال کو حاصل کرنے سے خدا سے نہیں ڈرتے جس کا حصول ان کے لیے روا نہیں ہے اور جو معاشرتی زندگی میں اپنے زور بازو سے اہلِ حاجت اور تنگدست لوگوں کے حقوق غصب کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

خود عہدِ رسالتؐ میں بعض طامع افراد نے صدقات میں حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی مگر جب آپؐ نے ان کی اس خواہش کو رد کر دیا تو انھوں نے سرورِ کائناتؐ کو الزامات سے مطعون کرنا شروع کر دیا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور ان کے نفاق، طمع اور حرص کو دانشگاف الفاظ میں بیان کر دیا گیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۵۸ تا ۶۰)

---

[1] مختصر سنن ابی داؤد، للمنذری: ج ۲، ص ۱۷۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اے نبی، ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم میں تم پر اعتراضات کرتے ہیں۔ اگر اس مال میں سے انھیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائیں اور نہ دیا جائے تو بگڑنے لگتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ اللہ اور رسول نے جو کچھ بھی انھیں دیا تھا اس پر وہ راضی رہتے اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ وہ اپنے فضل سے ہمیں اور بہت کچھ دے گا۔ اور اس کا رسول بھی ہم پر عنایت فرمائے گا، ہم اللہ ہی کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں۔

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے، راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔

ابوداؤد نے زیاد بن الحارث الصدائی سے روایت نقل کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے بیعت کی ـــــ ان الفاظ کے ساتھ وہ ایک طویل حدیث بیان کرتے ہیں ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ مجھے صدقات میں سے دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی یا غیر نبی کے فیصلے پر صدقات کو نہیں چھوڑا بلکہ خود ہی مصارف زکوٰۃ بیان فرما دیے۔ ان آٹھ مصارف میں سے اگر تم کسی میں داخل ہو تو میں تمھیں دیتا ہوں۔[1]

مصارفِ زکوٰۃ پر قرآن کی توجہ کی حکمت

ماہرین اقتصادیات اور اجتماعیات کا بیان ہے کہ مختلف براہِ راست

---

[1] اس روایت کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی ہے، جس کے بارے میں نقد کیا گیا ہے (مختصر المنذری : ج ۲، ص ۲۳۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بالواسطہ (DIRECT INDIRECT TAXES) ٹیکس لگا کر انھیں وصول کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے اور دنیا کی حکومتیں ٹیکس وصول کرتی ہی رہتی ہیں اور اکثر عدل وانصاف کے تقاضے بھی پورے کرتی ہیں لیکن اصل اور اہم مسئلہ ان ٹیکسوں کے صرف کرنے کا ہے کہ مصارف میں عدل وانصاف کی میزان برابر نہیں رہتی اور یہ مال ان لوگوں کو مل جاتا ہے جو درحقیقت اس کے مستحق نہیں ہوتے اور وہ لوگ محروم ہو جاتے ہیں جو فی الواقع مستحق ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے زکوٰۃ کے وجوب کی تفصیلات اگرچہ بیان نہیں کی ہیں لیکن اس کے مصارف کو تفصیل کے ساتھ اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

مالیاتی تاریخ اس امر سے متعارف ہے کہ اسلام سے قبل دنیا میں لوگوں سے متعدد ٹیکس بضابطہ جبراً وصول کیے جایا کرتے تھے اور پھر وہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے خزانوں میں جمع ہو جایا کرتے تھے اور انہی کے لوگوں، مددگاروں اور رشتہ داروں پر خرچ ہوا کرتے تھے، یا پھر بادشاہوں کی شان وشوکت کے بڑھانے اور ان کے دبدبے اور رعب میں اضافہ کرنے کے لیے مستعمل ہوا کرتے تھے اور فقیر ومسکین اور ضعیف وناتواں عوام محروم رہ جایا کرتے تھے۔

اسلام نے سب سے پہلے ضرورت مندوں کی ضرورتوں کی کفالت کی جانب توجہ دی اور مال زکوٰۃ میں اور دیگر محصولاتِ سرکاری (STATE REVANUES) میں ان کا باقاعدہ حصہ مقرر کیا اور اس اجتماعی اصلاح سے اسلام نے نظام مالیات (FINANCIAL SYSTEM) اور نظام ضرائب (TAXES) کو ایسی پیش رفت عطا کی جس سے انسانیت ابھی تک ناآشنا تھی۔

آئندہ سات فصلوں میں ہم قرآن وسنت کی روشنی میں مستحقین زکوٰۃ کا بیان کریں گے اور آخری فصل میں ان لوگوں کی اصناف بیان کریں گے جن پر زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

●

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی فصل

فقراء اور مساکین

سُورۃ توبہ کی آیت نے مصارف زکوٰۃ کی آٹھ مصارف میں تحدید کر دی ہے جن میں اوّلین دو مصرف فقراء اور مساکین ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کا مقصد اوّل معاشرہ سے فقر (تنگدستی) اور عوز (نادار ی) کا خاتمہ کرنا ہے۔

اس لیے کہ آیت قرآنی میں مصارف زکوٰۃ کے بیان میں پہلے فقراء اور مساکین کو بیان کیا گیا ہے اور عربی زبان کا اسلوب بلاغت یہ ہے کہ اہم ترین امور کو پہلے ذکر کیا جاتا ہے۔

فقراء کی کفالت اور فقر کا خاتمہ چونکہ اسلامی معاشرہ کا مقصد اوّلین ہے اسی لیے نبی کریمؐ نے بعض احادیث میں صرف اسی کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ جب آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو یہ ہدایت فرمائی۔

"انھیں آگاہ کر دو کہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقیروں کو لوٹائی جاتی ہے"

فقیر اور مسکین کون ہیں؟

فقیر اور مسکین کون ہیں؟ کیا یہ دونوں مل کر ایک ہی صنف ہیں یا جُداگانہ اصناف ہیں؟

امام ابو یوسفؒ اور ابن القاسمؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی صنف ہیں[1] لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ علیحدہ علیحدہ اصناف ہیں مگر بہرحال ان دونوں کی تشریح اور تعبیر (INTERPRETION) میں فقہاء اور مفسرین کا اختلاف ہے نیز یہ کہ آیت میں ان کا ذکر

---

[1] حاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۴۹۲۔ وشرح الازہار، ج ۱، ص ۵۰۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ساتھ آیا ہے تو ان سے کیا مراد ہے کہ فقیر اور مسکین کے الفاظ اسلام اور ایمان کی طرح ہیں کہ اگر یہ یکجا ہوں تو ان کے معنی جُدا جُدا ہوتے ہیں اور اگر جُدا جُدا ہوں تو ان میں سے ایک دوسرے کے معنی کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔

بہرحال آیتِ توبہ میں فقراء اور مساکین دونوں کا ذکر کیا گیا ہے تو ان کے معنی کی تحدید کیا ہوگی؟

شیخ المفسرین امام طبریؒ کہتے ہیں کہ[1] فقیر سے مراد وہ مُتعفف (دست سوال دراز نہ کرنے والا) محتاج ہے جو سوال نہ کرے۔ اور مسکین وہ بے کس محتاج ہے جو سوال کرے، اور اس کی تائید خود لفظ مُسکنت سے ہوتی ہے جیسا کہ یہود کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرہ : ۶۱)

ذلت وخواری اور پستی وبدحالی ان پر مسلط ہوگئی۔

اور حدیث صحیح میں جو یہ آیا ہے کہ

"مسکین وہ نہیں ہے جو ایک دو کھجور لے کر چلا جائے... مسکین وہ ہے جو دست سوال دراز نہ کرے"[2]

تو دراصل یہ حدیث اس حدیث کے قبیل کی ہے، اور یہاں پر یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔

"بہادر وہ نہیں ہے جو کشتی میں پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قدرت رکھے"[3]

اور اسی کی مثل دیگر احادیث[4]

---

[1] تفسیر الطبری: ج ۴، ص ۳۰۸، ۳۰۹۔ ط۔ المعارف۔

[2] آگے یہ حدیث مکمل آرہی ہے۔

[3] روایت ابوہریرۃؓ، متفق علیہ: بلوغ المرام: باب الترہیب من مساوئ الاخلاق۔ ص ۳۰۲۔

[4] مثلاً "اندرون مَیں مفلس، اور مالقعدون الرقوب فیکم؟ (المغنی، ج ۶، ص ۴۵۷۔ ط الامام)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت مسکین وہی سمجھا جاتا تھا جو جاکر سوال کرتا ہو۔ اور اس صورت میں حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ مسکین وہ نہیں ہے جو سوال کرے کہ سوال کرنے سے اس کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے اور اس کی مسکنت ختم ہوجاتی ہے لیکن جو سوال نہ کرے اس کی حاجت اور مسکنت باقی رہتی ہے اور اس کا علم بھی نہیں ہوتا کہ اسے دیا جاسکے[1]

فقیر اور مسکین میں سے کس کی حالت زیادہ خراب ہوتی ہے اس بارے میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے مسلک شافعیؒ اور مسلک حنبلیؒ کے فقہاء کے نزدیک فقیر کی حالت زیادہ خراب ہوتی ہے، اور مسلک مالکؒ اور مسلک ابوحنیفہؒ کے فقہاء کے نزدیک صورت حال اس کے برعکس ہے۔ اس سلسلے میں ان فقہاء کے از روئے زبان اور از روئے شریعت اپنے اپنے دلائل بھی موجود ہیں۔

اس اختلاف کے باوجود یہ فقہاء بیان کرتے ہیں کہ اس اختلاف کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نہ باب زکوٰۃ میں یہ تحقیق کچھ زیادہ سود مند ہے[2]

---

[1] معالم السنن، ج ۲، ص ۲۳۲۔

[2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں جوزف شاخت نے مسئلہ فقر کو بہت توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ

"فقراء اور مساکین کے درمیان زبردستی فرق پیدا کیا گیا ہے کیونکہ فقہاء کی عادت یہ تھی کہ وہ اکثر و بیشتر جس حالت میں خود ہوتے اسی کے لحاظ سے ان الفاظ کی تشریح کردیا کرتے تھے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱۰، ص ۳۶۰"

یہ بکواس صرف وہ شخص ہی کرسکتا ہے جس میں ذرا سا بھی علماء کا سا اخلاق موجود نہ ہو۔ کیا فقہائے حنفیات میں سے السرخسی فقہائے مالکیہ میں سے ابن العربی، فقہائے شافعیہ میں سے النووی فقہائے حنابلہ میں سے ابن قدامہ اور فقہائے ظاہریہ میں سے ابن حزم خود کو فقراء و مساکین بتا کر زکوٰۃ لینے کے متمنی تھے اور مادی منفعتوں کے حصول کے لیے فقہی تعریفات میں ردوبدل کردیا کرتے تھے بلاشبہ نہیں! بلکہ یہ فقہائے کرام یا تو خود غنی تھے اور سخاوت کیا کرتے تھے یا فقراء زاہد اور درویش خدا مست تھے جنھیں دنیا سے کوئی محبت نہیں تھی اور ان کی سیرتیں ان کے اعلیٰ کردار کی شاہد عدل ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہائے احناف کے نزدیک فقیر اور مسکین

فقہائے احناف کے نزدیک جو شخص زکوٰۃ کے نصاب شرعی سے کم کا مالک ہو وہ فقیر ہے یا اس کے پاس مقدار نصاب سے کم کی مالیت یعنی گھر کا سامان، کپڑے اور کتابیں وغیرہ ہوں وہ بھی فقیر ہے۔ اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

بعدازاں فقہائے احناف میں یہ اختلاف بھی ہے کہ نصاب کی تحدید سے نصاب نقد یعنی دو سو درہم مراد ہیں یا کسی بھی مال کا نصاب مراد ہے[1]

بہرحال ان کے نزدیک فقراء اور مساکین کے وصف کے حامل مستحق زکوٰۃ یہ ہیں:۔

۱) جس کے پاس بالکل کچھ نہ ہو یعنی مسکین۔

۲) جو گھریلو استعمالی ساز و سامان کا مالک ہو، خواہ اس کی قیمت کتنی ہی ہو، لیکن وہ مستغنی نہ ہو۔

۳) جس کے پاس دو سو درہم سے کم کی مالیت موجود ہو۔

۴) جو علاوہ نقود کے دیگر اموال کے نصاب زکوٰۃ سے کم کا مالک ہو۔ مثلاً چار اونٹ یا انتالیس بکریاں۔

ان صورتوں کے علاوہ ایک اور صورت ہے جو اختلافی ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص نصاب نقد کے علاوہ نصاب کا مالک ہو یعنی اس کے پاس پانچ اونٹ یا چالیس بکریاں ہوں مگر ان کے

وقیدگی رہ گیا شناخت کا یہ کہنا کہ ان الفاظ کی تعریفات میں زبردستی فرق پیدا کیا گیا ہے تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شناخت جیسا جاہل آدمی عربی زبان کے الفاظ کے اس قدر باریک معنوی فرق کو محسوس ہی نہیں کر سکتا۔ کہ یہ مسئلہ زبان و لغت کا پہلے ہے اور فقہ و قانون کا بعد میں، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کی طرح اس فرق کو مفسرین اور لغت کے ماہرین بھی زیر بحث لائے ہیں اور ان میں موجود فرق کو بیان کیا ہے اور یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ اس فرق کے بارے میں اختلاف رائے بذات خود مسئلہ زکوٰۃ پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

[1] مجمع الانہر، درر المنتقی، بہامشہ، ص ۲۲۰، ۲۲۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیمت دو سو درہم نہ بنتی ہو۔ تو بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اسے زکوٰۃ لینا بھی حلال ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب بھی ہے اور بعض دیگر اسے غنی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے زکوٰۃ لی جائے گی اور اسے دی نہیں جائے گی۔[1]

اس کی مزید وضاحت ہم اس غنی کے بیان کے ضمن میں کریں گے جو زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فقیر اور مسکین

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فقر اور مسکینی کا مدار نصاب کی ملکیت کے نہ ہونے پر نہیں ہے بلکہ بقدر کفایت کے مالک نہ ہونے پر ہے۔

ان کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی موجود نہ ہو اور نہ اس کے لائق کسب حلال موجود ہو جس سے اسراف کے بغیر اس کے کھانے پینے رہنے سہنے کی ضرورتیں پوری ہو سکیں، مثلاً اگر دس درہم یومیہ کی ضرورت ہو اور اس کے پاس چار یا تین یا دو درہم ہی موجود ہوں۔

اور مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال ہو یا اس مقدار کا کسب حلال ہو جس سے وہ اپنی اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے لیکن مکمل طور پر نہیں، مثلاً اگر کسی کی ضرورت دس درہم کی ہے مگر اسے سات یا آٹھ درہم ہی میسر ہوں، اگرچہ وہ نصاب کا مالک ہو۔

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جس کے پاس اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بقدر کفایت کے نصف سے زائد موجود ہو وہ مسکین ہے اور جس کے پاس قدر کفایت کے نصف سے کم موجود ہو وہ فقیر ہے۔[2]

اس تعریف کے لحاظ سے فقیر کے نام سے یا مسکین کے نام سے مستحق زکوٰۃ ان تینوں میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے۔

۱) جس کے پاس نہ کوئی مال ہو اور نہ اس کا کوئی کسب (کمائی کا ذریعہ) ہو۔

---

[1] بحوالہ مذکور۔

[2] شمس الدین الرملی: نہایۃ المحتاج، ج ۶، ص ۱۵۱، ۱۵۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲) مال یا کسب تو ہو لیکن اس کی اور اس کے زیرِ کفالت افراد کی نصف سے کم ضروریات اس سے پوری ہوتی ہوں۔

۳) مال یا کسب ہو اور اس سے اس کی اور اس کے زیرِ کفالت افراد کی نصف سے زائد ضروریات پوری ہو جاتی ہیں مگر ضروریات کی پوری تکمیل نہ ہوتی ہو۔

مسلک مالکؒ اور مسلک احمد بن حنبلؒ کے فقہاء کے نزدیک فقیر یا مسکین کی کفایت سے مراد پورے سال کی کفایت ہے جبکہ مسلکِ شافعیؒ کے فقہاء کے نزدیک کفایت سے فقیر یا مسکین جس شہر یا ملک میں رہتا ہو وہاں کی پوری عمر کی کفالت مراد ہے مثلاً اگر بالعموم عمر ساٹھ سال ہوتی ہو اور اس کی تیس سال عمر ہو چکی ہو اور اس کے پاس صرف بیس سال کے گزارے کے لائق مال ہو تو وہ دس سال کی کفایت کے بقدر مال کا زکوٰۃ سے مستحق ہوگا۔

شمس الدین رملی کہتے ہیں کہ یہ نہیں کہا جا سکتا اس طرح تو لازم آئے گا کہ اکثر اغنیاء بھی زکوٰۃ میں حصہ دار بن جائیں گے کیونکہ جس شخص کے پاس ایسا مال ہو جس کا منافع اسے کافی ہو، یا ایسی زمین جائیداد ہو جس کی آمدنی اسے کفایت کر جائے وہ غنی ہے اور اس لحاظ سے اکثریت اغنیاء کی ہے۔[1]

اگر فقیر یا مسکین کے پاس اس کا رہائشی گھر ہو جس کی اسے ضرورت ہو تو اس گھر سے اس کا فقر اور اس کی مسکنت ختم نہیں ہوگی اور نہ اسے اس گھر کی فروخت کا مکلف ٹھہرایا جائے گا۔ اور اسی طرح جس کے پاس اتنی زمین ہو جس کی آمدنی اس کے لیے کافی نہ ہو تو وہ فقیر یا مسکین ہے۔ ہاں البتہ اگر وہ زمین ایسی قیمتی ہو کہ اس کے فروخت کر دینے سے اسے ایسا روزگار میسر آ سکے جس کی آمدنی اسے کافی ہو جائے تو اسے فروخت کر دینے کے لیے کہا جائے گا۔

کپڑے بھی رہائشی گھر کی طرح ہیں[2] اگرچہ وہ متعدد ہوں اور برائے زیبائش ہوں۔ اور عورتوں

---

[1] بحوالہ مذکور۔

[2] اگر کسی کے پاس اپنا گھر ہو یا ایسا گھر ہو جس میں وہ رہ سکتا ہو اور اس کے باوجود وہ کرائے کا گھر لے کر رہتا ہو تو صاحب نہایۃ المحتاج کے نزدیک اس کا فقر ختم ہو گیا اور دوسرے فقہاء کے نزدیک نہیں ہوا۔ حاشیۃ الشبراملسی علی نہایۃ المحتاج : ج ۶، ص ۱۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے زیور جن کو وہ عادتاً آرائش کے لیے پہنتی ہوں، ان چیزوں سے فقر اور مسکنت ختم نہیں ہوتی۔

علمی کتابیں جن کی اسے ضرورت پیش آتی ہو، خواہ سال بھر میں ایک ہی مرتبہ ان کی ضرورت ہوتی ہو اور خواہ وہ کتابیں فقہ و حدیث اور تفسیر کی ہوں یا طب اور دیگر دنیوی علوم کی ہوں، ان کی موجودگی سے فقر اور مسکنت ختم نہیں ہوتی اور اسی طرح آلات حرفت اور ادویاتِ صنعت سے فقر اور مسکنت ختم نہیں ہوتی۔

نیز وہ مال جس سے مالک انتفاع نہ کر سکے اس کی ملکیت سے فقر اور مسکنت ختم نہیں ہوتے مثلاً اس کا مال کسی دوسرے ملک میں ہو اور وہ اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکتا ہو، یا ظالم حکومت نے جبراً اس پر کوئی پابندی لگا دی ہو یا کسی کی زیرِ حفاظت (CUSTODY) دے دیا ہو۔

یہی صورت ان قرضوں کی ہے جو کسی شخص نے ایک مدت مقررہ کی ادائیگی پر دیئے ہوں (دیونِ مؤجل) کہ ان سے اس شخص کا فقر اور مسکنت ختم نہیں ہوتے اس لیے کہ فی الحال وہ تنگدست ہے اور جب تک قرضوں کی وصولیابی کا وقت نہ آجائے وہ تنگدست ہی ہے[1]

فقراء اور مساکین کے حصہ میں غنی (مالدار) حصہ دار نہیں ہوتا

فقر اور مسکنت کی وضاحت اور ان مستحقین کی تحدید کے لیے جن میں فقر یا مسکنت موجود ہو ضروری ہے کہ ان کے بالمقابل وصف کا بیان کیا جائے، جس وصف کا حامل فقر اور مسکنت کے وصف سے خالی متصور کیا جائے اور یہ وصف غنا (مالداری) ہے۔

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فقراء اور مساکین کے حصہ میں سے کوئی بھی حصہ کسی مالدار کو نہیں مل سکتا اس لیے کہ زکوٰۃ فقراء اور مساکین کا حصہ ہے اور غنی (مالدار) ان میں داخل نہیں ہے۔ اور ذیل میں ثبوت ہے کہ

وزکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء پر لوٹائی جاتی ہے؟

اور آپ کا فرمان ہے کہ

---

[1] نہایۃ المحتاج، ج ۶، ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"غنی کو صدقہ حلال نہیں ہے"[1]

اور نیز اس لیے کہ اگر غنی کو یہ مال مل جائے گا تو ظاہر ہے کہ جو اصل مستحق ہے وہ محروم رہ جائے گا جو خلافِ حکمت ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے کہا ہے[2]

لیکن مسئلہ زکوٰۃ کے ضمن میں ہم کس شخص کو غنی قرار دے سکتے ہیں اور غنا (مالداری) کی کیا حد مقرر کر سکتے ہیں۔

مالداری (غنا) کی وہ حد جو وصول زکوٰۃ سے مانع ہے

فقہائے کرام کا غنا (مالداری) کی اس حد پر اتفاق ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے یعنی یہ کہ خاص شرائط کے ساتھ کوئی شخص کسی افزائش پذیر مال کے مقررہ نصاب کا مالک ہو۔ جبکہ غنا (مالداری) کی اس حد میں جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہو جائے درج ذیل آرا ہیں[3]

امام ثوریؒ وغیرہ کا مسلک

امام سفیان ثوریؒ ابن المبارکؒ اور اسحاق بن راہویہ[4] کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پچاس درہم یا اس کے مساوی سونے یعنی چوتھائی نصاب کا مالک ہو اس پر زکوٰۃ اور صدقات میں سے لینا حرام ہے۔

دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سوال کرے اور اس کے پاس مال ہو جو اسے غنی کر دے تو وہ روزِ قیامت زخمی چہرہ لیے ہوئے آئے گا۔ کسی نے آپ سے

---

[1] ابوداؤد، ترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

[2] المغنی مع الشرح الکبیر۔ ج ۲، ص ۵۲۳۔

[3] غنا کی ایک صورت یہ ہے کہ اس میں سوال نہ ہو اگرچہ لینے کی اجازت ہو، اس لیے کہ شریعت میں سوال کرنا ضرورت ہی کے وقت جائز ہے۔ اگرچہ اس بارے میں بھی اختلاف ہے جسے ہم آگے کسی مناسب موقعہ پر بیان کریں گے۔

[4] معالم السنن، ج ۲، ص ۲۲۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوچھا کہ غنیٰ کیا ہے آپؐ نے فرمایا کہ کسی کے پاس پچاس درہم یا اس کی قیمت کے بقدر سونا ہو تو وہ غنی ہے۔[1]

یہ مسلک امام احمدؒ سے بھی مروی ہے۔

اس روایت میں یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ اس میں نقود (سونا اور چاندی) کی ملکیت میں اور دوسری اشیاء کی ملکیت میں فرق کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نقود کے علاوہ اشیاء کا مالک ہو اور ان اشیاء سے اس کی کفایت نہ ہوتی ہو تو وہ غنیٰ نہیں ہے اگرچہ ان کی قیمت زیادہ ہو۔ اور اگر پچاس درہم یا اس کے بقدر سونے کا مالک ہو تو وہ غنیٰ ہے اس لیے کہ نقود کے ذریعہ وہ بلاواسطہ اپنی ضروریات رفع کر سکتا ہے جبکہ دیگر اشیاء سے نہیں کر سکتا۔

لیکن محدثین کرام نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے ضعف کی وجوہ بھی بیان کی ہیں[2] اور اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو فقہاء نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس کا مخاطب مخصوص لوگ تھے جو پچاس درہم سے تجارت کر رہے اور اس سے بقدر کفایت منافع حاصل کر رہے تھے۔ جبکہ بعض دیگر فقہاء نے یہ توجیہ کی ہے کہ جس وقت آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا اس وقت بالعموم پچاس درہم کافی ہو جاتے تھے[3]

اور ایک توجیہ اس کی یہ ہے کہ اس کا تعلق سوال سے ہے کہ جو پچاس درہم کا مالک ہو اس کو مانگنا حرام ہے لیکن لینا حرام نہیں ہے اور یہ تاویل زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم ہوں اس کو صدقہ جائز نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ سوال کرنا مکروہ ہے کیونکہ سوال ضرورت پڑنے پر کیا جاتا ہے۔

---

[1] ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ۔ ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور باقی ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔ مختصر السنن للمنذری: ج ۲، ص ۲۲۶، ۲۲۷۔

[2] الانصاف: ج ۲، ص ۲۲۱، ۲۲۲۔

[3] معالم السنن۔ ج ۲، ص ۲۲۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جس کے پاس وقتی گزارے کے لیے کچھ رقم موجود ہو اسے سوال نہیں کرنا چاہیے۔[1]

فقہائے احناف کی رائے

فقہائے احناف کے نزدیک جس غنی کو صدقہ لینا حرام ہے اس کے دو پہلو ہیں، یا تو وہ:۔

۱) کسی مال کے نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو، مثلاً پانچ مویشی اونٹوں کا مالک ہو، یا اس کے پاس دو سو درہم ہوں یا وہ بیس دینار رکھتا ہو (۸۵ گرام سونا) اس لیے کہ شریعت میں دو ہی قسمیں ہیں یعنی ایک تو غنی ہے جس سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اور ایک فقیر ہے جسے زکوٰۃ لوٹائی جاتی ہے۔ اور ایک ہی وقت کسی شخص کا غنی بھی ہونا اور فقیر بھی ہونا درست نہیں ہے مثلاً کوئی شخص صاحب نصاب ہو اور اس پر زکوٰۃ لازم آتی ہو مگر وہ کثیر العیال ہو اور اس کے بہت سے اخراجات کی ضرورت ہو، تو اس شخص کو بھی نہ تو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور نہ اس کا قبول کرنا درست ہے۔

بعض حنفی فقہاء نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں نقود (زر نقد) کا حساب ہوگا، خواہ کوئی بھی مال اس کے پاس موجود ہو اور خواہ وہ مال بجائے خود نصاب ہو یا نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص کے پاس چالیس بکریاں ہیں جو کہ بکریوں کا تو نصاب ہے لیکن ان کی قیمت دو سو درہم نہیں بنتی، تو اس اعتبار سے اسے فقیر متصور کیا جائے گا، اسے زکوٰۃ بھی دی جائے گی اور اسے زکوٰۃ لینا جائز بھی ہوگا۔

اس رائے کے حق میں اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ کہ

وجس کے پاس ضرورت کا مال موجود ہو اور وہ سوال کرے تو اس کا سوال کرنا الحاف میں داخل ہے، آپ سے سوال کیا گیا کہ ضرورت کی کیا مقدار ہے۔ فرمایا دو سو درہم۔"

مگر یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کا تعلق اُس غنا سے ہے جس میں سوال کرنا درست نہیں ہے اور اس سے ان فقہاء کی رائے کی تردید نہیں ہوتی جو یہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس دو سو درہم ہوں مگر وہ اس کی ضرورت کو کافی نہ ہوں تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے، اس لیے کہ غنا

---

[1] بحوالہ مذکور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جس مقدار سے سوال کرنا حرام ہو جاتا ہے اس مقدار سے زکوٰۃ کا لینا حرام نہیں ہوتا۔

ان دونوں مذکورہ بالا آراء کے بارے میں فقہائے حنفیہ کے مابین طویل مباحث ہیں، جنھیں ان کی کتابوں میں دیکھا جائے[1]

۲) اس کے پاس اس کی ضرورت سے فاضل مال ہو اور اس کی قیمت دو سو درہم بنتی ہو مثلاً زائد از ضرورت کپڑے، بستر، سامان، کتابیں، گھر، دکانیں، اور سواری کے جانور وغیرہ ہوں جو برائے تجارت نہ ہوں بلکہ برائے استعمال ہی ہوں، اگر اس زائد از ضرورت سامان کی قیمت دو سو درہم ہو تو اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔

مثلاً کسی کے پاس دو گھر ہوں اور ان میں سے ایک گھر زائد از ضرورت ہو جس کی قیمت دو سو درہم ہو تو اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا، یا مثلاً گاڑیاں اور پیشہ ورانہ آلات اسے میراث میں ملے ہوں اور اس کے کام نہ آتے ہوں اور وہ بقدر نصاب قیمت کے حامل ہوں تو اُسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا۔

الکاسانی البدائع میں لکھتے ہیں —

والکرخی نے اپنے مختصر میں ذکر کیا ہے کہ اگر کسی کا گھر ہو اور گھر کا سامان بھی ہو یعنی بستر، کپڑے، ہتھیار، خادم اور کتابیں وغیرہ اور ان میں بقدر دو سو درہم اشیاء ضرورت سے زائد ہوں تو اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ صحابہ کرام اس شخص کو بھی زکوٰۃ دیا کرتے تھے جو گھوڑے، گھر اور خادم کی صورت میں دس ہزار درہم کا مالک ہوتا تھا —

اس لیے کہ یہ اشیاء ضروریات میں داخل ہیں اور بلحاظ زکوٰۃ ان کا وجود اور عدم وجود مساوی ہے[2]

---

[1] مثلاً ملاحظہ کیجئے۔ الدر المختار وحاشیۃ رد المحتار: ج ۲، ص ۸۸، ۸۹۔
مجمع الانہر، ودر المنتقی، ص ۲۳۳۔

[2] الکاسانی: بدائع الصنائع: ج ۲، ص ۴۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'الفتاویٰ' میں ہے کہ اگر کسی کے پاس برائے آمدنی کوئی دکان ہو یا کوئی باغ ہو اور اس کی پیداوار آتی ہو مگر یہ آمدنی اس کی اور اس کے اہل خانہ کی ضرورت کو کافی نہ ہو تو وہ فقیر ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا زکوٰۃ لینا جائز ہے مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

اور اگر اس کے پاس دو سو درہم کی کھانے کی اشیاء ہوں جو اسے ایک ماہ یا ایک سال کے لیے کافی ہوں تو ایک قول یہ ہے کہ اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ غذا خرچ کے لیے ہے اس لیے نہ ہونے کے درجے میں ہے، اور مروی ہے کہ آپؐ ازواج مطہرات کی ایک سال کی اجناس محفوظ فرما دیتے تھے۔

اور اگر کسی کے پاس گرمی کے موسم میں سردیوں کے کپڑے ہوں تو اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

'فتاویٰ تاتارخانی' میں 'الصغریٰ' سے مروی ہے کہ اگر کسی کے پاس گھر برائے سکونت ہو اور گھر اتنا بڑا ہو کہ اس کا کچھ حصہ استعمال میں نہ آتا ہو تو اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ (یعنی اگر وہ فقیر ہو)

امام محمدؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص کے پاس زمین ہو جس میں زراعت ہوتی ہو، یا دوکانیں ہوں جن کی آمدنی آتی ہو یا اس کے پاس گھر ہو جس کی آمدن تین ہزار کی ہو جو اس کے اور اس کے اہل خانہ کے اخراجات کے لیے کافی نہ ہو۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ اس شخص کو زکوٰۃ لینا جائز ہے خواہ اس کی یہ ناکافی آمدن ہزاروں تک پہنچتی ہو، مگر امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، لیکن فتویٰ امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہے۔

ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ عورت کا جہیز کا سامان کپڑے، برتن وغیرہ عورت کے استعمال کی اشیا ہیں اور ضروریات میں داخل ہیں۔ لیکن جو زیورات، سامان اور برتن وغیرہ ضرورت کے نہ ہوں بلکہ محض آرائش کے ہوں وہ اگر بقدر نصاب ہوں تو عورت غنیٰ (مالدار) متصور ہوگی۔

ابن عابدین فرماتے ہیں کہ میں نے فتاویٰ تاتارخانیہ، میں باب صدقۂ فطر میں دیکھا کہ حضرت حسن بن علیؓ سے سوال کیا گیا کہ اگر کسی عورت کے پاس جواہر اور موتی ہوں جو وہ تقریبات میں پہنتی ہو اور یہ اشیاء برائے تجارت نہ ہوں تو کیا ان پر صدقۂ فطر ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر بقدر نصاب ہوں تو صدقہ خطر لازم ہے۔ اور عمر الحافظ نے اس بارے میں کہا کہ اس عورت پر کچھ لازم نہیں ہے۔

اس پر ابن عابدین کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ زر نقد کے علاوہ زیورات کے حوائج اصلیہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے[1]

امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ کا مسلک

آخری مسلک یہ ہے کہ غنا (مالداری) یہ ہے کہ بقدر کفایت موجود ہو اور احتیاج نہ ہو، اور احتیاج نہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ حرام ہے اگرچہ وہ کسی شئے کا مالک نہ ہو اور اگر احتیاج ہو تو زکوٰۃ لینا حلال ہے خواہ نصاب کا مالک ہو یا کئی نصابوں کا مالک ہو۔ یہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک ہے۔

خطابی بیان کرتے ہیں کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غنا (مالداری) کی کوئی حد متعین نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں انسان کی وسعت کی حالت کا اعتبار ہوگا یعنی اگر اس کے پاس بقدر کفایت موجود ہو تو اسے زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اگر اسے ضرورت ہو تو اس کے لیے صدقہ حلال ہے[2]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا ذریعۂ معاش (کسب) موجود ہو تو وہ ایک درہم ہونے کی صورت میں بھی غنی ہے لیکن اگر وہ کسب کے قابل نہیں ہے اور کثرت عیال کا حال ہے تو وہ ہزار دینار کا مالک ہونے کے باوجود بھی غنی نہیں ہوگا[3]

اس مسلک کی تائید نصوص کتاب و سنت اور روح شریعت سے ہوتی ہے اور زبان و لغت سے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ بہر حال اس مسلک کے حق میں دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) قبیصۃ بن المخارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی کسی

---

[1] حاشیۃ رد المحتار، ج ۲، ص ۸۸، ۸۹۔ ط۔ استانبول

[2] معالم السنن، ج ۲، ص ۲۲۷۔

[3] بحوالۂ مذکور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمے داری کے پورا کرنے کے لیے سوال کیا تو آپ نے فرمایا، صرف تین اشخاص کو سوال کرنا درست ہے جس پر فاقہ ہو اور اسے زندگی کے تحفظ کے لیے سوال جائز ہو جائے۔[1]

ب) ضرورت فقر ہے اور فقر غنا کی ضد ہے اور اس لحاظ سے جو محتاج ہے وہ فقیر ہے اور اس نص کے عموم میں داخل ہے اور جو غنی ہے وہ ان نصوص کے عموم میں داخل ہے جہاں زکوٰۃ لینے کی حرمت بیان کی گئی ہے۔

اور اس امر کی دلیل کہ احتیاج (ضرورت) ہی فقر ہے اللہ سبحانہٗ کا یہ فرمان ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ (فاطر: ۱۵)

لوگو تم ہی اللہ کے محتاج ہو۔

اور کسی شاعر کا قول ہے کہ

وَإِنِّي إِلَى مَعْرُوفِهَا لَفَقِيرٌ

آیت میں اور شعر میں دونوں جگہ فقر کے معنی احتیاج (ضرورت) کے ہیں۔

اس پر دو امور متفرع ہوتے ہیں:۔

اول: یہ کہ جس شخص کے پاس حسب کفایت مال ہو خواہ وہ مال قابل زکوٰۃ ہو یا نہ ہو۔ یا اس کے کسب و عمل سے حاصل ہوا ہو یا کسی زمین وغیرہ کا کرایہ ہو — ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور اس کفایت کا اعتبار خود اس کے حق میں اس کے اہل خانہ کے حق میں اور اس کے تمام زیر کفالت افراد کے حق میں تصور کیا جائے گا کیونکہ ہر ایک کی ضرورت پوری کرنا اس پر لازم ہے اس لیے یہ ضرورت اسی کی ضرورت سمجھی جائے گی۔

اس لحاظ سے وہ تمام افراد جو ملازم ہوں یا یومیہ اُجرت یافتگان کارکن ہوں ان کی وقت مقررہ پر حاصل ہونے والی آمدنی ان کو غنی بنا دینے والی ہوگی اور ان کے غنا کو ان کے مال و ثروت سے نہیں معلوم کیا جائے گا۔

www.KitaboSunnat.com

---

[1] مسلم، ابوداؤد، نسائی — ملاحظہ کیجیے: حدیث ۱۵۷۵ - ج ۲، مختصر السنن للمنذری - یہ حدیث مکمل صورت میں آگے آ رہی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے کہ اگر ہر اُس شخص کو فقیر قرار دیا جائے جو نصاب زکوٰۃ کا مالک نہ ہو تو یہ مذکورہ افراد بھی فقیر ہی متصور ہوں گے اور مستحق زکوٰۃ بن جائیں گے جو ظاہر ہے کہ درست نہیں ہے۔

دوم: یہ کہ جو شخص کسی مال کے نصاب زکوٰۃ یا اس سے بھی زائد کا مالک ہو لیکن وہ اس کی اور اس کی زیر کفالت افراد کی کفایت کے لیے کافی نہ ہو تو وہ غنی نہیں ہے اور وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

مثلاً کسی کے پاس ایک ہزار دینار یا زیادہ کا سامان تجارت ہو لیکن مہنگائی کی بنا پر یا کثرت عیال کی بنا پر اس کے منافع سے اس کی کفایت نہ ہوتی ہو تو اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

اور جس کے پاس بقدر نصاب مویشی ہوں، یا پانچ وسق پیداوار کی زرعی زمین ہو لیکن اس سے اس کی کفایت نہ ہوتی ہو تو اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے لیکن یہ زکوٰۃ لینے کا جواز خود اس پر وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے کیونکہ جس غنا سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ تو کچھ شرائط کے ساتھ نصاب کا مالک ہو جانا ہے جب کہ جو غنا زکوٰۃ کے لینے سے مانع ہے وہ غنا ہے جس سے کفایت حاصل ہو جائے اور ان دونوں کے درمیان کوئی تلازم نہیں ہے[1]

البہوتی بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ سے ایک گفتگو کے دوران میں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے پاس اتنی مقدار میں اونٹ یا بکریاں ہوں کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے، حالانکہ (وہ اپنی ضرورت کے لحاظ سے) فقیر ہی ہو، یا کسی کے پاس اگر مزروعہ زمین ہو مگر وہ اس کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہو تو کیا اُسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے آپؒ نے فرمایا کہ ہاں۔

اور حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا کہ انھیں خواہ ان کے پاس اتنے اور اتنے اونٹ ہوں[2]

محمد بن الحکم نے امام احمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایسی زمین جائیداد ہو جس سے اسے دس ہزار یا زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہو لیکن اسے وہ کافی نہ ہو تو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے[3]

---

[1] شرح غایۃ المنتہی: ج ۲، ص ۱۳۵۔

[2] المغنی، ج ۲ ص ۶۶۴۔

[3] شرح الغایۃ، ج ۲، ص ۱۳۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز جب ان سے پوچھا گیا کہ اگر کسی کے پاس زرعی زمین ہو اور اس میں فصل کھڑی ہو لیکن اس کے پاس کٹائی کے لیے کچھ نہ ہو تو کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے آپ نے فرمایا: ہاں۔[1]

اور شرح الغایۃ میں یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس کتب مطالعہ ہوں، یا پہننے کے زیورات ہوں یا کرائے پر دینے کے لیے ہوں لیکن اسے ان کی احتیاج ہو تو یہ ملکیت اسے زکوٰۃ لینے سے مانع نہیں ہے۔[2]

فقیر جو کسب کی قدرت رکھتا ہو

چونکہ استحقاق (زکوٰۃ کے مستحق ہونے) کا مدار حاجت پر ہے کہ کسی شخص کے پاس اس قدر ہو جس سے اس کی اور اس کے زیر کفالت کی ضرورت پوری ہو سکے۔ اس اصول کے مدِ نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص حاجتمند تو ہو لیکن کام نہ کرتا ہو اور معاشرے پر بوجھ بن کر محض زکوٰۃ اور صدقات پر گزر کرنا چاہتا ہو، حالانکہ جسمانی لحاظ سے وہ محنت کرنے کے قابل ہو، تو کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

اس مقام پر میں مسلک شافعی اور مسلک حنبلی کے فقہاء کی اس رائے کو ترجیح دیتا ہوں کہ فقراء اور مساکین کے حصہ کی زکوٰۃ نہ تو کسی غنی کو دینا درست ہے اور نہ کسی ایسے شخص کو دینا مناسب ہے جو کسبِ لائق کی قدرت رکھتا ہو اور اس کسب سے وہ اپنی اور اپنے زیر کفالت افراد کی روزی حاصل کر سکتا ہو۔[3]

اس مسلک کی تائید نصوص شریعت اور قواعد اسلام سے بھی ہوتی ہے اور فقہائے احناف جن کے نزدیک کمانے کے قابل فقیر کو دینا جائز ہے، وہ بھی اس رائے کے قائل ہیں کہ خود فقیر کے لیے لینا درست نہیں ہے، اس لیے کسی منفعت کے بجائے خود جائز ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ لازماً اسے حاصل بھی کیا جائے، جیسے کوئی شخص کسی غنی کو فقیر سمجھتے ہوئے زکوٰۃ دے دے

---

[1] بحوالہ مذکور۔

[2] بحوالہ مذکور۔

[3] المجموع، ج ۶، ص ۲۲۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اس صورت میں دینے والے کا دینا تو درست ہے مگر لینے والے کا لینا جائز نہیں ہے۔

جمہور فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ کسب کے قابل فقیر کا زکوٰۃ لینا جائز تو ہے لیکن جب تک اس کے پاس زندہ رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ موجود ہو اس کے لیے نہ لینا ہی زیادہ بہتر ہے[1]

اور مسلکِ مالکؒ کے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ کسب کی قدرت رکھنے والے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے[2]

ہم اس رائے کا اظہار کر چکے ہیں کہ اس مسلک کی تائید نصوص شریعت اور قواعد اسلام سے ہوتی ہے اس لیے کہ اسلامی نظامِ حیات ہر اس شخص پر عمل کسب کو لازم قرار دیتا ہے جس کو جسمانی توانائی حاصل ہو اور یہی نہیں بلکہ اسلامی نظام ہر شخص کے لیے رزقِ حلال کے حصول کے مواقع پیدا فرماتا ہے اور اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی صلاحیت اور عمل کو بروئے کار لائے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ

> "کوئی شخص اس غذا سے بہتر غذا نہیں کھاتا جو اسے اس کے اپنے عمل سے حاصل ہوئی ہو"[3]

اور اس لحاظ سے کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے وہ کسب کی قدرت رکھنے کے باوجود، حصولِ رزق کی جدوجہد نہ کرے اور لوگوں کے صدقات پر گزارہ کرے اور دستِ سوال دراز کرے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت سے فرمایا ہے کہ "کسی بھی مالدار شخص کو قوی مضبوط آدمی کو اور جس کا جسم سلامت ہو زکوٰۃ قبول کرنا جائز نہیں ہے"[4]

---

[1] مجمع الانہر، ص ۲۲۰۔

[2] اس قول کو یحییٰ بن عمر کا بتایا گیا ہے۔ دیکھیے۔ حاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۴۹۴۔

[3] اس حدیث کو بخاریؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ دیکھیے۔ الترغیب والترہیب: للمنذری ج ۲ کتاب البیوع۔

[4] پانچ محدثین صحاح نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الطبری نے زہیر عامری سے روایت کیا ہے کہ ان کی عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی، تو انھوں نے ان سے پوچھا کہ زکوٰۃ کا مال کس کے لیے ہے؟ انھوں نے فرمایا، کہ لنگڑوں کے لیے، اندھوں کے لیے، برہنہ جسموں کے لیے اور کمزوروں، مصیبت زدہ لوگوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو کمانے سے عاجز ہوں۔ زہیر نے پھر پوچھا کہ کار زکوٰۃ میں مصروف لوگوں اور فی سبیل اللہ کے مصرف میں سے مجاہدین کا بھی حق ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ مجاہدین کے لیے اتنا جائز ہے جتنا ان کی جہاد کی ضرورت کے لیے لازمی ہو اور اسی طرح زکوٰۃ کے کاموں میں مصروف لوگوں کے لیے ان کی محنت کے بقدر لینا درست ہے، بعد ازاں انھوں نے فرمایا کہ کسی بھی مالدار شخص کو، قوی مضبوط آدمی کو اور اس شخص کو جس کا جسم سلامت ہو زکوٰۃ قبول کرنا جائز نہیں ہے[1]

یہ آخری الفاظ متعدد صحابہ کرام مرفوعاً نبی کریمؐ سے مروی ہیں اور خود عبداللہ بن عمرو بن العاص نے انھیں ایک اور روایت میں نبیؐ سے مرفوعاً روایت کیا ہے[2]

بہر حال اگر مناسب ذریعہ کسب موجود نہ ہو جس سے کفایت ہو سکے تو محض جسمانی صلاحیت اور قوت کا اعتبار نہ ہوگا کہ جسمانی قوت سے جسم برہنہ ملبوس نہیں ہو سکتا اور بھوکے شخص کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسب کرنے والے کو ذریعہ کسب میسر نہ آئے تو اس کے لیے زکوٰۃ حلال ہے، کیونکہ وہ عاجز ہے[3]

اور مذکورہ بالا حدیث میں سلامتی جسم اور مضبوط و قوی کے الفاظ آئے ہیں تو ان کے عموم کی ایک اور حدیث سے تقیید ہو گئی ہے اور وہاں بتا دیا گیا ہے کہ قوت جسمانی کے ساتھ

---

[1] تفسیر الطبری، بتحقیق محمود شاکر، ج ۱۴، ص ۲۳۱۔

[2] اس حدیث کو نبیؐ تک حضرات ابوہریرہؓ، حبشی بن جنادہؓ، جابرؓ، طلحہؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور ابن عمرؓ نے مرفوع کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔ نصب الرایہ، ج ۲، ص ۳۹۹، ۴۰۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳، ص ۲۰۷، ۲۰۸۔ ط۔ حیدر آباد۔

[3] المجموع، ج ۶، ص ۱۹۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسب مہیا ہونا بھی ضروری ہے۔

عبیداللہ بن الخیار سے مروی ہے کہ انھیں دو افراد نے خبر دی کہ وہ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے زکوٰۃ کا سوال کیا آپؐ نے ان کی جانب نظر فرمائی تو وہ دونوں تنومند تھے، آپؐ نے فرمایا کہ تم کہتے ہو تو دیتے دیتا ہوں لیکن بہرحال زکوٰۃ میں کسب کے قابل تنومند شخص اور مالدار کا کوئی حصہ نہیں ہے[1]

آپؐ نے جو یہ فرمایا کہ اگر تم کہو تو میں دے دیتا ہوں تو یہ اس بنا پر فرمایا کہ آپؐ ان کی باطنی حالت سے واقف نہ تھے کہ ہوسکتا ہے وہ بظاہر تنومند ہوں لیکن انھیں ذریعۂ کسب میسر نہ ہو یا ہو مگر وہ انھیں کافی نہ ہوتا ہو۔

اس حدیث سے فقہاء نے ایک مسئلہ یہ اخذ کیا ہے کہ حکمراں یا مال کے مالک کے لیے اسوۂ رسولؐ کی اتباع میں اس زکوٰۃ لینے والے کو جس کی حقیقی حالت سے وہ باخبر نہ ہو نصیحت کر دینا بہتر ہے اور اسے یہ جتلا دینا اچھا ہے کہ کسی کسب کے قابل شخص کے لیے اور مالدار شخص کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں ہے[2]

بہرحال کسب سے ضرورت کے لیے کافی کسب مراد ہے کہ کسب سے بالکل عاجز ہونا شرط نہیں ہے[3] اور یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ زکوٰۃ صرف اپاہجوں، بیماروں اور قطعاً کسب سے عاجز لوگوں پر ہی صرف کی جاسکتی ہے۔ بلکہ بقول امام نوویؒ اعتبار اس کسب کا ہے جس سے ضروریات پوری ہوجائیں اور انسانی شرافت برقرار رہے اور اگر ضروریات پوری نہ ہوسکیں تو وہ کسب نہ ہونے کے درجے میں ہے[4]

---

[1] اس روایت کو احمدؒ، ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے روایت کیا ہے، امام احمدؒ نے اس حدیث کو نہایت جید (عمدہ) قرار دیا ہے اور نوویؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (المجموع، ج ۶، ص ۱۸۹) ابوداؤد اور اس کے شارح المنذری نے سکوت اختیار کیا ہے (مختصر السنن، ج ۲، ص ۲۳۳)

[2] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۷۰۔

[3] بحوالۂ مذکور۔

[4] المجموع، ج ۶، ص ۱۹۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس کے باوجود اگر کوئی تنومند اور باصلاحیت شخص سستی اور کاہلی کے طفیل ذریعۂ کسب کے مہیا ہونے کے باوجود بے کار بیٹھا رہے تو اسے مذکورہ بالا حدیث کے تحت زکوٰۃ لینا حلال نہ ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ کسب جس کی موجودگی میں زکوٰۃ حرام ہو جاتی ہے اس کی درج ذیل شرائط ہیں۔

۱) اس کے پاس ذریعۂ کسب موجود ہو۔

۲) جو کام اسے میسر ہو وہ از روئے شریعت حلال ہو، کیونکہ جو کام شرعاً جائز نہیں ہے وہ نہ ہونے کے درجے میں ہے۔

۳) اس کام کو بغیر ایسی محنت شاقہ کے انجام دے سکے، جتنی محنت کا بالعموم انسان متحمل نہیں ہوتا۔

۴) وہ کام اس کے لیے موزوں اور اس کی حالت، مرتبہ اور معاشرتی مقام کے مناسب ہو۔

۵) اس قدر اس سے حاصل کر سکے جس سے اس کی کفایت ہو جائے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت کی نظر میں ہر وہ شخص جو کسب کی قدرت رکھتا ہو اُسے اتنا کسب حاصل ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے، مزید برآں معاشرے کی بالعموم اور حکمرانوں کی بالخصوص یہ ذمے داری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اس کی مدد کریں۔ اور جو شخص کسب سے عاجز ہو یعنی وہ بچہ ہو، یا بوڑھا ہو، یا پاگل ہو، یا بیمار ہو، یا کسب کی قدرت رکھتا ہو مگر وہ بے اپنے مناسب کسب نہ پاتا ہو، یا کسب اسے میسر ہو مگر اس سے اس کی اور اس کے زیر کفالت افراد کی کفایت نہ ہوتی ہو تو اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے اور اس کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ اسلام کی بہترین تعلیمات ہیں جو سراپا عدل و رحمت ہیں اور اس مادہ پرستانہ نظریہ سے کہیں بہتر ہیں جس میں کہا جاتا ہے کہ ــــ "جو کام نہیں کرتا وہ نہ کھائے"۔ یہ اصول درحقیقت غیر اخلاقی، غیر طبعی اور غیر انسانی ہے اور اگر آپ کائنات میں غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ متعدد پرندے اور حیوانات بھی کمزور جانوروں کی امداد کرتے ہیں اور انھیں سہارا دیتے ہیں تو کیا مادیت یہ چاہتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انسان جانوروں سے بھی فروتر ہو جاتے۔

عبادت میں مصروف شخص کا زکوٰۃ لینا درست نہیں ہے

یہاں پر یہ ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ فقہائے اسلام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی کسب پر قدرت رکھنے والا شخص سب کچھ چھوڑ کر محض عبادت الٰہی میں مصروف ہو جائے تو نہ اُسے زکوٰۃ دی جائے گی اور نہ اس کے لیے اسے لینا حلال ہوگا اس لیے کہ اس کی عبادت کا فائدہ خود اس کی ذات تک محدود ہے[1] اور اسلام میں نہ تو رہبانیت کی اجازت ہے اور نہ ہی یہ شخص کسبِ حلال کے اسلامی حکم سے مستثنیٰ ہے بلکہ اگر دیکھا جائے تو نیت صادقہ کے ساتھ اور حدودِ الٰہی کی پابندی کے ساتھ کسبِ عبادات سے بھی زیادہ افضل ہے۔

علم کے حصول کے لیے وقف آدمی زکوٰۃ لے سکتا ہے

اگر کوئی شخص علمِ نافع کی طلب میں لگا ہُوا ہو اور حصول علم کے ساتھ وہ کسبِ حلال نہ کر سکتا ہو تو اسے بقدرِ ضرورت زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اور اس کے فریضۂ حصول علم کی تکمیل کے لیے کتابوں کے لیے بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اس لیے کہ طلبِ علمِ دین فرض کفایہ ہے اور اس کے علم کا فائدہ خود اس تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام امت کے لیے ہے اور یہ اس کا حق بنتا ہے کہ اس کی مالِ زکوٰۃ میں سے مدد کی جائے، کیونکہ زکوٰۃ کے مصارف کے دو پہلو ہیں کہ یا تو مسلمانوں میں سے جو محتاج ہو اسے دی جائے یا جس سے مسلمانوں کی ضرورت وابستہ ہو اس کو دی جائے اور یہاں یہ دونوں باتیں جمع ہیں۔

اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ زکوٰۃ صرف ایسے طلبہ کو دی جائے جو ذہین ہوں اور ان کے علم سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچنے کی توقع ہو، اگر یہ بات نہ ہو تو جو طالب علم کسب کی قدرت

---

[1] النووی: الروضۃ، ج ۲، ص ۳۰۹، المجموع، ج ۶، ص ۱۹۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھتا ہوا سے زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے[1] یہ ایک عمدہ قول ہے اور اسی پر جدید ریاستیں (MODERN STATES) عمل پیرا ہیں کہ باصلاحیت اور ذہین طلبہ کی تعلیم میں حکومت تعاون کرتی ہے اور انھیں وظائف دے کر اندرون ملک اور بیرون ملک اعلیٰ تعلیم دلواتی ہے۔

جن کا حال پوشیدہ ہو اور دست سوال کرنے سے گریز کریں وہ زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں۔

جن لوگوں کو اسلام کی واقفیت نہیں ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ فقراء و مساکین جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں، یہ وہ ناکارہ اور بے کار لوگ ہوتے ہیں جو فقیری کا بھیس بھر کر لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں اور بھکاری بن کر شاہراہوں، بازاروں اور مسجدوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔ مسکین کی یہ تصویر لوگوں کے ذہنوں میں ہمیشہ سے قائم ہے اور شاید خود عہد نبوت میں بھی بعض لوگ ایسا سمجھا کرتے تھے جس کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ درحقیقت حاجتمند لوگ کون ہیں اور کون معاشرے کے تعاون کے مستحق ہیں چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

> وہ مسکین نہیں ہے جو ایک آدھ کھجور اور ایک آدھ لقمہ لے کر چلا جائے، مسکین درحقیقت وہ ہے جو دست سوال دراز نہ کرے اور اگر تم چاہو تو یہ آیۂ مبارک پڑھ لو لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا؟ (البقرہ: ۲۷۳)

اِلْحَاف کے معنی ہیں سوال کرنے میں اصرار کرنے اور لوگوں کو تنگ کر دینے کے اور مفہوم آیت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو تنگ کر کے اور اصرار کر کے اپنی ضرورت کے لیے

---

[1] بحوالہ مذکور۔ و شرح غایۃ المنتہی، ج ۲، ص ۱۳۷، حاشیۃ الروض المربع، ج ۱، ص ۴۰۰۔ المجموع، ج ۶، ص ۱۹۰، ۱۹۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطالبہ نہیں کرتے اور جس وقت ان کے پاس بقدر ضرورت موجود رہتا ہے وہ دست سوال دراز نہیں کرتے۔ اور یہ ان فقراء مہاجرین کا وصف ہے جنھوں نے اپنی زندگیاں اللہ اور رسول ؐ کے لیے خاص کر دی تھیں اور ان کے پاس مال اور کسب نہیں تھا جس سے وہ اپنی گزر اوقات کر سکتے[1]

ان فقراء کے بارے میں اللہ سبحانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (البقرہ : ۲۷۳)

خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگیں۔

یہ لوگ اور ان جیسے دوسرے لوگ دراصل اس کے مستحق ہیں کہ ان کی اعانت کی جائے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں راہنمائی فرمائی گئی ہے۔

اور ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

ومسکین وہ نہیں ہے جو ایک یا دو لقمہ کی خاطر یا ایک دو کھجور کی خاطر لوگوں کے گھروں کا طواف کرے بلکہ مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، لیکن لوگوں کو اس کی حالت کا علم نہ ہو سکے کہ وہ اسے صدقہ کریں اور نہ ہی وہ خود کسی سے سوال کرے[2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۳۲۴۔

[2] یہ حدیث اس روایت سے متفق علیہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ وہ مسکین ہے جو درحقیقت اعانت اور امداد کا مستحق ہے اگرچہ لوگ اس سے غافل ہوں اور اس کے بارے میں نہ سمجھ پائیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال مہربانی سے ان کی جانب مسلمانوں کی توجہ دلائی ہے اور متنبہ فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بہت سے گھرانے ایسے ہو سکتے ہیں جو مانگنے سے بچتے ہوں، لیکن زمانے کی سختیوں کا شکار رہوں، یا معذوری کی بنا پر عاجز ہوں یا ان کی آمدنی کم اور عیال زیادہ ہوں یا ان کی آمدنی ان کی معقول ضروریات کے لیے ناکافی ہو۔

امام حسن بصریؒ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ جس کے پاس گھر بھی ہو اور خادم بھی ہو کہ کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے آپ نے فرمایا ہاں لے سکتا ہے اگر اسے ضرورت ہو[1]

امام محمد بن الحسنؒ کا فتویٰ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اگر کسی کے پاس زرعی زمین ہو یا آمدنی دینے والی دکانیں ہوں یا جس کی آمدنی تین ہزار درہم ہو لیکن وہ اسے اور اس کے عیال کے نفقہ کے لیے کافی نہ ہو اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے اگرچہ اس کی ملکیت کی قیمت ہزاروں کی ہو اور اسی پر فقہائے احناف کا فتویٰ ہے جیسا کہ ابن عابدین نے لکھا ہے[2]

اسی طرح کا فتویٰ امام احمد بن حنبلؒ کا اس شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس جائیداد یا زمین ہو جس کی قیمت کم و بیش دس ہزار درہم ہو، لیکن وہ اس کی ضروریات کے لیے ناکافی ہو تو اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے[3]

فقہائے شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی جائیداد کی آمدنی اس کی ضرورت کے لیے ناکافی ہو تو وہ فقیر یا مسکین ہے اور اسے اس کی ضرورت کے بقدر زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا اور اُسے اپنی جائیداد کی فروخت کا پابند نہیں کیا جائے گا[4]

---

[1] ابو عبید: الاموال، ص ۵۵۶۔

[2] رد المحتار: ج ۲، ص ۸۸۔

[3] المغنی، مع الشرح الکبیر، ج ۲، ص ۵۲۵۔

[4] المجموع، ج ۶، ص ۱۹۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فقہائے مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ جو شخص نصاب یا اس سے زائد کا مالک ہو اور اس کے پاس گھر اور خادم بھی ہو مگر یہ اس کی ضرورت کے لیے ناکافی ہو یعنی وہ کثیر العیال ہو تو اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے [1]

یعنی یہی نہیں ہے کہ زکوٰۃ صرف ایسے شخص کو دی جائے جو بالکل نادار اور جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو بلکہ درحقیقت زکوٰۃ کا دائرہ معاشرے کے ان افراد کو بھی محیط ہے جو اپنی بعض ضروریات پوری کر لیتے ہوں اور بعض دیگر نہ کر پاتے ہوں۔

فقیر اور مسکین کو زکوٰۃ میں کتنا حصہ دیا جائے؟

اس بارے میں فقہی مسالک میں اختلاف ہے کہ فقیر اور مسکین کو زکوٰۃ کتنی مقدار میں دی جائے؟

اس اختلاف رائے کے دو پہلو ہیں۔

پہلا یہ کہ ان کو بلا تعیین اتنی مقدار دی جائے جس سے ان کی پوری پوری کفالت ہو جائے۔

دوسرا پہلو یہ کہ ان کو ایک مقرر مقدار دی جائے جو بعض کے نزدیک زیادہ ہے اور بعض دیگر کے نزدیک کم ہے۔

ہم اوّلاً پہلے پہلو کو بیان کرتے ہیں کہ یہ اسلام کی روح سے زیادہ ہم آہنگ اور اس کے احکام کے زیادہ مطابق ہے، اس پہلو میں بھی دو مسلک ہیں۔

ایک مسلک یہ ہے کہ پوری عمر کی کفالت کے بقدر دیا جائے۔

اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی کفایت کے بقدر دیا جائے۔

پہلا مسلک: فقیر کو اس کی تمام زندگی کی کفایت کے بقدر دینا

اس مسلک کا مقصود یہ ہے کہ فقیر کو اس قدر دیا جائے کہ اس کا فقر ختم ہو جائے، اس کی تنگدستی اور فقیری کے اسباب کا خاتمہ ہو جائے اور اس کو دائمی طور پر کافی ہو جائے اور دوبارہ اسے زکوٰۃ

---

[1] شرح المخرشی بحاشیۃ العدوی علی خلیل، ج ۲، ص ۲۱۵، وحاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۴۹۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ضرورت نہ پڑے۔

امام نوویؒ "المجموع" میں فرماتے ہیں کہ ہمارے تمام عراقی فقہاء اور بیشتر خراسانی فقہاء اس امر کے قائل ہیں کہ فقیر اور مسکین کو اتنا دیا جائے کہ جس سے ان کا فقر ختم ہو جائے اور وہ غنی بن جائیں، یعنی ان کی دائمی کفالت ہو جائے۔ اور یہی امام شافعیؒ نے فرمایا ہے۔

اس مسلک کی دلیل قبیصۃ بن المخارق الہلالی کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

> "تین اشخاص کے سوا کسی کو سوال کرنا جائز نہیں ہے ایک تو اس کو جو کسی کے قرضہ کا ضامن ہو اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے کہ وہ اس سے قرضہ ادا کر دے اور اس کے بعد پھر نہ مانگے، دوسرے اس شخص کو جس کو کوئی مصیبت پیش آئے اور اس کا سارا مال ہلاک ہو جائے تو اسے زندگی برقرار رکھنے کے بقدر سوال کرنا جائز ہے اور تیسرے وہ جسے فاقہ ہو اور محلہ کے تین افراد اس امر کی شہادت دیں کہ وہ فاقہ سے ہے اس کو بھی مانگنا جائز ہے صرف اس قدر کہ زندگی برقرار رکھ سکے اس کے سوا سوال کرنا حرام ہے اور وہ حرام کھائے گا۔"
> (مسلم)

ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سوال کو اس وقت تک جائز فرمایا جب تک ضرورت پوری نہ ہو جائے۔

اب یہ دیکھا جائے کہ اگر فقیر و مسکین کوئی پیشہ اختیار کر سکتا ہو تو اسے اس پیشہ کے آلات و لوازمات خواہ ان آلات کی قیمت کم ہو یا زیادہ اور اس کو ایسا پیشہ دلوایا جائے جس سے اس کی تمام ضروریات پوری ہو سکیں یا اکثر ضرورتیں پوری ہو سکیں۔

ہمارے فقہاء نے اس کا ایک اندازہ اس طرح بیان کیا ہے کہ مثلاً اگر کوئی سبزی فروش ہو تو اس کو پانچ یا دس درہم دیئے جائیں اور جس کا پیشہ جوہری کا ہو اسے دس ہزار درہم دیئے جائیں اور جو شخص تاجر یا خباز (نانبائی) یا عطار یا صراف ہو اسے اسی نسبت سے دیا جائے۔ اور جو شخص درزی یا بڑھئی، یا قصاب وغیرہ اور دیگر اہل پیشہ کو ان کی ضرورت کے مطابق آلات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے کر دیئے جائیں گے۔ اور اگر کوئی کاشتکار ہو تو اس کو اتنا حصہ دیا جائے کہ وہ زمین خرید کر اسے زیر کاشت لائے اور وہ آمدنی اسے مستقل طور پر کافی ہو جائے۔

اگر کوئی شخص کسی بھی صنعت اور پیشہ سے واقف نہ ہو اور نہ وہ تجارت کر سکتا ہو اور نہ کسی اور طرح کسب کر سکتا ہو تو اسے تمام عمر کی کفایت کے بقدر مال دیا جائے گا اور ایک سال کی بقدر نہیں دیا جائے گا۔[1]

امام نووی کی المنہاج کی شرح میں شمس الدین الرملی کہتے ہیں کہ اگر فقیر اور مسکین کو کوئی پیشہ اور تجارت نہ آتی ہو تو اسے اس کی مدت عمر کی کفایت کے بقدر دے دیا جائے گا، لیکن اگر وہ اس اندازے سے زیادہ عمر پائے تو پھر بعد میں اسے سال بسال دیا جائیگا۔

جو کسب و تجارت نہ کر سکے اسے دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے نقد دیا جائے گا بلکہ درحقیقت اس کو اس قدر ملکیت دی جائے گی جس کی آمدنی اس کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو سکے، مثلاً اسے کوئی جائیداد خرید کر دی جائے جس کی آمدنی سے وہ گزر اوقات کرتا رہے اور زکوٰۃ سے مستغنی ہو جائے، یہ جائیداد اس کی ملکیت ہوگی اور اس کے بعد وارثوں کو ملے گی اور زرکشی نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ امام اس کو یہ جائیداد خرید کر دے گا اور وہ اسے اپنے پاس رکھنے اور فروخت نہ کرنے کا پابند ہوگا۔

اور اگر یہ ملکیت اس کی اکثر عمر کے لیے کافی نہ ہو تو زکوٰۃ سے اسے بقدر کفایت دیا جائے گا اور دینے کے وقت اس کا فقیر اور مسکین ہونا ضروری نہیں ہوگا۔

الماوردی کہتے ہیں کہ اگر فقیر یا مسکین کے پاس نوے (درہم یا دینار) ہوں اور اسے سو کی ضرورت ہو تو اسے دس مزید دے دیئے جائیں گے اگرچہ بغیر کسب کے یہ نوے اس کی عمر کے کئی سالوں کے لیے کافی ہوں۔

یہ تمام امور اس شخص کے بارے میں ہیں جو کسب نہ کر سکے لیکن اگر کوئی ایسا پیشہ اختیار کرے جو اسے کافی ہو تو اسے پیشہ ورانہ آلات کی قیمت دی جائے گی خواہ کتنی ہی زیادہ ہو۔

---

[1] المجموع للنووی، ج ۶، ص ۱۹۳، ۱۹۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جو بخوبی تجارت کر سکتا ہو اسے اس قدر سرمایہ دیا جائے گا جس کا منافع اس کے شہر کے رواج کے مطابق اسے کافی ہو سکے، اور یہ بات مختلف اشخاص کے لیے اور مختلف علاقوں میں مختلف ہو سکتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص کئی پیشے عمدگی سے انجام دے سکتا ہو تو ان میں سے جس پیشے کے مصارف کم ہوں وہ دیئے جائیں گے اور اگر اس کو کچھ حصہ دینے سے اس کی کفایت ہو سکتی ہو تو اسے کچھ حصہ دیا جائے گا۔[1]

یہ تصریحات امام شافعیؒ نے الام میں کی ہیں اور ان پر مسلک شافعیؒ کے فقہاء نے مزید تفریعات کی ہیں اور بڑی جزرس تفصیلات بیان کی ہیں جو فقہ اسلامی کے ذخیرۂ علمی پر دلالت کرتی ہیں۔

مسلک احمدؒ میں بھی ایک روایت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق موجود ہے اور انھوں نے بھی اس امر کو روا قرار دیا ہے کہ وہ اپنی قدر کفایت دائمی ایک ہی وقت میں لے لے اور اس سے تجارت کرے یا کوئی آلۂ صنعت لگا لے، اور یہی رائے مسلک حنبلی کے بعض فقہاء نے اختیار کی ہے اور اسے ترجیح دی ہے۔[2]

الخطابی قبیصہ کی سابق حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے کی انتہائی حد قدر کفایت ہے جس سے زندگی گزر سکے اور بھوک کا مداوا ہو جائے اور اس بارے میں انسان کی معاشرتی حالت (SOCIAL STATUS) اور معاشی کیفیت کا لحاظ کیا جائے گا جس کی کوئی مقرر حد نہیں ہے جو ہر حالت میں جاری ہو سکے۔[3]

جب زکوٰۃ دو تو غنی بنا دو

یہ مذکورہ بالا مسلک حضرت عمرؓ کے اس قول کے مطابق ہے۔ کہ

---

[1] نہایۃ المحتاج، الی شرح المنہاج، الشمس الدین الرملی ج ۶، ص ۱۵۹۔

[2] الانصاف، ج ۳، ص ۲۳۸۔

[3] معالم السنن، ج ۲، ص ۲۳۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجب زکوٰۃ دو تو غنی بنا دو۔[1]

اور یہ حکیمانہ اصول حضرت عمرؓ کی سیاسی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا عمل بھی یہی تھا کہ آپ صرف وقتی طور پر بھوک رفع کرنے کے لیے زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے بلکہ فقیر کو اس قدر دے دیا کرتے تھے کہ وہ غنی ہو جاتا تھا۔

چنانچہ ایک شخص نے جب آپ کے پاس آکر اپنی بدحالی کا ذکر کیا تو آپ نے اسے تین اونٹ دیئے تاکہ وہ تنگدستی سے محفوظ ہو جائے کیونکہ اہل عرب کے یہاں اونٹ سب سے قیمتی مال تھے۔

اور آپؓ عاملین زکوٰۃ کو کہا کرتے تھے کہ ہر مستحق کو بار بار زکوٰۃ دیتے رہو خواہ اس کے پاس سو اونٹ ہو جائیں۔[2]

ایک موقع پر آپؓ نے خود فقراء کے بارے میں اپنے طریقہ کار کی اس طرح وضاحت فرمائی کہ

وہیں ان کو دیتا رہوں گا خواہ ان کے پاس سو اونٹ ہو جائیں۔[3]

عطاء جو فقیہ بھی ہیں اور بزرگ تابعی بھی ہیں فرماتے ہیں کہ

وجب کوئی شخص کسی مسلمان گھرانے کو زکوٰۃ دے تو اس کی ضرورت پوری کر دینا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔[4]

میری رائے میں تو ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلامی ریاست فقراء اور حاجتمندوں کے لیے بطور وقف کارخانے، اور تجارتی مراکز وغیرہ بنا دے جن کی آمدنی سے ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اور انھیں اس کو فروخت کرنے کا کوئی اختیار نہ ہو۔

---

[1] الاموال ص ۵۶۵۔

[2] الاموال ص ۵۶۵، ۵۶۶۔

[3] ایضاً۔

[4] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا مسلک: ایک سال کی کفایت کے بقدر دیا جائے

دوسرا مسلک جس

مسلک کے مالکی فقہاء اور جمہور حنابلہ قائل ہیں یہ ہے کہ فقیر اور مسکین کو اس کی ایک سال کی ضروریات کے بقدر دیا جائے، کیونکہ بالعموم انسان اپنی اور اپنے اہل خانہ کی زندگی کے لیے ایک سال کی ضروریات ہی کو کافی تصور کرتا ہے اور اس سلسلے میں سنت نبوی بھی موجود ہے کہ آپؐ نے اپنے گھر والوں کے لیے ایک سال کی غذا ذخیرہ فرمائی۔[1]

نیز یہ کہ اموال زکوٰۃ بھی سالانہ ہوتے ہیں اور ہر سال زکوٰۃ کی نئی آمدنی آتی ہے جس میں قوی قیاس یہی ہے کہ وہ ہر سال مستحقین میں تقسیم ہو۔[2]

اس مسلک کے قائل کی رائے یہ ہے کہ سال کی کفایت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ جس قدر بھی کافی ہو وہی مقدار ہوگی یعنی اگر پورے سال کی کفایت کے بقدر نصاب نقد یا مویشی یا زرعی زمین دینی ہو تو دی جائے گی اگرچہ وہ اس مقدار کے بعد غنی ہو جائے کیونکہ جب اس کو دیا گیا اس وقت وہ فقیر و مستحق تھا۔[3]

شادی بھی کفایت متصور ہوگی

کفایت کے مفہوم کی مزید تحقیق اور اسلام کے مطابق اس کے اصل تصور کے بیان کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کھانے پینے، لباس اور رہائش کے ساتھ اس کی نوعی اور جنسی جبلت کو کفایت کے زمرے میں شمار کیا جائے کہ جنس سے افزائش نسل انسانی ہوتی ہے جو ارادۂ الٰہی

---

[1] متفق علیہ۔

[2] بعض مالکی فقہاء نے کہا ہے کہ اگر زکوٰۃ ہر سال تقسیم نہ کی جاتی ہو تو سال سے زیادہ کی کفایت کے بقدر دی جائے گی، جیسا کہ حاشیۃ الدسوقی ص ۴۶۴ پر ہے۔

[3] شرح الخرشی علی متن الخلیل ج ۲، ص ۲۱۵۔ حاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۴۹۴۔ فقیر کو ایک ہی مرتبہ پورے سال کی کفایت کے بقدر غذائی اشیاء اور لباس دے دیا جائے گا اور اگر مال زائد ہو تو اسے غلام اور بیوی کا مہر بھی دیا جائے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق ہے اور اسلام اس جبلت کو انسانی وجود سے علیحدہ کرنے کے بجائے اس کی تنظیم کرتا ہے اور اس کو مقررہ حدود میں جاری رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام میں اس امر کی اجازت نہیں ہے کہ انسان اپنی جنسی توانائی کو مٹا دے یا بغیر شادی کے زندگی گزار دے بلکہ اسلام نے ہر صاحب استطاعت شخص کو شادی کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ

"جو شخص تم سے مہر دینے اور گھر بسانے کی قدرت رکھتا ہو وہ شادی کرے اس لیے کہ اس سے نگاہ نیچی ہوتی ہے اور شرمگاہ زنا سے محفوظ ہو جاتی ہے۔"[1]

اس لحاظ سے شادی کے خواہشمند افراد کی جبکہ وہ اس کی مالی ذمے داریاں نہ پوری کر سکتے ہوں اعانت کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض فقہاء نے تحریر کیا ہے کہ اگر فقیر غیر شادی شدہ ہو اور اسے نکاح کی احتیاج ہو تو اس کی نکاح کی مد میں بھی مال دینا کفایت کے ضمن میں شامل ہوگا[2] اور بعض فقہاء اس حد تک چلے گئے ہیں کہ اگر ایک بیوی اس کے لیے کافی نہ ہو تو دو بیویاں کر سکتا ہے اور یہی اس کے حق میں اتمام کفایت ہوگا۔[3]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی جانب سے ایک منادی یہ آواز دیا کرتا تھا کہ کوئی مسکین ہے، کوئی مقروض ہے، کوئی نکاح کا خواہشمند ہے۔ اور پھر ان سب کی ضرورتیں بیت المال سے پوری کی جاتیں۔[4]

اس سلسلے میں اصل یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے، آپؐ نے پوچھا کتنے مہر پر؟ اس نے کہا کہ چار اوقیہ پر (۴۰×۴ = ۱۶۰ درہم)

---

[1] امام بخاریؒ نے اس حدیث کو کتاب الصوم میں روایت کیا ہے۔

[2] حاشیۃ الروض المربع، ج ۱، ص ۴۰۰۔ ہاشم، مطالب اولی النہی: ج ۲، ص ۱۳۷۔

[3] شرح کتاب النیل وشفاء العلیل فی فقہ الاباضیہ: ج ۲، ص ۱۳۵۔

[4] البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ج ۹، ص ۲۰۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر آپؐ نے فرمایا چار اوقیہ پر؟ ایسا لگتا ہے کہ تم چاندی پہاڑ میں سے کاٹ کر لے آتے ہو، اتنا تو ہمارے پاس دینے کو نہیں ہے شاید ہم اگلی آمد میں تمہاری ضرورت پوری کر دیں[1]

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دورِ نبوتؐ میں دربارِ رسالت سے مہر کی ادائیگی ایک معمول تھا اور اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت ہمارے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے لیکن ہم بعد میں دے دیں گے۔

کُتبِ علم فراہم کرنا کفایت میں سے ہے

اسلام عقل کی تکریم کرتا ہے اور دعوتِ علم دیتا ہے اور عُلماء کے مقام کو سربلند کرتا ہے اور علم کو ایمان کی کنجی اور عمل کا ذریعہ قرار دیتا ہے اور مقلد کے ایمان اور جاہل کی عبادت کو قابلِ شمار متصور نہیں کرتا بلکہ وضاحت سے ارشاد ہوتا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

(الزمر : ۹)

کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں۔

جاہل اور عالم کے مابین فرق کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ

(فاطر : ۱۹، ۲۰)

اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہیں۔

اور فرمانِ نبوتؐ ہے کہ

"حصولِ علم ہر مسلمان پر فرض ہے"[2]

---

[1] نیل الاوطار، ص ۳۱۶۔ اُواقی، اُوقیہ کی جمع ہے اور اس وقت ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوا کرتا تھا اور اس وقت ایک بکری پانچ سے دس درہم تک آیا کرتی تھی۔ اس لحاظ سے مہر کی یہ رقم زائد ہوتی۔

[2] ابن عبدالبر نے العلم میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے اور السیوطی نے اس پر صحت کی علامت قائم کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ واضح رہے کہ یہاں پر علم سے مراد صرف علمِ دین نہیں ہے بلکہ ہر وہ مفید علم ہے جو مسلمانوں کی دنیا کی زندگی میں فائدہ مند ہو ان کی جسمانی صحت کے لیے فائدہ بخش ہو، ان کی اقتصادی اور عمرانی ترقی کے لیے ضروری ہو اور انھیں ان کے دشمن پر برتری عطا کرنے والا ہو اور یہ علم فرض کفایہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے تحریر کیا ہے کہ جو شخص اپنے تمام اوقات حصولِ علم میں لگائے ہوئے اسے زکوٰۃ دی جائے گی جب کہ جو شخص اپنے تمام اوقات عبادت میں لگا دے تو اسے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔ اس لیے کہ اسلام میں عبادت کے لیے تمام اوقات کے لگانے کی ضرورت نہیں ہے جبکہ حصولِ علم میں جملہ اوقات کھپانے کی حاجت ہے نیز یہ کہ عابد کی عبادت اس کی ذات کے لیے ہوتی ہے۔ اور عالم کے علم سے سب لوگ مستفید ہوتے ہیں[1]

فقہاء نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ تنگدست طالب علم کو مدِ زکوٰۃ میں کتبِ علم لینا جائز ہے اور اس میں دین اور دنیا دونوں کی مصلحت ہے[2]

اور فقہائے احناف کے نزدیک کسی محتاج طالب علم کے لیے زکوٰۃ کا بلا کراہت ایک شہر سے دوسرے شہر زکوٰۃ منتقل کرنا جائز ہے[3]

ان دونوں مسالک میں سے کون سا زیادہ قابلِ عمل ہے؟

ہم نے یہاں پر دو مسلک بیان کیے ہیں — ایک یہ کہ فقیر کو مدت عمر کی کفایت کے بقدر ایک ہی وقت دے دیا جائے اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ اسے سال بھر کی کفایت کے بقدر دیا جائے — اب دیکھنا یہ ہے کہ ان مسالک میں سے کون سا مسلک زیادہ قابلِ عمل

---

[1] المجموع، ج ۶، ص ۱۹۰۔

[2] الانصاف فی الفقہ الحنبلی، ج ۳، ص ۱۶۵، ۲۱۸۔

[3] الدر المختار وحاشیہ، ج ۲، ص ۹۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور بالخصوص اس صورت میں جبکہ کوئی اسلامی ریاست نظام زکوٰۃ جاری کرنا چاہے۔

میری رائے میں یہ دونوں ہی مسالک قابلِ عمل ہیں، اس لیے کہ فقراء اور مساکین کی دو اقسام ہیں۔

ایک قسم وہ جو عمل میں اور کسب میں مصروف ہو اور اس کا کسب اسے کافی ہو لیکن اس کے آلات صنعت یا سرمایہ تجارت یا آلات کاشتکاری یا زمین اس کی ضروریات سے کم ہو، اس شخص کو زکوٰۃ میں سے موت عمر کی کفایت کے بقدر دیا جائے گا تاکہ اسے اپنے پیشہ کے جاری رکھنے کے لیے دوبارہ احتیاج نہ پیش آئے۔

اور دوسری قسم وہ ہے جو کسب سے عاجز ہو جیسے اپاہج، اندھا، بہت ہی بوڑھا شخص، بیوہ اور بچہ۔ انھیں سال بسال کی کفایت کے بقدر دیا جائے اور ایک وظیفہ مقرر کر دیا جائے جو ہر سال ادا کیا جائے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ کہیں مستحق اس رقم کو ضائع نہ کر دے تو اس کو ہر ماہ دیا جائے، جو کہ ہمارے آج کے دستور کے مطابق بھی ہے کہ ملازمین کو تنخواہیں اور دیگر اجرتیں وغیرہ ماہوار ادا کی جاتی ہیں۔

بلکہ یہ بات درج کرنے کے بعد میں نے حنبلی مسلک کی کسی کتاب میں یہی مسلک لکھا ہوا دیکھا ہے۔ چنانچہ غایۃ المنتہی اور اس کی شرح میں اس شخص کے بارے میں جو صاحبِ جائیداد اور زمین والا ہو اور اس کی آمدنی دس ہزار یا اس سے زائد ہو مگر وہ اسے کافی نہ ہو امام احمدؒ کا قول نقل کرنے کے بعد درج ہے کہ وہ زکوٰۃ میں سے بقدر کفایت لے سکتا ہے اور کسی پیشہ ورانہ آلات کی خریداری کے لیے اور تاجر کو اس کے رأس المال کے پورا کرنے کے لیے دیا جائے گا۔ اور فقیر اور مسکین کو اس کی اور اس کے خاندان کی کفالت کے بقدر سال بسال دیا جائے گا اس لیے کہ زکوٰۃ سال بسال وصول کی جاتی ہے تو اسی کے حساب سے اس کی ادائیگی بھی ہونی چاہیے[1] اور یہ تقریباً وہی ہے جو میں تحریر کر چکا ہوں۔ اس میں اگرچہ موت عمر کی کفایت کی وضاحت نہیں ہے لیکن یہ امر پیشہ ورانہ آلات کی خریداری اور رأس المال

---

[1] مطالب اولی النہی: ج ۲، ص ۱۳۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مکمل کر دینے سے خود بخود مفہوم ہوتی ہے۔

فقیر کو زکوٰۃ کی ادائیگی کی تحدید کی مقدار سے متعلق مسالک

جو فقہاء زکوٰۃ کی اس مقدار کی تحدید کے قائل ہیں جو فقیر یا مسکین کو دی جائے گی انھوں نے کم و بیش مختلف مقداریں متعین کی ہیں۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ دو سو درہم یعنی نقود کے نصاب سے زائد دینا جائز نہیں ہے اور اگر اس کی بیوی اور اولاد بھی ہو تو ہر ایک کو بقدر نصاب دیا جا سکتا ہے۔

بعض دیگر فقہاء کے نزدیک پچاس درہم سے اور بعض اور فقہاء کے نزدیک چالیس درہم سے زائد نہ دیئے جائیں اور یہ بھی قول ہے کہ ایک شب و روز کی مقدار خوراک سے زیادہ نہ دیا جائے۔

ان تمام اقوال کی ظاہری طور پر فقیہ ابن حزم نے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ زکوٰۃ میں سے کم و بیش ہر مقدار دی جا سکتی ہے اور اس کی کوئی تحدید نہیں ہے کیونکہ خود قرآن و سنت نے اس کی تحدید نہیں کی ہے۔[1]

امام غزالیؒ کی رائے

امام غزالیؒ نے بھی الاحیاء میں اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور اس بات کو ترجیح دی ہے کہ فقیر کو یا مسکین کو اس کے پورے سال کی کفایت کے بقدر دیا جائے چنانچہ سنت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عیال کی اور اپنی ضرورت کا غذائی سامان پورے سال کا ذخیرہ کر لیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

بیان کرتے ہیں کہ زکوٰۃ اور صدقہ کے بارے میں مقدار کے تعین میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کسی نے اس حد میں اس قدر کمی کی ہے کہ ایک شب و روز کی خوراک ہی اس کی مقدار متعین کی ہے اور اس کے لیے سہل بن الحنظلیہ کی اس روایت کی دلیل بنایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] المحلی: ج ۶، ص ۱۵۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم نے غنی ہونے کی صورت میں سوال سے منع فرمایا اور جب آپ سے غنا کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ صبح و شام کا کھانا۔ (ابوداؤد)

اور بعض دیگر فقہاء کہتے ہیں کہ غنا کی حد بقدر نصاب کا مالک ہونا ہے اس لیے کہ اللہ سبحانہ نے صرف مالداروں ہی پر زکوٰۃ واجب فرمائی ہے اس لیے مستحق اپنے لیے اور اپنے عیال میں سے ہر ایک کے لیے نصاب زکوٰۃ کے بقدر لے سکتا ہے۔

اور کچھ فقہاء نے کہا ہے کہ حدِ غنا پچاس درہم یا اس کی قیمت کے بقدر سونا ہے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جو شخص غنی ہونے کے باوجود سوال کرے وہ روزِ قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی آپ سے پوچھا گیا کہ غنی کیا ہے آپ نے فرمایا پچاس درہم یا اس کے بقدر سونا۔

کہا گیا ہے کہ اس حدیث کا راوی قوی نہیں ہے[1]

اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس کی حد چالیس درہم ہے۔

اس کے برعکس جن فقہاء نے اس میں توسع اختیار کیا ہے تو انھوں نے کہا ہے کہ اسے اتنی مقدار دی جائے گی کہ وہ اس سے زمین خریدے اور تمام عمر اس سے گزر کر سکے یا تجارتی سامان خرید لے اور اس سے تجارت کرتا رہے کہ یہی غنا ہے اور حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ تم جب دو تو غنی بنا دو۔

بلکہ یہاں تک بھی ہے کہ اگر کسی کو محتاجی پیش آجائے تو وہ اپنی سابقہ حالت پر واپس آنے کے لیے بھی لے سکتا ہے خواہ وہ دس ہزار درہم کیوں نہ ہوں مگر بہر حال حدود اعتدال کے اندر رہتے ہوئے ہو۔

حضرت ابوطلحہؓ جب باغ کی وجہ سے نماز سے غافل ہو گئے تو آپ نے اسے صدقہ کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اپنے رشتہ داروں کو دے دو تو زیادہ بہتر ہے آپ

---

[1] احیاء علوم الدین: الغزالیؒ۔ ج ۱، ص ۲۰۱۔ ط۔ الحلبی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے وہ حضرت حسانؓ اور حضرت قتادہؓ کو دیا حالانکہ دونوں حضرات غنی تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے ایک اعرابی کو ایک اونٹنی اور اس کا بچہ دے دیا تھا۔

اور جہاں تک ایک یوم کی خوراک یا اوقیہ سے کمی کا مسئلہ ہے تو وہ درحقیقت سوال ممانعت اور دروازوں پر جانے کی ممانعت سے متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ سوال کرنا برا ہے اور اس کا حکم جداگانہ ہے۔

بہرحال یہ تجویز زیادہ موزوں ہے کہ مستحق کو زمین خرید کر دی جائے اور وہ اس کی آمدن سے اپنی ضروریات پوری کرے اور اسراف اور ضیاع سے بچنے کے لیے مناسب یہ ہے کہ ایک سال کی کفایت کے بقدر دیا جائے۔[1]

زکوٰۃ لینے کے آداب کے بارے میں یہ امام غزالیؒ کا فرمودہ ہے۔ اور الاحیاء جیسی کتاب جس میں متصوفین اور اہل خشیت کے احکام و آداب بیان ہوئے ہیں، زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ مسائل کی صورت کسی قدر تقشف اور سختی لیے ہوئے ہو مگر ایسا نہیں ہے بلکہ امام غزالیؒ نے خاصا توسع اختیار کیا ہے اور انھوں نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ مستحق کو زمین لے کر دے دینا زیادہ مناسب ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوطلحہؓ کے عمل سے استدلال کیا ہے۔

ابوعبید کی ترجیح ابوعبید اسلام کے نظام مالیات کے بارے میں ایک مستند مقام رکھتے ہیں، انھوں نے بھی اسی توسع کی تائید کی ہے اور حضرت ابوطلحہؓ کے مذکورہ بالا واقعہ کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہ باغ کھجور کا تھا اور اس میں زرعی زمین بھی تھی جو ظاہر ہے کہ بڑا قیمتی تھا اور ابوطلحہؓ نے اس کو صرف دو افراد کو دے دیا۔

ہر چند کہ یہ ایک نفلی صدقہ تھا مگر فرض صدقہ اور نفلی صدقہ ایک ہی لینے والے کے حق میں ایک ہی حکم رکھتے ہیں اور غنی کے لیے دونوں میں سے ہر ایک کا لینا جائز نہیں ہے۔ زکوٰۃ جسے اللہ

---

[1] اس حدیث کے بارے میں عراقی کہتے ہیں کہ اسے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے، ترمذیؒ نے حسن قرار دیا ہے اور نسائیؒ اور خطابی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے حتماً مالداروں کے اموال میں فقرا کے لیے مقرر فرما دیا اسی کی زیادہ مقدار لینے والے کے لیے حرام ہو جاتی ہے تو رضا کارانہ خیرات وصدقہ کا زیادہ حصہ لینا تو ان فقرا کے لیے بدرجہ اولیٰ حرام ٹھہرے گا لیکن اگر یہ ان لوگوں کے لیے حلال ہو گیا اور نفلی صدقہ دینے والا نیکوکار اور محسن ٹھہرا تو پھر یقیناً ایسی صورت میں معطی فرض زکوٰۃ ادا کرنے میں اور بھی نیکوکار ٹھہرے گا۔[1]

بعد ازاں ابو عبید حضرت عمرؓ اور حضرت عطا وغیرہ کے آثار نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

الغرض یہ تمام آثار اس امر کا ثبوت ہیں کہ محتاجوں اور فقیروں کو زکوٰۃ دینے کے لیے مسلمانوں پر کوئی حد مقرر نہیں ہے جس سے تجاوز کیا نہ جائے خواہ جس کو دیا جا رہا ہے وہ مقروض اور تاوان زدہ ہی نہ ہو بلکہ اس عمل کی انجام دہی میں محبت و ہمدردی اور فضل و احسان کارفرما ہے گا اس لیے کہ اس کا تعلق معطی کی صوابدید پر ہے جس میں وہ طرف داری نہ کرے نہ اپنی خواہش کو ترجیح دے اسے یوں سمجھیے کہ جیسے ایک شخص جو بہت مالدار ہو ایک مسلم گھرانہ کو ایسی فقیری و بے چارگی کی حالت میں دیکھے کہ ان کے پاس سر چھپانے کو گھر تک نہ ہو چنانچہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ میں سے انھیں ایک گھر خرید کر دے دے جس سے وہ سردیوں کی شدت اور گرمی کی تمازت سے محفوظ ہو جائیں یا مثلاً وہ دیکھے کہ ان کے بدن ننگے ہیں اور ان کے پاس کپڑے پہننے کو نہیں ہیں اور وہ ان کے لیے کپڑے مہیا کر دے جس سے نمازیں ان کی ستر پوشی اور گرمی سردی سے بچاؤ ہو جائے یا وہ ایسے غلام کو دیکھے جو بد سرشت مالک کے قبضے میں ہو اور جو اپنے غلام پر ظلم و زیادتی کرتا ہو اور اسے خرید کر آزاد کر دے یا وہ کسی نادار مسافر کو دیکھے جس کی منزل دور ہو اور اسے اس کے وطن تک پہنچانے کے لیے کرایہ پر یا خرید کر سواری کا بندوبست کر دے تو اس قسم کے سلوک جن کے لیے ظاہر ہے کہ بڑی رقمیں درکار ہیں اگر اس قسم کی امداد کرنے کے لیے معطی کا دل نفل صدقہ و خیرات و عطیات کرنے کو نہ چاہے اور وہ ان مدوں میں اپنے مال کی زکوٰۃ لگا دیتا ہے تو کیا اس سے اس کی فرض زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی، کیوں نہیں ضرور ادا ہو جائے گی اور اللہ نے چاہا تو وہ محسن بھی مانا جائے گا۔[2]

---

[1] ابو عبید: الاموال۔ ص ۵۶۱۔

[2] ایضاً ص ۵۶۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معیشت کے لائق معیار

اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ زکوٰۃ کا مقصود فقیر کو ایک یا دو درہم دے دینا نہیں ہے بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کو انسانی زندگی کے لائق معیشت فراہم کی جائے کیونکہ انسان ایک مکرم مخلوق ہے اور روئے زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور اسلام کے رشتے سے وہ اس امر کا مستحق ہے کہ معاشرے میں اس کو عزت نفس حاصل ہو اور اس کے ساتھ عدل و انصاف پر مبنی سلوک کیا جائے تاکہ خیرامت کے ایک فرد ہونے کا فرق واضح ہو سکے۔

انسانی معیشت کے لائق معیار زندگی یہ ہے کہ کم از کم ہر انسان کو اور اس کے خاندان کو زندگی گزارنے کے لیے غذا، سردی گرمی کے مناسب کپڑے اور رہائش کے لیے مکان میسر ہو۔ جیسا کہ ابن حزمؒ نے المحلیٰ میں ذکر کیا ہے اور جس کی تفصیل آٹھویں باب میں آئے گی، نوویؒ نے اس بات کو المجموع اور الروضہ میں بیان کیا ہے اور دیگر فقہاء نے بھی اس امر کو بیان کیا ہے۔

امام نوویؒ اس کفایت کی تحدید کے بیان میں جو زکوٰۃ کا مقصود ہے کہتے ہیں کہ ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ کفایت کی معتبر مقدار یہ ہے کہ لباس، کھانا، رہائش اور تمام ناگزیر ضروریات مہیا کی جائیں جو اس شخص کو اور ان لوگوں کو جن کا نفقہ اس کے ذمے ہو کافی ہو اور یہ سب چیزیں اس کی حالت کے مطابق ہوں اور ان کی تکمیل میں نہ تو کنجوسی برتی جائے اور نہ بے جا اسراف سے کام لیا جائے۔[1]

اور ہمارے دور میں تو یہ بھی ضروری ہے کہ انسان کو اتنی گنجائش میسر ہو کہ وہ اپنی اولاد کو ضروری علم دین سکھا سکے اور لازمی تعلیم دلوا سکے تاکہ جہالت کی تاریکی چھٹ جائے اور وہ معزز زندگی گزار سکیں اور اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کو بہتر طریقے پر انجام دے سکیں۔ ہم انسان کی ناگزیر ضروریات کے بیان میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ ان ضروریات میں ایک مسلمان فرد کی جہالت کو دور کرنا بھی ہے کہ جہالت اس کی معنوی اور اخلاقی زندگی کی موت ہے۔

---

[1] المجموع، ج ۶، ص ۱۹۱۔ الروضۃ ج ۲، ص ۳۱۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز عصرِ حاضر کی ایک ناگزیر ضرورت علاج کی سہولت ہے کہ ہر شخص کو علاج فراہم کیا جائے اور اس کی زندگی کو موت کی نذر نہ کر دیا جائے کہ یہ قتلِ نفس کے مترادف ہے اور اپنے ہاتھوں سے انسانی زندگی کو ہلاکت میں ڈال دینا ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ

"اے اللہ کے بندو دوا کرو کہ اللہ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کی دوا بھی اتاری ہے۔"[1]

اور فرمانِ الٰہی ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرۃ : ۱۹۵)

اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

نیز فرمایا :

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء : ۲۹)

اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔

اور صحیح حدیث ہے کہ

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم ہونے دیتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ اگر مسلم افراد اور مسلم معاشرہ کسی مسلمان کو مرض میں مبتلا چھوڑ دیں اور اس کا علاج نہ کریں تو یہ اس کو ظلم اور ناانصافی کے حوالے کر دینا ہے۔

مسلم معاشرے کے افراد کے معیارِ زندگی کی کوئی لگی بندھی تحدید نہیں کی جا سکتی بلکہ درحقیقت یہ معیار مختلف ادوار میں اور مختلف ماحول میں قوم کی مجموعی قومی دولت اور آمدنی کے لحاظ سے مختلف ہوگا، بلکہ اس معیار میں اتنا فرق ہو سکتا ہے کہ جو امور ایک ماحول کے لیے ایک دور میں کمالیات (آسائشات) میں سے ہوں وہ ہی امور کسی اور دور میں اور کسی اور ماحول میں ضرورت اور حاجت بن جاتے ہیں۔

---

[1] اس روایت کو احمد نے اصحاب السنن نے ابن حبان نے اور حاکم نے روایت کیا ہے اور المناوی نے التیسیر میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستقل اور باقاعدہ اعانت

اُس فقیر اور مسکین کے حوالے سے اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کا مقصد جو کوئی پیشہ یا تجارت اختیار نہ کر سکتا ہو یہ ہے کہ اس کے اور اس کے خاندان کے لیے مزدوں معیشت فراہم کی جائے اور اسے پورے ایک سال کی ضرورت کے بقدر مال فراہم کیا جائے نہ کہ ماہ دو ماہ کی ضرورت، اور یہ کہ یہ اعانت دائمی اور باقاعدہ ہوتا آنکہ فقر دور ہو جائے اور مستحق شخص غنی ہو جائے، یا اس میں از خود کسب کی قدرت اور استطاعت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ ابو عبید نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ

"ایک مرتبہ حضرت عمرؓ دوپہر کو ایک درخت کے سائے میں قیلولہ کر رہے تھے کہ ایک عرب دیہاتی عورت آئی اور اس نے عرض کی کہ میں مسکین ہوں میرے بچے ہیں اور امیر المؤمنین نے ہمارے یہاں تحصیل زکوٰۃ کے لیے محمد بن مسلمہ کو مامور کیا تھا لیکن انھوں نے ہمیں کچھ نہیں دیا، میں آپ کے پاس آئی ہوں تاکہ آپ انھیں ہمارے بارے میں ہدایت فرما دیں۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے غلام یرفا کو آواز دی اور حکم دیا کہ محمد بن مسلمہ کو بلاؤ، اس عورت نے کہا کہ میری ضرورت کے لیے یہ مناسب ہوگا کہ آپ میرے ساتھ اُن کے پاس چلیں اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انشاء اللہ وہ تمہارا کام کریں گے یرفا محمد بن مسلمہ کے پاس پہنچا اور کہا کہ امیر المؤمنین نے آپ کو بلایا ہے چنانچہ وہ آئے اور آپ کو سلام کیا۔ وہ عورت نڈر ہو گئی اور حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم اپنی جانب سے میں کسر نہیں چھوڑتا کہ تم میں سے بہترین آدمی کو منتخب کروں، بھلا بتاؤ اللہ کے سامنے تم کیا جواب دو گے جب وہ تم سے اس عورت کے بارے میں سوال کرے گا، یہ سن کر محمد بن مسلمہ آبدیدہ ہو گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان کے بتائے ہوئے راستے کی اتباع کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی عمل کیا جس کا اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا چنانچہ آپ نے زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم فرمائی اور اس پر عمل پیرا رہتے ہوئے آپ نے اپنی جان اللہ کو سونپ دی پھر اللہ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوبکرؓ کو ان کا جانشین بنایا اور وہ بھی مرتے دم تک آپ کے طریقہ کار پر عمل پیرا رہے، پھر اس نے مجھے ان کا جانشین بنایا اور میں نے تم میں سے بہترین کو انتخاب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اگر میں نے تمھیں پھر امور کیا تو اس عورت کو اس سال اور پہلے سال کی زکوٰۃ دینا، اور ہو سکتا ہے کہ میں تمھیں مامور نہ کروں، پھر انھوں نے ایک اونٹ منگوایا اور اُسے آٹا اور زیتون کا تیل دیتے ہوئے کہا یہ لے لو ہم خیبر جا رہے ہیں وہاں ہم سے ملو چنانچہ وہ عورت خیبر میں ان کے پاس پہنچی اور انھوں نے اس کے لیے دو دوسرے اونٹ منگواتے اور کہا یہ لے لو اس میں گزر بسر ہو جائے گی تا آنکہ محمد بن مسلمہ تمھارے پاس پہنچیں میں نے انھیں ہدایت کر دی ہے کہ وہ تمھارا اس سال کا اور پچھلے سال کا حق تمھیں ادا کر دیں۔[1]

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اسلام کے نظام حکومت میں حکمراں کو اپنی قوم کے بارے میں کس قدر ذمہ دار ہونا چاہیے کہ ہر فرد کی معیشت کی اس کو فکر ہو اور وہ اس کا بندوبست کرے، اور خود افراد بھی اس امر کا شعور رکھتے ہوں کہ ان کے لیے موزوں معیشت کو فراہم اسلامی ریاست کی ذمے داری ہے۔

اور اس واقعہ سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ اسلام کے نظام مالیات میں زکوٰۃ کس قدر اہم ہے اور کس طرح زکوٰۃ مسلم معاشرے کے افراد کی اجتماعی کفالت کی اساس فراہم کرتی ہے اور یہ کہ یہ ایک دائمی مستقل اور منضبط اعانت ہے اور اگر کسی فرد کو یہ اعانت نہ پہنچے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ اس کی باقاعدہ شکایت کرے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کا طریقہ کار یہی تھا کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے بقدر کفایت دی جائے اور اس قدر دی جائے کہ اسے غنی بنا دے چنانچہ آپؓ نے پہلے اس اعرابی عورت کو آٹے اور تیل سے لدا ہوا اونٹ دیا پھر اسے دو اونٹ دیئے اور بعد ازاں محمد بن مسلمہ نے اسے زکوٰۃ میں گزشتہ سال کا اور رواں سال کا حق دیا۔

اور سب سے بڑھ کر کہ حضرت عمرؓ اس طریقہ کار میں سنت رسولؐ کے متبع تھے اور پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکرؓ کے طریقے کی پیروی کرنے والے تھے اور حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ محض ان کا اپنا اجتہاد نہ تھا۔

---

[1] ابو عبید: الاموال، ص ۵۹۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری فصل

عاملین زکوٰۃ
یا
زکوٰۃ کا انتظامی اور مالی ادارہ

فقراء اور مساکین کے بعد زکوٰۃ کا دوسرا مصرف عاملین علیہا (زکوٰۃ کے حصول اور اس کی تقسیم سے متعلق افراد) کا ہے اور اس سے مقصود وہ تمام انتظامی ڈھانچہ ہے جو زکوٰۃ سے متعلق جملہ امور کو انجام دے یعنی زکوٰۃ کے وصول کنندگان، اس کو رکھنے والے، اس کی حفاظت کرنے والے، لکھنے والے اور حساب کرنے والے اور مستحقین میں تقسیم کرنے والے ... ان سب کی اجرتیں مال زکوٰۃ سے ادا کی جائیں گی اور مال کے مالکوں سے اس مد میں علیحدہ سے کچھ نہیں لیا جائے گا اور اس زکوٰۃ کے مال کو ایک مستقل حساب متصور کیا جائے گا جو اس کے نظام کو چلانے والوں پر بھی خرچ ہو سکے گا۔

اس صنف سے متعلق قرآن کا اہتمام اور اس پر نص کی موجودگی اور اس کو آٹھ مصارف میں سے ایک قرار دے دینا اور اس کو مستحقین کی ترتیب کے بیان میں فقراء اور مساکین کے بعد رکھنا، اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ انفرادی فریضہ نہیں ہے بلکہ ایک سرکاری ذمے داری ہے کہ وہ اس نظام زکوٰۃ کو چلائے اور اس کی نگرانی کرے اور اس نظام کے لیے وصول کنندگان، خازن اور کاتب و محاسب کے جس عملے کی ضرورت ہو اسے مقرر کرے اور اسی زکوٰۃ کے فنڈ سے ان کی تنخواہیں ادا کرے[1]

---

[1] دیکھیے اگلے باب کی فصل۔ زکوٰۃ کا ریاست سے تعلق۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ وصول کنندگان کا بھیجنا ریاست کی ذمے داری ہے

اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ امام پر زکوٰۃ کے وصول کنندگان کا بھیجنا لازم ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین وصول کنندگان بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو صدقہ (زکوٰۃ) کی وصولیابی کے لیے بھیجا؛ (بخاری و مسلم)

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتیبہ کو صدقات پر عامل مقرر فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

غرض عاملین زکوٰۃ کے بھیجنے کے بارے میں متعدد احادیث موجود ہیں۔

اور عاملین زکوٰۃ کے بھیجنے کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ بعض لوگوں کے پاس مال ہوتا ہے لیکن ان کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس پر کس قدر زکوٰۃ واجب ہے اور بعض جانتے تو ہیں مگر بخل کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں نکالتے اس لیے ضروری ہے کہ سرکاری وصول کنندگان ان سے جاکر وصول کرلیں[1]

امام اور اس کے نائب پر یہ بھی لازم ہے کہ فصلوں اور پھلوں کی تیاری کے وقت بھی عاملین روانہ کرے کہ فصلوں اور پھلوں کی تیاری کا وقت ان پر زکوٰۃ واجب ہونے کا وقت ہے اور ان میں سال گزرنا شرط نہیں ہے، اس لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کٹائی کے وقت اور پھلوں کے توڑے جانے کے وقت موجود ہوں۔

مویشی اور دیگر اموال جن میں سال گزرنے کا اعتبار ہے اس میں سہولت یہ ہے کہ وصول کنندگان کے وصول کے لیے آنے کا کوئی مہینہ مقرر ہو اور بہتر یہ ہے کہ محرم ہو، خواہ گرمی ہو یا سردی اس لیے کہ اسلامی سال کا آغاز محرم سے ہوتا ہے[2]

---

[1] النووی، المجموع - ج ۶، ص ۱۶۷۔

[2] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عاملین زکوٰۃ کی ذمے داری

عاملین زکوٰۃ کی کئی قسمے داریاں ہیں اور ان سب کا تعلق نظام زکوٰۃ سے ہے۔ کہ وہ یہ اعداد و شمار جمع کریں کہ کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور کتنی واجب ہے، کس کے حق میں لازم ہے، مستحقین کی تعداد کتنی ہے، ان کی ضرورتیں کس قدر ہیں اور یہ ضرورتیں کتنی مقدار زکوٰۃ میں پوری ہو جائیں گی ــــ غرض ایک مکمل نظام ہو جس میں تجربہ کار اور باخبر لوگ ان تمام کی معلومات اپنے پاس جمع رکھیں۔

زکوٰۃ کے دو ادارے

ہمارے زمانے میں زکوٰۃ سے متعلق دو ادارے قائم ہو سکتے ہیں:۔

۱) حصول زکوٰۃ سے متعلق ادارہ۔

۲) تقسیم زکوٰۃ سے متعلق ادارہ۔

۱) حصول زکوٰۃ کا ادارہ اور اس کا دائرہ کار

زکوٰۃ وصول کنندگان کی ذمے داریاں ہمارے موجودہ نظام میں ٹیکس کی وصولیابی سے متعلق نظام کے مشابہ ہوں گی کہ وصول کنندگان اپنے پاس مالداروں ــــ یعنی جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ــــ کے اعداد و شمار مرتب کریں گے، ان کے اموال کی نوعیتیں درج کریں گے اور جو زکوٰۃ کی مقداریں ان پر واجب ہونگی وہ بھی درج کریں گے، نیز اسی ادارے کا یہ کام ہوگا کہ زکوٰۃ کی ان مقداروں کو جمع کر کے تقسیم کرنے والے ادارے کے حوالے کر دے۔ ظاہر ہے کہ اس تمام کام کے لیے ضروری ہوگا کہ ہر علاقے میں اس ادارے کی شاخیں یا ذیلی تنظیمیں موجود ہوں۔

علاوہ بریں اس ادارے کا دائرہ کار موجودہ دور کے ٹیکسوں کی وصولیابی کے دفاتر سے زیادہ وسیع ہو سکتا ہے کیونکہ ٹیکسوں کا تعلق بالعموم نقود ــــ کرنسی ــــ سے ہوتا ہے جبکہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ادارے کا دائرہ کار غلوں، پھلوں، مویشی اور کانوں وغیرہ کو بھی محیط ہوگا۔ (لیکن ان تمام اشیاء میں زکوٰۃ واجب شدہ کی قیمت لینا بھی درست ہے جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے ــــ اور جس کا بیان اگلے باب میں ہوگا۔)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ادارے کے ذیلی شعبے اس طرح تشکیل پا سکتے ہیں۔

۱) ایک شاخ صرف کانوں اور رکاز کی زکوٰۃ بحساب خُمس ۲۰ نبر وصول کرے۔

۲) دوسری شاخ غلّوں اور پھلوں اور ان پیداواروں کی زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور ہو جن میں شرح زکوٰۃ عُشر (۱۰ نبر) یا نصف عُشر (۵ نبر) ہوتی ہے۔

۳) تیسری شاخ مویشیوں پر زکوٰۃ وصول کرے اور اس کا مخصوص حساب اپنے پاس رکھے۔

۴) چوتھی شاخ نقود اور اموال تجارت پر بحساب رُبع عُشر (۲½ نبر) زکوٰۃ وصول کرے۔

۲) تقسیم زکوٰۃ سے متعلق ادارہ اور اس کا دائرہ کار

اس ادارے کی شکل و صورت اجتماعی انشورنس کے مماثل ہو سکتی ہے۔ اس ادارے کی ذمے داریاں یہ ہوں گی کہ وہ مستحقین زکوٰۃ کا پتہ لگانے کے لیے بہتر طریقے اختیار کرے۔ ان کے استحقاق کا پتہ چلائے۔ یہ معلوم کرے کہ انھیں کس قدر ضرورت ہے۔ اور کتنی رقم کافی ہو گی اور تعداد اور اجتماعی حالات کے مطابق ان کی ضروریات کس طرح مضبوط بنیادوں پر پوری ہوں گی۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔

امام پر اور زکوٰۃ وصول کنندہ پر لازم ہے کہ وہ مستحقین کی تعداد سے اور ان کی ضرورت سے بخوبی واقف ہوں اور یہ بھی علم رکھتے ہوں کہ زکوٰۃ کی کتنی رقم ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو گی اور اس کے ساتھ ہی وہ زکوٰۃ کی وصولیابی کے فوراً بعد اس کی تقسیم شروع کر دیں تاکہ مال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ پیدا نہ ہو۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے اسلام نے زکوٰۃ کے مستحقین کا علم حاصل کرنے اور ان پر زکوٰۃ کے صرف کیے جانے کے موضوع پر بہت توجہ دی ہے تاکہ مستحقین کو زکوٰۃ ان کے مطالبہ کے بغیر فوراً پہنچ جائے۔

اس ادارے کی بھی ہر مقام پر شاخیں ہونا چاہئیں۔ اور اسے درج ذیل شعبوں میں تقسیم

---

[1] الروضۃ: ج ۲، ص ۲۳۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا جاسکتا ہے۔

ا) ادارہ کا ایک شعبہ ان فقراء (تنگدستوں) سے متعلق ہوسکتا ہے جو کسب سے عاجز ہونے کی بنا پر تنگدستی میں مبتلا ہوں یا جو بہت بوڑھے ہوں، بیوہ اور یتیم ہوں اور ایسے کارکن ہوں جو دوران کار اپنے اعضاء گنوا بیٹھے ہوں، یا جو بیماری کی وجہ سے کام کاج سے عاجز ہوں، یا جو اپاہج اور لاچار ہوں، یا مصیبت رسیدہ اور مجنون اور پاگل ہوں اور یہ ثابت ہوجائے کہ انھیں میراث وغیرہ سے ایسا مال نہیں ملا ہے جس سے وہ مالدار ہو گئے ہوں۔

ب) ایک شعبہ ان لوگوں سے متعلق ہوسکتا ہے جو کسب تو کرتے ہوں مگر ان کی آمدنی محدود ہو اور کم آمدنی ہونے کی بنا پر یا کثرتِ عیال کی بنا پر انھیں کافی نہ ہو یا مہنگائی کی بنا پر ان کی آمدن ان کے لیے ناکافی ہوگئی ہو۔ انہی لوگوں کو بعض فقہاء نے مساکین قرار دیا ہے۔

ج) غارمین (مقروض، تاوان رسیدہ) کا شعبہ جو مصیبت زدہ لوگوں کو بھی شامل ہوگا اور ان لوگوں کو بھی جو کسی جائز کام کے لیے قرض لے کر مقروض ہوگئے ہوں، یا جنھوں نے دو افراد کے درمیان صلح کرانے کی خاطر ان کا کوئی تاوان اپنے ذمے لے لیا ہو اور اسی قسم کے دیگر اجتماعی فلاحی کاموں کی انجام دہی کی بنا پر ان پر مالی ذمے داری آن پڑی ہے۔

د) ان سیاسی پناہ گزینوں اور مہاجروں کا شعبہ جو نظام کفر و ظلم سے فرار ہو کر اسلامی ریاست میں آگئے ہوں اور ایسے طلبہ جو خدمت اسلام کے لیے دوسرے ممالک میں بھیجے گئے ہوں، اور یہ ابن السبیل کا بھی مصرف ہے۔

ہ) بلادِ کفر میں اشاعت اسلام کرنے والی تنظیموں کا شعبہ اور یہ مصرف فی سبیل اللہ کا ہے اور یہ تنظیمیں دعوتِ اسلام دیں گی، سرزمینِ اسلام میں اسلام کی حکمرانی قائم کریں گی، اور مسلمان ملکوں کو کافروں کے اقتدار سے نجات دلا کر وہاں نظامِ اسلامی کی جدوجہد کریں گی۔

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ ان شعبوں میں سے ہر ایک پر کتنا خرچ کیا جائے اور انھیں زکوٰۃ میں سے کس قدر اعانت دی جائے گی، یہ اولی الامر کی صوابدید پر موقوف ہے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے لیے مکمل اعداد و شمار جمع کیے جائیں اور جس علاقے سے زکوٰۃ جمع کی جا رہی ہے اس کی ضروریات کو مدِ نظر رکھا جائے اور اسلام کی عالمی دعوت کو پیشِ نظر رکھا جائے اور مسلمانوں کے ایک امتِ واحدہ اور ایک ممتاز اُمّت ہونے کے مصالح کا خیال رکھا جائے۔

استحقاق کا اثبات

ان میں سے ہر شعبہ پر یہ لازم ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ جس شخص پر وہ زکوٰۃ صرف کر رہا ہے وہ فی الواقع زکوٰۃ کا مستحق بھی ہے یا نہیں ہے اس سلسلے میں احادیث بھی موجود ہیں جن سے استنباط کر کے فقہاء نے متعلقہ قواعد اور اصول منضبط کیے ہیں۔ جن میں بعض ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

ا) فقراء اور مساکین کے حصّہ کے استحقاق کے لیے یہ شرط ہے کہ فقیر یا مسکین کا کوئی ایسا کسب موجود نہ ہو جو اس کی اور اس کے عیال کی کفایت کے لیے کافی ہو، گویا اس میں مستحق ہونے کے لیے کسب سے مطلق عاجز ہونا شرط نہیں ہے، اور اس لحاظ سے کمانے کی قدرت رکھنے والا ایسا شخص جسے کوئی کام میسّر نہ آئے اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ یہ عاجز کے حکم میں ہوگا اور جو شخص اپنے کسب سے اپنی کفایت کے بقدر نہ حاصل کر سکتا ہو تو وہ اس کفایت کے بقدر زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

ب) کسب وہ معتبر ہے جو اس کی حالت اور اس کی خاندانی شرافت کے مطابق ہو اگر ایسا کسب نہیں ہے تو وہ نہ ہونے کے درجے میں ہے چنانچہ اگر عالم ہو یا ادیب ہو یعنی ایسا فرد جو بالعموم جسمانی محنت کی کمائی کے عادی نہیں ہوتے ان کو اگر موزوں کسب میسّر نہ ہو تو وہ بھی مناسب کام میسّر آنے تک فقراء اور مساکین کے حصّے سے لے سکتے ہیں۔

ج) جو شخص کسب کی قدرت رکھتا ہو مگر طلب علم میں لگا ہوا ہو کہ اگر کسب میں لگے تو تحصیل علم چھوڑنا پڑے تو ایسے شخص کے لیے بھی زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس طالب علم کو واقعی حصولِ علم ہو رہا ہو اور اس کا علم مسلمانوں کے لیے فائدہ بخش ہوگا۔ لیکن جو کسب پر قادر ہو اور اسے علم نہ آ رہا ہو تو کسی مدرسہ میں مقیم ہونے کے باوجود اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔

د) اگر کسی شخص کے پاس جائیداد ہو جس کی آمدنی اس کی کفایت سے کمتر ہو تو وہ فقیر اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسکین ہے اور اسے زکوٰۃ سے اس کی کفایت کے بقدر دیا جائے گا اور اسے جائیداد فروخت کرنے کے لیے نہیں کہا جائے گا، اور اسی طرح علم میں مصروف شخص کو کتب فروخت کرنے کے لیے نہیں کہا جائے گا کیونکہ اسے ان کتابوں کی ضرورت ہے۔

۸) اگر کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ مالدار ہے اور وہ فقر کا دعویٰ کرے تو جب تک وہ بینہ (ثبوت) نہ دے اس کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس کا غنی ہونا تو ثابت ہے اب فقیری (تنگدستی) کے اثبات کے لیے ثبوت ضروری ہے، جس طرح کسی پر قرض ہو اور اس مقروض کا مالدار ہونا ثابت ہو اور وہ اپنی تنگدستی کا دعویٰ کرے تو اسے بھی ثبوت پیش کرنا ہوگا۔

۹) لیکن اگر اس کا مالدار ہونا متعارف نہ ہو اور وہ تنگدست ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا یہ دعویٰ قابلِ قبول ہوگا اس لیے کہ تنگدستی ایک امر خفی ہے اور اس پر بینہ قائم کرنا دشوار ہے۔

۱۰) اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کے پاس کوئی کسب نہیں ہے تو اگر اس کی ظاہری حالت بھی ایسی ہی ہو، مثلاً وہ بہت بوڑھا ہو، یا جوان ہو مگر بہت کمزور ہو تو اس کا قول بغیر یمین کے قابل قبول ہوگا کیونکہ اس کا بیان حسبِ حال ہے۔ اور اگر مضبوط نوجوان ہو تو اس کا بھی قول قبول کر لیا جائے اور بینہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، لیکن اس سے یمین کا مطالبہ کیا جائے گا۔

اس بارے میں فقہائے شافعیہ کے دو اقوال ہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یمین کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ احمدؒ، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ دو اشخاص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ میں سے کچھ مانگا آپ نے نظر اٹھا کر انھیں دیکھا کہ وہ مضبوط ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم کہتے ہو تو دیتے دیتا ہوں لیکن اصل بات یہی ہے کہ اس میں غنی (مالدار) اور کسب کے قابل مضبوط آدمی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

زکوٰۃ تقسیم کرنے والے کو ناواقف لوگوں کو بتانا چاہیے کہ زکوٰۃ قوی اور مضبوط آدمی کے لیے نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ح) اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کے ذمے عیال ہیں جن کی کفایت کے بقدر اس کے پاس روزی نہیں ہے تو اس سے ثبوت کا مطالبہ کیا جائے گا کہ اس بارے میں ثبوت فراہم کرنا آسان ہے۔

ط) اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس پر کسی تاوان کی ادائیگی لازم ہے یا وہ مقروض ہے تو اس کا قول بغیر ثبوت قبول نہیں کیا جائے گا۔

ی) ان مذکورہ بالا صورتوں میں ثبوت پیش کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دعویٰ پیش کیا جائے، گواہیاں ہوں اور عدالت سماعت کرے بلکہ محض دو عادل افراد کا یہ خبر دے دینا کہ اس شخص کا دعویٰ درست ہے کافی ہے، بلکہ لوگوں کے مابین اس کی اصل صورتحال کا متعارف ہونا بھی بیّنہ (ثبوت) کے درجے میں ہے حتیٰ کہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ایسی متعارف صورت حال کے بارے میں ایک شخص کا خبر دے دینا بھی کافی ہے۔[1]

حدیث میں ان اشخاص کے بارے میں جن کو سوال کرنا جائز ہے آیا ہے کہ
"وہ شخص جو گرفتار فاقہ ہو اور اس کی قوم کے تین عقلمند آدمی بتائیں کہ واقعی اس پر فاقہ ہے"

خطابی کہتے ہیں یہ بات اس شخص کے بارے میں ہے جس کی ملکیت کا علم ہو اور بظاہر وہ فراخ دست ہو لیکن کسی وجہ سے اس کا مال ضائع ہو جائے، چور لے جائے، یا کسی کے پاس امانت رکھائی ہو اور وہ واپس نہ کرے یا ایسی ہی کوئی صورت ہو جس سے ظاہری حالت سے اس کی حقیقی حالت کا علم نہ ہو سکے اور اس کے بارے میں شک پیدا ہو جائے تو اس کی حالت کا پتہ چلانے کے بعد اسے زکوٰۃ میں سے کچھ دیا جائے گا اور اس سلسلے میں اس کے جاننے والوں سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ اور یہی اس فرمان نبوت ؐ کے معنی ہیں کہ "قوم کے تین عقلمند آدمی بتائیں کہ اس پر فاقہ ہے" اس فقرے میں عقلمند کی شرط بطور تاکید ہے یعنی بتانے والا

---

[1] النووی، المجموع، ج ۶، ص ۱۸۹ - ببعد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غنی اور بے خبر نہ ہو جس کو اصل حال کا پتہ ہی نہ ہو۔ اس لحاظ سے اس امر کا تعلق شہادت (گواہی) سے نہیں ہے بلکہ محض اصل حال کا پتہ لگانے سے ہے۔ چنانچہ اگر اس شخص کے پڑوسی اور اس کے باخبر اور سمجھدار رشتہ دار یہ بتلائیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ درست ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکے گی۔[1]

عاملین زکوٰۃ کی شرائط

عامل زکوٰۃ کی چند شرائط ہیں۔

۱) اوّلاً یہ کہ مسلمان ہو، اس لیے کہ زکوٰۃ کا کام مسلمانوں کی ایک ذمے داری ہے تو اس میں بھی اور ذمے داریوں کی طرح اسلام کی شرط ہونی چاہیے، البتہ جو امور براہِ راست زکوٰۃ کی وصولی اور اس کی تقسیم سے متعلق نہ ہوں اس میں یہ شرط نہیں ہے مثلاً چوکیدار (برائے حفاظت) یا مویشیوں کو لے جانے والا۔

امام احمدؒ سے ایک قول یہ مروی ہے کہ عامل کا غیر مسلم ہونا درست ہے، اس لیے کہ عاملین علیہا کا لفظ عام ہے جس میں کافر اور مسلم دونوں داخل ہیں، نیز یہ کہ جو کچھ عامل اس کام کا معاوضہ لے گا وہ تو درحقیقت اس کے کام کی اجرت ہوگی اور دیگر اجرتوں کی طرح وہ بھی جائز ہوگی۔[2] بہرحال زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس خالص دینی فرض کے لیے مسلم ہی کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اس کام میں امانت شرط ہے جیسا کہ شہادت میں امانت شرط ہے اور نیز یہ کہ یہ مسلمانوں کی ایک ذمے داری ہے اور جس طرح دیگر اسلامی ذمے داریوں کے پورا کرنے والے کا مسلمان ہونا شرط ہے اسی طرح اس میں بھی ہے اور جو شخص اہلِ زکوٰۃ میں سے نہیں ہے اس کو اس کام کی اُجرت بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ حربی کو جائز نہیں ہے اور مزید یہ کہ کافر امین (امانت دار) نہیں ہے اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ اُن پر اعتماد نہ

---

[1] الخطابی: معالم السنن، ج ۲، ص ۲۳۸۔

[2] المغنی: ج ۲، ص ۶۵۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دو کہ اللہ نے ان کو خائن قرار دیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے کسی نصرانی کو تحریر پر مامور کیا تو حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض فرمایا، فرض زکوٰۃ جو کہ رکن اسلام ہے اس پر کسی غیر مسلم کو مامور کرنا درست نہیں ہے[1]

۲) دوم یہ کہ مکلف یعنی عاقل اور بالغ ہو۔

۳) سوم یہ کہ امین (امانت دار) ہو اس لیے کہ مسلمانوں کے مال کے بارے میں اس پر بھروسہ کرنا پڑے گا اس بنا پر فاسق اور خائن کو اس کام کے لیے مامور نہیں کیا جا سکتا کہ ایسا شخص خیانت کرے گا فقراء کے حقوق کی ادائیگی میں سستی کرے گا اور اپنی خواہش اور ہوائے نفس کا اتباع کرے گا۔

۴) احکام زکوٰۃ کا علم۔ عامل زکوٰۃ کو احکام زکوٰۃ سے واقف ہونا چاہیے[2] تاکہ اسے معلوم ہو کہ اسے کیا زکوٰۃ لینی ہے اور کیا نہیں لینی ہے اور ضرورت کے مطابق وہ جزئی اجتہاد بھی کر سکے، یہ حکم اس صورت میں ہے جب عامل کے ذمے زکوٰۃ کے عمومی امور ہوں لیکن اگر اس کے ذمے ایک متعین دائرے میں رہتے ہوئے کام کرنا ہو تو پھر وہ احکام زکوٰۃ کے جاننے کا پابند نہیں ہوگا۔

۵) کام کی قدرت و صلاحیت رکھتا ہو، اور اس کی پوری ذمے داریاں سنبھال سکتا ہو اور امانت داری کے ساتھ اس میں قوت عمل بھی موجود ہو۔ چنانچہ قرآن میں ہے

إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (القصص: ۲۶)

بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔

نیز قرآن میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے شاہ مصر سے فرمایا۔

اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ (یوسف: ۵۵)

ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجیے میں حفاظت بھی کرنے والا ہوں اور علم بھی

---

[1] المغنی: ج ۶، ص ۴۶۰۔

[2] النووی: المجموع، ص ۱۶۷۔ شرح غایۃ المنتہی، ج ۲، ص ۱۳۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھتا ہوں۔

آیت مذکورہ میں حفظ سے مراد امانت اور علم سے مراد باخبر اور صلاحیت ہونا ہے اور ہر کامیاب عمل کے لیے یہی دونوں امور اساس ہیں۔

۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کا زکوٰۃ کے امور پر متعین نہ کرنا ——— اکثر فقہا نے کہا ہے کہ امور زکوٰۃ کی انجام دہی کے لیے آپؐ کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم کو متعین نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ روایت ہے کہ فضل بن عباس اور مطلب بن ربیعہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کا عامل مقرر کرنے کی درخواست کی اور ان میں سے ایک نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپؐ کے پاس اس لیے آتے ہیں کہ آپؐ ہمیں صدقات پر امور فرما دیں اور ہمیں وہی معاوضہ ملے جو سب لوگوں کو ملتا ہے ——— اور جو لوگ آپ کو لا کر دیتے ہیں وہی ہم بھی آپؐ کو لا کر دیں گے تو آپؐ نے فرمایا کہ

"زکوٰۃ محمدؐ اور آل محمدؐ کے لیے موزوں نہیں ہے کہ یہ لوگوں کے گندے مال ہیں"[1]

(احمد و مسلم)

اس حدیث میں آل رسولؐ کو زکوٰۃ کے اموال کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں ان دونوں حضرات نے کہا تھا کہ ——— ہم بھی اس مال سے اسی طرح فائدہ اٹھائیں جس طرح دوسرے لوگ اٹھا رہے ہیں ——— اور حدیث میں زکوٰۃ کے مال کو گندہ قرار دینا بطور تشبیہ ہے کہ یہ مال کو اور نفوس کو پاک و صاف کرتا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا (التوبہ : ۱۰۳)

مال زکوٰۃ ایک عام مال ہے اور اس میں سے بغیر حق کے کچھ لے لینا گناہ عظیم ہے، اور آپؐ نے اپنے اقارب کو منع فرما کر یہ مثال قائم فرما دی کہ لوگ اس مال کی طمع کرنے سے گریز

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۷۵۔ ط۔ الحلبی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں اور اُسے بغیر حق لینے سے باز رہیں۔

اہل بیت میں سے الناصر نے بنی ہاشم کو زکوٰۃ پر مقرر کرنے کو جائز کہا ہے اور یہی رائے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی ہے۔

صدقات کی ولایت کے بارے میں قاضی ابویعلی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں پر زکوٰۃ لینا حرام ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور غلام ان کو بھی نظام زکوٰۃ میں ذمے داری دی جا سکتی ہے اور وہ اس کی اجرت لے سکتے ہیں، اس لیے کہ جو معاوضہ کام کا ملتا ہے وہ کام کی اجرت ہوتی ہے زکوٰۃ نہیں ہوتی، اس لیے اس کی مقدار اس کے عمل سے متعین ہو گی۔

اور الخرقی کہتے ہیں کہ

"بنی ہاشم، کافر اور غلام کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی الّا یہ کہ وہ عامل ہوں اور انھیں ان کے عمل کی اُجرت دی جائے۔"[1]

گویا ان حضرات فقہاء کے نزدیک حدیث برائے تحریم نہیں ہے بلکہ احتیاط اختیار کرنے کی تاکید کے طور پر ہے۔

اور جن فقہاء کے نزدیک یہ حدیث تحریم پر دلالت کرتی ہے ان کے نزدیک ذوی القربیٰ کے لیے زکوٰۃ کے کام کی اُجرت لینا بھی ناجائز ہے الّا یہ کہ وہ زکوٰۃ کا کام کر کے کسی اور مد سے اُجرت لے لیں تو جائز ہے اور حضرت علیؓ نے بھی بنو العباس کے افراد کو عامل زکوٰۃ بنایا تھا۔[2]

۷) بعض فقہاء نے عامل کے مرد ہونے کی بھی شرط لگائی ہے اور کہا ہے کہ عورت کا عامل بننا درست نہیں ہے اس لیے کہ یہ صدقات کی ولایت (ذمے داری) ہے مگر اس رائے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس حدیث کو دلیل بنایا جائے۔

---

[1] قاضی ابویعلی: الاحکام السلطانیہ، ص ۹۹۔ المجموع، ج ۶، ص ۱۶۸۔

[2] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۷۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جو کسی عورت کو اپنا حکمراں بنالے"[1]

دراصل یہ حدیث عام حکمرانی سے متعلق ہے اور جہاں تک کسی خاص عمل کا تعلق ہے، جیسے زکوٰۃ کا عامل ہونا، تو وہ اس حدیث کے تحت نہیں آتا۔

اس کی ایک دلیل یہ بھی دی گئی ہے کہ ایسی کوئی تاریخی روایت موجود نہیں ہے کہ کبھی کسی عورت کو زکوٰۃ کا عامل بنایا گیا ہو جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کا عامل بنانا درست نہیں ہے۔

لیکن یہ بھی دلیل نہیں ہے اس لیے کہ اس دور کے اقتصادی اور اجتماعی حالات میں عورت کو اس قسم کی ذمے داری تفویض نہیں کی جایا کرتی تھی جو بہرحال اس کی حرمت کی دلیل نہیں ہے۔

بعض فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ عاملین علیہا مذکر کا لفظ ہے اور عورت کو شامل نہیں ہے[2] ــــــ لیکن اگر یہ بات صحیح تسلیم کر لی جائے تو پھر عورت کو فقراء اور مساکین میں بھی داخل نہ ہونا چاہیے کہ یہ الفاظ بھی مذکر آئے ہیں۔ بہرحال یہ بات اجماع کے خلاف ہے اس لیے کہ عورت مذکر کے خطاب اور صیغہ میں اس کی تابع ہوتی ہے۔

حق یہی ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی خاص دلیل موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ عورت کا عامل زکوٰۃ بننا درست نہیں ہے، لیکن اسلام کے عمومی احکام اس امر کا مطالبہ کرتے ہیں کہ عورت باوقار رہے اور مردوں کی گہما گہمی اور غیر ضروری اختلاط سے دور رہے اور اس اعتبار سے اس کام کا عورت کے بجائے مرد کا انجام دینا زیادہ بہتر ہے سوائے اس کے کہ عورت کسی مخصوص اور محدود دائرہ کار میں متعین کی جائے، مثلاً عورت کو اس خدمت پر مامور کیا جائے کہ وہ بیوہ اور عاجز عورتوں کو زکوٰۃ پہنچائے، ظاہر ہے کہ اس قسم کا کام عورت مرد سے بہتر

---

[1] امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں بروایت حسن بصری از ابوبکرہ کتاب الفتن والمغازی میں نقل کی ہے۔

[2] شرح غایۃ المنتہی: ج ۲، ص ۱۳۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر کر سکتی ہے۔ غرض اس باب میں شریعت کی جانب سے کوئی تنگی نہیں ہے بلکہ وقت اور ضرورت کے مطابق اس میں توسّع موجود ہے۔

۸) فقہاء نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ عامل زکوٰۃ آزاد ہو غلام نہ ہو، جبکہ دیگر فقہاء نے اس شرط کو رد کیا ہے اس لیے کہ احمدؒ اور بخاریؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"سمع اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر ایسا حبشی غلام حاکم ہو جس کا سر کشمش کی طرح ہو"

نیز یہ کہ غلام بھی وہی کام سرانجام دے گا جو آزاد دے گا اس لیے جائز ہے[1]

عامل کو کس قدر دیا جائے؟ عامل بھی ایک ملازم ہے اور اس لیے اس کو اس کے کام کی اتنی اجرت ملنی چاہیئے جتنی کہ اس کے لیے کافی ہو چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عاملین کو زکوٰۃ میں سے تنخواہ قیمتوں کی حدود کے مطابق دی جائے گی جو ان کی آٹھ اصناف کی قسموں کے برابر ہونے پر مبنی ہے اگر ان کی اُجرت ان قسموں سے زائد ہو تو وہ علاوہ زکوٰۃ کے کسی اور مد سے دی جائے گی۔

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ عامل کو تنخواہ زکوٰۃ ہی سے دی جائے گی، جیسا کہ نصِّ قرآنی میں موجود ہے اگرچہ یہ تنخواہ قیمتوں کی شرح سے زائد ہو اور یہی امام شافعیؒ کا بھی ایک قول ہے۔ بہرحال امام شافعیؒ کی مندرجہ بالا رائے زیادہ عمدہ ہے کہ اس میں فقراء اور مساکین کی رعایت موجود ہے اور یہی بات موجودہ ٹیکسوں کے اس اصول کے مطابق ہے کہ ٹیکسوں کے حصول کے طریقہ پر اخراجات کا بار کم سے کم ہونا چاہیے۔

عامل اگر خود مالدار (غنی) ہو تو بھی اسے اس کے کام کی اُجرت دی جائے گی، اس لیے کہ یہ امداد نہیں ہے بلکہ اس کی خدمت کا معاوضہ ہے۔

ابوداؤد نے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "غنی کو صدقہ حلال نہیں ہے سوائے ان پانچ افراد کے، اللہ کے راستے میں

---

[1] ایضاً ص ۱۳۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاد کرنے والا، عامل زکوٰۃ مقروض یا تاوان رسیدہ، یا جس نے زکوٰۃ کی کوئی شئے خرید لی ہو، یا کسی شخص کا کوئی پڑوسی مسکین ہو اور وہ زکوٰۃ لے کر اسے دے دے اور وہ ہی شئے مسکین اسے ہدیہ کر دے[1]۔

مالِ زکوٰۃ پر حرص کی شدید ممانعت

اگر عامل زکوٰۃ امانت دار ملازم ہو تو اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حکم کے مطابق زکوٰۃ جمع کرے اور حکم کے مطابق اسے رکھے اور مالِ زکوٰۃ میں سے اپنے لیے کچھ نہ لے اور نہ کوئی شئے چھپائے کہ زکوٰۃ عام مسلمانوں کا مال ہے اس میں کوئی حرص و طمع بالکل جائز نہیں ہے اور اس خیانت کے شدید گناہ ہونے اور اس پر سخت عذاب ہونے کی احادیث میں اس قدر وعیدیں آئی ہیں کہ انسان کانپ اٹھتا ہے۔

حضرت عدی بن عمیرہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ ہم جس کسی کو عامل بنائیں اور وہ اس میں سے ایک سوئی بھی چھپا لے تو یہ خیانت ہوگی جسے روزِ قیامت اسے لاکر پیش کرنا ہوگا[2]۔ یہ سن کر ایک سیاہ فام شخص کھڑا ہوا، گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں، اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھ سے اپنا کام واپس لے لیں، آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا۔ اس نے عرض کی کہ میں

---

[1] المنوری المجموع میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن یا صحیح ہے، اور اسے ابوداؤد نے دو سلسلہ سند سے روایت کیا ہے ایک عطا بن یسار از ابو سعید خدری از نبی اور دوسرے عطاء سے مرسل، دونوں سندیں عمدہ ہیں۔ المنذری کہتے ہیں (مختصر السنن ج ۲، ص ۲۳۵) کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے مسند روایت کیا ہے اور ابو عمر النمری کہتے ہیں کہ یہ حدیث بروایت زید بن مسلم بہت سے حضرات نے موصول روایت کی ہے۔

[2] اس آیت کی جانب اشارہ ہے۔

وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران : ۱۶۱)

اور جو کوئی خیانت کرے تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو جائیگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے آپ کو اس اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اور میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ جس شخص کو ہم عامل بنائیں اسے کم و بیش جو بھی ملے وہ لے آئے، پھر جو اس میں سے دیا جائے لے لے اور جس شئے سے روک دیا جائے اس سے باز آجائے۔ (مسلم ابوداؤد)

حضرت ابورافعؓ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بقیع (قبرستان) سے گزر رہے تھے، کہ آپ فرمانے لگے تجھ پر افسوس، تجھ پر افسوس، ابورافعؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اور میں یہ سمجھ کر تھوڑا سا پیچھے ہو گیا کہ آپ مجھے فرما رہے ہیں، آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا؟ چلو۔ میں نے عرض کی کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی ہے؟ آپ نے پوچھا کیوں؟ میں نے عرض کی آپ مجھے فرما رہے ہیں کہ تجھ پر افسوس، آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ دراصل یہ (قبر والا) فلاں شخص ہے جسے میں نے زکوٰۃ پر عامل بنا کر بھیجا تھا، اس نے ایک اونی دھاری دار چادر کی خیانت کی، اب اس کو ویسی چادر آگ کی پہنا دی گئی ہے۔ (نسائی، ابن خزیمہ)

حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو زکوٰۃ پر عامل بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ اے ابوالولید اللہ سے ڈرتے رہنا کہیں تم روز قیامت آؤ، اور ایک چلاتا ہوا اونٹ، ایک پکارتی ہوئی گائے ایک بلبلاتی ہوئی بکری تمہارے اوپر سوار ہو، انھوں نے استفسار کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہوگا، آپ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تو آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو مبعوث فرمایا میں کسی شئے پر آپ کا عامل نہیں بنوں گا۔ (طبرانی)

حضرت عبادہؓ نے اپنے دین کی سلامتی کی خاطر عامل بننے کا ارادہ ترک فرما دیا تاکہ ان کا دین خطرے میں نہ پڑے اور انھیں اس مذکورہ وعید کا ہدف نہ بننا پڑے۔

ملازمین کو دیا جانے والا ہدیہ رشوت ہے

جس طرح کسی عامل کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال میں سے کوئی شئے چھپا لے، خواہ وہ ایک سوئی کیوں نہ ہو اسی طرح اسے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی زکوٰۃ دینے والے مالدار شخص ہدیہ یا تحفے لے کہ یہ رشوت ہے خواہ وہ ہدیہ کے نام سے لے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عامل زکوٰۃ کو تنخواہ سرکاری خزانے سے ملتی ہے اور اسے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس پر کوئی اضافہ کرے کہ اس طرح زکوٰۃ دہندگان سے کچھ لے لینا لوگوں کا ناحق مال کھانا ہے اور فقراء اور مساکین کے حق میں اغنیاء سے ساز باز کرنا ہے اور اس طرح زکوٰۃ وصول کرنے والا تہمت کا نشانہ بن جاتا ہے اور جو شخص خود اپنے آپ کو ہدف ملامت بنائے اسے کسی دوسرے کو برا کہنے کی بجائے اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

ابو حمید الساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ازدی شخص (ابن اللتیبہ) کو عامل مقرر فرمایا، جب وہ آئے تو انھوں نے کہا یہ آپ کا حصہ ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو کام اللہ نے مجھے تفویض کیا ہے اس میں جب میں کسی کو والی مقرر کرتا ہوں تو وہ آکر کہتا ہے کہ یہ تمھارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے، وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا کہ وہیں اس کو ہدیے آتے اگر وہ سچا ہے۔ قسم بخدا تم میں سے جو شخص بغیر حق کوئی شئے لے گا روز قیامت وہ اس کو اٹھائے ہوئے آئے گا اور میں اس روز ایسے شخص کو نہیں پہچانوں گا جس پر کوئی چلاتا ہوا اونٹ، چیختی ہوئی گائے اور بلبلاتی ہوئی بکری لدی ہو۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ بلند فرمائے، یہاں تک کہ آپ کے بغلوں کی سپیدی ظاہر ہو گئی اور آپ نے فرمایا اے اللہ میں نے پہنچا دیا۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد)[1]

زکوٰۃ وصول کنندگان کے لیے ہدایات نبویؐ: اہل مال سے نرمی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو نرمی اور اعتدال کی نصیحت فرماتے تھے اور اپنے بہترین اصحاب میں سے اس کام کے لیے منتخب فرماتے تھے۔ فصلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کے لیے ایسے صحابہ کو روانہ فرماتے جو خرص (اندازہ) کے جاننے والے ہوں اور صحیح اندازہ کر سکیں۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ خرص (اندازہ) کے معنی ہیں مالک کے مال کا خیانت سے محفوظ رہنا، اس لیے اگر وہ خرص کے بعد کمی کا دعویٰ کرے تو اسے ثبوت دینا ہوگا اور اس سے

[1] المنذری: الترغیب والترہیب ج ۱، ص ۲۷۷۔ المنیریہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اندازہ کرنے والے کے اندازے کے مطابق فقراء کا حق وصول کیا جائے گا۔

پھلوں کے اندازے (خرص الثمار) کے بارے میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرص ثمار کے لیے عمّال مقرر فرمائے اور ان سے کہا کہ اندازے میں ذرا تخفیف سے کام لو کہ مال میں کچھ وصیت کی جاتی ہے کچھ ہدیہ دیا جاتا ہے کچھ جانور کھا جاتے ہیں اور کچھ موسموں کے رد و بدل کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اس نصیحت کا مفہوم یہ ہے کہ زکوٰۃ دہندگان مالداروں کے ساتھ نرمی برتی جائے، اور یہ مدنظر رکھا جائے کہ مال میں دیگر مطالبات بھی ہوتے ہیں جن سے انسان غفلت نہیں برت سکتا ان میں کچھ مطالبات انسان خود اپنے اوپر لازم کرتا ہے جیسے وصیت اور ہدیہ اور بعض فطری طور پر لازم آجاتے ہیں جیسے آندھی اور طوفان کی نذر ہو جاتے ہیں۔

مال والوں کے حق میں دُعا

روحانی نقطۂ نظر سے زکوٰۃ میں اور دیگر دنیاوی ٹیکسوں میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی خوشی سے زکوٰۃ دیتا ہے اور اس پر فضلِ الٰہی کا طالب ہوتا ہے اور زکوٰۃ وصول کرنے والا بھی اسے دعا دیتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ : ۱۰۳)

اے نبی تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور نیکی کی راہ میں انھیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دُعائے رحمت کرو کیونکہ تمھاری دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا اے اللہ ابو اوفی کی اولاد کو خیر و برکت عطا فرما۔ [1]

---

[1] احمدؒ، بخاریؒ، مسلمؒ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا مسلمانوں کے مفاد کے کاموں میں مصروف افراد کو عاملینِ زکوٰۃ پر قیاس کیا جائیگا؟

ابن رشد فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے عاملین زکوٰۃ کو زکوٰۃ فنڈ میں سے تنخواہیں دینا جائز قرار دیا ہے ان کے نزدیک قضاۃ اور مسلمانوں کی خدمت میں مصروف دیگر افراد کو بھی زکوٰۃ سے تنخواہیں دینا جائز قرار دیا ہے[1]

نیل الاوطار اور اس کی شرح میں فقہ اباضیہ کا یہ مسلک درج ہے کہ زکوٰۃ میں سے تنخواہ عاملِ زکوٰۃ کو دی جاسکتی ہے اور ہر اس شخص کو دی جاسکتی ہے جو مسلمانوں کی خدمت میں مصروف ہو جیسے قاضی، والی، اور مفتی، اگرچہ یہ افراد غنی ہوں اس لیے کہ یہ عام مسلمانوں کی خدمت میں مصروف ہیں اور اس بنا پر وہ اپنے طور پر کوئی کام نہیں کر سکتے[2]

لیکن عام فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کارکنان دولت (سرکاری ملازمین) کو زکوٰۃ سے تنخواہیں نہیں دی جائیں گی بلکہ فے اور خراج سے دی جائے گی۔ البتہ جن فقہاء نے فی سبیل اللہ کی مد میں توسع اختیار کیا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ یہ مد ہر بستی اور ہر خدمت پر مشتمل ہے ان کے نزدیک زکوٰۃ سے جملہ مفاد عامہ کے کاموں میں مصروف افراد کو تنخواہیں دی جاسکتی ہیں جیسا کہ چھٹی فصل میں بیان ہوگا۔

●

---

[1] بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۲۷۶۔

[2] النیل وشرحہ، ج ۲، ص ۱۳۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری فصل

مؤلفۃ القلوب

مؤلفۃ القلوب سے وہ افراد مراد ہیں جنھیں کچھ مال دے کر اسلام کی جانب راغب کرنا یا اسلام پر قائم رکھنا مقصود ہو یا یہ مقصود ہو کہ ان کے شر سے مسلمانوں کو بچایا جائے، یا وہ مسلمانوں کے دفاع کے لیے تیار ہو جائیں اور مسلمانوں کے دشمنوں سے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد کریں۔

زکوٰۃ کے اس مصرف سے اس حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کوئی شخصی حسن سلوک اور انفرادی عبادت نہیں ہے۔ کیونکہ مصارفِ زکوٰۃ میں سے یہ مصرف ایسا ہے کہ اسے انفرادی طور پر پورا نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس مصرف کو اجتماعی طور پر سربراہ حکومت یا اس کا نائب یا قوم کا اہل حل وعقد (مشورہ) کا ادارہ ہی انجام دے سکتا ہے۔ اور یہی لوگ یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کون مؤلفۃ القلوب ہیں اور کس کی تالیفِ قلب اسلام اور مسلمانوں کے لیے مفید ہو سکتی ہے۔

مؤلفۃ القلوب کی اقسام

www.KitaboSunnat.com

مسلم اور کافر مؤلفۃ القلوب کی حسب ذیل اقسام ہیں۔

۱) ایسا شخص جسے دینے سے اس کے یا اس کی قوم یا خاندان کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جانے کی توقع ہو جیسے صفوان بن امیہ جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر امان دے دی تھی اور انھیں چار ماہ کی مہلت دی تھی کہ وہ اس مدت میں اپنے بارے میں فیصلہ کر کے بتائیں، اس کے بعد وہ آئے اور انھوں نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی جانب سے شرکت کی اور ابھی تک انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور اس غزوہ میں جانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ہتھیار بھی عاریتاً لیے تھے۔ غرض انھیں آپؐ نے بہت سے لدے ہوئے اونٹ عطا کیے اور وہ بولے کہ یہ تو ایسی عطا ہے کہ اس کے بعد فقیری کا اندیشہ ہی نہ رہے۔

اس روایت میں ترمذی اور مسلم نے سعید بن المسیب سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ انھوں نے کہا آپؐ نے مجھے اتنا دیا کہ آپؐ میرے لیے سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔[1]

بہرحال صفوان اسلام لے آئے اور اسلام میں عمدہ ثابت ہوئے۔

اسی طرز کا تعلق یہ واقعہ ہے کہ جو احمد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے نام پر جو سوال کیا جاتا آپؐ ضرور دیتے۔ ایک شخص نے آکر سوال کیا، آپؐ نے دو پہاڑوں کے مابین زکوٰۃ کی بہت سی بکریوں کا حکم دیا، وہ شخص اپنی قوم کی جانب واپس گیا تو اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو اسلام قبول کر لو کہ محمدؐ ایسی بڑی عطا دیتے ہیں کہ فقیری کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔[2]

ب) ایسا شخص جس کے شر کا اندیشہ ہو اور اسے دے دینے سے اس کے شر سے تحفظ حاصل ہو سکتا ہو جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے لوگ بھی آیا کرتے تھے کہ اگر انھیں کچھ دیا جاتا تو خوش ہو جاتے اور اسلام کی تعریف کرتے اور کہتے یہ بڑا اچھا دین ہے اور اگر انھیں نہ دیا جاتا تو وہ عیب جوئی کرتے اور اسلام کی مذمت کرتے۔[3]

ج) ایسا شخص جس نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہو اور اسے اسلام پر ثابت قدمی کی خاطر اسے دیا جاتا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۶۵ ط الجلبی۔

[2] نیل الاوطار: ج ۳، ص ۱۶۶۔ المطبعۃ الثانیہ۔

[3] تفسیر الطبری: ج ۱۴، ص ۳۱۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام زہری سے پوچھا گیا کہ مؤلفۃ القلوب کون ہیں، انھوں نے فرمایا کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی اسلام لے آئے تو وہ بھی مؤلفۃ القلوب میں سے ہے، پوچھا گیا اگر وہ غنی ہو، انھوں نے کہا اگرچہ غنی ہو[1] اور حسن کہتے ہیں کہ جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوں وہ مؤلفۃ القلوب ہیں[2]

اس کی وجہ یہ ہے کہ نیا نیا اسلام میں داخل ہونے والا شخص اپنے سابق دین کو چھوڑ کر مالی قربانی بھی دیتا ہے کہ اس کا مال اس کے والدین اور اس کے خاندان کے پاس رہ جاتا ہے اور بسا اوقات اسے کھانے پینے تک کی تنگی ہو جاتی ہے اور اسے اپنے خاندان والوں کی ہر طرح کی مزاحمت برداشت کرنا پڑتی ہے اس لحاظ سے یہ شخص محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنے رشتہ داروں کو اور اپنی دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور اس امر کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس کی امداد کی جائے اور اس کی اعانت کی جائے۔

د) یا کوئی شخص مسلمانوں کے سرداروں اور بڑے لوگوں میں ہو اور اسے دینے سے اس کے ہم قوم کافر افراد کے اسلام کی توقع ہو، جیسے حضرت ابوبکرؓ نے عدی بن حاتم اور زبرقان بن بدر کو دیا حالانکہ دونوں اچھے اسلام کے حامل تھے اور مسلمانوں کے مابین ان کا ایک مرتبہ اور مقام تھا[3]

ھ) کمزور ایمان کے ایسے مسلمان جو اپنی قوم کے سرداروں اور ان کے بارے میں توقع ہو کہ وہ آئندہ ایمان میں ثابت قدم ہو جائیں گے، ان کا ایمان قوی ہو جائے گا اور وہ جہاد میں مضبوط ثابت ہوں گے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے طلقاء کو جو اسلام لے آئے تھے، ہوازن کی غنیمت کا بڑا حصہ دیا، اور ان لوگوں میں منافق بھی تھے اور ضعیف الایمان بھی تھے، اور اس کے بعد ان میں سے بیشتر لوگ اسلام

---

[1] ایضاً ص ۳۱۴ ۔ المصنف لابن ابی شیبہ ج ۳، ص ۲۲۳ ۔ ط حیدر آباد۔

[2] المصنف بحوالہ مذکور۔ الاکلیل للسیوطی ص ۱۱۹۔

[3] تفسیر المنار ج ۱۰، ص ۵۷۴ - ۵۷۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ثابت قدم ہو گئے۔[1]

و) سرحدوں پر اور دشمنوں کے علاقے سے ملے ہوئے علاقوں کے مسلمانوں کو بھی اس مد میں سے دیا جا سکتا ہے تاکہ دشمن اگر حملہ کرے تو وہ پہلی دفاعی لائن بن سکیں۔

ز) وہ مسلمان جو اپنے اثر و نفوذ سے ان لوگوں سے زکوٰۃ دلوائیں جو بغیر اظہار قوت زکوٰۃ دینے کے لیے آمادہ ہوں اور اس طرح ان کی تالیف سے دو نقصانوں میں سے کمتر کو اختیار کر لیا جائے، اور یہ ایک جزئی سبب ہے اور مفاد عامہ میں سے ہے۔[2]

مؤلفۃ القلوب کی یہ تمام انواع مسلمان اور غیر مسلم دونوں کو شامل ہیں اگرچہ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ تالیف قلب کی مد میں سے صرف مسلمان ہی کو دیا جائے گا اور اس غیر مسلم کو نہیں دیا جائے گا جس کے اسلام کی توقع ہو اور جہاں تک نبی کریمؐ کے غزوۂ حنین کے موقع پر کفار کو تالیف کی خاطر دینے کا مسئلہ ہے تو وہ آپؐ نے فئے میں سے دیا تھا یا خاص اپنے مال میں سے عطا فرمایا تھا۔

امام شافعیؒ کے استدلال یہ ہیں کہ اللہ سبحانہٗ نے مسلمانوں کے صدقات مسلمانوں ہی کی طرف لوٹا دیئے ہیں جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث ہے کہ[3]

"یہ اموال مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء کو لوٹائیں گے۔"

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں الواحدی سے نقل کیا ہے[4] کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس امر سے بے نیاز فرما دیا ہے کہ وہ مشرکین کی تالیف قلب کریں، بلکہ اگر امام کی رائے ہو کہ مسلمانوں میں سے بعض لوگوں کی تالیف قلب سے عام مسلمانوں کو فائدہ ہوگا تو جائز ہے کیونکہ مشرکین پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جن مشرکین کی تالیف قلب کے لیے دیا

---

[1] تفسیر القرطبی، ج ۸، ص ۱۷۹، ۱۸۱۔

[2] المجموع، ج ۶، ص ۱۹۶، ۱۹۸، غایۃ المنتہیٰ و شرحہ ج ۲، ص ۱۴۱۔

[3] الام ج ۲، ص ۶۱ - ط بولاق۔

[4] ج ۱۶، ص ۱۱۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی گیا ہے تو وہ مال فئے میں سے دیا گیا ہے۔

امام رازی الواحدی کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ الواحدی نے جو یہ کہا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے مسلمانوں کو مشرکین کی تالیف قلب سے بے نیاز کر دیا ہے تو یہ انھوں نے اس بنا پر کہا ہے کہ خیال کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو زکوٰۃ میں سے دیا، جبکہ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ آپؐ نے زکوٰۃ میں سے مشرکین کو کچھ نہیں دیا، اور آیت میں بھی ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے جو یہ دلالت کرے کہ مؤلفۃ قلوبہم سے مراد صرف مشرکین ہی ہیں بلکہ یہ مسلمانوں اور مشرکین دونوں ہی پر مشتمل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر مؤلفۃ قلوبہم مسلم اور غیر مسلم دونوں کو مشتمل ہے تو پھر کافر کو بھی بطور تالیف زکوٰۃ دینا جائز ہوا البتہ کافر کو مخصوص کر دینا غیر درست ہوا۔

حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ مؤلفۃ قلوبہم وہ اعراب وغیرہ تھے جن کو نبی کریمؐ ان کے ایمان قبول کرنے کے وقت کچھ دیا کرتے تھے[1]

ہم پہلے ہی حضرت انسؓ کی وہ حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ آپؐ نے ایک شخص کو زکوٰۃ کی بکریاں دیں اور اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا، کہ اسلام لے آؤ کہ محمدؐ اتنا دیتے ہیں کہ بھوک کا اندیشہ ہی ختم ہو جاتا ہے اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص پہلے مسلمان نہیں تھا۔

اور اگر کسی کافر کی اس لیے تالیف کی جائے کہ اس کا دل اسلام کے لیے راضی ہو جائے تو یہ کوئی قابل تعجب امر نہیں ہے بلکہ جیسا کہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ بھی جہاد کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ مشرکین کی تین قسمیں ہیں ایک وہ کافر ہیں جو دلیل سے کفر سے رجوع کر لیتے ہیں، دوسری قسم وہ کافر ہیں جو قوت سے اور تلوار سے کفر سے باز آجائیں اور تیسری قسم وہ کافر ہیں جو عطاؤ احسان سے راہِ کفر ترک کر دیں۔ اور امام کے لیے مناسب یہ ہے کہ ہر قسم کو کفر سے نجات دلانے کے لیے اس کے مطابق طریقہ

---

[1] تفسیر الطبری، ج ۱۴، ص ۳۱۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار کرے۔[1]

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہو گیا؟

امام احمدؒ اور ان کے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حکم باقی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی یا نسخ واقع نہیں ہوا ہے، یہی زہریؒ اور ابو جعفر الباقر کی رائے ہے[2] اور جعفریہ اور زیدیہ مسلک ہے۔[3]

یونس بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں زہریؒ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھے اس کے نسخ کا علم نہیں ہے۔

ابو جعفر النحاس کہتے ہیں کہ یہ حکم بہر حال موجود ہے اور اب بھی اگر کسی کے شر کو دور کرنے کے لیے یا اسے اسلام پر ثابت قدم بنانے کے لیے کچھ دینا ضروری ہو تو دیا جا سکتا ہے۔

قرطبی مالکی فقیہ قاضی عبدالوہاب سے نقل کیا ہے کہ اگر اس مد میں دینے کی ضرورت ہو تو اب بھی دیا جائے گا۔[4]

قاضی ابن العربی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اگر اسلام طاقتور ہو تو یہ صنف ختم ہو جائے گی اور اگر ضرورت ہو تو یہ حصہ دیا جائے گا، جیسا کہ زمانۂ نبوت میں دیا جاتا تھا اس لیے کہ حدیث صحیح ہے۔

"اسلام کا آغاز بھی اجنبیت کی حالت میں ہوا اور اس کی انتہا بھی عالم اجنبیت میں ہوگی"۔

فقہ اباضیہ[5] کی یہ رائے النیل اور اس کی شرح میں ہے کہ اگر امام قوی ہو اور ان سے بے نیاز

---

[1] تفسیر القرطبی، ج ۸، ص ۱۷۹۔

[2] تفسیر الطبری، ج ۱۴، ص ۳۱۴، ۳۱۶۔ المغنی ج ۲، ص ۶۶۶۔

[3] البحر، ج ۲، ص ۱۷۹، ۱۸۰۔ شرح الازہار، ج ۱، ص ۵۱۳۔ فقہ الامام جعفر، ج ۲، ص ۹۰۔

[4] القرطبی۔ بحوالۂ مذکور۔

[5] القرطبی، ج ۲، ص ۱۳۴، ۱۳۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو تو یہ مد ساقط ہے لیکن اگر کافروں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا ہو تو پھر درست ہے۔

طبریؒ نے حسن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اب مؤلفۃ القلوب موجود نہیں ہیں[1]

عامر الشعبی نے کہا ہے کہ مؤلفۃ القلوب عہدِ نبوت میں تھے مگر جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو یہ سلسلہ ختم ہو گیا[2]

نوویؒ نے امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگرچہ کفار کی تالیف درست ہے مگر انھیں فئے میں سے دیا جائے گا نہ کہ زکوٰۃ میں سے، اس لیے کہ زکوٰۃ میں کفار کا کوئی حق نہیں ہے۔

مسلمانوں میں سے مؤلفۃ القلوب کے بارے میں ان کے دو اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھیں کچھ نہیں دیا جائے گا اس لیے کہ اسلام نے مسلمانوں کو عزت عطا فرما دی ہے اور وہ تالیف قلب سے مستغنی ہو گئے ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو آپؐ کی وفات کے بعد بھی دیا جائے گا اس لیے کہ جس لیے انھیں دیا جاتا ہے وہ مصلحت آپؐ کے بعد بھی پائی جا سکتی ہے۔

اور اس بارے میں بھی کہ انھیں کہاں سے دیا جائے دو قول ہیں، ایک یہ کہ انھیں صدقات میں سے دیا جائے گا کیونکہ اس بارے میں نص قرآنی موجود ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان پر فئے کے مصالح کے حصے میں سے صرف کیا جائے گا کہ یہ مسلمانوں کے مفاد کے مطابق ہو گا[3]

مالکی مسلک میں بھی دو اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں کے معزز اور اسلام کا غلبہ ہو جانے کے بعد یہ حصہ متروک ہو گیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حصہ باقی ہے اور ہم اس سلسلے میں عبدالوہاب اور ابن العربی کی آراء نقل کر چکے ہیں[4]

---

[1] تفسیر الطبری، ج ۱۴، ص ۲۱۵۔

[2] ایضاً۔

[3] المہذب و شرحہ للنووی: (المجموع) ج ۶، ص ۱۹۷، ۱۹۸۔

[4] تفسیر القرطبی السابق، الخطابی، معالم السنن (ج ۲، ص ۲۳۱) کہتے ہیں کہ یہ حصہ موجود ہے اور انھیں دیا جانا چاہیے اور یہی رائے ابن قدامہ نے المغنی ج ۲، ص ۶۶۶ پر تحریر کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متن خلیل میں ہے کہ یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہوا ہے، اس لیے کہ مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ میں سے حصہ دینے کا مطلب اسے اسلام کی ترغیب دینا ہے، اعانت کرنا نہیں ہے کہ غلبۂ اسلام سے یہ مد ساقط ہو جاتے۔

الصاوی کہتے ہیں کہ یہ قول اس بنا پر ہے کہ مؤلف کافر ہو اور اسے اسلام کی جانب ترغیب دینے کے لیے دیا جائے اور یہی ابن حبیب کا قول ہے اور دوسرا قول ابن عرفہ کا ہے کہ مؤلف وہ ہے جو نیا نیا اسلام لایا ہو اسے اس لیے دیا جائے گا کہ وہ اسلام پر قائم رہے اور اس لیے یہ حکم بدستور باقی ہے[1]

جمہور حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ یہ حصہ اب ختم ہو چکا ہے اور اب تالیف قلب کے لیے کسی کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔

البدائع میں ہے کہ یہی قول صحیح ہے کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے زکوٰۃ میں سے اس مد میں کچھ نہیں دیا اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اس کو رد بھی نہیں کیا کیونکہ روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما چکے تو مؤلفۃ القلوب حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے عرض کی کہ آپ ہمارے حصے کے بارے میں ہمیں تحریر لکھ دیں جو کہ حضرت ابوبکرؓ نے لکھ دی پھر یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور انھیں اس کی اطلاع دی تو آپ نے یہ خط لکھ کر پھاڑ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں اس لیے دیا کرتے تھے تاکہ تم اسلام پر ثابت قدم رہو۔ اب تو اللہ نے اسلام کو عزت دے دی ہے اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہو گے (تو تمھارے ہی لیے بہتر ہوگا) ورنہ ہماری تلوار فیصلہ کرے گی۔ یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور آپ کو اس بات سے باخبر کیا اور کہنے لگے کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ جیسا انھوں نے کیا ٹھیک ہی کیا غرض حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے قول کی یا عمل کی تردید نہیں کی، اور عام صحابہؓ کو بھی اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو ان میں سے بھی کسی نے رد نہیں کیا اور اس طرح اس پر اجماع ہو گیا۔ اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ

---

[1] حاشیۃ الصاوی، ج ۲، ص ۳۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ انھیں اسلام پر ثابت قدم رکھنے کے لیے دیا کرتے تھے، اسی لیے اللہ نے ان کا نام مؤلفۃ القلوب رکھا ہے کیونکہ اس وقت اسلام کمزور تھا اور مسلمانوں کی تعداد کم تھی، جو بعد میں بکثرت ہو گئے اور قوی ہو گئے اور اسلام معزز ہو گیا اور اہلِ شرک ذلیل ہو گئے۔ اور اگر کوئی حکم کسی مخصوص مصلحت کے ساتھ وابستہ ہو تو اس مصلحت کے ختم ہو جانے پر وہ حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔[1]

البدائع کے اس کلام کا خلاصہ دو امور ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حکم اجماع صحابہ سے منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ تالیف کے حکم کی مخصوص علت اور وجہ ہے اور وہ ہے ان لوگوں کو جن کی تالیف کی جا رہی ہے اسلام کی جانب مائل رکھنا، جو اشاعت اسلام اور اس کے غلبہ سے ختم ہو چکی ہے۔ یعنی یہ حکم اپنی علت کے ختم ہو جانے سے ختم ہو گیا ہے کیونکہ یہ دینا عزت اسلام کے لیے تھا اور اللہ نے اسلام کو معزز بنا دیا ہے۔[2]

نسخ کے دعویٰ کا ابطال

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں دعوے صحیح نہیں ہیں، نہ ہی تالیف کا حکم منسوخ ہوا اور نہ تالیف کی ضرورت ختم ہوئی ہے۔

حضرت عمرؓ کے عمل کو نسخ کی دلیل بنانا درست نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو اس حق سے محروم کیا جن کو عہدِ نبوتؐ میں یہ حصہ مل رہا تھا اور اسلام کو عزت حاصل ہو چکی تھی اور اسلام ان سے مستغنی ہو گیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کا یہ عمل اس طرح درست ہے کہ تالیف کوئی دائمی شئے نہیں ہے کہ جو لوگ کسی ایک دور میں مؤلف بنائے گئے ہوں وہ ہمیشہ کے لیے اس حصہ کے مستحق بن جائیں بلکہ اسلام کی بھلائی اور مسلمانوں کی بہبود کے پیشِ نظر یہ فیصلہ کرنا اولوالامر کا کام ہے کہ تالیف کی کس قدر ضرورت اور کن لوگوں کی تالیف کی ضرورت ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴۵۔

[2] رد المحتار، ج ۲، ص ۸۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمائے اصول نے ایک قاعدہ یہ وضع کیا ہے کہ اگر کوئی حکم کسی وصف مشتق کے ساتھ مُعَلَّق ہو تو جس سے اشتقاق ہے اس کے علت ہونے کی نشاندہی کرے گا اور یہاں پر صدقہ کو مؤلفۃ القلوب پر معلق کیا گیا ہے جس کا یہ مطلب ہوا کہ تالیف قلب انھیں صدقات دینے کی علت ہے، اس لیے جب یہ علت موجود ہو گی دیا جائے گا اور نہیں ہو گی تو نہیں دیا جائے گا۔

اور تالیف قلب کرنا یا نہ کرنا ولی امر کے اختیار میں ہے اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ جن لوگوں کی پہلا حاکم تالیف قلب کر رہا ہے وہ اُس کو ترک کر دے بلکہ اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے عہد میں تالیف کا سلسلہ بالکل ختم کر دے یعنی اگر اس کے عہد میں کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس کی تالیف کی جائے۔ کیونکہ یہ ایک اجتہادی امر ہے اور اس بارے میں زمانے کے اختلاف، حالات کے فرق اور ممالک کی تبدیلی سے حکم مختلف ہو سکتا ہے۔

غرض حضرت عمرؓ کا عمل کسی نص کو معطل کرنا یا کسی شرعی قاعدے کو منسوخ کرنا نہیں ہے اس لیے کہ زکوٰۃ آٹھ موجود اصناف میں تقسیم کی جاتی ہے اگر ان میں سے کوئی صنف موجود نہ ہو تو اس کا حصہ ساقط ہو جاتا ہے اور یہ کہنا درست نہیں ہو گا کہ اس سقوط سے کتاب اللہ کا حکم معطل یا منسوخ ہو گیا۔

مثلاً اگر عاملین علیہا (زکوٰۃ کے کارکن) موجود نہ ہوں، کہ اسلامی حکومت ہی موجود نہیں جو زکوٰۃ جمع کرے اور اسے مستحقین میں تقسیم کرے اور اس کام کے سرانجام دینے والوں کو تنخواہیں دے۔ اس لیے عاملین علیہا کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔

اور اگر الرقاب (گردنوں کو آزاد کرانے کی) صنف موجود نہ ہو، جیسا کہ ہمارے اس دور میں غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے تو یہ حصہ ساقط ہو جائے گا مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہو گا کہ یہ قرآن کا نسخ یا اس کے حکم کو معطل قرار دینا ہے۔[1]

---

[1] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض معاصرین کا یہ کہنا کہ اگر مصلحت مقتضی ہو تو نص کے حکم کو معطل کر دینا یا اس کے مخالف طرزِ عمل اختیار کرنا جائز ہے، غلط ہے۔ ان حضرات نے اپنی اس (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا عمل نسخ نہیں ہے چہ جائے کہ اسے مؤلفۃ القلوب کے حصے کے بالکلیہ منسوخ ہو جانے پر اجماع قرار دیا جائے اور اسی طرح حسن اور شعبی کا یہ قول کہ آج کل مؤلفۃ القلوب موجود نہیں ہے، اس کے نسخ کا قول نہیں ہے بلکہ امر واقع کی خبر دینا ہے۔

نسخ کا تو مطلب یہ ہے کہ کسی حکم کو جسے اللہ نے مقرر کیا ہو باطل کر دیا جائے اور ظاہر ہے کہ ابطال کا حق بھی اسی کو ہوتا ہے جسے قانون بنانے کا حق ہو۔ اور اسلام میں قانون ساز اللہ سبحانہٗ ہے اور وہ نبی پر وحی کے ذریعے اپنے احکام نازل کرتا ہے اس لیے اگر نسخ ہو سکتا ہے تو وہ دورِ نبوت اور زمانۂ نزول وحی میں ہو سکتا ہے، اور اس کی خبر بھی خود فرمانِ نبوت ہی سے ہو گی، یا کم از کم یہ ہو کہ قرآن و سنت کی دو متضاد نصوص ایسی موجود ہوں کہ ان میں کسی بھی طریقے سے تطبیق نہ پیدا کی جا سکتی ہو اور ان میں سے ہر ایک نص کی تاریخ کا بھی علم ہو اور اس طرح ہم بعد والے حکم کو پہلے کا ناسخ قرار دے دیں۔

کیا مؤلفۃ القلوب میں بھی یہی صورت حال ہے کیا ان کے بارے میں کتاب و سنت

(بقیہ آگے) رائے کے حق میں حضرت عمرؓ کے اسی مذکورہ عمل کو دلیل بنایا ہے چنانچہ صبحی محمصانی نے 'فلسفۃ التشریع' میں یہی رائے اختیار کی ہے (ص ۱۷۸) کہ حضرت نے سیاست شرعیہ یا مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر نصوص کی بھی مخالفت کی ہے۔

اسی طرح پروفیسر محمود اللبابیدی نے قاہرہ کے 'دار التقریب بین المذاہب' کے مجلے رسالۃ الاسلام کے ایک مقالے 'اسلام کا قانونی اقتدار' میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ امت کی مجلس شوریٰ اپنے اقتدار سے بعض نصوص شرعی کو ختم کر سکتی یا معطل کر سکتی ہے۔ اور اس رائے کی دلیل اسی حضرت کے واقعہ کو بنایا ہے بہرحال یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی نص کی مخالفت کی ہو یا اسے معطل کر دیا ہو بلکہ اصل حقیقت وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

علمائے ازہر نے اس مقالے کی بڑی سخت تردید کی ہے اور مرحوم شیخ محمد محمد المدنی نے اس کی تردید میں ایک مضمون بھی 'نقد بر نقد' کے نام سے لکھا جو قاہرہ سے مطبع ہوا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی دو متعارض نصوص موجود ہیں یا کوئی ایسی صریح نص موجود ہے جس نے مؤلفۃ القلوب کے حصہ کو منسوخ کر دیا ہو۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی سی بھی صورت نہیں ہے تو پھر اس حکم کے نسخ کا کیوں کر دعویٰ کیا جا سکتا ہے جس کے بارے میں کتاب اللہ کی واضح نص موجود ہو اور اس پر دورِ رسالت ﷺ کے اختتام تک عمل ہوتا رہا ہو۔

شاطبی کہتے ہیں کہ اگر مکلف پر احکام ثابت ہو جائیں تو جب تک کوئی محقق حکم موجود نہ ہو نسخ کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس حکم کا مکلف پر ثبوت ایک امر محقق ہے تو اس حکم کا خاتمہ بھی ایک امر محقق سے ہی ہوگا، اسی لیے علمائے محققین کا اس امر پر اجماع ہے کہ خبر واحد سے قرآن کی نص کا یا خبر متواتر کا نسخ نہیں ہوتا کیونکہ اس طرح ایک قطعی امر کو ظنی بات سے رفع کرنا ہو جائے گا۔[1]

خبر واحد جو کہ بہر حال نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث ہوتی ہے اس سے بھی قرآنی نص منسوخ نہیں ہوتی تو صحابی کے قول یا اس کے عمل سے کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ حضرت عمرؓ کا جو عمل زیر بحث ہے اس میں سرے سے کوئی نسخ کا مفہوم ہی موجود نہیں ہے۔

اور شاطبی سے پہلے علامہ ابن حزمؒ کہہ چکے ہیں کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن یا سنت کا کوئی حکم منسوخ ہے، جب تک اس کی کوئی یقینی دلیل موجود نہ ہو اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ (النساء: ۶۴)

ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

نیز فرمایا ہے۔

وَاتَّبِعُوْا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ (الاعراف: ۳)

---

[1] الموافقات، ج ۳، ص ۶۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ سبحانہٗ نے قرآن کریم میں جو احکام نازل فرمائے ہیں اور جو اپنے نبیؐ کی زبانی دیئے ہیں ان سب کی اتباع فرض ہے۔ اور کسی حکم کے منسوخ کہنے کا یہ مطلب ہوگا کہ اس امر کی اطاعت نہ کی جائے اور اتباع لازم نہ رہے اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ کی معصیت ہے الّا یہ کہ نسخ کی قطعی دلیل موجود ہو، اور اگر کوئی اس کے برخلاف نسخ کا قائل ہو تو وہ گویا شریعت کے ابطال کی راہ کھول رہا ہے کہ اس طرح ہر نصِّ قرآنی اور حدیث کے نسخ کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے جو کہ اسلام کے بالکل برخلاف ہے۔ غرض جو بات بالیقین ثابت ہو وہ ظن سے رد نہیں ہو سکتی اور جس حکم کا اللہ اور رسولؐ نے یقینی حکم دیا ہے وہ جب تک اس کے نسخ کا ایسا قطعی اور یقینی حکم موجود نہ ہو جس میں کوئی شک نہ ہو، ساقط نہیں ہو سکتا۔[1]

اس لحاظ سے درست اور صحیح یہی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ باقی ہے اور یہ حکم نہ منسوخ ہوا ہے اور نہ معطل ہوا ہے کہ اس پر سورۂ توبہ کی صریح نصّ موجود ہے جو کہ قرآن کے باعتبار نزول آخری حصے میں سے ہے۔

ابو عبید کہتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور اس میں کتاب و سنت میں وارد کسی نسخ کا ہمیں علم نہیں ہے اگر کچھ لوگوں کی یہ کیفیت کہ انھیں سوائے حصول یافت کے اسلام سے اور کچھ دلچسپی نہ ہو اور حالت یہ ہو کہ اگر وہ ارتداد اختیار کر لیں یا مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے لگیں تو ان کی طاقت و قوت اور ان کے غلبہ کی وجہ سے اسلام کو گزند پہنچنے کا اندیشہ ہو اور اس وجہ سے امام یہ مناسب تصور کرے کہ انھیں زکوٰۃ سے کچھ دے کر خاموش کر دے تو اسے تین وجوہ کی بنا پر اختیار ہوگا۔

ایک وجہ تو کتاب و سنت پر عمل۔

دوسری وجہ مسلمانوں کا تحفظ۔

تیسری وجہ یہ کہ ان لوگوں سے نا اُمید نہ ہونا چاہیے ہو سکتا ہے اسلام کی مسلسل حوصلہ افزائیوں سے وہ اسے سمجھنے اور اس میں خوشی سے دلچسپی لینے لگیں۔[2]

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام: الباب العشرین، فصل کیف یعلم المنسوخ، ص ۴۵۸۔ ج ۱۔

[2] الاموال۔ ص ۶۰۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن قدامہ المغنی میں مسلک احمدؒ کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مصارف زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کا حصہ باقی ہے اور اس امر کی دلیل کتاب وسنت میں موجود ہے یعنی یہ کہ اللہ سبحانہٗ نے مؤلفۃ القلوب کو منجملہ آٹھ مصارف زکوٰۃ کے ذکر کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ سبحانہٗ نے مصارف زکوٰۃ کو آٹھ حصوں میں تقسیم فرمایا ہے"

اور مشہور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ مؤلفۃ القلوب کو عطا یا دیا کرتے تھے، بلکہ آپؐ وفات کے وقت تک دیتے رہے اور کتاب وسنت سے اس حکم کا نسخ ثابت نہیں ہے اور نسخ محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے کہ نسخ کی کسی نص کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے اور نص آپؐ کی وفات اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اور حکم قرآن کا نسخ قرآن ہی سے ثابت ہو سکتا ہے یا سنت سے جبکہ اس مقام پر کتاب وسنت میں سے کوئی نص موجود نہیں ہے، اس لیے قول صحابی، یا اپنی رائے سے اس حکم کو منسوخ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مزید یہ کہ یہ فقہاء قیاس کے بالمقابل قول صحابی کو ترک کر دیتے ہیں تو پھر غور کیجئے کہ قول صحابی کی بنا پر قرآن وسنت کو کیوں کر ترک کیا جا سکتا ہے۔

زہریؒ کہتے ہیں کہ مجھے مؤلفۃ القلوب کے حصے کے نسخ کا علم نہیں ہے۔[1]

---

[1] فقہائے احناف کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا ناسخ کیا ہے جبکہ مؤلفۃ القلوب کا حکم قرآن کی قطعی اور حتمی نص سے ثابت ہے۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا ناسخ اجماع ہے اور انھوں نے یہ کوشش کی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کے بارے میں حضرت عمرؓ کے موقف کو اجماع قرار دے دیں، لیکن آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ اجماع نہیں ہے۔ اور بعض دیگر نے اس اجماع پر نسخ کی دلیل تلاش کرنے کی سعی بھی کی ہے چنانچہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان مؤلفۃ القلوب کے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف: ۲۹)

صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ میں سے حصہ دینے کی جو وجہ فقہاء نے بیان کی ہے وہ یقیناً کتاب وسنت کے مطابق ہے اور مؤلفۃ القلوب سے مستغنی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ

(بقیہ آگے) ابن عابدین کہتے ہیں کہ اجماع ناسخ نہیں ہے اور نہ یہ رائے درست ہے اس لیے کہ نسخ تو صرف حیاتِ نبوی ہی میں ہوسکتا ہے اور اجماع کا انعقاد آپؐ کی وفات کے بعد ہوسکتا ہے۔ اس لیے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ نسخ کی دلیل حضرت معاذ بن جبلؓ کے یمن بھیجنے کی حدیث ہے کہ انھیں آپؐ نے حکم فرمایا کہ زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لی جائے اور ان کے غریبوں کو دی جائے۔ (الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ: ج ۲، ص ۸۳- ط- استنبا نبول) صحیح بات یہ ہے کہ یہ محض تاویلیں ہیں اور ان تاویلوں سے ایک قطعی اور واضح نصّ کا نسخ ممکن نہیں ہے، مثلاً مذکورہ بالا سورۂ کہف کی آیت بالیقین مکی ہے، تو ایک مکی آیت سے اس آیت کا نسخ کیسے ثابت ہوسکتا ہے جو مدینہ منورہ میں بہت بعد میں نازل ہوئی۔ اور اصلی بات یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں تعارض کیا ہے کہ ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ مانا جائے۔ اسی طرح حدیث معاذ کا حال ہے کہ اس میں زکوٰۃ کا مقصود بیان کیا گیا ہے کہ یہ بادشاہوں کے لگائے ہوئے ٹیکسوں کی طرح نہیں ہے کہ غریبوں اور محنت کشوں سے لے کر بادشاہوں کی شان وشوکت پر خرچ کیا جائے بلکہ قوم کا یہ سرمایہ قوم کے مالداروں سے لے کر قوم کے ناداروں پر صرف کیا جاتا ہے۔ اگر اس حدیث میں محض فقراء کے لفظ سے یہ سمجھا گیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ باقی نہیں رہا ہے تو اس سے تو یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ فقراء کے علاوہ عاملین علیہا، الرقاب، الغارمین کی بھی صنف مراد لی جاسکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف میں سے علاؤ الدین بن عبد العزیز کو کہنا پڑا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ عہد رسالتؐ میں ثابت ہوچکا تھا کہ اس وقت انھیں دینے کا مقصود یہ تھا کہ کفر کا غلبہ تھا اور اسلام کمزوری میں تھا اور مؤلفۃ القلوب کو دے کر ان کی ہمدردی اسلام کی جانب کی جائے مگر جب یہ حالت تبدیل ہوگئی اور اسلام غالب ہوگیا تو یہ حصہ بھی ممنوع ہوگیا لیکن منسوخ نہیں ہوا بلکہ تا حال باقی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے کہ عہد نبویؐ

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کا حکم ختم ہوگیا ہے بلکہ صرف یہ ہے کہ ان کو ایسے وقت دیا نہیں جائے گا اور جب دوبارہ انھیں دینے کی ضرورت ہوگی پھر دیا جائے گا اور یہی تمام اصناف کا حال کہ اگر مستحقین زکوٰۃ کی کوئی صنف کسی دور میں موجود نہ ہو تو خاص اس زمانے میں اس کا حکم ساقط ہو جائے گا اور جب وہ صنف دوبارہ موجود ہوگی تو پھر زکوٰۃ میں سے اس کا حصہ دیا جائے گا۔[1]

تالیف قلوب کی ضرورت ختم نہیں ہوئی

فقہائے احناف کا یہ کہنا کہ اسلام کی اشاعت اور غلبہ سے تالیف قلوب کی ضرورت ختم ہوگئی ہے تو یہ دعویٰ تین اسباب کی بنا پر غلط ہے۔

۱) بعض مالکی فقہا نے کہا ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ میں حصہ ان کی اعانت کے طور پر نہیں دیا جاتا کہ اسلام کے غلبہ سے یہ اعانت ختم کر دی جائے بلکہ ان کو اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام کی جانب راغب ہو کر جہنم سے نجات پا جائیں[2]

یہ دراصل دعوتِ اسلام کا ایک ذریعہ ہے اور اس سے حقیقی مقصود یہی کہ کچھ لوگوں کو مالی امداد دے کر انھیں اسلام کی جانب راغب کیا جائے اور انھیں جہنم سے نجات

(بقیہ آگے) میں یہ اہل خاندان کے ذمے آیا کرتی تھی اور بعد میں یہ اہل دیوان پر عائد ہونے لگی، تو یہ اہل دیوان پر عائد ہونا اس کا نسخ ہونا نہیں ہے کہ عہد نبوت میں نصرت اور مدد کا مدار اہل خاندان تھے اور بعد کے عہد میں نصرت کا مدار اہل دیوان بن گئے اور یہ گویا اسی مفہوم کا اثبات ہوگیا جس کے لیے دیت عائد ہوئی ہے یعنی باہمی نصرت اس رائے کو النہایہ نے بھی عمدہ کہا ہے۔

بہرحال اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر مثلاً آج کے عہد میں اسلام کمزور ہوگیا ہے تو آج بھی مؤلفۃ القلوب کا حصہ دیا جائے گا۔ اور یہی وہ بات ہے جس کے فقہائے احناف قائل نہیں ہیں، چنانچہ ابن الہمام اس رائے سے نسخ کی نفی نہیں ہوتی کہ انھیں دینے کا جواز ایک حکم شرعی تھا جو پہلے ثابت تھا اور بعد میں ختم ہوگیا۔ (تفسیر الآلوسی ج ۳، ص ۳۲۷)

[1] المغنی، ج ۲، ص ۶۶۶۔

[2] حاشیۃ الصاوی، علی بلغۃ السالک ج ۱، ص ۲۳۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلائی جائے اور ظاہر ہے کہ یہ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ انسانیت کی راہ ہدایت کی جانب راہنمائی کرنے انھیں جاہلیت سے نکالنے اور عذابِ آخرت سے بچانے کی پوری پوری جدوجہد کریں۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان دنیاوی منفعت کی خاطر اسلام قبول کر لیتا ہے لیکن بعد میں اسلام میں اس کی خدمات بہت عمدہ ثابت ہوتی ہیں چنانچہ ابو یعلی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ زمانہ نبوت میں کوئی شخص ایسا بھی ہوتا کہ پہلے دنیا کی خاطر اسلام لے آتا مگر پھر وہ اسلام میں خالص ہو جاتا اور اسے اسلام ساری دنیا کی دولتوں سے زیادہ پیارا ہو جاتا تھا[1]

مذکورہ بیان بایں صورت ہے کہ مؤلف کافر ہو اور اسے اسلام کی جانب ترغیب دینے کے لیے دیا جائے، حالانکہ ہر مؤلف اس طرح نہیں ہے، بلکہ مؤلفہ وہ نومسلم بھی ہوتے ہیں جو اسلام قبول کرنے کی بنا پر اور اپنا سابقہ دین ترک کر دینے کی بنا پر خاندانی منفعتوں اور اپنے مذہب کے لوگوں کے فوائد سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان کی طرف سے ان پر ابتلاء اور مصیبت شروع ہو جاتی ہے، ان مسلمانوں کو اس لیے دیا جاتا ہے تاکہ ان کی تائید ہو جائے اور یہ اسلام پر ثابت قدم ہو جائیں اور جو اسلام کی وجہ سے ان پر مصیبتیں آ رہی ہیں ان کا مقابلہ کر سکیں۔

۲) یہ دعویٰ اس امر پر مبنی ہے کہ تالیف اسی وقت ہوتی ہے جب اسلام اور اہل اسلام کمزور ہوں، اور بعض نے یہ شرط لگائی ہے کہ مؤلف فقیر اور محتاج ہو، مگر یہ نصوص کو بلا وجہ اور بلا دلیل اور بغیر کسی شرعی حکمت کے توڑ مروڑ کر پیش کرنا ہے۔

آج تو ہم دیکھتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک کی امداد کر رہے ہیں، جیسا کہ جنگ عظیم کے بعد امریکہ نے بعض یورپی ممالک کی امداد کی اور اس طرح بعض ترقی پذیر مشرقی ممالک کی امداد کی ہے۔

امام طبریؒ نے کس قدر عمدہ بات کہی ہے کہ درحقیقت اللہ سبحانہٗ نے زکوٰۃ میں دو حکمتیں رکھی ہیں پہلی حکمت تو یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی بھوک کا مداوا ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ

---

[1] مجمع الزوائد میں ہے کہ اس روایت کو ابو یعلی نے نقل کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (ج ۳، ص ۱۰۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے اسلام کو تقویت اور تائید حاصل ہوتی ہے۔ اور جو مدِ اسلام کی تائید اور تقویت کے لیے ہو وہ غنی اور فقیر سب کو دی جائے گی، اس لیے کہ اسے ضرورت کے لیے نہیں دیا جاتا بلکہ اعانت اسلام کے لیے دیا جاتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خرچ کیا جاتا ہے کہ جہاد میں بھی غنی اور فقیر کا کوئی فرق نہیں ہے کہ انھیں جہاد کے لیے دیا جاتا ہے ان کی تنگدستی دور کرنے کے لیے نہیں دیا جاتا، اسی طرح مؤلفۃ القلوب بھی ہیں کہ اگرچہ وہ غنی بھی ہوں تب بھی انھیں دیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اسلام کی جانب مائل ہوں اور پھر اسلام لاکر ثابت قدم ہو جائیں اور اس طرح اسلام کو تقویت اور تائید حاصل ہو۔

جب اللہ سبحانہٗ نے آپؐ کو فتح عطا فرمائی، اسلام کی اشاعت ہوگئی اور اہل اسلام کو عزت حاصل ہوگئی آپؐ اس کے بعد بھی مؤلفۃ القلوب کو دیتے رہے، تو اب یہ دلیل نہیں دی جا سکتی کہ اسلام کی اشاعت اور غلبہ کے بعد تالیف کی ضرورت باقی نہیں رہی[1]

۳) اور آج کل صورتِ حال بالکل تبدیل ہو چکی ہے اب مسلمان دنیا کے فرمانروا نہیں رہے ہیں بلکہ اب اسلام دوبارہ اسی طرح اجنبی ہوگیا ہے جس طرح کہ وہ پہلے اجنبی تھا۔ اور اقوام عالم مسلمانوں کو اس طرح کھا رہی ہیں جس طرح دیمک لکڑی کو کھا جاتی ہے، اور کمزوری مسلمانوں کے قلوب میں اتر چکی ہے۔ اگر یہ ہی کمزوری اور بے چارگی تالیف قلب کی علت ہے تو یہ تو موجود ہے اس لیے اس مد میں زکوٰۃ دینا بھی درست ہے جیسا کہ ابن العربی وغیرہ نے کہا ہے[2]

---

[1] تفسیر الطبری: بتحقیق شاکر۔ ج ۱۴، ص ۳۱۶۔

[2] خود حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ محض یہ کہہ دینا کہ تالیف کی علت (وجہ) ختم ہو جانے کی بنا پر تالیف ختم ہوگئی، کوئی موزوں دلیل نہیں ہے کیونکہ کسی حکم کے باقی رہنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی علت بھی باقی رہے مثلاً حج میں رمل کا حکم اس علت کی بنا پر تھا کہ کافروں پر اسلام کی قوت کا اظہار کیا جائے، اب یہ علت باقی نہیں ہے مگر حکم باقی ہے احرام کی حالت میں احرام کی چادر کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر شانے پر ڈالنے کی علت باقی نہیں ہے مگر حکم باقی ہے اس

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤلفۃ القلوب کو دینے اور ان کی تالیف کا کس کو حق ہے؟ | تالیف کے جواز کا تعین کرنا

اور یہ اندازہ کرنا کہ اس کی ضرورت موجود ہے اولوالامر کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کریمؐ اور خلفائے راشدین اس کام کو خود ہی انجام دیا کرتے تھے اور یہی صحیح اور فطری طریقہ ہے کیونکہ اس کام کا تعلق داخلی اور خارجی سیاست سے ہے اور اس میں دین اسلام کی مصلحت اور مسلمانوں کے مفاد کو مدِ نظر رکھنا لازمی ہے۔[1]

چونکہ آج کل اسلامی حکومتیں اسلام کے نظام زکوٰۃ کی ذمے داریوں کو پورا نہیں کر رہی ہیں اس لیے ان کی جگہ اسلامی جماعتیں یہ فریضہ انجام دے سکتی ہیں۔

اور اگر کوئی جماعت بھی موجود نہ ہو تو پھر کیا ایک مسلمان انفرادی طور پر اپنی زکوٰۃ تالیف قلب کے طور پر کسی کافر کو دے سکتا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک زکوٰۃ کا کوئی اور مصرف باقی نہ رہا ہو مثلاً اگر کچھ مسلمان غیر اسلامی ملک میں رہ رہے ہوں اور وہاں مستحق زکوٰۃ موجود نہ ہوں، اور ان کی رائے یہ ہو کہ اگر وہ مقامی غیر مسلموں کو اپنی زکوٰۃ دیں گے تو وہ اسلام کی جانب مائل ہو سکتے ہیں یا کم از کم مسلمانوں کی نصرت پر آمادہ ہو سکتے ہیں تو انھیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اس صورت میں اگر زکوٰۃ کی رقم کسی اسلامی ملک نہ بھیجی جا سکتی ہو تو اسے اشاعت اسلام پر خرچ کیا جائے۔

(بقیہ آگے) لیے کسی حکم کے اس کی علت کے باقی رہنے تک باقی رہنے کے لیے بھی دلیل شرعی کا ہونا ضروری ہوا، البتہ اجماع کی صورت میں اس کا تعین لازمی نہیں رہتا۔ اور ثبوت دلیل پر حکم عائد ہو جاتا ہے اگرچہ وہ ہمارے سامنے ظاہر نہ ہو۔ (ردالمحتار، ج ۲، ص ۸۲-۸۳۔ طبع استنبول)

صاف محسوس ہوتا ہے کہ فقہائے احناف باوجود سعی کامل کے اپنے موقف کو درست نہیں ثابت کر سکے۔

[1] شرح الازہار، (ج ۱، ص ۵۱۳۔) میں ہے کہ امام اگر تالیف میں کوئی دینی مصلحت محسوس کرے تو اس کے لیے تالیف جائز ہے اور مسلک زیدیہ کے مطابق خود مال کے مالک کو تالیف کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

01610

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دورِ جدید میں مؤلفۃ القلوب کے حصّہ کا کیا مصرف ہے؟ چونکہ مؤلفۃ القلوب کا حکم باقی ہے

اور انھیں زکوٰۃ سے حصّہ دینے کا حکم قطعی بھی موجود ہے اور یہ حکم منسوخ نہیں ہوا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس حصّہ کو کس طرح خرچ کریں۔

اس حصّہ سے شریعت کا جو کچھ مقصود ہے وہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اسی سے اس سوال کا جواب مل چکا ہے کہ تالیف قلب سے شریعت کا مقصود لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا، انھیں ثابت قدم بنانا، ان میں سے کمزوروں کو تقویت دینا، اسلام کے مددگار حاصل کرنا اور دشمنانِ اسلام کے شر کو دور کرنا ہے۔

دورِ جدید میں اس کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مسلم حکومتیں غیر مسلم حکومتوں کو مالی امداد دے کر ان کو مسلمانوں کا ہمدرد بنائیں یا بعض تنظیموں اور جماعتوں سے مالی تعاون کر کے انھیں اسلام کی جانب مائل کریں اور مصنفین اور اہلِ قلم سے تعاون کر کے انھیں اسلام کی مدافعت پر آمادہ کریں، اور اس امر پر تیار کریں کہ وہ اُمّتِ مسلمہ پر ہونے والی افترا پردازیوں پر گرفت کریں اور ان کا جواب دیں۔

جو لوگ دینِ اسلام قبول کرتے ہیں ان کی کسی بھی اسلامی ملک سے کوئی امداد یا تعاون نہیں ہوتی حالاں کہ انھیں زکوٰۃ کے اس حصّے سے دیا جانا چاہیے تاکہ اس سے ان کی ہمّت مضبوط ہو اور وہ اسلام پر قائم ہو جائیں، جیسا کہ یہی رائے امام زہریؒ اور حسن بصریؒ کی ہے، بالخصوص اس امر کے پیشِ نظر کہ مشنری تنظیمیں عیسائیت قبول کر لینے والوں کی ہر طرح کی مالی امداد کرتی ہیں اور انھیں ہر مادی اور اخلاقی تعاون مہیّا پہنچاتی ہیں، اور ان مشنری تنظیموں کو عیسائی دولت مند ممالک کثیر رقمیں اور امدادیں فراہم کرتے ہیں حالاں کہ ان کے مذہب میں ہمارے مذہب کے نظامِ زکوٰۃ جیسا کوئی نظام بھی موجود نہیں ہے کہ ہمارے نظامِ زکوٰۃ میں منجملہ آٹھ مصارف کے ایک مصرف بطورِ خاص تالیفِ قلب کا مقرر کر دیا گیا ہے۔

اسلام ایک ایسا طریقۂ حیات ہے جو عین فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے اور عقلِ سلیم سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ہم آہنگ ہے اور اس میں ایسی وسعت، ہمہ گیری اور جامعیت موجود ہے جو اس کی اشاعت میں بے حد ممد ثابت ہوتی ہے اور اس کی تبلیغ میں بے انتہا مؤثر ہوتی ہے۔ لیکن جو لوگ اس دین کو قبول کرتے ہیں انھیں کوئی مادی تعاون حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اس دین پر اطمینان سے غور کر سکیں اور جو اس دین کے قبول کرنے میں انھیں قربانی دینی پڑتی ہے اور جو اپنے اہلِ خاندان اور اہلِ قبیلہ اور اہلِ قوم کے ظلم و ستم برداشت کرنے پڑتے ہیں، ان کی برداشت کی ان میں ہمت پیدا ہو سکے۔

بہت سے ممالک میں اسلامی جماعت اس خامی کی قدرے تلافی ضرور کر رہی ہے مگر ظاہر ہے کہ وہ مناسب وسائل سے محروم ہے۔

اس بات کی وضاحت کے لیے آپ ذرا براعظم افریقہ پر نظر ڈالیے جہاں زبردست سیاسی اور مذہبی کش مکش برپا ہے اور دنیا کی ہر بڑی طاقت وہاں کے عوام کو اپنے شکنجے میں کسنے اور وہاں کی حکومتوں کو اپنا ہمنوا بنانے اور وہاں کے لیڈروں کو خریدنے کے لیے کوشاں ہے۔ ایک طرف استعماری اور مشنری قوتیں کارفرما ہیں۔ دوسری طرف اسرائیلی صیہونی ریشہ دوانیاں ہیں اور تیسری طرف مارکسی اشتراکی دیوسارے افریقہ کو ہڑپ کرنے کے لیے منہ کھولے آگے بڑھ رہا ہے۔

ظاہر ہے اگر دنیا میں کوئی ایسی اسلامی ریاست قائم ہوتی جو دعوت اسلامی کی اشاعت کو اپنا فریضہ سمجھتی تو وہ اس منظر سے بے نیاز نہ رہتی بلکہ آگے بڑھ کر اشاعتِ اسلام کی تدبیریں کرتی۔ کیونکہ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کا ایک دور ایسا بھی گزر چکا ہے جب کہ اسلام کا کردار فعال، مؤثر اور جاندار تھا، جب کہ آج اسلام اپنی دفاعی پوزیشن میں ہے اور اسلام اور غیر اسلام کا معرکہ خود سرزمین اسلام میں لڑا جا رہا ہے اور اس جنگ میں اسلام شکست کھا کر اپنا ہی کچھ علاقہ ہاتھ سے دے بیٹھا ہے۔ اور جیسا کہ سید رشید رضا نے کہا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ آج کافر مسلمانوں کی تالیف کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو اپنا حامی اور ہمنوا بنالیں اور انھیں سامراج کا غلام بنا کر انھیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیں اور اسلام سے بیگانہ کر دیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا مسلمانوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بھی تالیف کی مد میں خرچ کر کے اسلام کی جانب اقوام عالم کو مائل کریں۔

زکوٰۃ کے علاوہ کسی اور مال سے تالیف کا جواز

یہ ضروری نہیں ہے کہ تالیف پر جو کچھ بھی صرف کیا جائے وہ زکوٰۃ ہی میں سے ہو بلکہ اس مقصد کے لیے دوسرے ذرائع سے بھی مال صرف کرنا درست ہے بالخصوص اس صورت میں جبکہ زکوٰۃ کے باقی سات مصارف میں زکوٰۃ کا صرف کرنا زیادہ ضروری اہم ہو اور ان میں مستحقین کی کثیر تعداد پائی جاتی ہو چنانچہ امام شافعیؒ کی اس رائے پر بھی عمل ہو سکتا ہے کہ تالیف پر مصالح کے حصے میں سے خرچ کیا جائے۔ بہرحال اس کا تعلق ایک منصف اور عادل ولی امر کی رائے سے ہے اور اس کا فیصلہ کرنا اہل شوریٰ کی ذمے داری ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھی فصل

فی الرّقاب

(گردنوں کا آزاد کرانا)

قرآن کریم نے زکوٰۃ کے بعض مصارف کو الف لام کے ساتھ ذکر کیا اور بعض کو فی کے ساتھ

سورۃ توبہ کی آیت صدقہ میں وارد آٹھ مصارف زکوٰۃ میں ہم چار کا بیان کر چکے ہیں جو یہ ہیں:۔

الفقراء المساکین العاملین علیہا المؤلفۃ قلوبہم

اس کے بعد چار مصارف اور رہ گئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

فی الرقاب

والغارمین

فی سبیل اللہ

وابن السبیل

مذکورہ بالا پہلے چار مصارف میں اور بعد کے چار مصارف میں قرآن کریم نے فرق کیا ہے اور وہ یہ کہ پہلے چار مصارف سے پہلے (لام) آیا ہے جس کے معنی "لیے" کے ہیں اور جو ملکیت کا مفہوم ادا کرتا ہے جبکہ باقی چار مصارف کو فی کے بعد بیان کیا ہے جس کے معنی "میں" کے ہیں اور جو ظرفیت کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

یہ قرآن کریم کا ایک معجزانہ اسلوبِ بیان ہے اور اس میں کوئی بلیغ حکمت پنہاں ہے چنانچہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ پہلی چار اصناف کو لام کے بعد باقی چار اصناف کو فی کے بعد اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ علم ہو جائے کہ بعد کے چار پہلے چار سے زیادہ مستحق ہیں کہ ان میں زکوٰۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھ دی گئی ہے ضم کر دی گئی ہے اور ان کا جزء بنا دی گئی ہے [1]

ابن المنیر الانتصاف میں الزمخشری کے اس کلام کے بعد فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ایک لطیف نکتہ اور ایک گہرا راز ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی چار اصناف اس مال کی مالک ہیں جو انہیں دیا جانے والا ہے (یعنی مال زکوٰۃ) اور وہ اس کو اس طرح لیں گے جیسے وہ اپنی ملکیتی شئے لے رہے ہوں، اس لیے ان مصارف کو لام سے ذکر کیا گیا کہ عربی زبان میں لام اظہار ملکیت کے لیے آتا ہے جبکہ بعد کے چار مصارف کو جو مال زکوٰۃ دیا جا رہا ہے وہ ان کی ملکیت نہیں ہے بلکہ اس مال کو ان سے متعلق مصالح میں صرف کیا جا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ غلاموں کی آزادی کے لیے جو مال صرف کیا جا رہا ہے وہ ان کو نہیں دیا جاتا بلکہ ان کے مالکوں اور ان کے آقاؤں کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ ان کی گردنیں آزاد کر دیں اس لحاظ سے یہ حصہ ان کی دسترس میں نہیں آیا کہ اسے لام سے ذکر کیا جاتا جس میں ملکیت کا مفہوم آجاتا ہے بلکہ درحقیقت یہ مصرف ایسا ہے کہ اس سے مستحق کو فائدہ تو پہنچتا ہے مگر مال زکوٰۃ اس کی ملکیت میں نہیں جاتا۔

یہی صورت غارمین (مقروض اور تاوان زدہ) کی ہے کہ اس مصرف میں بھی مال زکوٰۃ مستحق کی ملکیت میں نہیں آتا بلکہ اس شخص کو دیا جاتا ہے جس نے اسے قرض دیا تھا یا جس کا تاوان اس کے ذمے آگیا تھا۔ اور اس طرح اسے اس ذمے داری سے رست گاری دلا دی جاتی ہے۔

جہاں تک فی سبیل اللہ کے مصرف کا تعلق ہے تو وہ بالکل واضح ہے۔

اور ابن السبیل بھی فی سبیل اللہ میں آسکتا ہے لیکن اس کو علیحدہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس کی جُدا خصوصیت قائم ہو جائے اور پھر اس پر نہ لام آیا ہے اور نہ فی آیا ہے اور اسے لام پر عطف کرنا بھی ممکن ہے لیکن ظاہر ہے کہ قریب فی واقع ہوا ہے اس لیے اس پر عطف کرنا زیادہ موزوں ہے [2]

---

[1] الکشاف: ج ۲، ص ۳۴۵، ۳۴۶ ۔ ط ۔ الحلبی ۔ ۱۳۶۷ھ۔

[2] الانتصاف بن الکشاف: بحاشیہ سابق۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کہتا ہوں کہ ابن السبیل (مسافر) پر بھی جو خرچ کیا جاتا ہے وہ اس کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت وہ اس کے سفر کی مصالح پر صرف ہوتا ہے اور اس کے منزل پر پہنچنے کا مقصد پورا کرنا ہوتا ہے، اس لحاظ سے اسے کچھ دینے کے بجائے اس کے جہاز کا یا ریل کا ٹکٹ لے کر دے دیا جائے تو اس مصرف کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح فخر الرازی فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ نے صدقات کے پہلے چار مصارف کو لام تملیک کے ساتھ بیان فرمایا اور ارشاد ہوا (انما الصدقات للفقراء) اور جب الرقاب کا مصرف بیان کیا تو وہاں لام کی بجائے "فی" آیا اور کہا (فی الرقاب) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے چار مصارف کو زکوٰۃ میں سے ان کا حصہ دے دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتے ہیں۔ جبکہ الرقاب کے مصرف میں غلاموں کو نہیں دیا جاتا بلکہ ان کی رہائی کے لیے صرف کیا جاتا ہے، اور انھیں یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اس حصے میں اپنی مرضی سے تصرف کریں۔

اسی طرح غارمین کا قرض ادا کر دیا جاتا ہے، فی سبیل اللہ میں مجاہدین کی اسلحہ وغیرہ کی ضروریات پوری کر دی جاتی ہیں اور یہی صورت ابن السبیل (مسافر) کی ہے کہ اس کی ضرورت پوری کر دی جاتی ہے۔

غرض پہلی چار اصناف کو زکوٰۃ میں سے جو حصہ ملتا ہے وہ اس کو صرف کر دینے کی مختار ہوتی ہیں جبکہ باقی چار اصناف میں مال زکوٰۃ ان کو دیا نہیں جاتا بلکہ ان کی ان ضروریات میں صرف کیا جاتا ہے جن کی بنا پر وہ مستحق قرار پائے ہیں۔[1]

الخازن نے بھی اپنی تفسیر میں یہی بات بیان کی ہے۔[2]

مستحقین کی اصناف میں اس فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے المنار[3] کے مصنف نے تقسیم

---

[1] الرازی: التفسیر الکبیر، ج ۱۶، ص ۱۱۲۔

[2] الجمل حاشیۃ الجلالین، ج ۲، ص ۲۹۲۔

[3] المنار: ج ۱۰، ص ۵۸۶، ۵۹۰۔ ط ثانیہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہے اور اسی کو ان کے بعد شیخ شلتوت نے اختیار کیا ہے[1] کہ مصارف کے دو حصے ہیں ایک حصہ اشخاص اور دوسرا حصہ مصالح۔

اشخاص کے حصہ میں پہلے چار مصارف اور غارمین اور ابن السبیل داخل ہیں (یعنی چھ) اور مصالح میں صرف دو مصرف آتے ہیں یعنی فی الرقاب اور فی سبیل اللہ اور یہی دو مصرف ہیں جن پر "فی" براہِ راست آیا ہے۔

سید رشید رضا نے الغارمون اور ابن السبیل کو مصالح میں شمار نہیں کیا حالانکہ عطف کے لحاظ سے یہ بھی فی کے تحت آتے ہیں بلکہ انھیں بھی لام پر عطف کر دیا ہے۔ اور وہ اس لیے تاکہ چھ اصناف جو اشخاص ہیں وہ علیحدہ ہو جائیں۔

مگر اس میں تامل یہ ہے کہ عطف قریب پر ہونا چاہیے نہ کہ دور پر اور قرآنی بلاغت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جن اصناف کو زکوٰۃ (بطور ملکیت) دی جاتی ہے وہ علیحدہ اور مستقل بیان ہوں اور جن اصناف کی مصالح میں زکوٰۃ صرف کی جاتی ہے ان کو جدا بیان کیا جائے اور یہی رائے الزمخشری ابن المنیر اور الرازی وغیرہ نے اختیار کی ہے۔

اور اسی رائے کی تائید المغنی نے ان الفاظ میں کی ہے کہ[2]

مستحقین کی پہلی چار اصناف کو مستقل دیا جائے گا یعنی فقراء، مساکین، عاملین علیہا، اور مؤلفۃ قلوبہم ـــــ اور دینے کے بعد ان سے یہ استفسار نہیں کیا جائے گا کہ انھوں نے اسے کہاں خرچ کیا اور وہ مال ان کی ملکیت ہو جائے جسے انھیں کسی بھی صورت میں واپس نہیں کرنا ہوگا، جبکہ باقی چار مستحق ـــــ یعنی فی الرقاب، الغارمون، ابن السبیل اور فی سبیل اللہ ـــــ کو اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیا جائے گا کہ اگر وہ اسی ضرورت پر صرف کریں جس کی وجہ سے وہ زکوٰۃ کے مستحق بنے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان سے واپس لیا جائیگا۔

اور ان اصناف میں اور ان سے پہلی اصناف میں فرق یہ ہے کہ ان میں سے پہلی

---

[1] الاسلام عقیدہ وشریعۃ، ص ۱۱۱-۱۱۳- ط دار القلم۔

[2] ج ۲، ص ۶۷۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چار اصناف کے زکوٰۃ لینے کا مقصود خود زکوٰۃ سے حاصل ہوتا کہ فقیر غنی ہو جائے، مؤلفین کی تالیف ہو جائے اور عاملین کی اجرتیں ادا ہو جائیں جبکہ بعد کے چار اس مفہوم میں زکوٰۃ نہیں لیتے بلکہ ایک متعین اور مخصوص ضرورت کے دور کرنے کے لیے لیتے ہیں اور اگر ان کی ضرورت سے بچ جائے تو انھیں اسے واپس کرنا ہوتا ہے، ماسوا غازی (مجاہد) کے۔ (اور وہ بھی اُن اشیاء کے علاوہ جو باقی رہیں جیسے ہتھیار اور گھوڑا وغیرہ کہ یہ اشیاء مجاہد بھی جہاد کے بعد بیت المال میں واپس کرے گا۔)

ابن قدامہ کا یہ بیان صحیح ہے البتہ اگر وہ اس کی تائید میں قرآن کے اختلافِ تعبیر کو بھی بیان کرتے تو زیادہ موزوں ہوتا جیسا کہ ان کے حنابلہ میں سے غایۃ المنتہی کے شارح نے بیان کیا ہے[1]

فی الرقاب کا مفہوم

الرقاب رَقَبَۃ کی جمع ہے جس کے معنی قرآن میں غلام اور باندی کے آئے ہیں اور یہاں پر مراد غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے گویا قرآن کا اسلوب تعبیر یہ ہے کہ غلامی انسان کی گردن میں ایک طوق کی طرح ہوتی ہے جس سے انسان کو آزاد کرانا ہوتا ہے اور اس کو اس بندھن سے نجات دلانا ہے۔

چنانچہ مصارفِ زکوٰۃ کی آیت میں "فی الرقاب" کا مفہوم یہ ہوا کہ زکوٰۃ کا ایک حصہ گردنوں کے آزاد کرانے میں صرف ہوگا یعنی اس حصے سے غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرایا جائے گا۔ جس کے دو طریقے ہوں گے۔

۱) مُکاتَب کی اعانت کی جائے یعنی جس غلام سے اس کے مالک نے معاملہ مُکاتَبَت کر لیا ہو اس کی مدد کرنا اور اس کی صورت یہ ہے کہ غلام سے وہ یہ معاملہ کرے کہ غلام اسے ایک طے شدہ مقررہ معاوضہ اپنے کسب سے حاصل کر کے اسے ادا کرے اور اس کی ادائیگی کے بعد آزاد ہو جائے۔

اللہ سبحانہٗ نے مسلمانوں کو اپنے غلاموں سے مکاتَبَت کرنے اور اس عہد کتابت کی پابندی

---

[1] مطالب اولی النہی: ج ۲/ص ۱۵۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ غلاموں کے مالک ان کے ساتھ آسانی اور سہولت کا رویہ روا رکھیں اور سارا معاشرہ انھیں غلامی کے چنگل سے آزاد کرانے میں ان کی مدد اور اعانت کرے۔ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (النور : ۳۳)

اور تمھارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کرلو اگر تمھیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمھیں دیا ہے۔

بعدازاں اللہ سبحانہٗ نے مالِ زکوٰۃ میں سے بھی ایک حصہ مقرر کر دیا جس میں سے انھیں دیا جائے گا اور ان کی گردنوں کی آزادی میں ان سے تعاون کیا جائے گا۔

گردنوں کی آزادی کے بارے میں یہی رائے امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب اور لیث بن سعد کی ہے۔ اور دلیل میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ وفی الرقاب سے مراد مکاتب غلام ہے اور اس کی تائید مذکورہ بالا آیت سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا (وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ)[1]

۲) گردنوں کو آزاد کرانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص خود کسی غلام کو خرید کر آزاد کر دے یا کئی افراد مل کر خریدیں اور آزاد کر دیں یا ولی امر (حکمران) زکوٰۃ کے مال میں سے غلام خرید کر آزاد کر دے۔

یہ امام مالکؒ کی مشہور رائے ہے اور امام احمدؒ اور اسحٰق کی رائے ہے اور ابن العربی کہتے ہیں کہ یہی رائے صحیح ہے اور اس کی تائید اس طرح کی ہے کہ یہی ظاہر قرآن ہے، کہ اللہ سبحانہٗ نے جہاں بھی رَقَبَہ (گردن) کا ذکر کیا ہے وہاں غلام ہی آزاد کرنا مراد ہے، اگر مکاتب مراد

---

[1] الرازی: التفسیر الکبیر، ج ۱۶، ص ۱۱۲۔ الہدایۃ وفتح القدیر: ج ۲، ص ۱۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا تو اس کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا اس لیے صرف رقبہ کا لفظ استعمال کرنے کا مطلب یہی ہے کہ غلام کا آزاد کرنا ہی مطلوب ہے۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مکاتب تو غارمین کے زمرہ میں داخل ہے کہ اس پر کتابت (معاملۂ آزادی) کا قرض ہے، اس لیے مکاتب غلاموں کی آزادی کے زمرے میں داخل نہ ہوگا اور اگر مکاتب غلاموں کی آزادی کے زمرے میں داخل بھی ہو تو یہ اس کے آخری مرحلے میں شامل ہوگا۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ فی الرقاب کی مد مکاتب اور عام غلام دونوں کو شامل ہے۔

تابعین میں سے ابراہیم نخعیؒ اور سعید بن جبیرؒ زکوٰۃ میں سے غلام خرید کر آزاد کرنے کو مکروہ تصور کرتے ہیں کیونکہ اس سے زکوٰۃ دہندہ کو ایک منفعت ملتی ہے اور وہ آزاد کردہ غلام کی ولاء اور میراث ہے (اگر کوئی اس کا وارث نہ ہو) جیسا کہ حکم اسلامی ہے) اور اسی لیے امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مال زکوٰۃ سے کسی غلام کو خرید کر آزاد کر دے تو اس کی ولاء اور میراث تمام مسلمانوں کے لیے ہوگی، یعنی بیت المال کے حق میں ہوگی۔[2]

ابو عبیدؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ میں کسی غلام کو خرید کر آزاد کر دے۔ اور نخعیؒ اور ابن جبیر کا قول ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جتنے اقوال آئے ہیں ان سب میں ابن عباسؓ کا قول سب سے بلند ہے اور وہ اتباع کا زیادہ مستحق ہے اس لیے کہ ابن عباسؓ فقہ و تاویل کے زیادہ جاننے والے ہیں، پھر حسنؒ بھی اس بارے میں ان سے موافقت کر چکے ہیں اور یہی بیشتر علماء کا فیصلہ ہے۔[3]

اور اس قول میں جو شئے مزید تقویت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والے کو ایک طرف یہ خطرہ ہے کہ وہ ولاء کے باعث میراث حاصل کرے گا تو دوسری طرف اسے یہ خطرہ

---

[1] احکام القرآن: ج ۲، ص ۹۵۵۔

[2] الاموال ص ۶۰۸ - ۶۰۹۔

[3] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ہے کہ وہ آزاد کردہ غلام کچھ ایسے تاوان اور قرض بھی چھوڑ سکتا ہے جو آزاد کرنے والے اور اس کی قوم کو بھگتنا پڑیں اور اس طرح منفعت اور نقصان دونوں کی سطح برابر ہو جاتی ہے۔[1]

یہ تو وہ صورت ہے جب ایک شخص اپنی زکوٰۃ انفرادی طور پر تقسیم کر رہا ہو لیکن اگر حاکم اسلامی نظام زکوٰۃ کی ذمے داریاں پوری کر رہا ہو تو اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ مال زکوٰۃ کی گنجائش کے مطابق غلام خرید کر آزاد کر سکتا ہے، بشرطیکہ دوسرے کسی مصرف پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ (بلکہ امام شافعیؒ کے نزدیک تو تمام مصارف میں زکوٰۃ کی برابر تقسیم لازم ہے اور اس لحاظ سے فی الرقاب کی مد دوسری مدوں سے کم نہ ہونی چاہیے۔) اور بہتر یہی ہے کہ ولی امر (حکمران) دونوں امور اختیار کرے یعنی مکاتب کی بھی اعانت کرے اور غلام اور باندی کو خرید کر آزاد بھی کرے۔

یہی وہ بات ہے جو امام زہریؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو تحریر فرمائی تھی کہ الرقاب کے دو حصے ہونے چاہئیں ایک حصہ کو مسلم مکاتب پر صرف کیا جائے اور ایک حصہ سے ان مسلمان غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے جو پابند صوم و صلوٰۃ ہوں اور اسلام میں ثابت قدم ہو چکے ہوں۔[2]

مگر ہماری رائے یہ ہے کہ حاکم نصف کا یا کسی اور نسبت کا پابند نہیں ہے بلکہ مصلحت کے مطابق اور اہل حل وعقد کے مشورے کے مطابق اسے عمل کرنا چاہیے۔

سب سے پہلے اسلام نے غلامی کے خاتمہ کے مؤثر اقدامات کیے ہیں

آج کی دنیا میں غلامی کا بالکلیہ خاتمہ ہو چکا ہے مگر ہم اس سلسلے میں برملا اس حقیقت کا اظہار کریں گے کہ یہ اسلام ہی ہے جس نے سب سے پہلے دنیا سے غلامی کو ختم کرنے کی مؤثر تدریجی اور ہمہ گیر تدابیر اختیار کی ہیں۔

---

[1] ایضاً [2] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام نے سب سے پہلے غلامی کے ان بڑے بڑے ذرائع کا خاتمہ کیا جہاں سے غلامی جنم لیا کرتی تھی یعنی اسلام نے اس امر کو قطعاً ممنوع قرار دیا کہ کسی شخص کو خواہ وہ بڑا ہو یا بچہ اغوا کر کے غلام بنا دیا جائے، اسلام نے اس بات کی ممانعت کر دی کہ کوئی شخص اپنے آپ کو فروخت نہ کرے اور نہ ہی اپنے بچوں اور بیوی کو فروخت کرے، اسلام نے اس امر کی بھی اجازت نہیں دی کہ اگر مقروض قرض نہ ادا کر سکے تو قرض خواہ اُسے اپنا غلام بنا لے یا کسی مجرم کو اس کے ارتکاب جرم کی سزا میں غلام بنا لیا جائے، جیسا کہ اسلام سے پہلے کے قوانین میں یہ طریقہ مروج تھا اور اسلام میں یہ بھی جائز نہیں کہ ظالمانہ لوٹ مار کی غرض سے کیے جانے والے حملوں میں قیدیوں کو غلام بنا دیا جائے[1]

ان تمام طریقوں میں اسلام نے غلام بنانے کے صرف ایک طریقے کو جائز قرار دیا ہے اور وہ طریقہ بھی لازم نہیں ہے بلکہ کئی صورتوں میں سے یہ ایک صورت ہے جس کے انتخاب کی اجازت دی گئی ہے اور وہ یہ کہ کسی ایسی اسلامی جنگ میں جس کا مقصد بے انصافی اور زیادتی نہ ہو جو قیدی آئیں اگر ملک و ملت کے مفاد میں اور مسلم اُمّہ کا مشورہ ہو تو انھیں غلام بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً یہ صورت ہو کہ دشمن نے مسلمان قیدیوں کو غلام بنا لیا ہو تو مسلمان بھی کافر قیدیوں کو غلام بنا لیں، کہ یہ معاملہ برابری کا ہو گا اور مصلحت کے مطابق ہو گا۔ اور اگر امام (اسلامی حکومت کا سربراہ) اگر چاہے تو وہ کافر قیدیوں کو بغیر کسی مادی یا معنوی معاوضہ کے رہا کر سکتا ہے، یا اپنے مسلمان قیدیوں کے تبادلے میں کافر قیدیوں کو رہا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ مدمقابل آنے والے کافر قیدیوں کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا ہے

حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (القتال : ۴)

یہاں تک کہ جب تم انھیں اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو، اس کے بعد (تمھیں اختیار ہے) احسان کر دو یا فدیہ کا معاملہ کر لو۔

---

[1] الدکتور علی عبدالواحد وافی: حقوق الانسان فی الاسلام، ص ۱۳۹، ۱۶۱ - ط - وزارۃ الاوقاف بالقاہرہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ایک جانب اسلام نے غلامی کے بے شمار دروازوں میں سے ایک دروازے کو کھلا رکھا ہے تو غلاموں کی آزادی کے بھی بے شمار راستے وا کر دیئے ہیں اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دراصل اسلام نے آزادی کی راہ دکھائی ہے غلامی کی نہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام نے آزاد کر دینے کی دعوت دی ہے اور اسے اللہ کے نزدیک ایک عبادت قرار دیا ہے، اس کے بعد غلام آزاد کرنے کو اسلام نے بہت سی ایسی خطاؤں کا کفارہ قرار دیا ہے جس میں انسان اپنی بشری کمزوریوں کی بنا پر مبتلا ہو جاتا ہے، جیسے قسم توڑ دینا، شوہر کا بیوی سے ظہار کر لینا، رمضان کے روزے میں صحبت کر لینا اور خطأً قتل کر دینا۔ بلکہ اگر مالک اپنے غلام کو ناحق مار لگا دے تو اس کا بھی کفارہ یہی قرار دیا کہ مالک اس غلام کو آزاد کر دے۔

پھر مالکوں کو حکم دیا گیا کہ اگر تم اپنے غلاموں میں کوئی خیر دیکھو تو ان سے معاملہ آزادی (مکاتبت) کر لو اور انھیں مرتبہ دو کہ وہ آزادی سے کسب کریں اور اس سے اسلامی معاشرہ کو فائدہ پہنچائیں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ

(النور : ۳۳)

اور تمھارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کر لو اگر تمھیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمھیں دیا ہے۔

ان اقدامات سے بڑھ کر یہ اقدام کیا گیا کہ زکوٰۃ میں ایک حصہ غلاموں کی آزادی کے لیے متعین کر دیا یعنی بیت المال کی مستقل آمدنی میں ان کی آزادی کے لیے ایک فنڈ قائم کر دیا گیا اور عام مسلمانوں پر ان کی آزادی کا ایک ٹیکس لگا دیا اور وہ ہے زکوٰۃ کے مصارف میں سے "فی الرقاب" کا حصہ۔[1]

---

[1] علاوہ بریں اسلام نے غلاموں کا مادی اور اخلاقی مرتبہ بھی بہت بلند کیا اور انھیں قابلِ احترام (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اسلام کا فی الرقاب کی مد متعین کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ یہ درحقیقت غلاموں کی آزادی کا ایک بہت بڑا سرچشمہ ہے جو زکوٰۃ کا ایک کثیر حصہ بھی ہو سکتا ہے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر دوسرے مصارف زکوٰۃ میں زکوٰۃ کے صرف کی ضرورت باقی نہ رہے تو زکوٰۃ کی مجموعی رقم فی الرقاب پر صرف کر دی جائے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں ہوا۔

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے افریقہ کے صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا وہاں میں مستحقین زکوٰۃ ـــــ فقراء کی جستجو میں رہا مگر مجھے نہ ملے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے سب کو غنی بنا دیا تھا اس پر میں نے زکوٰۃ کی مجموعی رقم غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے پر صرف کر دی [1]

اگر مسلمان اپنی سیاست و حکمت میں اسلام کو اسی عمدگی کے ساتھ کارفرما رکھتے اور ایک طویل عرصے تک عادل و راشد حکومت باقی رہتی تو یقیناً بہت تھوڑے سے وقت میں غلامی کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔

کیا مسلمان قیدی کو فی الرقاب کی مد سے رہا کرایا جا سکتا ہے؟

اگرچہ الرقاب کا خصوصی مفہوم تو غلاموں کا آزاد کرانا ہے لیکن اگر اس کو عام مفہوم میں لیا جائے تو کیا اس مد میں وہ مسلمان قیدی آ سکتے ہیں جو دشمن کافروں کی قید میں ہوں اور ان پر کافروں کا حکم اس طرح چلتا ہو جس طرح غلاموں پر آقاؤں کا چلتا ہے اور اس قید و بند کی

(بقیہ آگے) انسان قرار دیا بلکہ انھیں ان کے مالکوں کا بھائی قرار دیا اور حکم دیا کہ مالک اپنے غلام کو وہی پہنائے جو خود پہنے وہی کھلائے جو خود کھائے، اس کی ہمت و قدرت سے زیادہ اس سے کام نہ لے، اسے نہ مارے اور نہ ایذاء پہنچائے اور نہ اسے غلام کہہ کر مخاطب کرے کہ اس طرح اس کے احساسات مجروح ہوں گے۔

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ: ابن عبدالحکم۔ ص ۹۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی ہیں وہ غلاموں کی سی حالت میں آگئے ہوں۔

مسلک امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ اقدام جائز ہے اور زکوٰۃ کی مد سے مسلمان قیدی کو رہا کرایا جا سکتا ہے [1]

قاضی ابن العربی مالکی فرماتے ہیں کہ قیدیوں کی زکوٰۃ سے آزادی کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اصبغ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ ابن حبیب کہتے ہیں کہ جائز ہے کیونکہ جب ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی غلامی سے آزاد کرانا عبادت ہے اور زکوٰۃ کی مد سے اس کی آزادی جائز ہے تو یقیناً مسلمان کو کافر کی غلامی سے رہائی بدرجۂ اولیٰ جائز ہونی چاہیے [2] اگرآج غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے تو جنگیں تو جاری ہیں اور حق و باطل کی کشمکش بھی برپا ہے اور اس طرح فی الرقاب کی مد میں مسلمان قیدیوں کو رہا کرانے کی کافی گنجائش موجود ہے۔

کیا سامراج کی غلام اقوام کی آزادی کے لیے فی الرقاب کی مد میں سے صرف کرنا درست ہے؟

سید رشید اپنی تفسیر المنار میں لکھتے ہیں کہ انفرادی آزادی کا مصرف موجود نہ ہونے کی وجہ سے فی الرقاب کی مد میں سے غلام اقوام کی آزادی کے لیے بھی صرف کیا جا سکتا ہے [3] اور اسی کی تائید شیخ شلتوت نے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ آج جبکہ شخصی غلامی باقی نہیں رہی ہے، اس کی جگہ ایک اور غلامی نے لے لی ہے جو پہلی غلامی سے بھی زیادہ خطرناک ہے یعنی قوموں کی فکری، معاشی اور ذہنی غلامی اور ان کے وجود ملی اور اقتدار اعلیٰ کی غلامی۔ پہلے تو افراد غلام ہوتے تھے، جو مر جاتے تھے اور

---

[1] الروض المربع، ج ۱، ص ۳۰۲۔

[2] احکام القرآن، ج ۲، ص ۹۵۶۔

[3] تفسیر المنار، ج ۱۰، ص ۵۹۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی موت کے ساتھ ان کی غلامی بھی مرجاتی تھی اور ان کا ملک اور ان کی قوم آزاد رہتی تھی۔ مگر آج اقوام غلام ہوجاتی ہیں تو ان کی آزادی کی کوئی سبیل نہیں رہتی اور غلام قوم غلام نسلوں کو جنم دیتی رہتی ہے اس لیے ان غلاموں کی گردنوں کا چھڑانا اور انھیں اس ذلت سے نجات دلانا بھی ضروری ہے صرف صدقات ہی سے نہیں بلکہ پورے جان و مال کے ساتھ۔ اسی سے یہ محسوس کیا جاسکتا ہے کہ صاحب دولت مسلمانوں پر اپنی برادر مسلمان اقوام کی جانب سے کس قدر ذمے داریاں ہیں[1]

سید رشید رضا نے اور شیخ شلتوت نے الرقاب کی مد میں بہت زیادہ وسعت اختیار کرلی ہے اور غلام افراد کی مد میں غلام اقوام کو بھی داخل کرلیا ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ اس قدر وسعت کی ضرورت نہیں ہے کہ اس توسع میں اسلامی اصطلاحات کے اصل مفاہیم گم ہوجائیں بلکہ اسلامی اقوام کی مدد کے لیے فی سبیل اللہ کی مد بھی موجود ہے اور ریاست کے دوسرے موارد بھی اس مد میں استعمال ہو سکتے ہیں۔

●

---

[1] الاسلام عقیدۃ و شریعۃ ص ۴۴۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچویں فصل

اَلْغَارِمُون

چھٹا مصرف جیسا کہ قرآن کی آیت صدقات میں بیان ہوا ہے الغارمون ہے

اَلْغَارِمُون کون لوگ ہیں؟ اَلْغَارِمُون غَارِمٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وہ شخص جس پر قرض ہو[1] اور غَرِیم کے معنی قرض خواہ کے ہیں اور اس کا اطلاق مقروض پر بھی ہوتا ہے۔ ازروئے لغت غَرَم کے معنی لازم ہونے کے ہیں اور اسی معنی میں یہ فرمان الٰہی ہے۔

إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا

اور اس بنا پر کہ قرض مقروض پر لازم ہوتا ہے اسے غارم کہا جاتا ہے اور اسی مفہوم کے لحاظ سے غَرِیم بھی مقروض کے معنی میں ہے، (اور قرض خواہ کے معنی میں بھی ہے)۔ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق غَارِم وہ شخص ہے جس پر قرض ہو اور وہ اپنے قرض کے علاوہ نصاب کا مالک نہ ہو[2] اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک

---

[1] فتح القدیر میں ابن الہمام تحریر کرتے ہیں کہ غَارِم وہ ہے جس پر قرض لازم ہو، یا جس کا قرض کسی کے ذمے ہو مگر وہ حصول نہ کر سکے اور وہ نصاب کا مالک نہ ہو۔ ابن الہمام کی یہ تحریر محل نظر ہے اس لیے کہ ازروئے لغت غَارِم وہی ہے جس پر قرض ہو (مقروض) ہو سکتا ہے، مصنف کو غَارِم اور غَرِیم میں اشتباہ پیدا ہو گیا ہو کیونکہ غَرِیم قرض خواہ اور مقروض دونوں کو کہا جاتا ہے بہرحال قرض خواہ کی جو صورت ابن الہمام نے ذکر کی ہے کہ وہ صاحب نصاب نہ ہو اور اپنا قرض بھی وصول نہ کر سکے تو اس کو زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہی ہے کہ وہ تو فقیر ہے جیسے مسافر۔ حاشیۃ ردالمحتار، ج ۲، ص ۶۳۔

[2] البحر الرائق ج ۲، ص ۲۶۰ ۔ الدر المختار وحاشیۃ ردالمحتار، ج ۲، ص ۶۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی دو اقسام ہیں ـــــ ایک وہ غارم (مقروض) جس نے اپنی ذات کے لیے قرض لیا ہو اور دوسرا وہ مقروض (غارم) جس نے کسی اجتماعی مصلحت کے لیے قرض لیا ہو۔ ان میں سے ہر ایک کا جُداگانہ حکم ہے۔

الغارمون جنھوں نے اپنی ذات کے لیے قرض لیا ہو

وہ مقروض جس نے اپنی کسی ذاتی ضرورت کے لیے قرض لیا ہو، مثلاً اپنے بعض اخراجات کے لیے، لباس کے لیے، کسی شادی بیاہ کے لیے، بیماری کے علاج کے لیے، یا گھر بنانے کے لیے، یا سامان خریدنے کے لیے، یا خطا، یا سہواً کسی کی کوئی شئے ضائع کر دی ہو اس کا تاوان ادا کرنے کے لیے، تو یہ وہ مقروض ہوگا جو اپنی ذاتی ضرورت کے لیے قرض لیتا ہے۔

طبریؒ نے ابوجعفر سے اور اسی کے مثل قتادہ نے یہ قول نقل کیا ہے کہ غارِم وہ ہے جو بغیر اسراف اپنی ضرورت کے لیے قرض لے اور اس مقروض کا قرض امام بیت المال سے ادا کرے گا۔[1]

مصیبت زدگان بھی اسی صنف میں سے ہیں

الغارمون کا وصف زیادہ درستگی کے ساتھ ان لوگوں پر بھی منطبق ہوتا ہے جن کو زندگی میں کسی اچانک مصیبت نے آگھیرا ہو، ان کا سارا مال و اسباب کسی آفت کی نذر ہو گیا ہو اور وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات کے تکمیل کے لیے قرض لینے پر مجبور ہو گئے ہوں چنانچہ مجاہد سے مروی ہے کہ الغارمین تین ہیں، ایک وہ شخص جس کا مال و اسباب سیلاب میں بہہ گیا ہو، دوسرا وہ شخص جس کا سامان آتشزدگی میں جل گیا ہو اور تیسرا وہ شخص جو عیال دار ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو اور وہ قرض حاصل کر کے اپنی ضروریات پوری کرے۔[2]

---

[1] تفسیر الطبری، بتحقیق محمود شاکر ج ۱۴، ص ۳۳۸۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳، ص ۲۰۷۔ ط۔ حیدر آباد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبیصہ بن المخارق کی حدیث میں جسے احمدؒ اور مسلمؒ نے روایت کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دو امر سے زکوٰۃ میں حصہ مانگنے کی اجازت دی ہے جس کا مال کسی آفت میں ضائع ہو گیا ہو، تاکہ وہ اپنی زندگی برقرار رکھ سکے۔

اس حدیث کو ہم مکمل الغارمین کی قسم دوم کے بیان میں ذکر کریں گے۔

اس لحاظ سے زکوٰۃ مصائب اور آفات میں اسلامی معاشرے کے افراد کے لیے انشورنس (تامین) کا درجہ رکھتی ہے اور یہ تامین کی ایسی صورت ہے جس سے اسلام کے ماسوا کوئی نظام زندگی آشنا نہیں، اس لیے کہ یہ نظام تامین دنیا کے ہر انشورنس کے نظام سے کہیں زیادہ جامع مکمل اور عمدہ ہے۔

مغرب جس انشورنس سے تاریخ کے کئی مراحل سے گزر کر روشناس ہوا ہے وہ ایک محدود نامکمل اور غیر جامع نوعیت کی انشورنس ہے جس میں فرد کو از خود کسی انشورنس کمپنی سے اپنی تامین کا معاملہ کر کے اسے متعین رقم کی بالاقساط ادائیگی کرنا پڑتی ہے اور کمپنی مصیبت کے وقت جو ادائیگی کرتی ہے وہ اسی رقم کے مطابق ہوتی ہے جو پالیسی ہولڈر POLICY-HOLDER نے ادا کی ہے، خواہ اس مصیبت زدہ شخص کا نقصان اور آفت اس رقم سے کہیں زیادہ ہو۔ غرض انشورنس کمپنی کو اس امر سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ مصیبت زدہ اور آفت رسیدہ شخص کے اصل اور حقیقی کی تلافی ہوئی ہو یا نہیں ہوئی ہے، بلکہ جس کی پالیسی کی رقم زیادہ ہے اُسے زیادہ مل جاتا ہے خواہ اس کے نقصانات کم ہوں اور جس کی پالیسی کی رقم کم ہو اسے کم ملتا ہے خواہ اس کے نقصانات بہت زیادہ ہوں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محدود آمدنی والے بہت معمولی رقموں کی انشورنس کراتے ہیں اور جب ان پر مصیبت آتی ہے تو انھیں اس کا فائدہ بھی کم حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ مغرب کے انشورنس کے نظام کی بنیاد تجارت ہے کہ لوگوں سے ان کی انشورنس کی اقساط لے کر اس سے کاروبار کیا جائے اور اس کے منافع میں سے کچھ حصہ، حصہ داروں (پالیسی ہولڈروں) میں تقسیم کر دیا جائے۔ ※

※ درحقیقت مغرب کا انشورنس کا نظام سرمایہ داری نظام کی پیداوار ہے اس لیے انشورنس

(بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ زکوٰۃ کے اس اسلامی انشورنس میں نہ پہلے سے اقساط ادا کرنی ہیں، بلکہ اسلامی ریاست از خود ہر مصیبت زدہ اور آفت رسیدہ کی اس کی مصیبت اور اس کی آفت کے اعتبار سے مدد کرتی ہے اور اس کا مکمل خسارہ پورا کرتی اور اس کے جملہ نقصان کی تلافی کرتی ہے۔

غارِم کو اس کی ذات کے لیے دینے کی شرائط

اس نوع میں قضائے دَین کے مقصد کیلیے دینے کی چند شرائط ہیں:۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اسے قضائے دَین (قرض کی ادائیگی) کے لیے فی الواقع ضرورت ہو یعنی اگر وہ مالدار ہو اور اپنے قرض کو اپنے پاس موجود رقم سے یا سامان کی فروخت سے ادا کر سکتا ہو تو اسے قرض کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا،[1] اور اگر بالکل کسی شئے کا مالک نہ ہو لیکن کسب وعمل سے اپنے قرض کے ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو اسے بھی دیا جائے گا، کیونکہ اس طرح ادائیگی میں اسے وقت لگے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس دوران ادائے قرض سے کوئی اور مانع پیش آجائے بخلاف فقیر کے کہ اگر وہ کسب پر قادر ہو تو وہ اپنی ضرورت اسی وقت پوری کر سکتا ہے۔

بہرحال مقروض کے ادائے قرض کے لیے احتیاج ہونے کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ وہ بالکل کسی شئے کا مالک نہ ہو بلکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ رہائش، لباس، بستر، برتن،

(بقیہ آگے) فی الواقع سرمایہ دار ہی کے لیے مفید ہے کہ اگر ایک سرمایہ دار کو کوئی گھاٹا ہو جائے تو وہ اس کی ادائیگی کے حساب سے دوسرا سرمایہ دار یعنی انشورنس کمپنی اس کے نقصان کی تلافی کر دے، جبکہ اسلام کا نظام زکوٰۃ معاشرے میں مالی لحاظ سے پیچھے رہ جانے والے افراد کی براہِ راست دستگیری کرتی ہے اور اس طرح معاشی ناہمواری کو دور کرتی ہے۔ (ر۔ صدیقی)

[1] امام شافعیؒ کا قول یہ بھی ہے کہ مالدار کو بھی دیا جائے گا اور وہ غارِم لِذَاتِ البَیْن کے مشابہ متصور ہوگا۔ المجموع، ج ۶، ص ۲۰۷۔ نہایۃ المحتاج، ج ۶، ص ۱۵۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خادم، اور سواری وغیرہ اس سے خارج ہیں اور ان اشیاء کے مالک ہونے کے باوجود اسے زکوٰۃ کی مد میں ادائے قرض کے لیے دیا جا سکتا ہے۔

اور اگر مقروض کے پاس مال تو ہو مگر اتنا ہو کہ اگر وہ اس سے قرض ادا کر دے تو باقی مال اس کی ضرورت کو کافی نہ ہو تو اس کی کفایت کے بقدر مال اس کے پاس چھوڑ کر باقی مال قرض میں دیا جائے گا اور اس کی کمی زکوٰۃ سے پوری کی جائے گی، اور کفایت سے مراد مسلک شافعیؒ کے مطابق وہی ہے جس کا پہلے بیان ہو چکا ہے یعنی اس قدر مقدار مال جو اس کی عمر کے بیشتر حصے کے لیے کافی ہو، اس کے بعد جو باقی رہے اسے قرض میں دیا جائے گا اور کمی کو پورا کیا جائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مقروض نے قرض کسی امر طاعت کے لیے یا کسی امر جائز کے لیے لیا ہو، اور اگر اس نے قرض کسی حرام اور ناجائز کام کے لیے لیا ہو یعنی شراب، زنا، جوا اور دوسرے بے ہودہ کاموں کے لیے لیا ہو تو اس کی ادائیگی زکوٰۃ سے نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اگر اس نے اپنی ذات پر یا اپنے بچوں پر کوئی مسرفانہ اخراجات کیے ہوں تو وہ بھی زکوٰۃ سے ادا نہیں ہوگا اس لیے کہ قرض لے کر مسرفانہ کام حرام ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

(الاعراف : ۳۱)

کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

معصیت الٰہی کے کاموں کی بنا پر مقروض ہو جانے والے کو زکوٰۃ کی مد میں سے نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح اسے مزید عصیاں پر آمادگی ہوگی اور معصیت الٰہی میں اس سے تعاون کرنا ہوگا حالانکہ اسے توبہ کی تلقین کرنی چاہیے اور اگر وہ توبہ کر لے پھر زکوٰۃ میں سے اس کا قرض ادا کر دیا جائے اس لیے کہ توبہ سے ماسبق پر گرفت ختم ہو جاتی ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ ہی نہ کیا ہو۔

لیکن بعض فقہاء نے اس میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ اعلان توبہ پر کچھ وقت گزر جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ فی الواقع اس نے توبہ کر لی ہے اور پہلی حالت کو درست کر کے اب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح طریقہ پر قائم ہو گیا ہے جبکہ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر غالب گمان یہ ہو کہ اُس نے توبہ درست کی ہے تو خواہ توبہ پر کم ہی وقت گزرا ہو اس کا قرض زکوٰۃ سے ادا کر دیا جائے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ قرض فوری ادائیگی کا حامل ہو اور اگر قرض کی ادائیگی کی مدت مقرر ہو جو ابھی نہیں آئی ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے ایک یہ ہے کہ ایسے مقروض کو بھی زکوٰۃ میں سے ادائے قرض کے لیے دیا جائے گا کہ فی الحقیقت وہ بھی غارم ہے اور نص کے عموم میں داخل ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس مقروض کو زکوٰۃ میں سے نہیں دیا جائے گا کہ سر دست اس کو ضرورت نہیں ہے اور ایک اور قول یہ ہے کہ اگر ادائے قرض کی مدت رواں سال میں آ رہی ہو تو اسے رواں سال کی زکوٰۃ میں سے دے دیا جائے گا ورنہ نہیں دیا جائے گا۔[1]

میری رائے یہ ہے کہ ان سب اقوال کے بجائے زکوٰۃ کی آمدنی اور مجموعہ اصناف کے مستحقین زکوٰۃ کی تعداد کو دیکھا جائے اور ان کی ضروریات کی مقدار کا جائزہ لیا جائے اگر زکوٰۃ کی آمدن زیادہ ہو اور مستحقین کی تعداد کم ہو تو پہلے قول پر عمل ہو سکتا ہے اور قرض خواہ فوری ہو یا مؤجل بہر صورت زکوٰۃ میں سے اس کی مدد کی جائے گی اور اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہو تو دوسرے قول پر عمل کیا جا سکتا ہے اور دَینِ مؤجل کی ادائیگی پر دیگر اصنافِ مستحقین کو ترجیح دی جائے اور اگر صورتِ حال ان دونوں کے درمیان کی ہو تو تیسرے قول پر عمل ہو سکتا ہے۔

اور اگر زکوٰۃ کی ادائیگی انفرادی طور پر کی جاتی ہو تو زیادہ احتیاج والے کو مقدم رکھنا چاہیے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ قرض ایسا ہو جس کی عدم ادائیگی پر حبس کیا جا سکتا ہو، لہٰذا اس میں بیٹے کا قرض اگر باپ پر ہو تو وہ بھی داخل ہے اور تنگدست شخص کا قرض بھی داخل ہے جبکہ کفارہ اور زکوٰۃ کا قرض اس سے خارج ہے کہ کسی شخص کے قرض کی عدم ادائیگی پر مقروض کو محبوس کیا جاتا ہے اور کفارہ اور زکوٰۃ اللہ کے لیے ہے۔[2]

---

[1] المجموع، ج ۶، ص ۲۰۷ — ۲۰۹، نہایۃ المحتاج، ج ۶، ص ۱۵۴، ۱۵۵۔ شرح الخرشی علی خلیل ج ۲، ص ۲۱۸۔

[2] حاشیۃ الصاوی: ج ۱، ص ۲۳۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ مسلک مالکیہ کے فقہاء کی رائے ہے اور تمام فقہاء نے یہ شرط نہیں لگائی ہے اور فقہائے حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ بھی قرض ہے اور اس کا مطالبہ بھی بندوں کی جانب سے یعنی امام کی طرف سے ہوتا ہے۔

غارم جس نے ذاتی ضرورت کیلیے قرض لیا ہو اُسے زکوٰۃ میں سے کتنا دیا جائے؟

غارم کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے یعنی اس قدر کہ اس کا قرض ادا ہو جائے۔ اگر اُسے مد زکوٰۃ میں سے کچھ دیا گیا لیکن اس نے اس سے قرض ادا نہیں کیا، یا قرض خواہ نے اُسے قرض سے بری قرار دے دیا، یا اُس کی جانب سے کسی اور نے قرض ادا کر دیا یا اس نے خود ہی زکوٰۃ کے علاوہ کسی اور مال سے قرض ادا کر دیا تو صحیح رائے کے مطابق ادائے قرض کے لیے زکوٰۃ میں سے جو رقم دی گئی تھی وہ اس سے واپس لی جائے گی کیونکہ اسے اس کی ضرورت نہیں رہی ہے[1] قرض کم ہو یا زیادہ اصل مقصود مقروض کو اس سے عہدہ برآ کرانا اور اسے اس بار سے آزاد کرانا ہے۔

غارمین کے بارے میں اسلام کا موقف

غارمین اور مقروض افراد کے بارے میں اسلام کا یہ موقف بلاشبہ منفرد نہایت عمدہ اور حد درجہ وقیع موقف ہے۔

الف) اسلام سب سے پہلے مسلم معاشرے کے افراد کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنی معاشی زندگی کی اساس اعتدال اور اقتصاد پر رکھیں تاکہ انھیں مجبور ہو کر قرض کے لیے دست سوال نہ دراز کرنا پڑے۔

ب) اگر بعض حالات کی گرانباری کی بنا پر مسلم معاشرے کا کوئی فرد قرض لینے پر مجبور بھی ہو جائے تو اس کے فوری اور جلد ادائیگی کی فکر کرے اور اللہ کی اعانت اور تائید کے ساتھ کسب میں لگا رہے کہ حدیث میں ہے کہ

---

[1] المجموع، ج ۶، ص ۲۰۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اگر کوئی شخص کسی سے کوئی مال لے اور اس کی ادائیگی کی نیت ہو تو اللہ اس کی ادائیگی کروا دیتا ہے اور جس کی نیت اس کو ضائع کر دینے کی ہو تو اللہ اسے ضائع کروا دیتا ہے۔"[1]

ج) اگر ادائیگی کے ارادے کی تمام علامات کے باوجود ادا کرنے سے قاصر ہو تو اسلامی ریاست اسے اس قرض سے نجات دلائی جائے گی اور اس عزت کو پامال کرنے والے بوجھ کو اس کے سر سے اٹھایا جائے جسے ہم شب و بار روز کہا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے اور یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ[2]

اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ قرض مجھ پر غالب آجائے، دشمن غالب آجائے اور دشمنوں کی ملامت کا نشانہ بنوں۔

قرض نہ صرف یہ کہ مقروض کی نفسیات پر برا اثر ڈالتا اور اس کے اطمینان و سکون کو غارت کرتا ہے بلکہ وہ اس کے اخلاق اور طرزِ عمل کے لیے بھی تباہ کن ثابت ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر قرض سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ اور آپ جب عذاب قبر سے پناہ مانگتے، زندگی اور موت کے فتنے سے پناہ مانگتے اور مسیح دجال کے فتنے سے پناہ مانگتے اس کے ساتھ ہی آپ قرض سے بھی پناہ مانگتے۔ صحابہ کرام نے جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مقروض ہو جاتا ہے تو جھوٹ بولنے لگتا اور وعدہ خلافی کرنے لگتا ہے۔[3]

---

[1] بخاری، احمد، ابن ماجہ از ابوہریرہؓ۔ (کنز العمال ج ۶، ص ۱۱۴)

[2] نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے از عبداللہ بن عمر مرفوعاً
بلوغ المرام: ص ۳۱۳۔

[3] صحیح البخاری، کتاب الاستقراض، باب من استعاذ من الدین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ انسان کی اقتصادی حالت اس کے اخلاق اور طرزِ عمل پر اثر اندازی ہوتی ہے اور اس حقیقت سے بہرحال انکار نہیں کیا جاسکتا البتہ یہ کہنا غلط ہے کہ اقتصادی حالت ہی انسانی زندگی کا واحد عامل ہے اور محض معاشی حالات ہی انسانی زندگی میں ردوبدل لاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو قرض سے اجتناب کی تلقین فرماتے یہاں تک کہ آپ مقروض کی نمازِ جنازہ نہ پڑھاتے جو کہ صحابہ کرام کے لیے ایک شدید تنبیہ تھی کہ سب ہی آپ کی نماز اور دعا کے متمنی ہوتے اور آپ کی دعا سے محروم ہونے کو اپنے لیے سخت محرومی اور عظیم خسارہ سمجھا کرتے تھے۔

بعد ازاں جب فتوحات ہوگئیں اور مال غنیمت بکثرت آنے لگا اور بیت المال کی آمدنی میں اضافہ ہوگیا تو آپ خود ہی مسلمانوں کے قرضوں کی ادائیگی فرمانے لگے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ کو اگر کسی مقروض شخص کی نمازِ جنازہ کے لیے بلایا جاتا تو آپ استفسار فرماتے کہ اس نے قرض ادا کر دیا ہے اگر آپ کو بتایا جاتا کہ اس نے ادا کیا ہے تو آپ نماز پڑھاتے ورنہ فرماتے کہ اپنے ساتھی کا جنازہ تم پڑھا لو پھر جب فتوحات ہوگئیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو مومنین کا ان کی اپنی ذات سے زیادہ ولی ہوں اس لیے اب جو مقروض انتقال کرے گا اس کے قرض کی ادائیگی میں کروں گا۔[1]

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو غارمین کی اعانت کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ حق اخوت ادا ہوجائے، اعانت کا فریضہ پورا ہوجائے اور حضرت حق سے ثواب حاصل ہو، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عہد نبویؐ میں کسی نے پھل خریدا اور اس پر آفت آگئی اور اس بنا پر وہ مقروض ہوکر بالکل مفلس ہوگیا، آپ نے فرمایا کہ اس پر صدقہ کرو، لوگوں نے اس پر صدقہ کیا جس سے اس کا قرضہ نہیں اترا تو آپ نے اس

---

[1] بخاری، و مسلم، بلوغ المرام ص ۱۸۰۔ کنز العمال ج ۶، باب الترصیب من الاستقراض من غیر ضرورۃ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قرض خواہوں سے فرمایا، یہی ہو کچھ مل رہا ہے لے لو اور اس کے سوا تمھیں کچھ نہیں ملے گا۔[1]

قرآن کریم نے ان وجوہات کی بنا پر مقروض کے قرض کی ادائیگی کو ادائے زکوٰۃ کا ایک مقررہ حصہ قرار دیا ہے۔ اور اس طرح اسلام نے مقروض کو قرض کے بندھن سے چھڑانے کی عملی تدابیر کی ہیں اور مقروض کو قرض کے بوجھ تلے دبنے نہیں دیا ہے کہ وہ بالکل مفلس ہو کر اپنے دیوالیہ ہونے کا اعلان کرنے پر مجبور ہو جائے۔

اور اس طرح قرض کی ادائیگی اور مال زکوٰۃ سے اس کو دور کرنے کی عملی تدابیر کرنے کے دو اہم مقاصد ہیں۔

۱) پہلا مقصد خود مقروض سے متعلق ہے کہ مقروض کی رات کی بے چینی اور دن کی بے آرامی ختم ہو جائے اور مطالبات، تقاضوں اور قید و بند کی صعوبتوں سے نجات پا جائے۔

۲) دوسرے مقصد کا تعلق اس قرض خواہ سے ہے جو مقروض کو قرض دیتا ہے اور اس کی شرعی ضرورت میں اس کے کام آتا ہے کہ اسلام اس کے قرض کی ادائیگی میں اس سے تعاون کرتا ہے اور معاشرے کے افراد کو مروت تعاون اور قرض حسنہ پر آمادہ کرتا ہے اور اس طرح زکوٰۃ سود کے برخلاف ایک پیکار بن جاتی ہے۔

غرض اس طرح اسلام مقروض کی دستگیری کرتا ہے اور اس کو اس امر پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ اپنی اصلی ضروریات کو فروخت کر کے زندگی کے اساسی مقومات سے تہی دست اور سامان و متاع سے محروم زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائے ـــــ جی نہیں بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی خلافت میں اپنے والیوں کو تحریر فرمایا تھا کہ مقروض لوگوں کے قرض ادا کر دو۔ اس پر کسی شخص نے انھیں تحریر کیا کہ بعض مقروض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس گھر بار خادم اور سواری سب کچھ موجود ہوتا ہے۔ تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تحریر کیا کہ ہر ایک مسلم کے پاس اس کا رہائشی گھر ہونا چاہیے، کام کاج کے لیے خادم ہونا

---

[1] بلوغ المرام ص ۱۷۷ - باب التفلیس والحجر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیے اور دشمن سے نمٹنے کے لیے گھوڑا بھی ہونا چاہیے اور اس کے گھر میں کچھ ساز و سامان بھی ہونا چاہیے اور ان سب اشیاء کے باوجود وہ مقروض بھی ہو تو اس کا قرض غارم کے طور پر ادا کیا جانا چاہیے[1]

یہ ہے قانون الٰہی! یہ ہے عدل و انصاف پر مبنی وہ معاشرتی نظام جو چودہ صدی پہلے طلوع ہوا تھا..... کہاں یہ اس قدر بلند قوانین اور کہاں موجودہ دور کے خود ساختہ قوانین جو کہ جدید تہذیب کے حامل قوانین کہلاتے ہیں جن کی رو سے ایک تاجر کو اپنے دیوالیہ پن کا اعلان کرنا پڑتا ہے، اپنے کاروبار کو ختم کر دینا پڑ جاتا ہے اور اپنے گھر کی تباہی مول لینا پڑ جاتی ہے اور ساری تباہی اور بربادی کے باوجود اسے معاشرے سے یا ریاست (STATE) سے کوئی امداد حاصل نہیں ہوتی۔

اور ذرا پہلے قوانین پر نظر ڈالیے تو رومی قانون نے ایک دور میں یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ قرض خواہ مقروض کو اپنا غلام بنالے چنانچہ رومی قانون کی 'دوازدہ الواح کے قانون' میں درج ہے کہ اگر آزاد مقروض قرض ادا نہ کر سکے تو وہ قرض خواہ کی غلامی میں دے دیا جائے گا اور اگر مقروض غلام ہو تو اس کے حبس اور قتل کا حکم دیا جائے گا[2]

اسی سے ملتا جلتا دستور عرب جاہلیت کے معاشرے میں یہ تھا کہ جو مقروض قرض کی ادائیگی سے عاجز ہوا اسے فروخت کر کے قرض خواہ کا قرض ادا کر دیا جاتا تھا۔ اور بعض نے روایت کیا ہے کہ یہ دستور اوائل اسلام میں بھی جاری رہا اور بعد میں منسوخ ہوا اور پھر قرض خواہ کو مقروض کی آزادی سلب کرنے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہا[3]

قرآن الٰہی ہے۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا

---

[1] الاموال ص ۵۵۶۔

[2] روح الدین الاسلامی، ص ۳۲۸۔

[3] تفسیر القرطبی، ج ۳، ص ۲۷۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ : ۲۸۱)

تمہارا قرض دار تنگدست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

الغارِم جس نے دوسرے کی مصلحت کے لیے قرض لیا ہو | اس سے وہ اہل

خیر و اخلاق اشخاص مراد ہیں جو دو افراد کے مابین یا دو جماعتوں کے مابین ہونے والے فتنہ و فساد کو اور جان و مال کے نقصان کو دور کرنے کی خاطر ان کے مالی تاوان اپنے ذمے لے لے اور ان متحارب افراد کے درمیان صلح کرا دے، جو کہ ایک اسلامی معاشرے کی ہی امتیازی خصوصیت ہے۔ اس لیے اسلام تاوان کے اس بوجھ کو زکوٰۃ کی مد سے اتارتا ہے تاکہ صلح کرانے والے معاشرے کے سرکردہ معزز افراد اس کارِ خیر سے پیچھے نہ ہٹیں، چنانچہ شریعت نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ وہ اپنا یہ مطالبہ رکھیں اور ان کے اس تاوان کو زکوٰۃ سے ادا کر دیا جائے۔[1]

حتیٰ کہ فقہائے اسلام نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر ذمیوں کی دو جماعتوں میں لڑائی جھگڑا ہو جائے اور کوئی شخص ان کے مابین صلح کرا دے تو اس کا تاوان بھی زکوٰۃ کی مد سے ادا کیا جائے گا۔[2]

لوگوں کے درمیان اُن صلح کرانے والوں کی طرح وہ اہلِ خیر بھی ہیں جو کوئی مفید اجتماعی کام کریں، مثلاً کوئی صاحبِ خیر یتیم خانہ قائم کر دے، یا غریبوں کے علاج کے لیے ہسپتال بنا دے، یا نماز کے لیے مسجد بنائے، یا مسلمانوں کی تعلیم کے لیے کوئی مکتب یا مدرسہ بنائے غرض اسی قسم کے اجتماعی بہبود اور معاشرتی اصلاح و خیر کے کام کرے تو اس کی مسلمانوں کے عام مال سے امداد کی جائے گی۔ کیونکہ شریعتِ اسلامیہ میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ الغارمین سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے مابین

---

[1] الروض المربع، ج ۱، ص ۳۰۲۔

[2] مطالبت اولی النہیٰ، ج ۲، ۱۴۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلح کرانے کی خاطر کوئی مالی بوجھ برداشت کرلیں اور اگر یہ مذکورہ افراد بالفرض الغارمین میں داخل نہ ہوں تو بہرحال از روئے ان کو از روئے قیاس اس حکم میں داخل کیا جاسکتا ہے۔[1]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو افراد اس قسم کی مفید اجتماعی خدمات انجام دیں اور اس کے لیے قرض لے لیں تو ان کے قرض کی ادائیگی زکوٰۃ کے مال میں سے کی جاسکتی ہے اگرچہ وہ غنی کیوں نہ ہو جیسا کہ بعض مسلک شافعیؒ کے فقہاء نے کہا ہے۔[2]

الغارمین کی پہلی قسم جو اپنی ذاتی مصلحت کے لیے قرض لے لیتے ہیں ان کو بھی زکوٰۃ کی مد میں سے امداد کی جاسکتی ہے تو جو الغارمین اجتماعی مصالح کے لیے قرض لیتے ہیں ان کو تو اور بھی زکوٰۃ کی مد میں سے امداد ملنی چاہیے اور جبکہ پہلی قسم کے الغارمین کو مالداری کے باوجود زکوٰۃ میں سے ادائے قرض کے لیے دیا جاسکتا ہے تو دوسری قسم کے الغارمین کو بھی مالداری (غنا) کے باوجود دیا جاسکتا ہے۔[3]

ہم پہلے ہی العاملین علیہا کے مصرف کے بیان میں یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ زکوٰۃ صرف پانچ افراد کے لیے حلال ہے۔ (آخر تک)

اور قبیصۃ بن مخارق ہلالی سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مالی بوجھ اٹھالیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا، آپ نے

---

[1] تفسیر القرطبی، ج ۳، ص ۲۷۱۔

[2] بعض فقہائے شافعیہ کی یہ رائے ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عمارت کے لیے کسی قیدی کو آزاد کرانے کے لیے یا کسی مہمان کی مہمان نوازی کے لیے قرض لیا تو اسے مالدار ہونے کے باوجود زکوٰۃ سے دیا جائے گا بشرطیکہ اس کی املاک بصورتِ جائیداد ہوں، بصورتِ نقد نہ ہوں (النوویؒ: الروضۃ ج ۲، ص ۳۱۹۔) لیکن رملی کہتے ہیں کہ اگر اس کے پاس بصورتِ نقد بھی موجود ہو تو چونکہ اس نے ایک نفع عام کا کام کیا ہے اس لیے اسے دیا جائے گا۔ (نہایۃ المحتاج ج ۶، ص ۱۵۵)

[3] یعنی اس صورت میں جبکہ انھوں نے اپنے مال میں سے نہ دیا ہو کہ ایسی حالت میں وہ مقروض نہ ہوں گے، جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا تم انتظار کرو یہاں تک کہ ہمارے پاس زکوٰۃ آجائے اور ہم اس میں سے تمہارے لیے حکم دے دیں گے پھر آپ نے فرمایا کہ اے قبیصہ صرف تین افراد کے لیے سوال کرنا درست ہے، وہ شخص جس نے صُلح جوئی کے لیے کوئی مالی بوجھ اُٹھالیا ہو تو وہ اس کی مقدار کے بقدر سوال کرے پھر سوال سے رک جائے، وہ شخص جس پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے اور اس کا مال اس میں ضائع ہو جائے تو اس کے لیے سوال کرنا درست ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سدِ رمق کے بقدر حاصل کرے اور وہ شخص جو فاقے سے ہو اور اس کی قوم کے تین افراد بتائیں کہ فلاں شخص فاقے سے ہے تو اس کے لیے سوال کرنا درست ہے اور اس طرح وہ اپنی زندگی بچانے کی بقدر حاصل کرے اور اس کے سوا اے قبیصہ مانگ کر کھانا حرام ہے [1]

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص صُلح جُوئی کی خاطر کوئی مالی بوجھ اٹھالے تو وہ غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ سے لے سکتا ہے [2]

اسلام کا نظامِ زکوٰۃ حد درجہ حکیمانہ اور بے انتہا فوائد کا حامل ہے۔ چنانچہ اسلام زکوٰۃ سے صُلح جُوئی کی خاطر مالی بوجھ برداشت کرنے والوں کی امداد کرتا ہے اور اس طرح انسانوں کے مابین تعاون اور اصلاح کے جذبے کو ابھارتا ہے۔ زکوٰۃ ہی سے مصیبت زدہ لوگوں اور حاجتمندوں کی مدد کی جاتی ہے، جبکہ دنیا انشورنس کے نظام سے بہت بعد میں واقف ہوئی ہے اور اسلام کا نظامِ زکوٰۃ اس فقیر کی بھی مدد کرتا ہے جس کے فاقہ کش ہونے کی تین افراد قوم گواہی دیں، یہ نہیں کہ کوئی شخص مسکنت اور فقیری کا روپ دھار کر مانگنے کھڑا ہو جائے۔

پھر اسلام صرف امداد اور تعاون ہی نہیں کرتا بلکہ اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کا مقصود یہ ہے کہ ہر ضرورتمند اور حاجتمند کی ضرورت اور حاجت پوری ہو جائے، یہ نہیں کہ اسے چند ٹکڑے بھیک دے کر ایک دروازے دوسرے دروازے پر چلتا کر دیا جائے [3]

---

[1] احمد، مسلم، نسائی، ابوداؤد، (نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۶۸۔ ط عثمانیہ)

[2] تفسیر القرطبی، ج ۸، ص ۱۸۴۔

[3] مؤلف: العبادۃ فی الاسلام، ص ۲۲۱، ۲۲۲۔ ط اولیٰ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرنے والے کا قرض زکوٰۃ سے ادا کیا جاسکتا ہے

جس طرح زندہ شخص کا قرض زکوٰۃ سے ادا ہو سکتا ہے

کیا اسی طرح کسی مردہ شخص کا قرض بھی زکوٰۃ سے ادا ہو سکتا ہے؟ امام نوویؒ نے اس بارے میں مسلک شافعیؒ کی دو صورتیں بیان کی ہیں، ایک تو یہ کہ جائز نہیں ہے اور یہی صمیریؒ کا قول ہے اور نخعیؒ ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا مسلک ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے اس لیے کہ آیت زکوٰۃ میں عموم ہے اور اس لیے کہ زندہ کی طرح مردہ کے دَین (قرض) کیلئے تبرع درست ہے اور یہی رائے ابوثورؒ کی ہے [1]

امام احمدؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ مردہ شخص کے قرض کی ادائیگی زکوٰۃ سے درست نہیں ہے اس لیے کہ غارِم (مقروض) تو خود میت ہے اور اسے دینا ممکن نہیں ہے اور اگر قرض خواہ کو دیا جائے تو وہ غریم کو دینا ہوا نہ کہ غارِم کو [2]

دوسرا قول جس کی رُو سے مردہ شخص کے قرض کی ادائیگی زکوٰۃ کی مَد سے جائز ہے تو اس کے جواز کی وجہ آیت کا عموم ہے کہ غارِم کا لفظ ہر غارِم پر مشتمل ہے خواہ وہ زندہ شخص ہو یا مردہ اور اس لیے کہ زندہ کی طرح اس کے قرض کی بھی بطور تبرع ادائیگی جائز ہے اور یہی رائے ابوثورؒ اور امام مالکؒ کی ہے [3]

خرشی متن خلیل پر اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس امر میں کوئی فرق نہیں ہے کہ مقروض مردہ ہو یا زندہ، بہرحال سلطان نذرِ زکوٰۃ سے لے کر اس کا قرض ادا کر دا سکتا ہے بلکہ بعض فقہاء نے تو یہ بھی کہا ہے کہ مردہ شخص کا قرض زکوٰۃ سے ادا کیا جانا زندہ شخص کے قرض کے ادا کیے جانے سے زیادہ موزوں ہے، اس لیے کہ زندہ کی بہ نسبت مردہ شخص کے قرض کی ادائیگی کا امکان باقی نہیں رہا ہے [4]

---

[1] المجموع، للنووی: ج ۶۔ ص ۲۱۱۔

[2] المغنی ج ۲، ص ۶۶۷۔

[3] المجموع، ج ۶، ص ۲۱۱۔

[4] شرح الخرشی وحاشیۃ العدوی، ج ۲، ص ۲۱۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرطبی کہتے ہیں[1] ہمارے علمائے کہا ہے کہ مردہ مقروض بھی غارمین میں سے ہے اور اس کا قرض بھی ادا کیا جانا چاہیے اس سلسلے میں ارشاد نبوت ہے کہ

"میں ہر مومن کا خود اس کے اپنے نفس سے زیادہ ولی ہوں۔ اگر کوئی مال چھوڑ کر مرے تو وہ اس کے اہل کا ہے اور اگر کوئی شخص قرض اور تنگدست بچے چھوڑ کر مر جائے تو اس کی ذمے داری مجھ پر ہے۔" (بخاری و مسلم)

یہی فقہ جعفریہ کی رائے ہے[2]

ہماری رائے یہ ہے کہ مردہ شخص کے قرض کی زکوٰۃ سے ادائیگی میں نصوص شریعت اور اس کی اصل روح مانع نہیں ہے، اس لیے کہ مصارف زکوٰۃ کی دو اقسام ہیں ایک قسم وہ ہے جس میں لام تملیک ان کا ملکیتی استحقاق بیان کیا گیا ہے یعنی فقراء، مساکین، عاملین علیہا، اور مؤلفۃ قلوبہم، اور دوسری قسم وہ ہے جس کو فی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یعنی الرقاب، الغارمین، فی سبیل اللہ، اور ابن السبیل۔ مطلب یہ ہوا کہ الغارمین پر بھی فی آیا ہے اور لام تملیک (لِ) نہیں آیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ کا غارم کی ملکیت میں آنا شرط نہیں ہے اور اس کی طرف سے ادائیگی درست ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا بھی یہی فتویٰ ہے[3] اور اس کی تائید مذکورہ بالا حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کی مد سے قرض حسنہ کا اجراء

ایک اور مسئلہ کا تعلق اس بحث سے ہے اور وہ یہ کہ کیا زکوٰۃ سے قرض حسنہ دیا جا سکتا ہے اور اس کو غارمین پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ قیاس صحیح اور اسلام کے عام مقاصد اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم زکوٰۃ میں سے غارمین کے حصے سے ضرورتمندوں کو قرض حسنہ دیں اور اس کا باقاعدہ ایک نظام بنا کر اس کا مستقل فنڈ

---

[1] تفسیر القرطبی، ج ۸، ص ۱۸۵۔

[2] فقہ الامام جعفر، ج ۲، ص ۹۱

[3] فتاوی ابن تیمیہؒ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم کردیں اور اس طرح زکوٰۃ کو سود کے خاتمہ کا ایک مؤثر ذریعہ بنا دیں۔

یہی رائے ہمارے اساتذہ ابوزہرہ، خلاف اور حسن نے اختیار کی ہے اور اس کی توجیہ انھوں نے اس طرح کی ہے کہ جس طرح منصفانہ قرض زکوٰۃ سے ادا کیے جا سکتے ہیں اسی طرح سود سے خالی قرض حسنہ بھی دیئے جا سکتے ہیں تاکہ انھیں بیت المال کو واپس کر دیا جائے[1]

اور اسی سے مشابہ رائے استنبول اور پیرس یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنے ایک مقالے 'غیر سودی قرض' میں اختیار کی ہے[2] اور قرآن میں غارمین کو مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف قرار دیئے جانے کو دلیل بنایا ہے اس لیے کہ مقروض افراد دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔

۱) وہ جو سخت تنگدستی کی بنا پر اور عدم وسائل کی بنا پر مقررہ مدت میں اپنا قرض نہیں ادا کر سکتے۔

۲) جو وقتی ضرورتیں رکھتے ہیں اور وہ کم وقت میں قرض کی ادائیگی کے وسائل رکھتے ہیں[3] ان کے نزدیک اس دوسری صنف کو بھی غارم قرار دینا چاہیے۔ لیکن کیسے؟ کہ ابھی تو اس نے قرض لیا ہی نہیں ہے — اس لیے ہمارے خیال میں ہمارے تینوں فقہاء ابوزہرہ، خلاف اور حسن کی ہی رائے زیادہ موزوں ہے۔

●

---

[1] حلقۃ الدراسات الاجتماعیہ، ص ۲۵۴۔

[2] کویت کے مطبع المنار نے اس مقالے کو اپنی سیریز اسلامی معاشیات کے نمبر ۲ کے تحت شائع کیا ہے۔

[3] دیکھیے مقالہ کا صفحہ ۸، ۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹی فصل

فی سبیل اللہ

قرآن کریم نے مصارف زکوٰۃ میں سے ساتویں مصرف کو فی سبیل اللہ (در راہِ خدا) سے تعبیر کیا ہے۔ پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ اس تعبیر کا کیا مقصود ہے اور کون لوگ اس سے مراد ہیں؟

اس لفظ کے لغوی معنی تو واضح ہیں کہ سبیل کے معنی طریق اور راستہ کے ہیں اور سبیل اللہ کے معنی ہیں وہ راستہ جس سے رضائے الٰہی اور اس کی خوشنودی حاصل ہو۔

علامہ ابن اثیرؒ فرماتے ہیں کہ سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جو ہر اس عمل کو شامل ہے جس کا مقصود رضائے الٰہی ہو خواہ وہ عمل فرض ہو یا نفل یا مستحب۔ اور مطلقاً اس لفظ کا اطلاق جہاد پر ہوتا ہے اور اس معنی میں یہ لفظ اس کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ اس کا مفہوم جہاد ہی متصور ہونے لگا ہے[1]

ابن اثیرؒ کی اس تشریح سے یہ امور واضح ہو گئے کہ

۱) اس لفظ کے لغوی معنی ہر اس مخلصانہ عمل کے ہیں جو خالصتاً رضائے الٰہی کے لیے انجام دیا گیا ہو خواہ وہ انفرادی عمل ہو یا اجتماعی۔

۲) اس کے عمومی معنی اور اکثری مفہوم جہاد ہے اور کثرتِ استعمال نے اسے اسی معنی میں منحصر کر دیا ہے۔

اور ان دونوں معانی کے فرق کی بنا پر ہی فقہاء کے مابین اس کے مفہوم کے تعین میں اختلاف ہوا ہے گو اس امر پر اجماع ہے کہ جہاد کے معنی بہرحال فی سبیل اللہ میں موجود ہیں لیکن

---

[1] النہایۃ: لابن الاثیر، ج ۲، ص ۱۵۶۔ ط۔ المطبعۃ الخیریۃ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا جہاد ہی اس کا مفہوم ہے یا اس کے لغوی معنی بھی اس کے مفہوم میں داخل ہیں اور بلکہ اس سے بڑھ کر ہر خیر اور بر کا کام اس میں داخل ہے۔

اس سلسلے میں اب ہم فقہاء کی آراء اور اس لفظ کے شرعی مفہوم کے تعین میں ان کے اختلاف کو بیان کرتے ہیں اور اسی ضمن میں ہم وہ رائے بھی بیان کریں گے جسے ہم ترجیح دیتے ہیں۔

حنفیہ کا مسلک امام ابو یوسفؒ فی سبیل اللہ سے وہ افراد مراد لیتے ہیں جو اپنی تنگدستی کی بنا پر، زادِ راہ ختم ہو جانے کی بنا پر یا سواری کے نہ ہونے کی بنا پر لشکرِ اسلام میں شامل ہو جانے سے عاجز ہوں اور کمانے کی قدرت رکھنے کے باوجود ان کے لیے زکوٰۃ جائز ہو گئی ہو، اس لیے کہ اگر وہ اس وقت کسب میں مصروف ہو جائیں تو جہاد میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔

امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد وہ افراد ہیں جو قافلۂ حج سے کٹ گئے ہوں اس لیے کہ مروی ہے کہ ایک شخص نے اونٹ راہِ خدا میں دیا تو آپؐ نے اس پر حاجی کو سوار کرانے کا حکم دیا اور اس لیے کہ سفرِ حج بھی اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم کی تعمیل ہے اور اس میں نفس کا مجاہدہ بھی ہے اس لیے سفرِ حج فی سبیل اللہ ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد طلبۂ علم ہیں اور یہ قول فتاویٰ ظہیریہ میں درج کیا گیا ہے مگر یہ قول اس لیے بعید ہے کہ جب آیت صدقات نازل ہوئی اس وقت ایسے افراد موجود نہیں تھے جنھیں طلبۂ علم کہا جائے۔ مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے طلبِ علم سے مراد تو احکامِ شرعی کا علم ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی طالب علم اس مقصد میں صحابۂ کرامؓ کے اور اصحابِ صفہ کے برابر نہیں ہو سکتا۔

الکاسانی، البدائع میں فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مراد تمام اطاعت اور تقرب (ثواب) کے اعمال ہیں، اور اللہ کی اطاعت کی سعی کرنے والے محتاج اور نیکوں کے راستے پر چلنے والے تنگدست اسی زمرہ میں داخل ہیں۔

البحر الرائق میں ابن نجیم تحریر کرتے ہیں کہ بہر حال فقر (تنگدستی) کی شرط لازمی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔[1]

اس پر صاحب المنار نے اپنی تفسیر[2] میں کہا ہے کہ اس شرط کا یہ مطلب ہوگا کہ فی سبیل اللہ ایک مستقل مصرف کی حیثیت میں باقی نہ رہے کیونکہ تنگدستی کی شرط سے یہ مصرف فقراء اور مساکین کے مصرف میں تبدیل ہو جائے گا۔[3]

اس بیان کا ماحصل یہ ہوا کہ اگرچہ حنفی فقہاء کے مابین فی سبیل اللہ کی مراد کے تعین میں اختلاف ہے لیکن اس امر پر اتفاق ہے کہ فی سبیل اللہ کے مصرف میں احتیاج اور فقر ایک شرط لازم ہے، خواہ وہ غازی ہو یا حاجی ہو یا طالب علم یا خیرات کی سعی کرنے والا یہی وجہ ہے کہ ان کے اس اختلاف رائے کو اختلاف لفظی قرار دیا گیا ہے کہ ماسوا غارمین کے جملہ مصارف پر زکوٰۃ اسی وقت صرف کی جاتی ہے جب وہ حاجتمند ہو۔

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ فقیر محتاج کا زکوٰۃ میں مقررہ حصہ ہے خواہ وہ فقیر ان اوصاف میں سے اور کسی وصف سے متصف ہو یا نہ ہو۔ اور اس وضاحت سے پھر یہی سوال سامنے آتا

---

[1] الاختیار لتعلیل المختار: ج ۱، ص ۱۱۹۔ البحر الرائق ج ۲، ص ۲۶۰۔ الدر المختار وحاشیۃ رد المحتار، ج ۲، ص ۸۳، ۸۴۔

[2] تفسیر المنار، ج ۱، ص ۵۸۰۔

[3] حنفی فقہاء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ غازی یا حاجی جو راستے میں رہ جائے اگر اس کے وطن میں اس کے پاس مال نہ ہو تو وہ فقیر ہے ورنہ وہ ابن السبیل ہے۔ مگر یہ جواب غیر تشفی بخش ہے۔ اس لیے کہ وہ درحقیقت فقیر ہی ہے البتہ اس میں مطلق فقیر سے ایک وصف زائد ہو گیا کہ وہ عبادت الٰہی میں مصروف ہے (البحر: ج ۲، ص ۲۶۰۔ رد المحتار، ج ۲، ص ۸۴) میں کہتا ہوں کہ یہ غازی یا حاجی فقراء کی صنف سے خارج نہیں ہیں۔ اور آلوسی نے اپنی تفسیر (ج ۳، ص ۳۲۸) میں یہ قول نقل کیا ہے کہ حقیقت وہی ہے جو جصاص نے الاحکام میں ذکر کی ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں غنی ہو اور اسے زکوٰۃ جائز نہ ہو، جب وہ سفر جہاد کا عزم کر لے جس میں اسے ہتھیار اور سامان کی ضرورت ہو تو اسے زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ فی سبیل اللہ کو قرآن نے ایک مستقل صنف کیوں قرار دیا ہے اور اس مصرف کی جداگانہ حیثیت اور نوعیت کیا ہے؟

اسی طرح فقہائے حنفیہ کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کو شخصی ملکیت بنا دیا جائے اور اسی لیے زکوٰۃ کو تعمیر مسجد میں پل وغیرہ بنانے اور راستوں کے درست کرنے میں اور حج اور جہاد کے کرایوں پر صرف کرنا درست نہیں ہے بلکہ کسی بھی ایسے کام میں صرف کرنا درست نہیں ہے جس میں تملیک (ملکیت) نہ ہو جیسے میت کا کفن اور مردہ شخص کے قرض کی ادائیگی[1]

مالکی مسلک کی رائے: قاضی ابن العربی احکام القرآن میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں امام مالکؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کی متعدد صورتیں ہیں لیکن میرے علم میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہاں پر جہاد مراد ہے اور محمد بن الحکم کہتے ہیں کہ زکوٰۃ گھوڑوں، ہتھیاروں اور آلات حرب پر خرچ کی جائے گی اور دشمن کو اس کے اقدام سے روکنے کے لیے صرف کی جائے گی چنانچہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن ابی حثمہ کے واقعہ میں شورش کو فرو کرنے کے لیے زکوٰۃ کے سو اونٹ عطا فرمائے[2]

متن خلیل کی شرح الدردیر میں ہے کہ زکوٰۃ میں سے مجاہد کو ہتھیار اور گھوڑا خریدنے کے لیے دیا جائے گا خواہ مجاہد غنی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ جہاد کے وصف کے ساتھ فقر کا وصف ہونا لازمی نہیں ہے اور زکوٰۃ میں اس جاسوس کو بھی دیا جا سکتا ہے جو دشمن کی خبریں پہنچائے خواہ وہ کافر ہو لیکن کافروں سے بچنے کے لیے زکوٰۃ کی مد سے شہر پناہ کی دیوار بنانا یا مقابلے کے لیے جانے کے لیے سواری بنانا جائز نہیں ہے[3]

الدسوقی اپنے حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ زکوٰۃ سے شہر پناہ کی دیوار کے بنانے اور مقابلہ

---

[1] ردالمختار، ج ۲، ص ۸۵۔

[2] احکام القرآن، ج ۲، ص ۹۵۔

[3] خود الدردیر نے اپنی شرح میں شہر پناہ کی دیوار اور کشتیاں زکوٰۃ سے بنائے جانے کو اس صورت میں ناجائز کہا ہے جبکہ وہ برائے جہاد نہ ہوں۔ الشرح الصغیر وحاشیۃ الصاوی، ص ۲۳۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے جانے کے لیے کوئی مرکب بنانے کے عدم جواز کا قول صرف ابن بشیر کا ہے جبکہ اس کے بالمقابل رائے ابن عبدالحکم کی ہے۔ اللخمی نے اس کے علاوہ کوئی رائے تحریر نہیں کی ہے اور اسے التوضیح میں بیان کیا ہے۔ اور ابن عبدالسلام کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے[1]

غرض مسلک مالکؒ درج ذیل امور پر مشتمل ہے۔

۱) ان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فی سبیل اللہ جہاد سے متعلق ہے اور وہ سب امور اس میں آتے ہیں جو جہاد سے متعلق ہوں جیسے جہاد کے گھوڑے تیار کرنا وغیرہ، جبکہ فقہائے احناف کے مابین جہاد، حج اور طلب علم اور تمام امور ثواب کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون سے امور فی سبیل اللہ ہیں۔

۲) مسلک مالکؒ کے فقہاء مجاہد اور مرابط کے غنی ہونے کے باوجود اس کو زکوٰۃ میں سے دیئے جانے کے قائل ہیں۔ (بخلاف فقہائے احناف کے) اور ان کی یہ رائے ظاہر قرآن کے مطابق ہے کہ قرآن نے اسے مستقل مَصرف قرار دیا ہے اور فقراء اور مساکین کے مَصرف کو ایک جداگانہ مَصرف بیان کیا ہے اور یہی امر سنت نبویؐ سے بھی ہم آہنگ ہے کہ سنت میں مصارف زکوٰۃ کے بیان میں غازی فی سبیل اللہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

ابن العربی نے حنفیوں کے غازی کے فقر کے ساتھ مشروط کرنے کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ نص پر اضافہ ہے جو کہ ان کے نزدیک نسخ ہے اور قرآن کا نسخ قرآن سے یا سنت متواترہ ہی سے ہو سکتا ہے[2]

۳) مسلک مالک کے جمہور فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ کو ہتھیاروں، گھوڑوں، شہر پناہوں اور جنگی کشتیوں کے بنانے پر صرف کیا جا سکتا ہے اور ان کے نزدیک بھی فقہائے احناف کی طرح یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ صرف مجاہدین اشخاص ہی پر صرف کی جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں مالکی فقہاء کی رائے قرآن کی تعبیر سے زیادہ قریب ہے

---

[1] الشرح الکبیر مع حاشیۃ الاسوقی: ج ۱، ص ۴۹۰۔

[2] احکام القرآن، ج ۲، ص ۹۵۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ قرآن میں اس مصرف کا ذکر "فی" کے ساتھ ہوا اور "لام تملیک" کے ساتھ نہیں ہوا ہے کہ اس تعبیر سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مجاہدین اشخاص پہلے زکوٰۃ جہاد کے مصالح میں صرف ہونی چاہیے۔

شافعیؒ فقہاء کا مسلک امام نوویؒ کی "المنہاج" اور اس کی ابن حجرؒ کی شرح میں ہے کہ "فی سبیل اللہ" وہ مجاہدین ہیں جو حکومت سے باقاعدہ تنخواہیں نہ ملتی ہوں اور وہ از خود جہاد میں شریک ہوں، کیونکہ اگر ان کو تنخواہیں ملتی ہیں تو وہ اپنے پیشہ اور حرفت میں مصروف ہیں۔ فی سبیل اللہ کا مقصود ہر وہ کار نیک ہے جس سے رضائے الٰہی مقصود ہو، بعد میں یہ مطلق جہاد کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور بعد میں اس سے مقصود وہ مجاہدین ہو گئے جو بلا معاوضہ خدمتِ جہاد انجام دے رہے ہوں کہ یہ مجاہدین دوسرے مجاہدین سے درجہ فضیلت رکھتے ہیں لہٰذا یہ مجاہدین اگر چہ غنی بھی ہوں تو بھی زکوٰۃ کی اس مد سے ان کی اعانت کی جائے گی۔[1]

امام شافعیؒ نے الام میں تصریح کی ہے کہ صدقہ دہندگان کے پڑوسیوں میں سے جو افراد جہاد کریں انھیں فی سبیل اللہ کی مد سے دیا جائے گا، خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر اور ان کے سوا اس مد میں سے کسی کو نہیں دیا جائے گا الا یہ کہ جو افراد ان سے مشرکین کا دفاع کریں اور وہ حاجتمند ہوں تو انھیں دیا جائے گا۔[2]

امام شافعیؒ نے صدقہ دہندگان کے پڑوسیوں (جیرانُ الصَّدَقہ) کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ ان کے نزدیک ایک شہر سے دوسرے شہر زکوٰۃ منتقل کرنا درست نہیں ہے۔

امام نوویؒ الروضۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

غازی کی روانگی، اس کی آمد اور اس کے سرحدی مقام پر قیام کے دوران کے اخراجات زکوٰۃ کی فی سبیل اللہ کی مد سے ادا کیے جائیں گے۔ لیکن اگر سفر کے اخراجات زیادہ ہوں تو کیا

---

[1] تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج، ج ۳، ص ۹۶۔ نہایۃ المحتاج، ج ۶، ص ۱۵۵، ۱۵۶۔

[2] الام، ج ۲، ص ۶۰۔ ط۔ بولاق۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام ادا کیے جائیں گے اس بارے میں ہر دو اقوال ہیں اگر مجاہد شاہسوار ہو تو اس کو گھوڑے کی خریداری کے لیے دیا جائے گا اور اسی طرح آلات ضرب و قتال پر صرف کیا جائے گا، اور اسے گھوڑا اور ہتھیار کرائے پر لینے کی بھی اجازت ہوگی اور یہ صورت مالِ (زکوٰۃ) کی کمی بیشی کے ساتھ مختلف ہو سکتی ہے۔ اور اگر مجاہد پیادہ ہو تو اسے گھوڑے کی خریداری کے لیے رقم نہیں دی جائے گی۔

النووی، المفتاح کی شرح میں کہتے ہیں کہ غازی کو اس کے اخراجات اور اس کی آمد و رفت کے اخراجات اور اس کے گھر والوں کے اخراجات دیئے جائیں گے۔ اگرچہ جمہور فقہاء نے اہلِ خانہ کے اخراجات سے سکوت اختیار کیا ہے، لیکن بہر حال ان اخراجات کا دیا جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اسے سواری اُجرت پر لے دے اور چاہے تو اسے گھوڑا خرید کر دے دے اور اُسے فی سبیل اللہ وقف کر دے کہ وقتِ ضرورت دوسرے مجاہد کو عاریتاً دے دیا جائے اور جب وہ جہاد سے فارغ ہو جائے تو گھوڑا بیت المال کو واپس کر دے[1]

اس مقام پر فقہاء شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر فئے معدوم ہو جائے اور امام (حکومت) کے پاس مرتزقہ (تنخواہ پانے والے فوجیوں اور مجاہدین) کے لیے کچھ بھی نہ ہو تو کیا انھیں زکوٰۃ کے فی سبیل اللہ کے حصے سے کچھ دیا جا سکتا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں دو اقوال ہیں، اور ظاہر قول یہ ہے کہ انھیں زکوٰۃ میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا بلکہ اغنیاء مسلمین پر ان کی اعانت لازم ہوگی[2]

اور اگر اغنیاء (دولتمند) نہ دیں یا ان کے پاس زائد مال نہ ہو اور امام کے پاس اہلِ فئے کے علاوہ نہ ہوں تو کیا وہ اپنی ضرورت کے مطابق زکوٰۃ سے لے سکتے ہیں۔

---

[1] الروضۃ للنووی، ج ۲، ص ۳۲۶، ۳۲۷۔

[2] بحوالہ مذکور، ص ۳۲۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حجرؒ نے شرح المنہاج میں کہا ہے کہ یہ جائز ہے۔[1]

یہاں پر ہمارے نزدیک قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ

شافعیہ کا مسلک اس مصرف کے جہاد اور مجاہدین ہی پر خرچ کرنے کے بارے میں مالکیہ کے مسلک کے مطابق ہے اور اس امر کے جواز میں بھی ہر دو مسلک ہم آہنگ ہیں کہ مجاہد اگرچہ غنی ہو پھر بھی اسے جہاد میں مدد دی جائے اور اسے ہتھیار اور جنگی سامان فراہم کیا جائے۔

مگر دو امور میں مسلک شافعیؒ حنفی مسلک کے برخلاف ہے۔

۱) ایک یہ کہ ان کے نزدیک زکوٰۃ میں صرف کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مجاہدین محتاج ہوں اور ان کو پبلک خزانے سے کوئی تنخواہ یا حصہ نہ ملتا ہو۔

۲) اس حصہ پر (فی سبیل اللہ) فقراء اور مساکین کے حصوں سے زیادہ خرچ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مصارف کے جملہ اقسام میں مساوات ضروری ہے جیسا کہ اس باب کی آٹھویں فصل میں بیان ہوگا۔

مسلک حنبلی مسلک حنبلی میں بھی شافعی مسلک کی طرح فی سبیل اللہ سے مراد رضاکار غازی ہیں جن کو حکومت سے کوئی تنخواہ نہ ملتی ہو یا اگر انھیں کچھ ملتا ہو تو ان کے لیے ناکافی ہو۔ ایسی صورت مجاہد کو پورے جہاد بقدر کفایت دیا جائے گا اگرچہ وہ غنی ہو اور اگر عملاً وہ شریکِ جہاد نہ ہوا تو جو اس نے لیا ہے وہ واپس کرے گا۔ نیز سرحدوں کی نگرانی اور حفاظت بھی ان کے نزدیک جہاد ہے اور اس کو بھی فی سبیل اللہ کی مد سے حصہ ملے گا۔

"غایۃ المنتہیٰ" اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ امام (حکومت) کے لیے یہ بھی درست ہے کہ وہ مجاہد کو زکوٰۃ سے گھوڑا خرید کر دے دے تاکہ وہ اس پر جہاد کر سکے اگرچہ وہ خود صاحبِ نصابِ زکوٰۃ ہو، کیونکہ وہ اپنی زکوٰۃ امام (حکومت) کو دے کر بری ہو چکا ہے۔

---

[1] تحفۃ المحتاج ج ۳، ص ۹۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز اسی طرح امام کے لیے یہ بھی درست ہے کہ وہ مجاہدین کو جہاز اور کشتیاں خرید کر دے کیونکہ یہ بھی بہر حال مجاہد کی ضرورت ہیں اور مسلمانوں کے مفاد میں ہیں اور امام مسلمانوں کے مفاد کے مطابق اور ان کے مصالح کے موافق اقدامات کرنے کا مجاز ہے۔

جبکہ مال کے مالک کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ میں سے گھوڑا خرید کر اسے فی سبیل اللہ کی مد میں مجاہد کو دے دے یا زمین غازیوں (مجاہدین) کے لیے وقف کر دے کیونکہ یہ ایتاء (ادائے زکوٰۃ) مامور بہ نہیں ہے (اس کا حکم نہیں ہے) [1]

مگر حج کے بارے میں امام احمدؒ سے دو روایات مروی ہیں۔

ایک یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کی زکوٰۃ کی مد سے حج ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی فقیر کو زکوٰۃ میں سے دے دے تاکہ وہ اس سے حج کرے یا حج میں اسے امداد ہو جائے کیونکہ ام معقل اسدیہ کی حدیث ہے کہ

"ان کے شوہر نے ایک اونٹ فی سبیل اللہ (زکوٰۃ) علیحدہ کر دیا۔ ان کا ارادہ عمرہ کا تھا اس لیے انھوں نے اپنے شوہر سے اونٹ مانگا مگر انھوں نے انکار کیا، اس پر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے ذکر کیا آپ نے ان کے شوہر کو حکم دیا کہ وہ یہ اونٹ ان کو دے دیں اور فرمایا کہ حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ ہیں۔" [2]

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ اور اسحٰق کا قول بھی اسی کے موافق ہے۔

---

[1] مطالب اولی النہی: ج ۲، ص ۱۴۷، ۱۴۸۔

[2] اس روایت کو احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور یہ ضعیف ہے اس لیے کہ اس کی سند میں ایک متکلم فیہ راوی ہے نیز اس کی سند میں اضطراب بھی ہے۔ ابوداؤد نے اس کو ایک اور روایت سے نقل کیا جس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جو مدلس ہے اور معنعن ہے۔ نیل الاوطار: ج ۴، ص ۱۸۱۔ ط۔ الحلبی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری رائے جمہور کے قول کے مطابق یہ ہے کہ زکوٰۃ میں سے حج پر صرف نہیں کیا جائے گا۔

ابن قدامہ المغنی میں کہتے ہیں۔ کہ یہی صحیح ہے اس لیے کہ مطلق فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے اور سوائے چند مقامات کے قرآن میں بھی جہاد ہی مراد ہے، اس بنا پر آیت (صدقات) میں وارد فی سبیل اللہ سے جہاد ہی مراد ہوگا کہ یہی اس آیت کا ظاہر بھی ہے۔ نیز اس لیے کہ حج کے مصارف کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کو اس کی احتیاج ہو، جیسے فقراء، مساکین، رقاب اور مقروض (غارمین)۔ اور دوسرے وہ جن پر صرف کرنے کی مسلمانوں کو احتیاج ہو، مثلاً عامل، غازی، مؤلف، اصلاح ذات البین کی خاطر مالی بوجھ برداشت کرنے والا۔ جبکہ فقیر کو حج کرانا نہ تو فقیر کی احتیاج ہے کہ اس پر حج فرض نہیں ہے، نہ اس پر حج کی فرضیت میں مصلحت ہے بلکہ یہ ایک بوجھ ہے جس سے اللہ نے رخصت دی ہے اور نہ ہی فقیر کو حج کرانا مسلمانوں کی احتیاج ہے۔ اس لیے اس زکوٰۃ کو اصناف زکوٰۃ میں حاجتمندوں پر صرف کرنا چاہیے یا مسلمانوں کے مصالح میں دینا چاہیے [1]

ابن قدامہ کا یہ بیان بڑا واضح ہے اور اس پر کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔

جس حدیث پر امام احمدؒ کی پہلی رائے کی بنیاد قائم ہے، اس کی سند ضعیف ہے اور اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی مسلک شافعیؒ کے فقہاء نے کہا ہے کہ حج کے سبیل اللہ ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن آیت صدقات میں زکوٰۃ کی جو مد فی سبیل اللہ کے عنوان سے ذکر ہوئی ہے اس کے ذیل میں حج نہیں آتا۔ نیز حدیث پانچ کے سوا زکوٰۃ حلال نہیں ہے، میں غازی فی سبیل اللہ کا ذکر آیا ہے جس سے آیت صدقات کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے۔ نیز زیر بحث حدیث میں اونٹ کو فی سبیل اللہ صدقہ قرار دیا گیا جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان کے شوہر نے اس اونٹ کے اللہ کی راہ کے لیے ہونے کی وصیت کی، اور ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس شخص کے لیے جو اس پر حج کرے؛ اور اگر یہ فرض کر لیں کہ

---

[1] ابن قدامہ: المغنی، ج ۶، ص ۴۷۰، ۴۷۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ زکوٰۃ ہی کا اُونٹ تھا تو یہ احتمال ہے کہ جس کو یہ اونٹ دیا تھا وہ خود فقیر ہوا اور اس سے انتفاع کا مستحق ہو، یا اس نے اسے بغیر مالک بنائے سوار کرایا ہو۔[1]

اس مصرف کے بارے میں چاروں مسالک کے متفقہ امور

گزشتہ بیان سے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ چاروں مسالک درج ذیل تین امور پر متفق ہیں۔

۱) جہاد قطعی طور پر فی سبیل اللہ کی زکوٰۃ کی مد میں شامل ہے۔

۲) زکوٰۃ مجاہدین پر صرف کرنا جائز ہے۔ جبکہ سامان جہاد اور مصالح جہاد پر صرف کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

۳) زکوٰۃ کو دیگر رفاہی اور اصلاح عامہ PUBLIC WELFARE میں صرف کرنا جائز نہیں ہے مثلاً پلوں اور بندوں کی تعمیر، مساجد اور مدارس کی تشکیل، راستوں کی درستگی (کفن دفن اور وارث) مُردوں کی تکفین وغیرہ۔ بلکہ ان امور کو فئے اور خراج جیسے بیت المال کے دیگر آمدنی کے ذرائع سے پُورا کیا جائے گا۔

اور ان مصارف میں زکوٰۃ کو خرچ کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کہ اس میں بقول حنفیہ تملیک نہیں ہوتی یا بقول دیگر فقہاء یہ مدات آٹھ مصارف زکوٰۃ میں شامل نہیں ہیں۔

البدائع میں جو یہ کہا گیا ہے کہ (زکوٰۃ) تمام طاعتوں اور عبادتوں میں صرف ہو سکتی ہے تو وہاں انھوں نے ایک شخص کی تملیک کی شرط لگائی ہے، اس لیے اسے کسی عام ادارہ کو نہیں دیا جا سکتا، نیز انھوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ لینے والا شخص فقیر ہو۔ اس لحاظ سے یہ رائے بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جس پر سبیل اللہ کے مفہوم کو محدود کرنے والوں کی رائے دلالت کرتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں کہ انھوں نے مجاہد کے لیے فقر کی شرط عائد کی ہے۔ جیسا کہ امام احمدؒ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں کہ انھوں نے حج اور عمرہ پر زکوٰۃ کے

---

[1] تحفۃ المحتاج، ج ۳، ص ۹۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف کو جائز کہا ہے۔

بہرحال شافعی اور حنبلی مسلک کے فقہاء اس امر پر متفق ہیں زکوٰۃ لینے والے مجاہدین رضاکار ہوں اور باقاعدہ فوجی نہ ہوں اور ان کے نام (تنخواہوں کے لیے) حکومت کے رجسٹر میں درج نہ ہوں۔

نیز فقہائے احناف کے علاوہ جملہ فقہاء اس امر پر بھی متفق ہیں کہ زکوٰۃ کو فی الجملہ مصالح جہاد پر صرف کرنا بھی درست ہے۔

سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت اختیار کرنے والے فقہاء | قدیم وجدید فقہاء میں سے

بعض نے سبیل اللہ کے مفہوم کو جہاد تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ ان کے نزدیک تمام امور خیر، جملہ بھلائی کے کام اور عبادت اور حصول تقرب کے اعمال بھی سبیل اللہ میں داخل ہیں کہ لفظ کا لغوی مفہوم یہی ہے۔

قفال کی رائے

امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کا ظاہری لفظ غازیوں کے لیے محدود نہیں ہے۔ اس لیے قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ صدقات (زکوٰۃ) کا تمام خیر کے کاموں میں صرف کرنا جائز ہے بلکہ اسے مردوں کی تکفین، حفاظتی قلعے بنانے اور تعمیر مساجد میں صرف کرنا بھی درست ہے اس لیے کہ فی سبیل اللہ ان تمام کے لیے عام ہے۔[1]

لیکن قفال نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ فقہاء کون ہیں حالانکہ محققین کے نزدیک فقیہ مجتہد کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر رازیؒ نے بھی اس پر کوئی گرفت نہیں کی جس سے یہ محسوس ہوتا ہو کہ شاید امام رازیؒ بھی اسی جانب جھکاؤ اور میلان رکھتے ہیں۔

حضرت انس اور حضرت حسن بصری کی جانب اس رائے کا انتساب | ابن قدامہ نے المغنی

---

[1] تفسیر الرازی: ج ۱۶/ ص ۱۱۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اس رائے کو انس بن مالک اور حسن بصری کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کا یہ قول کیا ہے کہ "جو زکوٰۃ قلعوں پر اور راستوں پر صرف کی (دی جائے) جائے وہ زکوٰۃ درست ہے۔"[1]

اس عبارت کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ ان امور پر صرف کی جانے والی زکوٰۃ جائز ہے لیکن ابو عبید نے اس کا ایک اور مفہوم بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنی زکوٰۃ لے کر عاشر کے پاس سے گزرے اور اس سے عاشر یہ زکوٰۃ لے لے۔ جو کہ ولی امر (حکومت) کی جانب سے مقرر ہوں اور پلوں اور راستوں پر متعین ہوں تاکہ وہ اہل حرب مستامن سے اور ذمی تاجروں سے اور مسلمانوں سے عائد شدہ تجارتی ٹیکس وصول کریں، جیسا کہ آج کل کی چنگی ہوتی ہے کہ وہ بالعموم گزرگاہوں کے ناکوں پر بنائی جاتی ہے۔

ابو عبیدؒ نے تابعین وغیرہ کے بھی اقوال نقل کیے ہیں۔ مثلاً ابراہیم شعبی، ابو جعفر الباقر۔ ان اقوال سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے یعنی عاشر جو لے لے اس کا زکوٰۃ میں شمار کر لینا۔ جبکہ حسن سے صراحتاً یہ قول منقول ہے مگر میمون بن مہران کی رائے اس کے برخلاف ہے کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دیتے تھے اور عاشر کے لیے ہوئے کو زکوٰۃ میں شمار نہیں کرتے تھے۔ لیکن ابو عبید کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک انس، حسن، ابراہیم، شعبی اور محمد بن علی ہی کی رائے درست ہے اور یہی لوگوں میں مقبول ہے۔[2]

ابو عبید کی طرح ابن ابی شیبہ نے بھی "باب من قال یحتسب بما اخذ العاشر" میں ان دونوں کی رائے نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رائے کا ابن قدامہ کا انس اور حسن کی طرف منسوب کرنا ثابت نہیں ہے۔[3]

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۱۶۷۔ (عبارت کے الفاظ یہ ہیں: "ما اعطیت فی الجسور والطرق فهی صدقة ماضیة")

[2] الاموال، ص ۵۷۳، ۵۷۵۔

[3] المصنف، ج ۳، ط حیدرآباد۔ ص ۱۶۶۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "ما اخذ منك على الجسور والقناطر فتلك زكوة قاضية"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امامیہ جعفریہ کی رائے

مسلک امامیہ جعفریہ کی کتب میں سے 'المختصر النافع' میں ہے کہ

'ہر تقرب اور مصلحت کا کام مثلاً حج جہاد اور پلوں کا بنانا فی سبیل اللہ ہے، مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ فی سبیل اللہ کی مد صرف جہاد کے ساتھ مختص ہے'۔[1]

'جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام' میں ہے جو کہ فقہ جعفریہ کی موسوعہ (انسائیکلوپیڈیا) ہے کہ تمام مصالح پر مشتمل اور مثلاً پلوں کی تعمیر، حج اور تمام امور خیر میں صرف کرنا فی سبیل اللہ ہے اور یہی عام متاخرین کی رائے ہے اور اس کی تائید خود ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے اس لیے کہ سبیل کے معنی تو راستے کے ہیں اور جب سبیل کے لفظ کی اضافت اللہ کی جانب ہوگی تو اس کا مفہوم یہی ہوگا کہ ہر وہ کام جو رضائے الٰہی اور حصول ثواب کے لیے ہو۔ اور حصول ثواب کے لیے ہو۔ اور اس میں جہاد بھی شامل ہے'۔[2]

فقہائے زیدیہ کی رائے

زیدیہ مسلک کی کتاب 'الروض النضیر' جس میں امام زید کے اقوال کی شرح کی گئی ہے، بیان کیا گیا ہے کہ مردے کے کفن اور مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ صرف نہیں کی جائے گی۔ اور جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک عموم کے ساتھ تمام امور خیر فی سبیل میں داخل ہیں اگرچہ جہاد کے مفہوم میں اس کا استعمال زیادہ ہو گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اوائل اسلام میں جہاد زیادہ درپیش تھا لیکن اس کے ساتھ دوسرے امور خیر کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا تھا اور حقیقت عرفیہ کے لحاظ سے اب تک اپنی پہلی وضع پر باقی ہے اور اس میں تقرب کی تمام انواع داخل ہیں کہ مصالح عامہ اور خاصہ کا اقتضاء بھی یہی ہے تا آنکہ کسی دلیل کی بنا پر اس کی تخصیص ہو۔

---

[1] المختصر النافع، ص ۵۹، دار الکتاب العربی۔ القاہرہ۔

[2] جواہر الکلام، ج ۲، ص ۷۹۔ الحلی: شرائع الاسلام، ج ۱، ص ۸۷۔ فقہ الامام جعفر ج ۲، ص ۹۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ البحر کی عبارت ہے جب تک کوئی دلیل تخصیص موجود نہ ہو فی سبیل اللہ اپنے عموم پر مشتمل ہے۔[1]

غرض "البحر" اور "الروض" کے مصنفین کے نزدیک سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت راجح ہے۔

شرح الازھار میں ہے کہ اس صنف میں یہ بھی جائز ہے کہ زکوٰۃ کا بقیہ عام مصالح مسلمین پر صرف کیا جائے، امام الھادی نے بھی تصریح کی ہے اور ابوطالب نے کہا ہے کہ فقراء کے غناء کے باوجود بھی ان مصالح میں صرف کیا جانا چاہیے کہ اگر فقیر محتاج موجود ہو تو وہ زکوٰۃ کا زیادہ حقدار ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شرط درجۂ استحباب میں ہے ورنہ اگر فقراء کی موجودگی کے باوجود (مصالح پر) صرف کی جائے تو بھی جائز ہے۔

حواشی الازھار میں البحر سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ مصالح پر صرف کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سبیل اللہ کی مد سے زکوٰۃ بچ گئی ہو بلکہ آٹھواں مصارف میں سے بچی ہوئی رقم مصالح پر صرف ہو سکتی ہے جیسا کہ اموالِ مصالح WELFARE FUNDS سے فقراء پر صرف کیا جا سکتا ہے۔[2]

الروضۃ الندیہ کے مصنف کی رائے

مسلک اہلِ حدیث کے فقیہ نواب صدیق حسن خان اپنی تصنیف الروضۃ الندیہ میں لکھتے ہیں کہ سبیل اللہ سے مراد رضائے الٰہی کے لیے اختیار کیا جانے والا راستہ ہے جہاد بھی رضائے الٰہی کا سب سے عظیم طریقہ ہے لیکن اس تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے فی سبیل اللہ کے مصرف سے صرف جہاد مراد ہے۔ بلکہ اس حصہ زکوٰۃ کو کسی بھی رضائے الٰہی کے کام پر صرف کیا جا سکتا ہے۔ یہی آیت میں وارد فی سبیل اللہ کے لغوی معنی ہیں اور جب تک از روئے شرع کسی اور مفہوم کے بارے میں نقلی دلیل موجود نہ ہو لفظ اپنے

---

[1] الروض النضیر، ج ۲، ص ۴۲۸، البحر، ج ۲، ص ۱۸۲۔

[2] شرح الازھار، وحاشیہ ص ۱۱۵، ۱۱۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لغوی معنی ہی پر برقرار رہتا ہے بلکہ ان علماء پر صرف کرنا جو مسلمانوں کی دینی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہوں فی سبیل اللہ ہے کیونکہ ان کا بھی اللہ کے مال میں حصہ ہے خواہ وہ اغنیاء ہوں خواہ فقراء بلکہ ان پر صرف کرنا زیادہ اہم ہے کہ علماء ورثۃ الانبیاء ہیں اور حاملین دین ہیں اور انہی کے ذریعے اللہ سبحانہٗ دین کی اور شریعت کی حفاظت فرماتا ہے[1]

جدید علماء کی آراء: القاسمی کی رائے شیخ جمال الدین قاسمی اپنی تفسیر میں رازیؒ کا قول درج کرتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کا لفظ مجاہدین اور غازیوں کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ اس کے بعد انھوں نے قفال کی رائے نقل کی ہے، اور التاج کے مصنف کا یہ قول کیا ہے کہ ہر وہ کام جس سے خدا کی رضا مقصود ہو فی سبیل اللہ میں داخل ہے[2]

ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد قاسمی نے ان پر سکوت اختیار کیا ہے جس سے احساس ہوتا ہے کہ وہ ان اقوال سے متفق ہیں۔

رشید رضا اور شلتوت کی آراء تفسیر المنار کے مصنف سید رشید رضا آیت صدقات کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

درست یہی ہے کہ فی سبیل اللہ سے یہاں مسلمانوں کے مصالح عامہ ہی مراد ہیں جن سے دین و ریاست کے معاملات استوار ہوں اور افراد مراد نہیں ہیں چنانچہ افراد کا حج بھی فی سبیل اللہ نہیں ہے، اس لیے کہ حج صاحب استطاعت ہی پر فرض ہے، نیز یہ کہ حج فرض عین ہے جس طرح کہ نماز اور روزہ ہے اور مصالح دینیہ سے نہیں ہے۔ جبکہ حج کا قائم کرنا شعائر اسلام میں سے ہے اس لیے فی سبیل اللہ کی مد کی زکوٰۃ کو حج کے راستے کو پرامن بنانے، حج کے دنوں میں پانی اور غذا کی فراہمی کا بندوبست کرنے اور حاجیوں کی صحت کا انتظام کرنے پر صرف کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کا کوئی اور

---

[1] الروضۃ الندیہ، ج ۱، ص ۲۰۶، ۲۰۷۔

[2] محاسن التاویل، ج ۷، ص ۳۱۸۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصرف نہ ہو۔[1]

اس کے بعد سید رشید رضا لکھتے ہیں کہ[2] فی سبیل اللہ کی مدان تمام عام شرعی مصالح پر مشتمل ہے جو ریاست اور دین کا جزو اہم ہوں۔ ان میں سے سب سے اوّل جنگی صلاحیت فراہم کرنا، اسلحہ خریدنا، لشکر کی غذائی ضرورت پوری کرنا، غازیوں کو مسلح کرنا اور نقل وحمل کے اسباب فراہم کرنا شامل ہے (ظاہر ہے کہ یہاں اسلامی جنگ اور وہ اسلامی لشکر مراد ہے جو صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جنگ کر رہا ہو) اسی طرح کی رائے پہلے محمد بن الحکم کی گزر چکی ہے۔ غازی کو مسلح کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ غازی جنگ سے واپس آکر ہتھیار اور گھوڑا بیت المال میں جمع کرادے اس لیے کہ یہ اشیاء اس کی دائمی ملکیت نہیں بنی ہیں بلکہ صرف اسے راہِ خدا میں استعمال کے لیے دی گئی ہیں۔

فی سبیل اللہ کے عموم میں فوجی ہسپتال اور عام فلاحی ہسپتال کا قیام، شاہراہیں بنانا، فوج کی نقل وحرکت کے لیے ریلوے لائن بنانا، سنگین مورچہ تعمیر کرنا، فوجی مقاصد کے ہوائی اڈے، خندقیں اور ردمے بنانا بھی داخل ہیں۔

ہمارے دور میں تو فی سبیل اللہ کی ایک اہم مد دعوتِ اسلام کے لیے افراد کار تیار کرنا بھی ہے تاکہ منظم جمعیتیں انھیں بلادِ کفار میں بھیجیں اور وہ وہاں جاکر تبلیغ اسلام کریں اور اس عظیم مصلحت ملی کی تفصیل ہم وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔[3]

شیخ محمود شلتوت نے بھی فی سبیل اللہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس سے مراد وہ عام مصالح ہیں جو کسی ایک فرد کی ملکیت نہ ہوں اور کوئی ایک شخص ان سے منتفع نہ ہوتا ہو، بلکہ وہ اللہ کی ملک ہو اور اس کی منفعت تمام مخلوق میں مشترک ہو۔ ان مصالح میں اوّلین

---

[1] تفسیر المنار، ج ۱۰، ص ۵۸۵۔

[2] ایضاً۔ ص ۵۸۷۔

[3] آل عمران: ۱۰۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصلحت جنگی استعداد ہے تاکہ امت کو داخلی بغاوت سے اور خارجی حملے سے محفوظ رکھا جاسکے اور قومی وقار بحال رہے۔ نیز یہ مدجدید ترین جنگی ساز وسامان کو بھی مشتمل ہے، اس میں فوجی اور عام ہسپتال بھی آتے ہیں، راستے بنانا اور ریلوے لائن بچھانا بھی اس میں شامل ہے جو اسلام کے جمال اور وقار کو روشن کریں، اس کی حکمت بیان کریں، اس کے احکام بیان کریں اور دشمنانِ اسلام کے حملوں کا دفاع کریں۔

اور اسی طرح اس فی سبیل اللہ کی مد میں ایسے وسائل اختیار کرنا بھی شامل ہے جس سے حفظ قرآن کا سلسلہ تاقیام قیامت جاری رہے ہے۔[1]

بہرحال شیخ شلتوت کی یہ رائے بھی مذکورہ بالا سید رشید رضا کی رائے کی مؤید ہے۔

اسی اساس پر انھوں نے تعمیر مساجد پر زکوٰۃ کے صرف کرنے کے بارے میں یہ جواب دیا۔ کہ

اگر کسی بستی میں پہلی مسجد تعمیر کی جارہی ہو، یا مسجد موجود ہو اور اس میں گنجائش کم ہو اور بستی کے لوگوں کو ایک اور مسجد کی ضرورت ہو تو از روئے شریعت تعمیر اور اصلاحِ مسجد پر زکوٰۃ کا صرف کرنا درست ہے اور یہ فی سبیل اللہ کی مد میں شمار ہوگی۔

کیونکہ فی سبیل اللہ کا مقصود مصالح عامہ ہیں جن سے تمام مسلمان مستفید ہوتے ہوں، اس لیے یہ مد مساجد، شفاخانوں، تعلیم گاہوں، لوہے کے کارخانوں وغیرہ کو شامل ہے یعنی جن کاموں کی افادیت اجتماعی ہو۔ یہ بتانا بہتر ہے کہ یہ مسئلہ فقہاء کے درمیان اختلافی ہے۔ (اس کے بعد شیخ نے رازی کا نقل کردہ قفال کا قول نقل کیا ہے کہ صدقات کو تمام امور خیر میں صرف کیا جاسکتا ہے) اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی اس رائے پر مطمئن ہوں اور یہی فتویٰ دیتا ہوں لیکن شرط یہی ہے جو مساجد کے بارے میں بیان ہوئی ہے کہ اس کی ضرورت ایسی ہو کہ اس کے بغیر گزارہ نہ ہو ورنہ تو مسجد کے علاوہ امور پر صرف کرنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہوگا۔[2]

---

[1] الاسلام عقیدہ وشریعۃ، ص ۹۷، ۹۸۔

[2] الفتاوی شلتوت: ۲۱۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخلوف کا فتویٰ مفتی مصر شیخ حسنین مخلوف سے یہ فتویٰ پوچھا گیا کہ کیا اسلامی فلاحی تنظیموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ تو انھوں نے جواز کا فتویٰ دیا اور فی سبیل اللہ کے مفہوم کے ضمن میں رازی اور قفال کے اقوال نقل کیے۔[1]

موازنہ اور ترجیح ہم نے اوپر مسالک اربعہ کی وہ آرا نقل کر دی ہیں جن میں سے بیشتر اس امر کی حامل ہیں کہ فی سبیل اللہ سے صرف جہاد مراد ہے نیز ہم نے قدیم فقہاء اور جدید علماء کی وہ آرا بھی درج کر دی ہیں جن کی رو سے فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت ہے اور یہ لفظ علاوہ جہاد کے دیگر امورِ خیر پر بھی مشتمل ہے۔

اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں آرا میں سے کون سی درست اور حق ہے۔

جن حضرات نے توسع اختیار کیا ہے ان کی دلیل واضح ہے کہ لفظ کا اصلی اور وضعی مفہوم جملہ امورِ خیر پر مشتمل ہے اور اس لیے اسے مساجد، مدارس اور ہسپتالوں کی تعمیر اور تمام امورِ خیر میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

جبکہ مسالک اربعہ کے جمہور فقہاء کا اعتماد ان دو دلائل پر ہے۔

۱) پہلی دلیل جس پر فقہائے احناف نے اپنے استدلال کی بنا رکھی ہے یہ ہے کہ زکوٰۃ کا ایک رکن تملیک (کسی کی ملکیت میں آنا) ہے جو کہ امورِ خیر میں موجود نہیں ہے کہ ان میں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی اور تملیک کے رکن ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے زکوٰۃ کو صدقہ فرمایا ہے اور صدقہ کی حقیقت یہ ہے کہ مال کا کسی فقیر کو مالک بنا دیا جائے۔[2]

۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ مساجد، مدارس اور پانی پینے کی جگہیں بنانے جیسے امورِ خیر ان آٹھ مصارف میں نہیں آتے جو آیت صدقات میں بیان کیے گئے ہیں۔ اور اس آیت کا آغاز اِنَّمَا سے ہو رہا ہے جو حصر (تحدید) اور اثبات کے لیے آتا ہے اس لیے جو مصارف آیت میں مذکور ہوئے وہ تو ثابت ہو گئے اور اس

---

[1] فتاویٰ شرعیہ۔ للشیخ مخلوف ج ۲۔

[2] فتح القدیر، ج ۲، ص ۲۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سوا کالعدم قرار پائے۔ نیز الفاظ حدیث بھی ہیں کہ اللہ نے زکوٰۃ کو آٹھ حصوں میں تقسیم فرما دیا ہے۔ اور اسی پر ابن قدامہ نے المغنی میں اعتماد کیا ہے[1]

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں پہلی دلیل قابل غور ہے کیونکہ قرآن نے جن مصارف کو لام کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں تملیک شرط نہیں ہے چنانچہ فقہاء نے زکوٰۃ سے غلام کے آزاد کرانے اور مردے کا قرضہ ادا کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے حالانکہ اس میں تملیک نہیں ہے نیز یہ کہ ولی امر (حکومت) کو دے دینے سے تملیک تو ہو گئی کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مالک خود ہی فقیر کے ہاتھ میں دے بلکہ امام (حکومت) یا اس کا نائب زکوٰۃ لے کر اسے ان امور میں صرف کر سکتا ہے۔

دوسری دلیل جو اس امر پر قائم ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف آٹھ ہیں، تو یہ بھی توسع اختیار کرنے والے فقہاء کے رد میں کافی نہیں ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک مساجد وغیرہ کی تعمیر فی سبیل اللہ کے مصرف میں داخل ہے اور انما میں سے اللہ سبحانہ جن آٹھ مصارف کی تحدید کی ہے ان سے خارج نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس رائے کے قائلین کی صحیح تردید یہی ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ فی سبیل اللہ سے صرف غازی ہی مراد ہیں جیسا کہ جمہور فقہاء کی رائے ہے اور یہ کہ یہ عام امور خیر پر مشتمل نہیں ہے جیسا کہ لفظ کا عموم دلالت کرتا ہے۔

اور اس لفظ ــــ فی سبیل اللہ ــــ کے اصل مفہوم کے تعین کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ جائزہ لیں کہ قرآن میں یہ لفظ کن کن مقامات پر وارد ہوا ہے کہ قرآن کی بہترین تفسیر وہی ہے جو خود قرآن سے کی جائے۔

قرآن کریم میں "سبیل اللہ" کا لفظ

قرآن کریم میں سبیل اللہ کا لفظ ساٹھ سے زائد مرتبہ آیا ہے[2] اور دو طرح آیا ہے۔

۱) کسی مقام پر "فی" کے ساتھ آیا ہے جیسے اسی آیت صدقات میں فی سبیل اللہ آیا ہے اور

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۱۶۷۔

[2] المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہیں عَنْ کے ساتھ آیا ہے جو کہ تیئیس ۲۳ مقامات پر آیا ہے۔

جہاں عَنْ کے ساتھ آیا ہے وہاں یا تو صَدَّ کے فعل کے ساتھ آیا ہے جیسے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء : ۱۶۷)

جو لوگ اس کو ماننے سے خود انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو خدا کے راستے سے روکتے ہیں وہ یقیناً گمراہی میں حق سے بہت دور نکل گئے ہیں۔

نیز ــــــ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (الانفال : ۳۶)

جن لوگوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا ہے وہ اپنے مال خدا کے راستے سے روکنے کے لیے صرف کر رہے ہیں۔

یا ضَلَالٌ کے فعل کے ساتھ آیا ہے، مثلاً

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (لقمان : ۶)

اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔

۲) فِی کے ساتھ سبیل اللہ قرآن میں زیادہ آیا ہے اور اس صورت میں یا تو انفاق کے فعل کے بعد آیا ہے۔ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یا ہجرت کے بعد آیا ہے وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یا جہاد کے بعد آیا ہے وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یا قتال اور قتل کے بعد آیا ہے یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ اور وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ یا مخصہ یا ضرب وغیرہ الفاظ کے بعد آیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن میں سبیل اللہ کے لفظ سے کیا مراد ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لغت میں سبیل کے معنی طریق (راستہ) کے ہیں، ظاہر ہے کہ سبیل اللہ سے وہ راستہ مراد ہوگا جو رضائے الٰہی اور ثواب اخروی تک پہنچانے والا ہو کہ اللہ سبحانہٗ نے اپنے انبیاء کو اسی لیے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کی اس راستہ کی جانب راہنمائی کریں اور بالخصوص حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں کو اللہ کے راستے کی جانب بلائیں۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(النحل : ۱۲۵)

اے نبیؐ، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔

بلکہ یہ اعلان عام بھی فرما دیں۔

هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (یوسف : ۱۰۸)

میرا راستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی۔

اس راہ کے برعکس ایک اور راہ ہے جسے قرآن نے سبیل الطاغوت کہا ہے اور جس کی جانب ابلیس اور اس کا لشکر دعوت دیتا ہے اور اس راہ پر چلنے والا اللہ کی ناراضگی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے ان دونوں راستوں کا فرق ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ (النساء : ۷۶)

جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنھوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔

سبیل اللہ کی جانب بلانے والے کم ہوتے ہیں اور اس راہِ حق کے دشمن اور اس سے روکنے والے بکثرت ہوتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانفال: ۳۶)
وہ اپنے مال خدا کے راستے سے روکنے کے لیے صرف کر رہے ہیں۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (لقمان : ۶)
اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔
وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
( )
ہوائے نفس راہ حق پر چلنے سے روکتی ہے کہ حق کے راستے کی مشقتیں نفس کی خواہشات کے برخلاف ہیں۔
وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
(ص ۲۷)
کیونکہ دشمنان خدا اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جدوجہد بھی کرتے ہیں اور مال بھی خرچ کرتے ہیں، اس لیے مؤمنین انصار اللہ کا یہ فریضہ ہوا کہ وہ راہِ حق کے فروغ کے لیے کوششیں کریں اور اس کے لیے اپنا مال صرف کریں اور یہی اسلام نے فرض قرار دیا ہے اور زکوٰۃ کا ایک حصہ فی سبیل اللہ کے اس اہم مصرف کے لیے مخصوص کر دیا ہے اور مسلمانوں کو بالعموم اپنے مال میں سے فی سبیل اللہ خرچ کرنے پر آمادہ کیا اور بتاکید حکم دیا۔

انفاق کے ساتھ سبیل اللہ کا مفہوم

انفاق کے ساتھ سبیل اللہ کا لفظ دو معنی میں آیا ہے۔

۱) ایک تو لفظ کے حقیقی معنی میں آیا ہے اور تمام انواع برّ، طاعات اور سبل خیر کو عام ہے، مثلاً یہ فرمان الٰہی:
مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (البقرہ : ۲۶۱)

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے۔

نیز یہ فرمان الٰہی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ : ۲۶۲)

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے نہ دکھ دیتے ہیں۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔

ان آیات سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ فی سبیل اللہ کا لفظ قتال اور اس سے متعلقہ امور کے ساتھ خاص ہے کیونکہ ان آیات میں مَنّ (احسان) اور اذی (ایذا رسانی) کا ذکر بھی آیا ہے جو کہ ظاہر ہے تنگدست اور صاحب حاجت لوگوں پر خرچ کرنے کی صورت ہی میں ہوگا۔ اور اسی طرح یہ فرمان الٰہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ: ۳۴)

دردناک سزا کی خوش خبری دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

اس آیت میں بھی سبیل اللہ کا عام مفہوم مراد ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ارشاد فرمایا اور جنگ مقصود نہیں ہے[1] ورنہ فقراء، مساکین، یتیموں اور مسافروں پر خرچ کرنے والا

---

[1] فتح الباری، ج ۳، ص ۱۷۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ان کافروں کے زمرے میں داخل ہو جائے گا جنھیں عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

بعض معاصرین کی رائے یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ انفاق کے ساتھ لازمی طور پر جہاد ہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کسی اور معنی کا اس میں احتمال نہیں ہے[1]

لیکن یہ رائے فی سبیل اللہ کے قرآن میں استعمال کے مکمل مطالعے پر مبنی نہیں ہے کیونکہ سورۂ بقرہ کی دونوں مذکورہ بالا آیات اس کے خلاف ہیں۔

۲) دوسرا مفہوم اللہ کے دین کی نصرت، اس کے دشمنوں سے جنگ اور روئے زمین پر اللہ کا کلمہ بلند کرنے سے متعلق ہے تاکہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہی ہو جائے، سیاق کلام سے اس معنی خاص میں اور معنی عام میں امتیاز ہو جائے اور یہ مفہوم قتال اور جہاد کے الفاظ کے بعد آتا ہے مثلاً

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ

اور جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ

اسی طرح سورۂ بقرہ میں آیات قتال کے بعد آیا ہے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرہ : ۱۹۵)

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔

بلاشبہ یہاں پر انفاق نصرت اسلام اور اسلام کے خلاف لڑنے والے دشمنوں پر اللہ کا کلمہ غالب کرنے اور اللہ کے دین سے روکنے والوں کو اس امر سے باز رکھنے کے معنی میں ہے۔

اسی طرح سورۂ حدید میں آیا ہے۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ

---

[1] النظام الاقتصادی فی الاسلام، تقی الدین النبہانی، ص ۲۰۸۔ ط۔ ثالثہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید : ۱۰)

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنھوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے، ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے، اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔

سیاق کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں پر انفاق کا وہی مفہوم ہے جو گزشتہ آیت میں تھا۔

سورۂ انفال میں فرمایا جاتا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ

(الانفال : ۶۰)

اور تم لوگ جہاں تک تمھارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوفزدہ کرو جنھیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے، اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمھاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمھارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

یہ مقام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد دشمنان خدا سے جنگ کرنا ہے اور اللہ کے دین کو کامیاب بنانا ہے جیسا کہ یہ حدیث صحیح بھی اس امر پر دلالت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتی ہے۔

"جس نے اس لیے جہاد کیا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو یہی فی سبیل اللہ ہے۔"

(بخاری و مسلم)

اسی خاص مفہوم کو جہاد اور غزوہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور نصرت اسلام کی تعبیر زیادہ موزوں ہے، ورنہ تو جَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ جہاد میں جہاد کرو۔

مصارف زکوٰۃ والی آیت میں فی سبیل اللہ کا استعمال

انفاق کے ساتھ سبیل اللہ کے دو مفہوم ہیں عام اور خاص ــــ اور ان دونوں مفاہیم کے لحاظ سے دیکھنا یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ والی آیت میں فی سبیل اللہ کا کیا مفہوم ہے کیونکہ اگرچہ وہاں انفاق کا لفظ نہیں آیا لیکن بہرحال ملحوظ ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ یہاں پر سبیل اللہ کا عام مفہوم مراد نہیں ہے اس لیے کہ یہ عموم متعدد جہات پر مشتمل ہے جن کی تمام اصناف اور اشخاص کا حصر نہیں ہو سکتا جو کہ آٹھ مصارفِ زکوٰۃ کے تعین کے برخلاف ہے، جیسا کہ ظاہر آیت اس جانب اشارہ کرتی ہے اور جیسا کہ حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ

"اللہ سبحانہٗ کسی نبی یا کسی شخص کے فیصلہ و بارۂ صدقات پر راضی نہیں ہوا اور خود اسے آٹھ حصوں میں تقسیم فرمایا۔"

جیسا کہ فی سبیل اللہ اپنے عمومی مفہوم کے لحاظ سے فقراء اور مساکین کو اور باقی سات اصناف کو شامل ہے کیونکہ یہ تمام ہی برّ (نیکی) اور اطاعت کے کام ہیں ــــ تو اس مصرف میں اور اس سے پہلے اور اس کے بعد کے مصرف میں کیا فرق ہے؟

کلام اللہ جو انتہائی بلیغ بے حد جامع اور بلا فائدہ تکرار سے پاک ہے اس میں اس کے کوئی خاص اور جدا معنی ہونے چاہئیں جو اسے دیگر تمام مصارف سے ممتاز کر دے اور فقہاء اور مفسرین قدیم زمانے سے اس کا مفہوم جہاد لیتے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لفظ کے اطلاق کے وقت اس کا یہی مفہوم ہوتا ہے۔ اور اسی لیے ابن الاثیرؒ نے کہا ہے کہ گویا کثرتِ استعمال سے یہ اس مفہوم پر مقتصر ہو کر رہ گیا ہے۔ جیسا کہ ہم اس فصل کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں۔

طبرانی کے اس قول سے بھی ابن الاثیرؒ کی تائید ہوتی ہے کہ انھوں نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ انھوں نے ایک توانا اور تندرست نوجوان کو دیکھا اور کہنے لگے کہ کاش اس شخص کی جوانی اور صحت فی سبیل اللہ جہاد اور تائید حق میں صرف ہوتی [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے متعدد احادیث مروی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ فی سبیل اللہ سے جہاد مراد ہے، جیسے کہ ایک صحیح حدیث میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ

"میں فی سبیل اللہ (راہِ خدا) گھوڑے پر سوار ہوا"

ایک اور حدیث ہے۔

"راہِ خدا ایک صبح اور ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے" (بخاری و مسلم)

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

"جو شخص اللہ پر ایمان اور اس کے وعدے کو سچا سمجھتے ہوئے راہِ خدا میں گھوڑا تیار کرتا ہے تو اس کا پیٹ بھرنا، پانی سے سیراب ہونا، اس کی لید اور اس کا پیشاب روزِ قیامت اس کی میزان میں حسنات لکھی جائیں گی" (بخاری)

"جو شخص راہِ خدا میں ایک دن کا روزہ رکھے گا اللہ اس دن کے بدلے اس کے چہرے کو ستر سال کے لیے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا"

(بخاری و مسلم)

---

[1] المنذری نے الترغیب میں کہا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال، رجال صحیح ہے، ج ۳، ص ۴، ط۔ المنیریہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جس شخص نے درراہِ خدا کچھ خرچ کیا اس کو ستر گنا کر کے لکھا جائے گا"
(نسائی اور ترمذی، ترمذی نے حسن کہا ہے)

"جس شخص کے قدم راہِ خدا میں غبار آلود ہوتے اُس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی"[1]
(بخاری)

اس کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں اور کسی بھی شخص نے فی سبیل اللہ سے ماسوا جہاد کے اور کوئی مفہوم نہیں لیا ہے۔

یہ تمام قرائن اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ آیتِ مصارف میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہی ہے۔ جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ بہرحال یہاں پر لغوی اور اصل معنی میں نہیں ہے اور اسی پر یہ حدیث کہ پانچ اشخاص کے سوا کسی کو صدقہ حلال نہیں ہے اور اس میں آپؐ نے غازی فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا۔

ان تمام دلائل کے پیشِ نظر میں اس امر کو ترجیح دیتا ہوں کہ فی سبیل اللہ کا لفظ تمام مصالح اور قربات پر مشتمل نہیں ہے اور اس میں اس قدر توسع نہیں ہے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اس میں زیادہ تضییق بھی نہیں ہے کہ اس کو صرف جنگی مفہوم میں جہاد کے معنی میں محصور سمجھا جائے۔

جہاد تو قلم سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی، فکری بھی ہوتا ہے اور تربیتی بھی، اجتماعی بھی اور اقتصادی بھی، سیاسی بھی اور عسکری ۔ ۔ ۔ ۔ اور جہاد کی ان جملہ اقسام کے لیے امداد کی اور مال کی ضرورت ہے۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کی شرط اساسی پوری ہو یعنی جہاد کے ہر نوع میں اسلام کی تائید اور اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہو، اس طرح کی ہر جدّ و جہد جہاد فی سبیل اللہ ہے خواہ اس کی کوئی بھی قسم ہو اور خواہ اس میں ہتھیار استعمال کیے جائیں یا نہ کیے جائیں۔

امام طبری فی سبیل اللہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ کے دین کی تائید، اسلامی شریعت کی تاسیس پر صرف کرنا فی سبیل اللہ خرچ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ دشمنانِ

---

[1] ان احادیث کو المنذری نے الترغیب میں ذکر کیا ہے۔ ج ۲، کتاب الجہاد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام سے جہاد اور قتال اور کفار سے جنگ اسی جدوجہد کا ایک حصہ ہے، کیونکہ کبھی اللہ کے دین کی تائید و نصرت کے لیے قتال اور جنگ کی ضرورت بھی پیش آجاتی ہے بلکہ بعض حالات میں یہی ایک ناگزیر طریقہ رہ جاتا ہے جس سے نصرت دین ہو سکتی ہے لیکن ایسے ادوار بھی آتے ہیں کہ جن نظریاتی جدوجہد، جنگی اور مادی جدوجہد سے کہیں زیادہ مؤثر، گہری اور عمیق ثابت ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے دور میں ہے۔

اس لحاظ سے اگر چاروں مسالک کے فقہاء نے اس حصہ کو غازیوں کے تیار کرنے اور سرحدوں پر حفاظتی دستے متعین کرنے اور ان کی گھوڑوں اور ہتھیاروں سے امداد کرنے پر صرف کا قول اختیار کیا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج ہمارے اس دور میں ایک اور نوع کے غازی تیار کرتے ہیں اور ایک اور قسم کے حفاظتی دستے ترتیب دیتے ہیں تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کو علمی اور فکری انداز میں پیش کر کے نظریاتی فتوحات حاصل کر سکیں اور اسلام پر کیے جانے والے حملوں کی بہترین مدافعت کر سکیں۔

جہاد کے مفہوم بیان کردہ توسع کی دلیل یہ ہے کہ

۱) اسلام میں جہاد جنگی غزوہ اور تلوار سے قتال پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ ظالم بادشاہ کے روبرو کلمۂ حق کہنا۔[1]

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ

> مجھ سے قبل اللہ نے جو نبی بھی مبعوث فرمایا، اس کی اُمت میں حواری ہوئے ہیں اور ایسے اصحاب پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے نبی کی سُنّت کو اختیار کیا اور اس کے حکم کی پیروی کی، پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئے جو وہ کہتے رہے جو وہ نہیں

---

[1] احمد، نسائی، بیہقی، اور ضیاء المقدسی نے طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے۔ اور المنذری نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، التیسیر للمناوی، ج ۱، ص ۱۸۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا، جس نے ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے، جس نے اپنی زبان سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے اور جس نے اپنے قلب سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے اور اس کے بعد ایمان کا رائی کے برابر بھی کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔"

اور آپؐ نے فرمایا کہ

"مشرکین سے اپنے مال، جان اور زبانوں سے جہاد کرو۔"[1]

۲) جہاد کے جو اسالیب ہم نے بیان کیے ہیں اگر وہ بلحاظ نصّ بھی جہاد کے مفاہیم میں داخل نہ ہوں تو از روئے قیاس وہ ضرور داخل ہیں کیونکہ جہاد سے اور مذکورہ بالا اعمال ہر دو سے مقصود اعلائے کلمۃ اللہ، اسلام کی تائید اور دشمنان اسلام کا مقابلہ اور ان کا دفاع ہے۔

ہمارے سامنے یہ مثال بھی آچکی ہے کہ فقہاء نے عاملین زکوٰۃ میں مسلمانوں کی فلاح کے کاموں میں مصروف لوگوں کو بھی شمار کیا ہے۔ چنانچہ ابن رشدؒ فرماتے ہیں کہ

"جن فقہاء نے زکوٰۃ کے عامل پر صرف کرنے کو جائز کہا ہے حالانکہ وہ غنی ہو ان کے نزدیک زکوٰۃ کا قاضیوں اور ان لوگوں پر صرف کرنا بھی جائز ہے جو لوگوں کی فلاح کے کاموں میں مصروف ہوں۔"[2]

اسی طرح ہمارے سامنے یہ مثال بھی ہے کہ بعض فقہاء احناف نے جس شخص کا مال جاتا رہا ہو اور اسے اس پر قدرت نہ رہے اسے بھی ابن السبیل کے ساتھ ملحق کیا ہے اگرچہ وہ اپنے شہر میں موجود ہو، اس لیے کہ اعتبار حاجت کا ہے جس وقت بھی موجود ہو۔

اس لیے یہ بات قابل تعجب نہ ہونی چاہیے کہ ہم جہاد (بمعنی قتال) میں وہ تمام کوششیں شمار کریں جو قولاً یا عملاً نصرت اسلام کے مقصد کو پورا کرنے والی ہوں۔

---

[1] احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، حاکم از انس، ۔ حاکم نے کہا کہ صحیح ہے۔ التیسیر ج ۱، ص ۴۸۵۔

[2] بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۲۷۶ ۔ الحلبی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے قبل ہم دیکھ چکے ہیں کہ زکوٰۃ میں قیاس کو کس قدر دخل ہے اور ہر مسلک میں قیاس ضرور اختیار کیا گیا ہے۔ اس بنا پر ہم نے فی سبیل اللہ کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ جمہور کی اس کے مفہوم میں توسّع کی رائے کے عین مطابق ہے۔

اس مقام پر یہ ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال اور بعض ادارے ہو سکتا ہے کہ کسی ملک میں یا کسی زمانے میں یا کسی مخصوص صورت حالات میں جہاد فی سبیل اللہ متصور ہوں اور ہو سکتا ہے کہ یہی اعمال اور یہی ادارے کسی اور ملک میں یا مختلف حالات میں یا کسی زمانے میں جہاد متصور نہ کیے گئے ہوں۔

مثلاً عام حالات میں ایک دینی درسگاہ کا قیام ایک بہترین عمل خیر متصور ہوگا لیکن اُسے جہاد نہیں کہا جائے گا۔ لیکن اگر کسی مقام پر حالات کا نقشہ یہ ہو کہ تمام تعلیمی ادارے مشنریوں کے قبضے میں ہوں، یا اشتراکی تسلط میں ہوں، یا لادینی ادارے بن چکے ہوں تو ایک دینی اصلاحی درسگاہ کا قیام ایک عظیم جہاد بن جائے گا، اور اس درسگاہ سے نئی نسل کو اسلامی فکری تعلیم سے آراستہ کر کے انھیں دشمنانِ اسلام کی فکری اور نظریاتی یلغار کے بالمقابل کھڑا کیا جائے اور انھیں اس نہج پر تیار کیا جائے گا کہ وہ مختلف نظاموں، کتابوں اور لٹریچر میں پھیلے ہوئے زہر کا تریاق دریافت کریں اور اُمّتِ مسلمہ کو اس زہر سے محفوظ رکھنے کی سعی کریں۔

یہی بات تباہ کن لائبریریوں کے بالمقابل اسلامی دارالمطالعہ کے قیام کے بارے میں کہی جا سکتی ہے اور اسی طرح مسلمانوں کے علاج کے لیے اسلامی شفاخانے کا قیام اس دائرے میں آسکتا ہے، تاکہ مسلمان مشنری ڈاکٹروں کی گمراہیوں اور ان کی کارستانیوں سے محفوظ رہیں ——

بہرحال چونکہ فکری اور ثقافتی یلغار زیادہ مہلک اور زیادہ خطرناک ہوتی ہے اس لیے اس کی مدافعت بھی جہاد کے نقطۂ نظر سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوگی۔

ہمارے دَور میں فی سبیل اللہ کا حصّہ کہاں صرف کیا جاتے؟

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشہور قول اور مسالک اربعہ کی اصل رائے کے مطابق فی سبیل اللہ غزواتی جنگی اور عسکری مفہوم میں وارد ہوا ہے بالفاظ دیگر فی سبیل اللہ سے مراد اسلامی جنگ ہے، یعنی جس طرح کی جنگیں صحابہ کرام اور تابعین عظام نے لڑیں کہ قرآن کے زیر سایہ اللہ کا نام لے کر میدان میں کود گئے اور ان کا واحد اور اوّلین مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نجات دلا کر ایک اللہ کی عبادت کی جانب بلایا جائے، تنگی عیش سے رہائی دلا کر آزاد زندگی کی دعوت دی جائے اور جاہلیتوں کے ظلم و ستم سے چھڑا کر عدلِ اسلامی سے ہمکنار کیا جائے۔

بعض مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ اسلامی جنگوں کا وجود ایک عرصہ ہوا ختم ہو چکا ہے اور اب جو جنگیں ہوتی ہیں وہ اسلامی نہیں ہوتیں بلکہ وطنی اور قومی جنگیں ہوتی ہیں کہ مسلمانوں کے دشمن مسلمانوں کی سرزمین پر حملہ آور ہوتے ہیں اور مسلمان اپنے وطن اپنی قوم اور اپنے ملک کی حفاظت کے لیے لڑتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں اس لیے ان جنگوں کو دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ عام دنیاوی جنگیں ہیں، اس لیے نہ تو انھیں فی سبیل اللہ قرار دیا جانا چاہیے اور نہ ان پر زکوٰۃ صرف کرنا درست ہونا چاہیے۔

یہ استدلال محل نظر ہے اور اس پر تحقیقی نظر ڈال کر معلوم کرنا چاہیے کہ اس میں کس قدر بات درست ہے کہ اور کون سی نادرست ہے۔

اسلامی جنگ اور اسلامی جہاد کی صرف یہی ایک صورت نہیں ہے جس صورت میں صحابۂ کرام نے ظلم و جور کو مٹانے، طاغوتی قوتوں کو ختم کرنے، اور انسانوں کو انسانوں کی بندگی اور غیر اللہ کی عبادت سے آزاد کرانے کے لیے جنگیں لڑی تھیں۔ لامحالہ ان جنگوں کی کوئی مثال نہیں ملتی، نہ وہ مقاصد موجود ہیں اور نہ ہی وہ نتائج، نہ وہ آداب موجود ہیں اور نہ ان کے آثار یہ اسلامی جنگ اور اسلامی جہاد کی بلاشبہ ایک مثالی اور دلکش اور منفرد صورت تھی۔ لیکن اسلامی تاریخ نے ان کے علاوہ بھی جنگیں دیکھی ہیں جن میں اہلِ اسلام نے ذات کی، حرمتوں کی، وطن کی اور مقدسات کی حفاظت کی۔ اور یہ جنگیں جو مسلمانوں نے دشمنوں سے لڑی ہیں یہ بھی دورِ اول کے جہاد ہی کی طرح مقدس ہیں، مثلاً وہ معرکے جن میں عماد الدین زنگی، نور الدین محمود، صلاح الدین ایوبی اور ظاہر بیبرس کے نام روشن ہوئے۔ کہ حطین،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت المقدس اور عین جالوت کے یہ معرکے درحقیقت مسلمانوں کی سرزمین کو تاتاریوں اور صلیبیوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کے لیے لڑے گئے تھے۔

اگر صحابۂ کرام اور تابعین عظام کا جہاد دعوتِ اسلام کے لیے تھا تو نورالدین اور صلاح الدین کا جہاد سرزمین اسلام کی حفاظت کے لیے تھا۔ اور جہاد جس طرح عقیدۂ اسلامی کے تحفظ کے لیے فرض ہے اسی طرح ارضِ اسلام کے تحفظ کے لیے بھی فرض ہے۔

سرزمین اسلام کی حفاظت اور مدافعت اس لیے فرض اور عبادت ہے کہ دارالاسلام ہی اسلام کی جائے قرار ہے اور مسلمان دارالاسلام کی دفاعی جنگ اس لیے لڑتا ہے کہ اس سرزمین میں اسلام محفوظ رہے اس لیے نہیں لڑتا کہ یہ سرزمین اس کے آباؤ اجداد کی سرزمین ہے۔ اس لیے کہ جہاں اسلام کا علم بلند نہ کیا جا سکے اور جہاں اسلام کی بات نہ سنی جائے وہاں کی سرزمین سے ہجرت مسلمان پر فرض ہو جاتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

سرزمین اسلام کو کفار کی حکمرانی سے آزاد کرانا

بلاشبہ ہمارے اس دور میں جس عمل پر جہاد کے معنی منطبق ہو سکتے ہیں وہ مسقط کافروں کی فرمانروائی سے سرزمین اسلام کو آزاد کرانا ہے اور وہاں غیر اسلامی نظام حکومت ختم کر کے اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ہے خواہ کافر یہودی ہوں یا نصرانی، یا بت پرست یا ملاحدہ اور بے دین، کہ کفر تمام کا تمام ایک ہی ملت ہے۔

سرمایہ دار ممالک ہوں یا اشتراکی کسی مذہب کے پیروکار ہوں یا لادین۔ کوئی بھی اسلامی ملک پر قبضہ کرلے اس کے خلاف جنگ فرض ہے اور تمام مسلمانوں پر ان کی امداد و تعاون لازم ہے۔

مسلمانوں پر کبھی بھی اس قدر سخت ابتلاء کا دور نہیں آیا جتنا کہ آج کل ہے کہ متعدد اسلامی ممالک سامراجیوں اور کافروں کے قبضے میں ہیں اور سب سے زیادہ المناک صورت حال یہ ہے فلسطین پر دنیا بھر کے بکھرے ہوئے یہودی قابض ہو گئے ہیں، کشمیر بھی ایک مسلمانوں کا خطۂ ارض ہے جس پر ہندو قابض ہیں اور ان کے علاوہ اریٹیریا، حبشہ، چاڈ،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغربی صومالیہ اور قبرص پر قابل نفرت، قریبی اور مکار صلیبی قابض ہیں اور اسی طرح سمرقند، بخارا، تاشقند، ازبکستان اور البانیا پر سرکش اور ملحد اشتراکیت اپنا تسلط جمائے ہوئے ہے۔

ان تمام ممالک کا کفر کے پنجوں سے چھڑانا مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کے لیے مسلمانوں کا اس مقصد کے لیے باہمی اتحاد لازم ہے اور یقیناً مسلمانوں کی جانب سے ان ممالک کی آزادی کی جنگ مقدس فریضہ اسلامی اور جہاد متصور ہوگی۔

بلکہ جہاں کہیں بھی مسلمان اپنے وطن کو کافروں سے آزاد کرانے کے لیے لڑ رہے ہیں ان کی یہ جنگ بلا اختلاف جہاد فی سبیل اللہ ہے اور ان مجاہدین کی امداد اور تعاون تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور مسلمانوں کا اپنی آمدنی کا ایک حصہ بطور زکوٰۃ اس جہاد میں دینا درست ہے۔ یہ مقدار زکوٰۃ کی مقدار کے لحاظ سے، جہاد کی ضرورتوں کے لحاظ سے اور دیگر مصارف زکوٰۃ کے لحاظ سے کم و بیش ہو سکتی ہے جو کہ اہل حل وعقد اور مسلمانوں کی شوریٰ کی رائے پر موقوف ہے۔

ہر جنگ فی سبیل اللہ جہاد نہیں ہے اس مقام پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ کسی بھی موقع پر مسلمانوں، جو کہ محض نام کے مسلمان ہوں، ہتھیار اٹھا لینا، جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے کہ خواہ ان کا کوئی بھی مقصود ہو، ان کی کوئی بھی غایت ہو اور ان کا کوئی بھی شعار ہو اور خواہ وہ اللہ کا نام لے کر شریک جنگ ہوئے ہوں یا ایسے ہی مخلوقات میں سے کسی کے نام پر شریک جنگ ہو گئے ہوں اور ان کے ذہنوں میں اسلامی جنگ اور قومی جنگ اور وطنی جنگ میں کوئی فرق نہ ہو، غرض ہر صورت میں ان کی جنگ جہاد ہی ہوگی ایسا نہیں ہے، بلکہ جہاد وہی ہے جو فی سبیل اللہ ہو جس کے محرکات اسلامی ہوں اور جس کے مقاصد اسلامی ہوں یعنی مقصود یہ ہو کہ اللہ کے دین کو نصرت حاصل ہو اس کا کلمہ بلند ہو اور دار الاسلام کی مدافعت ہو۔ ان محرکات اور اہداف کے ساتھ جو جنگ ہوگی وہ اسلامی جنگ (جہاد) ہوگی۔ لیکن اگر کسی جنگ میں یہ محرکات اور یہ اہداف کارفرما نہیں ہیں تو وہ ایک معمول کے مطابق جنگ ہے اور ویسی ہی جنگ ہے جیسی غیر مسلم اور ملحد لڑتے ہیں۔ اور اس جنگ کا اللہ کے دین سے، اس کی کتاب سے اور اس کے رسول

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس قسم کی جنگ میں کوئی مال صرف کرنا اور اسے فی سبیل اللہ سمجھنا جائز نہیں ہے۔

فرض کر لیجیے کہ البانیہ یا ازبکستان کے اشتراکی اپنے ملک کو ـــــ جو ایک اسلامی ملک ہے ـــــ اشتراکی روس سے آزاد کرانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور اس کے لیے جنگ شروع کر دیں تو ان کی یہ جنگ جہاد فی سبیل اللہ شمار نہیں ہوگی اور نہ انھیں مالِ زکوٰۃ دینا جائز ہوگا کیونکہ اسلام کی نظر میں ازبکستانی اشتراکی اور روسی اشتراکی برابر ہیں اور یہ جنگ درحقیقت ملک کو ایک طاغوت سے رہائی دلا کر دوسرے طاغوت کے حوالے کر دینے کے لیے ہوگی۔ کیونکہ اسلام میں رنگ و نسل کے اختلاف اور وطن کے فرق کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور ہر نسل کے اور ہر وطن کے طاغوت یکساں ہیں۔

یہ جنگ جہاد اس صورت میں ہوگی جبکہ مسلمانوں کا مقصود کفر کی حکمرانی ختم کر کے اسلام کی حکمرانی قائم کرنا ہو اور جاہلیت کو مٹا کر اسلام کی سربلندی مطمحِ نظر ہو۔

غرض اسلام کی نظر میں مطلقاً جنگ مقدس نہیں ہے بلکہ وہ جنگ مقدس اور جہاد ہے جو فی سبیل اللہ ہو۔ کیونکہ دنیا کے تمام انسان جان، عزت اور وطن کی حفاظت کے لیے لڑتے ہیں اور اس کے لیے اپنے جان و مال کی قربانیاں بھی دیتے ہیں، یہاں تک کہ جو بے دین ہیں وہ بھی بڑی بڑی قربانیاں دیتے ہیں اور اپنے ملک کا دفاع کرتے ہیں اور اپنی قوم کی حفاظت کرتے ہیں ـــــ مگر اللہ کے نزدیک اس عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اور یہی مسلمان مجاہدین اور غیر مسلم محاربین میں فرق و امتیاز بھی ہے کہ مسلمان خالصتاً خدا کے لیے اور فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہیں۔ اور اسی نیت اور مقصد کی بنا پر ان کی جنگ اور ان کا جہاد مقدس قرار دیا گیا ہے اور ایک عظیم عبادت اعلیٰ متصور کیا گیا ہے۔

یعنی ایک مسلمان جب جہاد کرتا ہے تو اس لیے نہیں کرتا کہ ایک رنگ و نسل کے لوگوں کی جگہ دوسرے رنگ و نسل کے لوگ یا ایک طبقہ کی جگہ دوسرے طبقہ کے لوگ مسلط ہو جائیں اور حکمراں بن جائیں۔ بلکہ مسلمان اس لیے جہاد کرتا ہے کہ غیر اللہ کی حکمرانی ختم کر کے اللہ کی حکمرانی قائم کرے، اس کی شریعت برپا کرے اور اس کا کلمہ بلند کرے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مقصد کے علاوہ جو بھی جنگ ہے وہ فی سبیل الوطن ہے فی سبیل اللہ نہیں ہے اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس قسم کی کسی جنگ کو دین اسلام کہلانے والا کوئی بھی عالم فی سبیل اللہ قرار نہیں دے سکتا اور نہ ایسی جنگ میں زکوٰۃ کے صرف کرنے کے جواز کا فتویٰ دے سکتا ہے کیونکہ ان جنگوں میں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہتھیار اُٹھانے والے (نام نہاد مسلمان) عملاً کفار سے بھی زیادہ اسلام کے دشمن ثابت ہوں۔

حافظ ابو محمد عبدالغنی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی نعم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، کہ ایک عورت آئی اور اُس نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن میرے شوہر نے اپنا مال فی سبیل اللہ دے دینے کی وصیت کی ہے ابن عمرؓ نے فرمایا تو اس کی وصیت کے مطابق فی سبیل اللہ ہو گیا۔ مَیں نے کہا کہ آپؓ نے اسے تشفی بخش جواب نہیں دیا، تو اس پر ابن عمرؓ نے فرمایا تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مَیں یہ کہہ دوں کہ یہ ان لشکروں کو دے دو جو دوسروں پر زیادتیاں کرتے اور راہزنی کرتے ہیں۔ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ یہ مال نیک حجاج کو دے دیا جائے کہ یہ وفد الٰہی ہے جو اس کے گھر کی زیارت کو جاتا ہے [1]

یہ احتیاط حضرت ابن عمرؓ نے اپنے دَور میں فرمائی جبکہ اس وقت لشکروں کا اسلام کے سوا اور کوئی علم نہ تھا حتیٰ کہ خوارج بھی اسلام ہی کی خاطر برسرِ پیکار تھے۔

اگر حضرت ابن عمرؓ یہ لشکر دیکھتے جن میں سرے سے اللہ کا کوئی نام ہی نہیں لیا جاتا جو اسلام کے نام پر نہیں لڑی جاتیں اور جس میں نہ نماز قائم ہوتی ہے اور نہ عبادت الٰہی کی

---

[1] تفسیر القرطبی: ج ۸، ص ۱۸۵

القرطبی نے اس واقعہ کو اس سیاق میں ذکر کیا ہے کہ حج بھی فی سبیل اللہ ہے۔ مگر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مطلق فی سبیل اللہ ہے جہاد مراد ہوتا ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ نے اہلِ جہاد کے انحراف اور فساد کی بنا پر اس کو حج پر محمول فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے، جس کے قائدین شراب و کباب میں منہمک ہوتے ہیں، جن کی راہنمائی اور تربیت پوری کی پوری لادینی SECULAR بنیادوں پر ہوتی ہے اور اس میں اللہ کا اور اللہ کی کتاب کا اور اس کے رسولؐ کا ذکر تک نہیں ہوتا، جہاں جاہلی شعارات بلند کیے جاتے اور دین کا اور داعیان کا مذاق اڑایا جاتا ہے.... ہاں جب کبھی جوانوں کو جوش و جذبہ دلانا مقصود ہوا تو دین کا نام لے لیا ورنہ خیر ہے ـــــ اگر حضرت ابن عمرؓ ان لشکروں کو دیکھتے تو ان کی کیا رائے ہوتی!

غرض اسلام کے علاوہ جو بھی علم بلند کیا جاتے اور علاوہ اسلام کو جو بھی مطمح نظر ہو وہ غیر اسلامی جنگ ہے اور اسے فی سبیل اللہ کہنا دین کا مذاق اڑانا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جو شخص بہادری کے اظہار کے لیے جنگ کرے، جو شخص قومی حمیت کی خاطر جنگ کرے اور جو شخص دکھاوے کے لیے جنگ کرے ان میں سے کون سی جنگ فی سبیل اللہ ہے آپ نے فرمایا جو اس لیے جنگ کرے کہ کلمۃ اللہ غالب ہو اس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے[1]

جہاد اسلامی اور معرکہ ہائے جاہلیت میں یہی بنیادی فرق ہے کہ جو اسلام کی سربلندی کے لیے اور دعوت اسلام کے لیے جنگ کرے اس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے اور اس کے ماسوا ہر جنگ فی سبیل الطاغوت اور جاہلی جنگ ہے[2]

یہ مطلب ہے کہ لوگوں کے دلوں کو ٹٹول کر دیکھا جائے بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ لڑنے والے افراد اور جماعتوں کے شعار کیا ہیں، علم کیا ہیں ان کے عام مقاصد کیا ہیں؟ رہ گیا ان کی نیتوں کا معاملہ تو یہ تمام اللہ سبحانہٗ کے علم میں ہیں اور انسان ان کے جاننے کا مکلف نہیں ٹھہرایا گیا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ اس دور کی کوئی بھی جنگ اسلامی نہیں ہے اس

---

[1] المنتقی، بحوالہ نیل الاوطار، ج ۷، ص ۲۲۶، ۲۲۷۔ طبع حلبی۔

[2] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے کہ وہ صحابۂ کرام کی جنگوں کی طرح فی سبیل اللہ نہیں ہے، درست نہیں ہے، درست نہیں ہے اور جیسا کہ یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ مسلمانوں کے علاقوں میں ہونے والی ہر جنگ خواہ اس کے شعار، اس کے افتکار اور اس کے مقاصد کوئی بھی ہوں فی سبیل اللہ اور اسلامی جنگ ہے۔

اس دور میں اس مسئلے میں فتویٰ دینے میں علمائے کرام کو احتیاط کرنی چاہیے اور تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ تاکہ مسلمانوں کے مال ان لوگوں کی اعانت میں ضائع نہ ہوں جو درحقیقت اسلام کے دشمن ہیں اور جو اسلام کو دور وحشت کا دستور العمل بتلاتے اور داعیانِ اسلام کو رجعت پسند اور متأخر BACKWARD کہتے ہیں، کیونکہ یہ نام نہاد مسلمان اسلام کے لیے یہود و نصاریٰ سے زیادہ خطرناک ہیں۔

اِسلام کی حکمرانی کے قیام کی جدّوجہد بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے

ایک تنظیم دین دار لوگوں کی بنائی گئی اور اس نے یہ پروگرام بنایا کہ زکوٰۃ جمع کر کے اس جمعیت سے متعلقین پر صرف کیا جائے تاکہ وہ فروغ اسلام کی جدّوجہد کریں اس پر سید رشید رضا مصری نے فرمایا کہ ــــ فی سبیل اللہ کے زکوٰۃ کے حصّہ کا ایک مصرف اسلامی نظام حکمرانی کے قیام کی کوشش بھی ہے، بلکہ قیام کی کوشش، اس جدّوجہد سے زیادہ اہم ہے جو اسلام کے نظام حکمرانی کے قائم ہونے کی صورت میں اسے دشمنانِ اسلام سے بچانے کے لیے کی جاتی ہے اور اس فی سبیل اللہ کا ایک مصرف اسے اسلام کی دعوت پر صرف کرنا اور قلم سے اور زبان سے اس کی مدافعت کرنا بھی ہے، بالخصوص ان حالات میں جبکہ اسلام کا مسلح دفاع ممکن نہ ہو۔[1]

سید رشید رضاؒ کی یہ رائے انتہائی بصیرت اور اسلام فہمی پر مبنی ہے اور اسی رائے کی پابندی کرنی چاہیے اور اس امر کی احتیاط کرنی چاہیے کہ نیک مسلمانوں کی زکوٰۃ کا سرمایہ ملحدین،

---

[1] تفسیر المنار، ج ۱۰، ص ۵۹۸۔ ط ثانیہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آزاد روش کے حامل لادین طبقے پر نہ خرچ ہو جائے۔

سب سے اہم اور سب سے اوّلین فی سبیل اللہ کے حصۂ زکوٰۃ کا مصرف ایسی اجتماعی اور منظم جدوجہد ہے جو صحیح اسلامی زندگی کا آغاز چاہتی ہو، ایسی زندگی میں جس میں مکمل طریقہ پر اسلامی احکام برپا ہوں جس میں اسلام کا نظام خلافت برپا ہو اور جس جدوجہد کے نتیجے میں اُمت اسلامی اور تہذیب اسلامی کا احیاء ہو۔

یہ دائرہ کار فی الحقیقت بڑا مؤثر، بڑا اہم اور بڑا لازمی ہے اور غیرت مند مسلمانوں کو اپنی زکوٰۃ اسی جدوجہد پر صرف کرنی چاہیے ــــ لیکن افسوس ہے کہ مسلمان ابھی تک اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکے کہ جب زکوٰۃ کے سارے مصارف منعدم ہو چکے ہوں تو اسلام کے احیاء کی منظم جدوجہد سے تعاون کرنا اور اس پر اپنا مال صرف کرنا اور اپنی جان اس مقصد کے لیے کھپانا کس قدر ضروری ہو گیا ہے۔

ہمارے عہد میں اسلامی جہاد کی متنوع صورتیں

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی جہاد کی یہی ایک صورت نہیں ہے کہ مسلح جنگ کی جائے اور عسکری مدافعت کی جائے بلکہ جہاد اسلامی کی متنوع اور گوناگوں صورتیں ہیں۔ ہم اس دور کی ضرورتوں کے مطابق چند صورتیں بیان کرتے ہیں۔ لیکن ان کے بیان سے پہلے ایک حقیقت کی وضاحت لابدی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے آغاز ہی سے مسلح لشکر کی تیاری اور ان کے جملہ اخراجات کی ذمے داری اسلامی ریاست کے عمومی خزانہ ــــ بیت المال ــــ پر رہی ہے اور یہ تیاری اموال زکوٰۃ پر نہیں کی گئی بلکہ لشکروں کی روانگی اور جنگی تیاریوں پر مال فئے اور خراج سے خرچ کیا جاتا رہا ہے اور زکوٰۃ محض تکمیلی امور پر صرف ہوئی ہے، مثلاً رضاکار مجاہدین پر زکوٰۃ سے صرف کیا گیا۔

موجودہ دور میں بھی یہی طریقہ ہے کہ مسلح افواج اور دفاعی انتظامات کے اخراجات عام بجٹ سے ادا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ اس قدر بڑے اخراجات ہیں جو زکوٰۃ سے پورے نہیں ہو سکتے، اور اگر زکوٰۃ اس مصرف پر خرچ کی بھی جائے تو ساری زکوٰۃ صرف اسی ایک مصرف میں لگ جائے گی اور کافی نہ ہوگی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے ہماری رائے میں فی سبیل اللہ کے حصہ زکوٰۃ کو نظریاتی، تربیتی اور اشاعتی جہاد پر صرف کرنا زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ یہ جدوجہد خالصتاً اسلام کے لیے ہو اور اس میں قومیت اور وطنیت کا کوئی شائبہ نہ ہو اور نہ ایسے اسلام کی خدمت ہو جس کے پردے میں کسی خاص علاقے، کسی طبقے یا شخص کو ابھارنا اور فروغ دینا مقصود ہو۔ کیونکہ آج کل بہت سی تنظیمات اور اداروں کا اسلامی نام رکھ دیا جاتا ہے مگر وہ اندر سے لادینی ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کا سرچشمہ اسلام ہی ہونا چاہیے، اسلام ہی ان کا مقصود ہونا چاہیے اور اسلام ہی کی جانب ان کا رُخ ہونا چاہیے تاکہ ان کا انتساب الی اللہ درست کہا جا سکے۔

ہم متعدد مثالیں بیان کر سکتے ہیں جن پر عمل اسلام کا تقاضا ہے اور جنھیں فی سبیل اللہ جہاد شمار کیا جا سکتا ہے۔

صحیح اور حقیقی اسلام کی جانب دعوت کے مراکز قائم کرنا اور ان کے ذریعے دنیا کے گوشے گوشے میں دعوت اسلام پہنچانا درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ایسے اسلامی مراکز قائم کرنا جو اسلامی ملک کے اندر رہتے ہوئے مسلم نوجوانوں کی فکری راہنمائی کریں انھیں انحراف، الحاد اور اخلاقی بے راہ روی سے محفوظ رکھیں اور انھیں اسلام کی تائید و نصرت اور دشمنوں سے اسلام کی مدافعت کے لیے تیار کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ایسا اسلامی مجلہ جاری کرنا جو تباہ کن اور گمراہ کن لٹریچر کا توڑ کرے اور اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرے اور اسلام کے بارے میں دشمنانِ اسلام کے اُٹھائے ہوئے شبہات کا جواب دے اور خالص اسلامی تعلیمات کا پرچار کرے یقیناً جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ایسی اسلامی کتاب کی اشاعت جو محاسن اسلام کو اجاگر کرے، جو اس کی تعلیمات کو منور کرے جو اس کے حقائق انتہائی واضح اور منقح اسلوب میں پیش کرے اور باطل افکار کو رد کر کے رکھ دے بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

طاقتور، امانتدار اور صلاحیتوں کے حامل مخلص افراد کا اپنی صلاحیتیں اور قوتیں مذکورہ بالا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اعمال میں کھپا دینا، اسلام کی روشنی کو آفاق میں پھیلا دینا، خوابیدہ مسلمانوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کرنا اور ہر الحاد، دہریت اور فکری بے راہ روی کا مقابلہ کرنا سب سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اسلام کے ان سچے داعیوں کی حمایت و نصرت کرنا جو دشمنانِ اسلام کی سازشوں کا شکار ہیں اور ہر طرح کی تعذیبات سہہ رہے ہیں اور جلا وطنی، قید اور سزائے موت کے کرب و بلا سے گزر رہے ہیں۔ عظیم ترین جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ان تمام امور پر زکوٰۃ صرف کرنی چاہیے اور خاص طور پر اس عصرِ غربت میں جبکہ اسلام کا اللہ کے بعد ان فرزندانِ اسلام کے سوا کوئی نہیں ہے جو اس کے احیاء کے لیے اپنی جانیں کھپا رہے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتویں فصل

ابن السبیل (مسافر)

جمہور فقہاء کے نزدیک ابن السبیل سے مراد مسافر ہے کیونکہ سبیل کے معنی راستے کے ہیں اور عربی زبان میں کسی چیز سے مستقل ربط رکھنے والے کو ابن لگا کر اس شئے کی جانب منسوب کر دیتے ہیں، جیسا کہ کسی شاعر نے ابن الحرب (جنگجو) اس طرح استعمال کیا ہے۔

انا ابن الحرب ربتنی ولیدا
الی ان شبت واکتہلت لداتی

اسی طرح مستقل راستے میں رہنے والے کو ابن السبیل (فرزند راہ) کہا گیا ہے[1]

امام طبریؒ نے مجاہد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن السبیل (مسافر) زکوٰۃ کا مستحق ہے خواہ وہ غنی ہو، بشرطیکہ وہ اپنے شہر سے دور ہو۔ اور ابن زید کہتے ہیں کہ ابن السبیل وہ مسافر ہے جس کا سفر خرچ ختم ہو گیا ہو یا اس پر کوئی افتاد پڑ جائے یا اس کے پاس کچھ باقی نہ رہے تو اس کا حق لازم ہے خواہ وہ غنی ہو یا فقیر[2]

ابن السبیل کا قرآن میں ذکر

قرآن کریم میں ابن السبیل کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر آٹھ مقامات پر آیا ہے۔

مکی قرآن میں اس طرح ذکر آیا ہے۔

---

[1] تفسیر الطبری، بتحقیق محمود شاکر، ج ۴، ص ۳۲۰۔

[2] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (الاسراء : ۲۶)

رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق، فضول خرچی نہ کرو۔

فَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ (الروم : ۳۸)

پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو (اس کا حق) یہ طریقہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں۔

مدنی قرآن میں اللہ سبحانہ نے مصارف انفاق (خواہ فرض ہو یا نفلی) ان الفاظ میں بیان فرمائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (البقرہ : ۲۱۵)

لوگ پوچھتے ہیں، ہم کیا خرچ کریں، جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر رشتے داروں پر یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔

آیت حقوق عشرہ میں بھی ابن السبیل (مسافر) سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء : ۳۶)

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں۔
خمس غنائم میں سے بیت المال میں ابن السبیل کا حق رکھا گیا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال : ۴۱)

اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے۔ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

فئے میں بھی ابن السبیل کا حق مقرر کیا گیا۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر : ۷)

جو کچھ بھی اللہ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

اور مصارف زکوٰۃ میں ان کا حصہ مقرر کیا گیا۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (التوبہ : ۶۰)

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور ان کے لیے جن کی تالیف قلوب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطلوب ہو نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔

ابن السبیل کا حصہ علاوہ زکوٰۃ کے بھی افراد کے مال میں متعین کیا گیا اور اسے بر اور تقویٰ کے عناصر میں سے قرار دیا۔

وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ (البقرہ : ۱۷۷)

اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔

ابن السبیل کے ذکر کی حکمت

ابن السبیل (مسافر) کے ذکر اور اس جانب توجہ کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے متعدد اسباب کی بنا پر سیر و سفر کی ترغیب دی ہے۔

۱) ابتغاء رزق (تلاش معاش) کے لیے بھی سیاحت کی ترغیب دی ہے۔

فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ (الملک : ۱۵)

چلو اس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق۔

وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (المزمل : ۲۰)

کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ اور لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔

فرمانِ نبوت ہے۔

"سفر کرو غنی ہو جاؤ گے۔"

۲) طلب علم کے لیے بھی اسلام نے سیاحت کی ترغیب دی ہے اور اس لیے بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعوت دی ہے کہ کائنات میں موجود اللہ کی نشانیوں میں غور و تامل کریں اور مخلوقات میں جاری سنت اللہ کا مشاہدہ کریں اور انسانی اجتماع میں جاری اللہ کی حکمتوں کا مشاہدہ کریں۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ
(العنکبوت : ۲۰)

ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی ہے۔

اس آیت میں ارضی اور جغرافیائی تحقیقات اور تاریخ حیات انسانی کے مطالعہ کی جانب اشارہ ملتا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ (آل عمران : ۱۳۷)

تم سے پہلے بہت سے دور گزر چکے ہیں، زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنھوں نے (اللہ کے احکام و ہدایات کو) جھٹلایا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج : ۴۶)

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

وہ شخص حصول علم کے راستے پر چلا اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ سہل فرما دے گا۔[1]

---

[1] المنذری: الترغیب والترہیب: مسلم نے اس روایت کو نقل کیا ہے (کتاب العلم، الترغیب فی الرحلۃ فی طلب العلم)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا کہ

"جو شخص حصول علم کے لیے نکلا وہ واپس آنے تک راہِ خدا میں ہے"[1]

یہی وجہ ہے کہ دورِ اوّل کے علماء نے طلب علم کے لیے سفر کی بڑی نادر اور تابناک مثالیں قائم کی ہیں اور مغرب و مشرق کے تمام مؤرخین ان مثالوں پر تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہیں اور ان مثالوں کو طلب علم کی سعی کا عمدہ نمونہ قرار دیتے ہیں۔

۳) اسلام نے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سفر کی بھی ترغیب دی ہے اور ہر وہ عمل فی سبیل اللہ ہے جس سے دارالاسلام کو تحفظ حاصل ہو، دعوتِ اسلام جاری رہے، کمزوروں کی حفاظت ہو اور سرکشوں کی تادیب ہوتی رہے۔

چنانچہ ارشاد ہوا۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(التوبہ : ۴۱)

نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

بعد ازاں منافقین کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

(التوبہ : ۴۲)

اے نبی، اگر فائدہ سہل الحصول ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تمہارے

---

[1] ترمذیؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیچھے چلنے پر آمادہ ہو جاتے مگر ان پر تو یہ راستہ بہت کٹھن ہو گیا اب وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم چل سکتے تو یقیناً تمہارے ساتھ چلتے وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

اس کے بعد مجاہدین سے ثواب کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے۔

وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (التوبہ : ۱۲۱)

یہ بھی کبھی نہ ہوگا کہ وہ (راہ خدا میں) تھوڑا یا بہت کوئی خرچ اٹھائیں اور (سعی جہاد میں) کوئی وادی وہ پار کریں اور ان کے حق میں اسے لکھ نہ لیا جائے تاکہ ان کے اس اچھے کارنامے کا صلہ انہیں عطا کرے۔

اور فرمان نبوت ہے کہ

راہِ خدا میں صبح کا سفر یا شام کا سفر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری)

۴) اسلام نے حج کی ممتاز بین الملی عبادت کے لیے بھی بیت اللہ کی جانب سفر کی ترغیب دی ہے اور حج کو اسلام کا پانچواں رکن قرار دیا ہے۔

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران : ۹۷)

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (الحج : ۲۷،۲۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں۔ جو اس نے انھیں بخشے ہیں۔

سفر و سیاحت کی یہ وہ اقسام ہیں جن کی جانب اسلام نے متوجہ کیا ہے اور ان کی ترغیب دلائی ہے تاکہ اسلام کے مقاصد حاصل ہوں اور اس کی تعلیمات عام ہوں، اس کے علاوہ اور بھی اقسام سفر ہیں، بہرحال دینِ اسلام کا مقتضا یہی ہے کہ وہ مسافروں کی جانب خاص توجہ کرے اور بالخصوص ان مسافروں کو خیال رکھا جائے جن کا متاعِ سفر ختم ہو گیا ہو اور ان کا گھر اور وطن دور ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ان کی عام اعانت کا حکم دیا ہے اور انھیں زکوٰۃ سے حصہ دیا ہے جو بذاتِ خود اچھے اور خیر کے کاموں کے لیے سفر اختیار کرنے کی ترغیب ہے، اور ان کی اجنبیت اور دُور ہونے کی حالت میں مدد کرنا ہے اور اس حقیقت کو بروئے کار لانا ہے کہ اسلامی معاشرہ باہم ایک پیوست اور مربوط معاشرہ ہوتا ہے جس کے افراد باہم دگر تعاون اور مودت کا سلوک روا رکھتے ہیں اور وطن کی دوری کے باوجود ایک دوسرے کی دستگیری کرتے ہیں۔

اجتماعی کفالت کا ایسا جامع نظام جس کی دیگر اقوام اور نظام ہائے حیات میں کوئی مثال نہیں ملتی

اسلام نے اجنبی مسافروں اور اپنے وطن سے دور راہ نوردوں کی جانب جس قدر التفات کیا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی نظام اور قانون میں نہیں ملتی ۔ درحقیقت مسافروں کے حقوق اسلامی نظام کے وسیع اور جامع نظام کفالت کا ایک حصہ ہیں۔ یعنی اسلام نے صرف اسی امر پر اکتفا نہیں کیا ہے کہ ایک ملک کے شہری کی ضروریات پوری ہو جائیں بلکہ اسلام نے انسانوں پر مختلف حالات میں پیش

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آجانے والی ضرورتوں کی تکمیل کو مدِنظر رکھا ہے اور مسافروں کی دشواریوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے اور بالخصوص اس دور میں جبکہ آج کی طرح ہوٹلوں وغیرہ کی آسائشات میسر نہیں تھیں۔

روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے عہد میں ایک دارالرّفیق بنوایا تھا جس میں آٹا، ستو، کھجور اور کشمش وغیرہ موجود رہتیں اور ان اشیاء سے گھر سے دور مسافروں کی امداد کی جاتی اور مہمان جو حضرت عمرؓ کے پاس آتے ان کی مہمان نوازی کی جاتی۔ آپؓ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان شاہراہ پر بھی ایسے مسافروں کے لیے بندوبست فرمایا تھا جن کا زادِ راہ ختم ہو گیا ہو اور سواری کا انتظام تھا جو ایک پانی سے دوسرے پانی تک پہنچا دیتی تھی[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابن شہاب زہریؒ کو حکم دیا کہ سنّت رسول اور خلفائے راشدین کے مطابق وہ صدقات کے مصارف لکھ دیں، انھوں نے ایک طویل تحریر مرتب کی جس میں تمام حصّوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا اور ابن السبیل کے حصّے کو اس طرح بیان کیا۔

اور مسافروں کا حصّہ اس انداز سے تمام راہوں پر تقسیم کر دیا جائے گا جس طرح لوگ ان پر سفر کرتے ہوں، اس حصّے میں سے ہر ایسے مسافر کو دیا جائے گا جس کے پاس کوئی ٹھکانا نہ ہو، نہ پناہ لینے کے لیے گھر بار اور رشتہ دار ہو۔ اس کے کھانے کا اس وقت تک انتظام کیا جائے گا تا آنکہ اسے ٹھکانا مل جائے یا وہ اپنی حاجت پوری کرے۔ یہ مسافروں کا حصّہ ایسے مقرر اور جانے پہچانے مقامات پر ایسے امانت داروں کے پاس رکھوایا جائے کہ ایک مسافر بھی ان کے پاس سے ایسا نہ گزرے جس کی ضرورت ہو اور وہ اسے پناہ نہ دیں اسے کھلائیں پلائیں نہیں اور اس کے جانور کو چارہ نہ دیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھیں جب تک کہ ان کے پاس اس مد میں سے کچھ بھی باقی

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۲۸۳ - بیروت۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ رہے۔ انشاء اللہ[1]

جس قدر اسلام نے اہل ضرورت کی ہر موقع پر ضروریات پوری کی ہیں اس کی مثال کسی قوم اور کسی نظام میں نہیں ملتی۔

سفر کا آغاز کرنے والا اور سفر میں گھر سے دور نکل جانے والا مسافر

فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا ابن السبیل کا اطلاق صرف اس مسافر پر ہوتا ہے جو اپنے وطن سے یا گھر سے دور نکل گیا ہو یا اس مسافر پر بھی مشتمل ہے جس نے ابھی سفر کا آغاز کیا ہو۔

جمہور فقہاء کی رائے

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ سفر کا آغاز کرنے والا ابن السبیل میں داخل نہیں ہے۔

۱) اس لیے کہ ابن السبیل (فرزند راہ) تو وہی ہوگا جو مستقل سفر میں رہے، مثلاً جو رات کو زیادہ باہر نکلے اسے ابن اللیل (فرزند شب) کہا جاتا ہے اور جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہے وہ راستے پر نہیں ہے اس لیے اس پر راستے میں ہونے اور ابن السبیل کے ہونے کا اطلاق نہیں ہوگا، اسی لیے سفر کے بغیر محض سفر کے ارادے سے سفر کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

۲) ابن السبیل کے مفہوم میں اجنبیت بھی شامل ہے، گھر میں اور اپنے وطن میں جو شخص موجود ہے خواہ وہ کتنا ہی حاجتمند ہو وہ غریب نہیں ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر اس آیت میں مذکور ابن السبیل کو اس مسافر پر محمول کیا جائے گا جو غریب (اجنبی، وطن سے دور) ہو، ایسا مسافر اگرچہ فراخ دست ہو اس حصۂ زکوٰۃ میں سے لینے کا مستحق ہوگا کیونکہ وہ اپنے وطن پہنچ کر اپنے مال سے مستفید نہیں ہو سکتا اس لیے وہ مال اس کے حق میں نہ ہونے کے برابر ہو گیا۔ اور اگر ابن السبیل تنگدست ہو تو اسے دو وجوہ

---

[1] الاموال، ص ۵۸۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے زکوٰۃ میں حصہ ملے گا یعنی ابن السبیل ہونے کی بنا پر بھی دیا جاتے، کیونکہ مسافر کو سفر کی بنا پر دیا جاتا ہے اس لیے اس کے اخراجات کے مطابق دینا ضروری ہوگا۔[1]

امام شافعیؒ کی رائے امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ ابن السبیل سے مراد وہ مسافر بھی ہے جو غریب الدیار ہوگیا ہو اور اپنے وطن سے دور نکل گیا ہو اور وہ بھی مراد ہے جو سفر کا ارادہ رکھتا ہو لیکن زادِ راہ نہ ہو تو ان دونوں قسم کے مسافروں کو آمد و رفت کے مطابق دیا جائے گا کیونکہ جس شخص کا ارادۂ سفر کسی ایسے کام کے لیے جو گناہ (معصیت) نہیں ہے تو وہ اسی مسافر کی طرح ہے جو غریب الدیار اور وطن سے دور ہوگیا ہو کیونکہ دونوں ہی کو سفر کی تیاری کی ضرورت ہے، اگرچہ ارادۂ سفر کرنے والے پر ابن السبیل کا اطلاق مجازاً ہوگا۔[2]

میری رائے میری رائے یہ ہے کہ ابن السبیل کے لفظ کا اوّلین اور اکثری انطباق اسی مسافر پر ہوتا ہے جو غریب الدیار ہو اور یہی مفہوم شریعت کے اصولوں سے ہم آہنگ بھی ہے کہ ہر سفر کا اشتیاق رکھنے والا یا ارادہ کرنے والا خواہ اس کا مقصود اس کی ذاتی منفعت ہو یعنی تلاش معاش یا تفریح، وہ زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

البتہ امام شافعیؒ کی رائے پر اس صورت میں عمل کیا جاسکتا ہے جبکہ ارادہ سفر کرنے والا ایسے کام کے لیے سفر کرے جس سے عام مسلمانوں کو یا اسلام کو فائدہ پہنچے، مثلاً کوئی جماعت ایسی علمی یا عملی مہم پر جاتے جس سے تمام مسلمانوں کو فائدہ ہو یا ایسی کوئی مہم ہو جس سے اسلام کو اور عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو اور اس سلسلے میں ان کی رائے قابلِ قبول ہوگی جن کے علم اور معرفت پر مسلمانوں کو اعتماد ہو۔

اس لحاظ سے یہ مسافر اگرچہ بالفعل ابن السبیل نہیں ہے مگر اس اعتبار سے ہے کہ اس نے عزم کر لیا ہے اور اس کو دینے میں ملت کا اور امت کا

---

[1] الشرح الکبیر، مع المغنی، ج ۲، ص ۷۰۲۔

[2] المجموع، ج ۶، ص ۲۱۴۔ نہایۃ المحتاج، ج ۶، ص ۱۵۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمومی فائدہ ہے اس لیے یہ اعطاء فی سبیل اللہ کے مشابہ ہوگیا اور ان غارمین کے مشابہ ہوگیا جو لوگوں میں صلح کرانے کی خاطر ان کا مالی بوجھ برداشت کرلیں۔ اس طرح اس مسافر کو اگر زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے تو دو وجوہ نص صحیح نہ ہو تو از روئے قیاس صحیح ہوگیا۔

ہماری اس رائے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں ابن السبیل کا عطف فی سبیل اللہ پر کیا گیا ہے اور اس عطف کی بنا پر آیت اس طرح ہوگئی۔

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَفِي ابْنِ السَّبِيلِ

ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ قرآن کریم نے بعض مصارف کو فی کے ساتھ بیان کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کے بجائے اس حصہ زکوٰۃ کو اس مصلحت میں صرف کیا جائے گا، اور اگر ان میں سے کسی فرد کے پاس یہ حصہ زکوٰۃ پہنچے گا تو وہ اسے اس عام مصلحت کے تحت لے گا جو شارع نے اس میں مقرر فرمائی ہے۔

اسی لیے ان چار مصارف میں جو فی کے ساتھ آتے ہیں تملیک شرط نہیں ہے یعنی

فی الرقاب ـــــ الغارمین ـــــ فی سبیل اللہ ـــــ ابن السبیل

کیونکہ چاروں فی کے ساتھ آتے ہیں اور ان میں شخص مراد نہیں ہے بلکہ عمومی مصلحت مراد ہے۔ اسی لیے ضروری نہیں ہے کہ ابن السبیل کو خود ذاتی حیثیت میں دیا جائے بلکہ ہوائی کمپنی، یا بحری کمپنی، یا اس جامعہ کو جہاں وہ جارہا ہے کہ اس مصرف کی ادائیگی ہوسکتی ہے۔

پہلی رائے کے حامل فقہاء میں سے حنبلی مسلک کے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر ابن السبیل ایک شہر سے دوسرے شہر جارہا ہو تو اسے اس کی آمد و رفت کے مصارف دیئے جائیں گے، بشرطیکہ یہ سفر شریعت کے مطابق یعنی کسی عبادت کے لیے ہو، حج کے لیے یا جہاد کے لیے سفر ہو یا زیارت والدین کی خاطر سفر ہو یا مباح سفر ہو یعنی تلاش معاش کے لیے ہو یا برائے تجارت ہو اور اگر سفر برائے تفریح ہو تو اس کے بارے میں دو اقوال ہیں ایک یہ کہ اسے دے دیا جائے اس لیے کہ یہ ایک جائز سفر ہے اور ایک یہ ہے کہ اسے نہیں دیا جائے گا کہ اس سفر کی کوئی شرعی ضرورت موجود نہیں ہے[1]

---

[1] الشرح الکبیر: ج ۲، ص ۷۰۲ - ۷۰۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر اپنے وطن سے دور مسافر کو اپنے مقصود تک پہنچنے کے لیے اعانت کی جا سکتی ہے حتیٰ کہ اگر وہ تفریح کے لیے جا رہا ہو تب بھی اس کی اعانت ہو سکتی ہے تو اسی توجیہ کی اساس پر اسلام اور مسلمانوں کے مقصد کی خاطر جو کام کر رہا ہو اس کی امداد بھی کی جا سکتی ہے۔

ابن السبیل کو مال زکوٰۃ سے دینے کی شرائط

ابن السبیل کو مال زکوٰۃ میں سے دینے کی چند شرائط ہیں جن میں سے کچھ متفق علیہ ہیں اور کچھ کے بارے میں اختلاف ہے۔

۱) جس جگہ ابن السبیل موجود ہے وہاں وہ حاجتمند ہو اور اس کے پاس وطن تک پہنچنے کے لیے کچھ نہ ہو تو اسے دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس اپنے وطن تک پہنچنے کے لیے مال ہو تو اسے کچھ نہیں دیا جائے گا۔ بخلاف مجاہد کے کہ اگر وہ جہاں موجود ہے وہاں بھی غنی ہو تو بھی لے سکتا ہے ــــ ماسوا فقہائے حنفیہ کے ــــ کیونکہ اس کو دینے کا مقصود دشمن پر ہیبت ڈالنا ہے اور مجاہد کو زکوٰۃ دینے سے وہ دشمن کے بالمقابل تیار ہو سکتا ہے۔

۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مسافر کا سفر گناہ (معصیت) کا سفر نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص کسی کو قتل کرنے گیا ہو، یا حرام تجارت کے لیے نکلا ہو، یا اسی طرح کا کوئی گناہ کا کام ہو کہ ایسے مسافر کو زکوٰۃ میں سے دینا درست نہیں ہے، کیونکہ اس کو دینے سے مقصود اس کی اعانت ہے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے مال سے گناہ میں اعانت نہیں کی جا سکتی، الا یہ کہ یہ مسافر توبہ کرے تو اس کے باقی سفر کے اخراجات اسے دیئے جا سکتے ہیں۔ البتہ اگر وہ اتنا مفلس ہو گیا ہو کہ اس کی موت کا اندیشہ ہو تو بغیر توبہ بھی اسے دیا جائے گا کہ کسی کو موت کے منہ میں چھوڑ دینا بھی گناہ ہے۔[1]

---

[1] حاشیۃ الدسوقی: ج ۱، ص ۴۹۸۔ بعض مالکی فقہاء نے کہا ہے کہ اس مسافر کو اندیشہ موت ہونے کے باوجود بھی زکوٰۃ میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ اس کی نجات خود اس کے ہاتھ میں ہے کہ وہ توبہ کرے۔ نیز دیکھئے حاشیۃ الصاوی ج ۱، ص ۲۳۳۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر یہ معصیت ارتکاب قتل یا ہتک حرمت کی ہے تو اگرچہ قوت کا اندیشہ ہو بغیر توبہ اسے کچھ نہیں دیا جائے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس سفر میں کوئی گناہ نہیں ہے وہ ہے جو برائے عبادت ہو، برائے حاجت ہو یا برائے تفریح ہو۔

جو سفر برائے عبادت ہو جیسے حج، جہاد اور علم کے حصول کے لیے سفر اور مقدس مقامات کی زیارت کا سفر تو اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایسے مسافر کو زکوٰۃ میں سے اعانت دی جائے گی کہ اطاعت پر اعانت شرعاً مطلوب ہے۔

جو سفر دنیاوی ضرورت کے لیے ہو جیسے سفر برائے تجارت اور طلب رزق، تو اس بارے میں ان فقہاء کی رائے یہ ہے جو کہتے ہیں کہ ابن السبیل وہ ہے جو وطن سے دور ہو کہ اسے زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا کہ یہ اس کی جائز دنیاوی ضرورت پوری کرنا ہے۔

اور فقہائے شافعیہ کے نزدیک جو ابن السبیل کو اس مسافر کے معنی میں بھی لیتے ہیں جس نے ابھی سفر کا آغاز کیا ہو، دو آراء ہیں، ایک یہ کہ اسے نہیں دیا جائے گا کہ اسے سفر کی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ اسے دیا جائے گا اس لیے کہ سفر کے ساتھ شریعت اسلامیہ نے جو رخصتیں وابستہ کی ہیں اس میں شریعت نے سفر اطاعت اور سفر مباح میں کوئی فرق نہیں کیا ہے یعنی ہر سفر میں نماز میں قصر اور روزہ کی رخصت موجود ہے۔

جبکہ برائے تفریح سفر میں خاصا اختلاف ہے بالخصوص مسلک شافعیؒ اور مسلک حنبلی کے فقہاء میں کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ اسے دیا جائے کہ یہ سفر جائز ہے اور بعض کہتے ہیں نہ دیا جائے کہ اس سفر کی اسے ضرورت نہیں ہے اور ایک طرح سے فضول ہے[1]

۳) تیسری شرط یہ ہے کہ مسافر جس جگہ موجود ہے وہاں اسے قرض دینے والا کوئی نہ ہو اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کے پاس وطن میں اس قدر مال ہو کہ وہ قرض ادا کر سکے[2] اور یہ شرط بعض مالکی اور شافعیؒ فقہاء نے لگائی ہے جبکہ دونوں مسلکوں کے دیگر فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہے۔

---

[1] المجموع للنووی: ج ۶/ص ۲۱۴، ۲۱۵۔ الشرح الکبیر المطبوع مع المغنی ج ۲/ص ۷۰۱، ۷۰۲۔

[2] شرح الخرشی علی خلیل: ج ۲/ص ۲۱۹۔ نہایۃ المحتاج للرملی: ج ۶/ص ۱۵۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن العربی نے "احکام القرآن" میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس امر کو ترجیح دی ہے کہ ابن السبیل کی زکوٰۃ میں سے امداد کی جاسکتی ہے خواہ اسے قرض مل سکتا ہو، کیونکہ جب اللہ کا احسان (زکوٰۃ) موجود ہے تو اسے دوسرے انسان کا ممنون احسان ہونے کی حاجت نہیں ہے[1]

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر ابن السبیل کو ایسا شخص مل جائے جو اسے اس کی منزل تک پہنچنے کے لیے قرض دے دے تو اس پر یہ لازم نہیں کیا جائے گا کہ وہ اس سے قرض لے بلکہ اسے زکوٰۃ میں سے دینا درست ہوگا[2]

فقہائے احناف کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اگر ابن السبیل قرض لے سکے تو قرض لے لیکن اس پر قرض لینا لازم نہیں ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے وہ بعد میں ادائے قرض سے عاجز ہو جائے[3]

یہ اس وجہ کے علاوہ جو ابن العربی اور القرطبی نے ذکر کی ہے ایک مزید وجہ ہے۔ بہر حال ان دونوں وجوہ کی بنا پر ابن السبیل پر قرض لینا لازم نہیں ہے۔

پہلی وجہ: یہ کہ قرض لے کر وہ زیرِ احسان آجائے گا جس کا اللہ نے مکلف نہیں ٹھیرایا ہے۔

دوسری وجہ: یہ کہ وہ قرض کی ادائیگی سے عاجز بھی آسکتا ہے جس سے اس کا بھی نقصان ہوگا اور قرض دہندہ کا بھی۔

ابن السبیل کو کس قدر دیا جائے؟

۱) ابن السبیل کو اخراجات اور لباس مقدار میں دیا جائے جو اس کے لیے کافی ہو سکے

---

[1] احکام القرآن، القسم الثانی: ص ۹۵۸۔ تفسیر القرطبی: ج ۸، ص ۱۸۷۔

[2] المجموع، ج ۶، ص ۲۱۶۔

[3] فتح القدیر، ج ۲، ص ۱۸۔ رد المحتار، ج ۲، ص ۶۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور وہ اپنی منزل پر پہنچ سکے، یا وہاں تک پہنچ سکے جہاں اس کا مال موجود ہے اگر راہ میں اس کا کوئی مال موجود ہو۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب اس کے پاس بالکل مال نہ ہو، اگر اس کے پاس مال ہو مگر بقدر کفایت نہ ہو تو اسے اتنا دیا جائے گا جس سے اس کی کفایت ہو جائے۔

۷) اگر اس کا سفر طویل ہو تو اسے سواری بھی مہیا کی جائے گی اور اس سفر کی مقدار وہی ہے جس میں نماز میں قصر واجب ہو جاتا ہے یعنی اسّی کلومیٹر۔ یا مسافر اس قدر کمزور ہو کہ پیدل نہ چل سکتا ہو تو اسے سواری کا بندوبست کر کے دیا جائے گا۔ اور اگر مسافر مضبوط ہو اور سفر مسافت قصر سے کم ہو تو اسے سواری نہیں دی جائے گی البتہ اس کے معمول کے مطابق سامان کو پہنچانے کا بندوبست کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں فقہاء نے کہا ہے کہ اگر گنجائش ہو گی تو اسے سواری خرید کر دی جائے ورنہ کرایہ پر لے کر دی جائے گی کیونکہ اس زمانے کے نقل و حمل کے ذرائع جانور ہی تھے اسی لیے فقہاء نے یہ بات کہی ہے کہ سواری یا تو خرید کر دی جائے گی یا کرایہ پر لے کر دی جائے گی۔ لیکن چونکہ آج وسائل نقل و حمل ترقی یافتہ ہو گئے ہیں، اس لیے خرید کر دینے کے بجائے صورت حال کے مناسب کرائے کا بندوبست کیا جائے گا یعنی اگر ریل اور بس یا بحری جہاز سے سفر ممکن ہو تو ہوائی جہاز کا بار برداشت نہیں کیا جائے گا کہ اس طرح مال زکوٰۃ پر بلاجواز بوجھ پڑے گا۔

۳) ابن السبیل کی سفر کی تمام ضرورتوں کی کفالت کی جائے گی۔ یہ نہیں ہے کہ اسے صرف ان زحمتوں ہی کے مطابق دیا جائے جو سفر کی بنا پر پیش آگئی ہیں، اور یہی رائے صحیح ہے۔

۴) اگر وہ اپنے وطن واپس جانا چاہے تو بھی اس کی کفایت کے بقدر دیا جائے گا اگر اس کی جائے مقصود پر اس کا مال موجود نہ ہو۔

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر وہ سفر کے دوران ہی سے واپس ہونا چاہے تو زکوٰۃ میں سے اس کی اعانت نہیں کی جائے گی اور بعض نے کہا ہے کہ اگر اس کا ارادہ منزل پر پہنچ کر واپس ہونے کا ہو تو اس کی امداد کی جائے گی اور اگر اس کا ارادہ قیام کا ہو تو اس کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعانت نہیں ہوگی۔ لیکن پہلی رائے صحیح ہے۔

۵) منزل پر پہنچ کر ابن السبیل کے قیام کے بارے میں فقہائے شافعیہ نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ اگر پہنچنے اور روانہ ہونے کے دو دن کے علاوہ اس کا قیام چار روز سے کم ہو تو وہ مسافر کے حکم میں ہوگا اور اسے زکوٰۃ کی مد میں سے دیا جائے گا اور اس کو روزہ افطار کرنے، نماز میں قصر کرنے اور سفر کی دیگر رخصتیں حاصل رہیں گی اور اگر پہنچنے اور روانہ ہونے کے علاوہ چار روز سے زائد قیام کیا تو اسے مد زکوٰۃ سے کچھ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اب وہ مسافر ابن السبیل باقی نہیں رہا اور سفر کی رخصتیں اس سے ختم ہو چکی ہیں۔ بخلاف غازی کے کہ خواہ اس کا سرحدی قیام کتنا ہی لمبا ہو جائے وہ غازی ہی رہے گا کیونکہ قیام سے غازی کا مفہوم ختم نہیں ہوتا بلکہ اور موکد ہو جاتا ہے اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ غازی فتح ہونے تک ٹھہرنے کا محتاج ہے۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر ابن السبیل کسی ضرورت کے تحت ٹھہرا ہے تو اس کے قیام کے طویل ہو جانے کے باوجود اسے زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا۔[1]

۶) اگر ابن السبیل گھر واپس پہنچ جائے اور جو زکوٰۃ میں اسے امداد ملی تھی وہ کچھ بچ رہے تو کیا وہ اس سے واپس لی جائے گی یا نہیں؟

فقہائے شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ رقم اس نے خود سختی اٹھا کر بچائی ہو یا ویسے ہی بچی ہو اس سے واپس لے لی جائے گی۔ اور ایک رائے یہ ہے کہ اگر اس نے تنگی اٹھا کر رقم بچائی ہو تو وہ اس سے واپس نہ لی جائے گی۔ بخلاف غازی کے کہ اگر وہ اپنے آپ پر تنگی کر کے کچھ بچا لے تو اس سے واپس نہیں لیا جائے گا کیونکہ غازی جو کچھ لیتا ہے وہ اس کی خدمت کا معاوضہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی خدمت کی مسلمانوں کو ضرورت ہے اور وہ یہ خدمت انجام دے چکا ہے اور ابن السبیل اپنی ضرورت کے لیے لیتا ہے اور اس کی ضرورت پوری ہو چکی ہے۔[2]

---

[1] المجموع: ج ۶، ص ۲۱۵، ۲۱۶۔ الشرح الکبیر، ص ۷۰۱، ۷۰۲۔

[2] المجموع: ج ۶، ص ۲۱۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ ابن السبیل کے پاس زکوٰۃ کی اعانت میں سے جو کچھ باقی رہ جائے لازمی نہیں ہے کہ وہ اپنے مال پر قدرت ہو جانے کے بعد اسے واپس کرے جیسے فقیر اگر غنی ہو جائے اور اس کے پاس مال زکوٰۃ ہو تو اس پر بھی اس کا صدقہ کرنا لازم نہیں ہے۔[1]

کیا ہمارے دور میں ابن السبیل موجود ہے؟

بعض علمائے معاصرین کی یہ رائے ہے کہ ہمارے اس عہد میں ابن السبیل موجود نہیں ہے کیونکہ ذرائع مواصلات آسان ترقی یافتہ اور آسانی کے حامل ہو گئے ہیں، اب پوری دنیا ایک ملک کی طرح بن چکی ہے اور ایسی آسانیاں فراہم ہو گئی ہیں کہ انسان جہاں کہیں بھی ہو بنکوں کے ذریعے خود اپنے مال سے مستفید ہو سکتا ہے۔[2]

شیخ احمد مصطفیٰ المراغی نے اپنی تفسیر میں یہی تحریر کیا ہے۔ لیکن ہماری رائے اس کے برخلاف ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ تمام تر تمدنی سہولتوں کے باوجود ابن السبیل مختلف صورتوں میں موجود ہے۔

ابن السبیل کی واقعی صورتیں

۱) کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں جو اگرچہ غنی ہوتے ہیں مگر بنکوں میں ان کا کوئی اثاثہ موجود نہیں ہوتا، اب اگر ایسا شخص حالات اور اسباب کے تحت کسی دور دراز بستی یا کسی شہر نہ پہنچ سکے اور اپنا مال کسی طرح حاصل نہ کر سکے تو ظاہر ہے کہ یہ شخص ابن السبیل ہو گا کیونکہ وہ اپنے مال سے دور ہونے کی بنا پر اعانت کا مستحق ہو گیا۔
ہر چند کہ یہ صورت نادر الوقوع ہے لیکن بہر حال ممکن ہے۔

---

[1] فتح القدیر: ج ۲، ص ۱۸۔ ردالمحتار: ج ۲، ص ۶۴۔
[2] تفسیر المراغی: ج ۲۸۔ سورۃ الحشر آیت نمبر ۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاسی پناہ حاصل کرنے والے اور جلا وطن افراد

۲) بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جنھیں بیرونی حملہ آور، سرکش حکمران اور اہلِ خیر و صلاح پر ظلم و ستم روا رکھنے والے کافر اور ملحد حکام انھیں ان کے مال و دولت سے محروم کر کے ترکِ وطن پر مجبور کر دیتے ہیں اور ان کو بغیر کسی حق کے صرف اس جرم میں کہ وہ ایک اللہ کو ماننے والے ہیں ان کے گھروں سے نکال دیتے ہیں اور یہ لوگ اپنے دین کی سلامتی کی خاطر ایک ملک سے دوسرے ملک جاتے رہتے ہیں اور ان کے وطن میں جو رقم بینکوں میں اور جو مال گھروں میں ہوتا ہے اس پر ان کی دسترس باقی نہیں رہتی، جیسا کہ بالعموم سیاسی پناہ حاصل کرنے والے مجبور لوگوں کی کیفیت ہوتی ہے۔

تو ان کو فقہی اصطلاح میں کیا کہا جائے گا؟ ان کے پاس مال تو موجود ہے مگر وہ ان کی دسترس میں نہیں ہے اور وہ اس مال تک پہنچ نہیں سکتے یعنی باعتبار ملکیت تو وہ غنی ہیں لیکن باعتبار قبضہ وہ تہی دست ہیں اور یہی حالت ابن السبیل کی ہوتی ہے۔

جس شخص کے پاس مال ہو لیکن وہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے بھی اس سے متمتع نہ ہو سکے

۳) بعض مسلک حنفی کے فقہاء نے ابن السبیل کے ساتھ ہی اس شخص کو بھی ملحق کیا ہے جو اپنے مال سے متمتع نہ ہو سکے اور اسے اپنے ملک میں رہتے ہوئے اپنی ملکیت پر قدرت نہ ہو کیونکہ مستحق زکوٰۃ ہونے میں حاجت کا اعتبار ہے جو کہ اس صورت میں موجود ہے کہ یہ شخص اگرچہ ظاہراً غنی ہے لیکن عملاً فقیر کے حکم میں ہے[1]

یہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کسی تاجر کا لوگوں پر قرض ہو اور وہ اسے حاصل نہ کر سکے اور خود اس کے پاس کچھ نہ رہے تو اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے کہ وہ ابن السبیل کی

---

[1] ردالمحتار: ج ۲، ص ۶۴۔ البحر الرائق: ج ۲، ص ۲۶۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح عملاً فقیر ہے[1]

کسی اجتماعی مفاد کے لیے سفر کرنے والے

۴) اگر ہم امام شافعیؒ کے اس مسلک کو مدِ نظر رکھیں کہ انھوں نے ابن السبیل میں اس شخص کو بھی داخل کیا ہے جو سفر کا ارادہ کرے اور اس کے پاس اخراجات نہ ہوں اور ہم نے اس میں اس شرط کو ترجیح دی تھی کہ اگر یہ سفر عام مسلمانوں کے یا اسلام کے مفاد میں ہو۔ اس امر کے مدِ نظر ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم اس ابن السبیل کی مد میں ذہین طلبہ کو مختلف صنعتوں میں مہارت حاصل کرنے والوں کو اور پیشہ ورانہ صلاحیت حاصل کرنے والوں کو ایسا مفید علم حاصل کرنے اور ایسی تربیت حاصل کرنے باہر بھیجیں جس سے دین اسلام اور امت مسلمہ کو فائدہ پہنچے۔

ٹھکانے سے محروم لوگ

۵) بعض حنبلی فقہا نے ابن السبیل کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مانگنے کے لیے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کریں[2] اور اس مفہوم کے لحاظ سے آج بھی بہت سے لوگ ابن السبیل کے زمرے میں داخل ہیں۔

ہماری جبین تو یہ دیکھ کر بھی عرقِ انفعال سے تر ہو جاتی ہے کہ اسلامی ملکوں میں تو ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو سر سے سے رہائش اور سکونت کی نعمت ہی سے محروم ہیں اور فٹ پاتھ ان کا ٹھکانا ہے، جس کی مٹی ان کا بستر اور جس کی ہوا ان کی چادر ہے ـــــ یہ فی الواقع ابناء السبیل (فرزندانِ راہ) ہیں کہ راستہ ہی ان کی ماں ہے کہ

---

[1] البحر الرائق : ج ۲، ص ۲۶۰۔

[2] الانصاف : ج ۳، ص ۲۳۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہیں وجود میں آتے اور راستہ ہی ان کا باپ ہے کہ وہی ان کا ٹھکانا بن گیا!

یہ لوگ جس معاشرے میں موجود ہیں اس کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہیں.... تو کیا تعجب ہے کہ ابن السبیل سے یہی مراد ہوں اور قرآن نے فقراء اور مساکین کے علاوہ ان کا مستقل ذکر کر کے زکوٰۃ میں ان کا جداگانہ حصہ متعین کیا ہو۔

اگر ان لوگوں کو ابن السبیل متصور کر کے اس مصرف کی زکوٰۃ ان پر صرف کی جائے تو کیا درست نہ ہوگا؟ اور اس لیے بھی ان پر زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے کہ علاوہ ابن السبیل ہونے کے یہ فقراء بھی ہیں۔ اس لحاظ سے سب سے پہلے انھیں زکوٰۃ کی مد میں سے مکانوں رہائش مہیا کی جائے پھر ان کی کفایت کے بقدر ان کی معیشت کا بندوبست کیا جائے تاکہ وہ بلا اسراف اور بغیر بے حد تنگی کے اپنی انسانی ضروریات پوری کر سکیں۔

یافتہ بچے

۶) سید رشید رضا اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یافتہ بچگان کو ابن السبیل کے مفہوم میں داخل کیا جا سکتا ہے بلکہ بعض معاصر دانشوروں نے تو کہا ہے کہ ابن السبیل سے یہی یافتگاں (اٹھائے ہوئے بچے) مراد ہیں۔

رشید رضا نے بھی اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ ابن السبیل کے لفظ میں اس کی گنجائش موجود ہے، نیز یہ کہ قرآن کریم نے متعدد بار یتیم بچے سے حسن سلوک کی تاکید کی ہے کیونکہ یتیم بچہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بے سہارا رہ جاتا ہے اس کی تربیت عمدہ طریقہ پر نہیں ہوتی اور وہ جاہل رہ جاتا ہے اور جہالت انسانی عقل کے خلاف ایک بڑا جرم ہے، اسی طرح اس میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں جو کہ اس کے وجود کے خلاف جرم ہیں اور اس جہالت اور بداخلاقی کی بنا پر یہ بچہ انسانی معاشرے میں دیگر بچوں کے لیے ایک بری مثال کے طور پر پرورش پاتا ہے، اور اس کا بگاڑ دوسرے بچوں میں سرایت کر جاتا ہے۔

جب یتیم بچے کی جانب اسلام نے اس قدر توجہ کی ہے تو یافتہ بچہ تو اس سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی زیادہ مستحق عنایت ہے کہ حکمت اور تفقہ کا تقاضا یہی ہے۔

قدیم مفسرین نے یافتہ بچوں کا بیان اس لیے نہیں کیا کہ قدیم دور میں اس جرم کا ارتکاب بہت کم ہوتا تھا اور بعد کے مفسرین نے اس جانب اس لیے توجہ نہیں دی کہ وہ پچھلے مفسرین ہی سے نقل کرتے رہے ہے[1]

بہرحال اگر یافتہ بچے ابن السبیل کے زمرے میں داخل نہ ہوں تو فقراء اور مساکین کے مصرف میں تو لامحالہ داخل ہیں کیونکہ بڑا ہو یا چھوٹا جو تنگدست ہے وہ فقیر ہے اور اس کا زکوٰۃ میں استحقاق ثابت ہے۔

●

---

[1] المنار: ج ۵، ص ۹۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھویں فصل

مستحق زکوٰۃ اصناف کے بارے میں عمومی مباحث

زکوٰۃ کو تمام مصارف پر تقسیم کرنے کے بارے میں فقہی مسالک

اللہ سبحانہٗ نے قرآن کریم میں آٹھ مصارف زکوٰۃ بیان فرمائے ہیں جن کی وضاحت اور تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب یہاں پر ایک مسئلہ باقی ہے کہ کیا زکوٰۃ تقسیم کنندہ ـــ مالک ہو یا حاکم ـــ اس امر کا پابند ہے کہ وہ زکوٰۃ کو آٹھوں مصارف میں مساوات کے ساتھ تقسیم کرے؟

بعض فقہاء کی یہی رائے ہے اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور انھوں نے "الاُمّ" میں اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

النووی اپنی کتاب المجموع میں کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ اگر خود مالک یا اس کا وکیل زکوٰۃ تقسیم کرے تو عامل کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور اس حصہ کو باقی سات اصناف میں تقسیم کرنا لازم ہوگا بشرطیکہ موجود ہوں ورنہ جو اصناف موجود ہوں ان میں تقسیم کی جائے گی، بہرحال جو صنف بھی موجود ہو اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، اگر زکوٰۃ دہندہ نے کوئی مصرف چھوڑ دیا تو اس کے حصہ کی زکوٰۃ دوبارہ دے گا (یعنی ضامن ہوگا) اور یہی استیعابِ مصارف کے قائل عکرمہ، عمر بن عبدالعزیزؒ زہری اور داؤد ہیں[1]

امام احمدؒ سے بھی ایک روایت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق مروی ہے،

---

[1] المجموع: ج ۶، ص ۱۸۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی یہ کہ ان کے نزدیک بھی تمام مصارف زکوٰۃ میں برابر تقسیم کرنا لازم ہے اور یہ کہ ہر صنف میں تین سے زائد افراد کو زکوٰۃ ادا کرے اس لیے کہ جمع کا کم سے کم عدد تین ہے ماسوا عامل کے، کیونکہ عامل اپنی اجرت لیتا ہے اس لیے اسے ایک ہی کو دینا جائز ہے۔ اور یہ حنبلی فقہاء میں سے ابوبکر کی رائے ہے[1]

مالکی مسلک کے فقہاء میں سے اصبغ نے تمام مصارف میں تقسیم کو مستحب قرار دیا ہے تاکہ ان کے استحقاق کا علم نہ مٹ جائے اور اس لیے کہ اس میں تمام مختلف مصالح جمع ہو جاتے ہیں کہ بھوک اور احتیاج کا بھی مداوا ہو جاتا ہے، جہاد کی بھی مدد آجاتی ہے اور قرض بھی ادا ہو جاتا ہے اور سب مستحقین کی دعائیں زکوٰۃ دہندہ کے حق میں ہو جاتی ہیں[2]

ابن العربی کہتے ہیں کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ تمام زکوٰۃ عاملین علیہا کو نہیں دی جائے گی[3] کیونکہ اس طرح زکوٰۃ کا مقصود ہی ختم ہو جائے گا کہ زکوٰۃ کا مقصود اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرنا ہے، جیسا کہ علامہ طبریؒ نے فرمایا ہے۔

مسلک شافعیؒ کے فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ مصارف کا آغاز لام سے ہوا ہے جو تملیک پر دلالت کرتا ہے یعنی کہا گیا لِلْفُقَرَاءِ وغیرہ اس لیے ضروری ہے کہ تمام اصناف کو مالک بنا کر دیا جائے اور سب کو شامل کر کے دیا جائے[4]

نیز ابوداؤد نے زیاد بن الحارث الصدائی سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور آپ سے بیعت کی، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ مجھے زکوٰۃ میں سے کچھ دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ صدقات کے

---

[1] الکافی لابن قدامہ: ج ۱، ص ۴۶۱۔
[2] الصاوی: ج ۱، ص ۳۳۴۔
[3] احکام القرآن: لابن العربی: ج ۲، ص ۹۴۷۔
[4] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں اللہ نے پسند نہیں فرمایا کہ کوئی نبی یا غیر نبی اس کا فیصلہ فرمائے بلکہ خود فرمادیا کہ یہ آٹھ مصارف ہیں، اگر تم ان آٹھ میں سے ہو تو میں تمہیں دے دیتا ہوں۔

بہرحال امام شافعیؒ کا مسلک امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے خلاف ہے کہ ان ائمہ کے نزدیک تقسیم میں تمام اصناف کو شامل کرنا واجب نہیں ہے۔ ان فقہاؒ کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں لام تملیک کے لیے نہیں ہے، بلکہ لام اَجل (مقصود) ہے جیسے آپ کہیں اَلْبَابُ لِلدَّارِ۔ اور اَلسَّرْجُ لِلدَّابَّةِ

نیز اس آیت

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔

میں ماسوا فقراء کے کوئی مصرف ذکر نہیں کیا گیا ہے اور قرآن کریم میں جہاں صَدَقَہ کا لفظ مطلق آتا ہے اسے فرض زکوٰۃ ہی مراد ہوتی ہے۔

اور آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے دولتمندوں سے صدقات لے کر تمہارے فقراء کو لوٹا دوں۔

مذکورہ بالا قرآن اور سنت کی نصوص میں صرف فقراء کا ذکر آیا ہے[1]

ابوعبید نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

"اگر تم زکوٰۃ کو اس کی مقررہ مدوں میں سے کسی ایک مد میں خرچ کردو تو وہ درست ہے، کہ اللہ سبحانہٗ کے اس فرمان انما الصدقات للفقراء والمساکین کا یہ مطلب ہے کہ ان اصناف کے علاوہ لوگوں کو زکوٰۃ نہ دی جائے"

ابن شہاب کہتے ہیں کہ

"زکوٰۃ کے سب سے زیادہ مستحق وہ ہیں جو تعداد میں زیادہ اور فقر و احتیاج کے لحاظ سے بہت تنگ حال ہوں"

www.KitaboSunnat.com

---

[1] ابن العربی: احکام القرآن، ج ۲، ص ۹۴۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابراہیم کہتے ہیں کہ

"لوگ صرف فقر و فاقہ سے مجبور ہو کر ہی سوال کرتے تھے"

سفیان اور اہل عراق (امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب) کہتے ہیں کہ

"اگر زکوٰۃ آٹھ مصارف میں سے کسی ایک میں صرف کر دی جائے تو جائز ہے"

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ

"اگر مال وافر ہو تو تمام مدوں میں بانٹ دو لیکن اگر تھوڑا ہو تو ایک ہی مد میں دے دو"

ابراہیم کے اس قول کی تائید عطا سے بھی مروی ہے[1]

ابو ثورؒ کہتے ہیں کہ اگر مال کا مالک خود دے تو کسی ایک مد میں دینا جائز ہے اور اگر امام (حکومت) تقسیم کرے تو تمام اصناف کو دینا چاہیے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم زکوٰۃ کا معاملہ حکمراں کی صوابدید پر موقوف ہے، یعنی جو اصناف زیادہ حاجتمند ہوں اور جن کی تعداد زیادہ ہو اُسے اپنے اندازے کے مطابق دے، اور ہو سکتا ہے کہ چند سالوں بعد اس صنف سے زکوٰۃ دوسری صنف میں منتقل ہو جائے، اس لیے جہاں بھی اہل حاجت اور ضرورتمند ہوں انہی کو ترجیح دی جائے گی۔ اور یہی اہل علم کی رائے ہے[2]

ہمارے نزدیک بھی نخعی، ابو ثورؒ اور مالکؒ کے اقوال راجح ہیں اور یہ ایک دوسرے کی توضیح کرتے ہیں۔

الروضۃ الندیہ کے مصنف کی تحقیق

اس سلسلے میں الروضۃ الندیہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ

اللہ سبحانہٗ نے صدقہ کو آٹھ اصناف سے مختص کیا ہے جو ان کے علاوہ لوگوں کیلیے

---

[1] ابو عبید: الاموال، ص ۵۷۶، ۵۷۸۔

[2] احکام القرآن: ج ۲، ص ۹۴۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موزوں نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ خاص ہیں اور ان کے درمیان اس کی برابر تقسیم لازم نہیں ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کم وبیش جو زکوٰۃ ملے اس میں ان کے حصے بنائے جائیں، بلکہ مفہوم یہ ہے کہ جنس صدقات ان اصناف کی جنس میں صرف کی جائیں۔ یعنی اگر کسی پر کسی نوع کا کوئی صدقہ لازم ہے اور اس نے ان اصناف کی نوع کو دے دیا تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ مال کے مالک پر لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اسے جملہ آٹھ اصناف میں برابر تقسیم کر دے، اس فرض کے ساتھ کہ یہ تمام اصناف موجود ہیں تو اس میں حرج اور مشقت لازم آئے گی اور یہ عمل سلف اور خلف کے برخلاف ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ اس قدر معمولی ہو کہ اگر جملہ آٹھ اصناف میں تقسیم کی جائے تو کسی کے لیے بھی کارآمد نہ رہے، اگرچہ وہ شتے نوع واحد ہو اور عدد نہ ہو (کہ عدد میں یہ دشواری زیادہ ہو جائے گی)، مثلاً اگر زکوٰۃ کا ایک اونٹ ہو تو وہ آٹھ مصارف میں کیوں کر تقسیم ہوگا۔

جہاں تک زیاد بن حارث کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے زکوٰۃ کو آٹھ حصوں میں تقسیم فرمایا ہے ۔۔۔ تو اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ زیر بحث مسئلہ میں دلیل بنتی ہے تو اس کی سند میں گفتگو کی گئی ہے (فی اسنادہ مقال)

دراصل حدیث کی منشا یہ ہے کہ مصارف صدقات آٹھ ہیں جیسا کہ قرآن نے بیان کیے ہیں اور یہ مراد نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے آٹھ حصے ہیں کیونکہ اگر یہ مراد ہوتی ہے تو ہر حصہ زکوٰۃ کو وہیں صرف کرنا لازم ہوتا جس کے لیے وہ حصہ زکوٰۃ نکالا گیا ہے حالانکہ یہ بات اجماع مسلمین کے برخلاف ہے۔

اور اگر اس امر کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ اس وقت سے متعلق ہے جب تمام صدقات جمع ہو کر امام (حکومت) کے پاس پہنچ جائیں اور کسی ایک فرد کے صدقہ کا اعتبار نہ رہے۔ اس لیے یہ حدیث تقسیم پر دلالت نہیں کرتی بلکہ درحقیقت یہ جائز ہے کہ بعض مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ میں سے جس قدر حصہ چاہے دے دیا جائے اور باقی حصہ دیگر مستحقین کو دے دیا جائے۔

اگر علاقے کے تمام صدقات امام کے پاس جمع ہو جائیں اور اس کے پاس مستحقین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بھی موجود ہوں تو وہ ہر صنف کو اس کے حق کے مطابق ادا کرے گا اور یہ تقسیم بھی برابری کی بنیاد پر نہیں ہو گی بلکہ امام کسی صنف کو زیادہ اور کسی کو کم دے سکتا ہے، مثلاً صدقات کی آمد کے موقع پر جہاد کا مرحلہ پیش آگیا، دارالاسلام کو کافروں اور باغیوں سے محفوظ رکھنا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کرنی ہے تو وہ تمام مصارف پر مجاہدین کو ترجیح دے سکتا ہے بلکہ تمام مصارف کو ترک کر کے پوری زکوٰۃ فی سبیل اللہ کے مصرف میں لگا سکتا ہے۔ اور اسی طرح حالت امن میں فی سبیل اللہ کا حصہ دوسرے مصارف میں دے سکتا ہے۔[1]

ابو عبیدؒ کی ترجیح اسی رائے کو ابو عبیدؒ نے ترجیح دی ہے۔ انھوں نے پہلے اس تحریر کا ذکر کیا جو امام زہری نے سنت کے مطابق زکوٰۃ کے واجبات اور اس کے مصارف کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے لیے تیار کی۔

بعد ازاں انھوں نے آٹھوں مصارف زکوٰۃ کی تفصیل بیان کی اور ہر صنف کو زکوٰۃ دینے کے طریقۂ کار کی وضاحت کی اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

"یہ ہیں مصارف زکوٰۃ جبکہ انھیں تمام مدوں میں جدا جدا تقسیم کیا جائے اور جو شخص ایسا کر سکے تو صحیح طریقہ یہی ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے یہ ضرورت علاوہ امام کے کسی پر لازم نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس بڑے پیمانے پر مسلمانوں کی زکوٰۃ جمع ہوتی رہتی ہے اور اس پر ان تمام اصناف کے حقوق کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے، نیز اس کے پاس ایسے اعوان و انصار بھی ہوتے ہیں جو یہ خدمت اس کے لیے ممکن بنا سکتے ہیں، لیکن جس کو یہ سہولتیں حاصل نہ ہوں اور وہ صرف اپنی زکوٰۃ ہی کا ذمہ دار ہو تو اگر وہ اسے دیگر مدوں کو چھوڑ کر کسی ایک مد میں بھی خرچ کر دے تو بقول ان علماء کے جن کے نام ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

اس ضمن میں نبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے کہ جس میں آپ نے

---

[1] الروضۃ الندیۃ: ج ۱، ص ۲۰۷، ۲۰۹۔ (کچھ تصرف کے ساتھ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ کا ذکر فرماتے ہوئے کہا یہ ان کے امیروں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں کو لوٹائی جائے گی۔ یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ ہی کی ایک صنف بیان فرمائی۔ پھر جب اس کے بعد مال آیا تو آپ نے اسے محتاجوں کے علاوہ دوسری صنف مؤلفۃ القلوب میں دے دیا، جو اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن علقمہ بن علاثہ اور زید الخیل پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں میں حضورؐ نے وہ سونے کا ڈلا تقسیم کر دیا جو حضرت علیؓ نے یمن والوں کے اموال میں سے بھیجا تھا اور اہل یمن سے جو مال لیا جاتا تھا وہ صدقہ ہوتا تھا، بعد ازاں آپ کے پاس کچھ اور مال آیا تو آپ نے اُسے تیسری مَد میں دے دیا جو مقروض اور تاوان رسیدہ (الغارمین) کی تھی۔

اس سلسلے میں آپؐ نے قبیصہ بن فخارق سے اس تاوان کے متعلق جو اس نے اپنے ذمے لیا تھا یہ فرمایا کہ ــــ تم ٹھہرو تاکہ ہمارے پاس صدقہ آجائے پھر یا تو ہم اس بار کو کم کرانے میں تمہاری مدد کریں گے یا پورا اپنے ذمے لے لیں گے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ دینے میں بعض اصناف کو بعض دیگر پر ترجیح دی تھی۔

الغرض امام کو اختیار ہے کہ وہ ان تمام اصناف زکوٰۃ کو تقسیم کرے یا ان میں سے بعض کو دوسری مدوں پر ترجیح دے دے بشرطیکہ یہ عمل پوری معلومات حاصل کرنے اور پوری کوشش کر لینے کے بعد کیا گیا ہو اور جس نے اس میں اپنی مرضی کو داخل نہ کیا ہو اور نہ حق سے انحراف کیا ہو۔ یہی صورت امام کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے بلکہ دوسرے کے لیے تو اس میں اور بھی زیادہ وسعت موجود ہے۔[1]

سیّد رشید رضا کی رائے

سیّد رشید رضا اپنی تفسیر المنار میں لکھتے ہیں کہ

---

[1] الاموال، ص ۵۸۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھ مصارف میں زکوٰۃ کی تقسیم کے بارے میں فقہاء کا اختلاف اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی متفق علیہ سنت عملی مروی نہیں ہے اور خلفائے راشدین سے بھی کوئی طے شدہ عمل مروی نہیں ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس کا تعلق اولوالامر (حکمراں) کی صوابدید پر ہے کہ وہ یہ جائزہ لے کہ مستحق کس درجے کے ہیں اور صدقات کی آمدنی کس قدر ہے اور کس کو دینا زیادہ موزوں ہے۔

اس بارے میں جو اقوال مروی ہیں ان میں امام مالکؒ اور ابراہیم نخعیؒ کے اقوال زیادہ مبنی بر مصلحت ہیں۔ اور سب سے زیادہ نفس سے دور اور مصلحت کے برخلاف قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے[1] الا یہ کہ مال صدقہ بہت ہی کم ہو کہ اگر ایک کو دیا جائے تو وہ اس کے لیے قابل انتفاع ہو اور اگر متعدد اشخاص کو دے دیا جائے تو وہ قابل انتفاع نہ رہے۔

لیکن زکوٰۃ کا کثیر مال مستحقین کی کسی ایک ہی مد میں ایک ہی شخص کو دے دینے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے تمام اصناف کو جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اس لیے امام ابوحنیفہؒ کا یہ کہنا موزوں نہیں ہے کہ ایک ہی صنف میں ایک ہی شخص کو زکوٰۃ دے دینا بھی درست ہے۔

اہل حل وعقد کی ایک جماعت شوریٰ مجتمع ہو کر یہ فیصلہ دے کہ اگر صدقات ناکافی ہوں تو موجودہ دور میں مستحقین زکوٰۃ کی بلحاظ اہمیت یہ ترتیب ہے تاکہ ان مصارف میں بادشاہ اور حاکم اپنی مرضی سے تصرف نہ کر سکیں کیونکہ بعض اصناف بعض زمانوں میں موجود ہوتی ہیں اور بعض زمانوں میں موجود نہیں ہوتیں اور ان کے درجات میں بھی اختلاف ہوتا ہے[2]

---

[1] ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ابو عبیدؒ نے ابن عباسؓ سے اور حذیفہؓ سے اس کے مثل ہی روایت کیا ہے اور ایک صنف پر خرچ کر دینے کے جواز سے مصلحت اور ضرورت کی رعایت کی نفی نہیں ہوتی اگرچہ اس کا تعلق ضمیر مسلم سے ہے۔

[2] تفسیر المنار، ج ۱۰، ص ۵۹۳۔ ط۔ ثانیہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ اصناف پر تقسیم زکوٰۃ کے مسئلہ کا خلاصہ

ان تمام آراء، تحقیقات اور ترجیحات کا خلاصہ یہ نکلا کہ

۱) اگر مال زکوٰۃ وافر مقدار میں موجود ہو اور تمام اصناف موجود بھی ہوں اور ان کی ضرورتیں تقریباً یکساں ہوں تو مال زکوٰۃ کو جملہ اصناف میں تقسیم کرنا زیادہ بہتر ہے اور استحقاق اور حاجت کی موجودگی کے باوجود کسی ایک صنف کو محروم رکھنا درست نہیں ہے۔ اور یہ معاملہ امام اور اقتدار شرعی سے متعلق ہے جو زکوٰۃ کے جمع کرنے اور اس کو مستحقین میں تقسیم کرنے کی ذمہ داری انجام دیتا ہو۔

۲) جملہ آٹھ اصناف میں زکوٰۃ کی تقسیم میں مساوات لازمی نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ ضرورت اور تعداد مستحقین پر موقوف ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی علاقہ میں فقیر تو ہزاروں ہوں مگر غارم اور ابن السبیل دس ہوں تو جو مال ہزاروں کو دیا جائے گا ظاہر ہے کہ وہ دس کو کس طرح دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس سلسلہ میں مناسب رائے وہی ہے جو امام مالکؒ اور ابن شہاب نے اختیار کی ہے کہ اس صنف کو ترجیح دی جائے گی جس میں تعداد زیادہ ہو اور ضرورت زیادہ ہو[1] بخلاف امام شافعیؒ کے مسلک کے۔

۳) کسی ایسی مصلحت کے مدنظر جسے شریعت قبول کرتی ہو بعض اصناف کو ترجیح دینا درست ہے جیسا کہ آٹھوں اصناف میں تقسیم کے وقت ان میں برابری لازم نہیں ہے بلکہ ان کی ضرورتوں کے لحاظ سے ان میں فرق کیا جا سکتا ہے کیونکہ افراد کے مابین ضرورتوں کا اختلاف ہوتا ہے۔

بہرحال جب بھی مستحقین میں کمی بیشی کی جائے وہ اپنی مرضی سے نہ ہو بلکہ کسی

---

[1] الدردیر شرح الصغیر میں کہتے ہیں کہ محتاج کو دوسروں پر ترجیح دینا مستحب ہے اور صورت حال کے تقاضہ کے مطابق اس میں اضافہ کیا جائے۔ اس لیے کہ مقصود حاجت دور کرنا ہے۔ ج ۱، ص ۶۴۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصلحت کے مدِنظر ہو اور اس میں دوسری اصناف اور افراد کو نقصان نہ پہنچے۔[1]

۴) مناسب یہ ہے کہ جملہ اصناف میں سب سے پہلے فقراء اور مساکین پر صرف کیا جائے کہ ان کی کفایت کرنا اور انھیں غنی بنا دینا نظامِ زکوٰۃ کا اوّلین ہدف ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کی حدیث میں صرف اسی مصرف کا ذکر کیا ہے کہ

"یہ مال زکوٰۃ ان کے امیروں سے لے کر ان کے فقیروں کو لوٹایا جائے گا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظامِ زکوٰۃ میں مصرفِ فقراء کی خاص اہمیت ہے۔ اور اس لحاظ سے حاکم کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مالِ زکوٰۃ کو لشکر کی تیاری پر صرف کر دے اور فقیروں اور مسکینوں کو یونہی بھوکا اور ننگا رہنے دے کہ ان کے پاس غم کے سوا کھانے کو کچھ نہ ہو اور غصہ کے سوا پینے کو کچھ نہ ہو اور حسد و نفرت کے سوا ان کے پاس کوئی لباس نہ ہو۔

---

[1] اس مسئلہ میں سب سے عمدہ بات میں نے شرح الازھار (ج ۱، ص ۵۱۸) میں پڑھی ہے کہ امام کے لیے یہ فرق اور کمی بیشی اسی وقت جائز ہے جب اس سے دوسروں کے ساتھ ناانصافی نہ ہوتی ہو اگر ناانصافی ہو تو جائز نہیں ہے کیونکہ یہ حق سے روگردانی ہے۔ اور اس مقام پر ناانصافی کا مفہوم یہ ہے کہ غارمین میں سے ایک کو اتنا دے کہ قرض ادا کر کے اس کے پاس بچ رہے اور دوسرے مقروض کو اتنا دے کہ اس کا قرض بھی ادا نہ ہو۔ یا ایک ابن السبیل کو پورا سفر خرچ دے دے اور دوسرے ابن السبیل کو سفر کے ضروری اخراجات سے کم دے، یا ایک فقیر کو اتنا دے کہ اس کی اور اس کے اہلِ خانہ کی کفالت ہو جائے اور دوسرے فقیر کو کفالت سے کم دے۔ اور یہ فرق وہ بلا سبب اختیار کرے یعنی اگر جس کو زیادہ دیا ہے وہ مؤلفۃ القلوب میں سے ہے تو پھر یہ اضافہ جائز ہے۔

امام بعض اشخاص کو بھی ترجیح دے سکتا ہے اور ایک شخص میں اگر استحقاقِ زکوٰۃ کے کئی اسباب موجود ہوں تو اس کو زیادہ دے سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص فقیر بھی ہو، مجاہد بھی ہو، عامل بھی ہو اور غارم بھی ہو تو ان اسباب استحقاق کے جمع ہو جانے کی بنا پر لامحالہ اسے زیادہ دیا جائے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ صورت اس وقت تک ہے جب تک خاص حالات پیدا کر کے اور خاص انتظام کر کے فقر اور مسکنت کا علاج نہ کر دیا جائے۔

۵) ان عاملین پر خرچ کرنے کے لیے جو زکوٰۃ وصول کرتے اور صرف کرتے ہوں ایک زیادہ سے زیادہ مقدار کا تعین ضروری ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ اس کی مقدار مال زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ ہے اور اس پر زیادتی درست نہیں ہے۔

جدید دور کے ٹیکسوں کے نظام پر ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ ٹیکسوں کے ذریعے وصول ہونے والے مالیہ کا ایک بڑا حصہ ٹیکس کے نظام دفاتر اور ساز و سامان پر خرچ ہو جاتا ہے اور سرکاری خزانہ میں محصولات کا بہت کم حصہ پہنچتا ہے، کیونکہ ٹیکسوں کے نظام کی پیچیدگی اور تعویق کار کی بنا پر بڑے بڑے مناصب، پُر رونق دفاتر، اور شاندار تنخواہوں پر زر کثیر صرف ہو جاتا ہے، حالانکہ درحقیقت یہ مال غریب عوام سے حاصل کیا گیا تھا اور اسے انہی کی فلاح و بہبود پر خرچ ہونا چاہیے تھا۔ اس طریقہ کار کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حکومت بجٹ میں خسارے کی صورت میں پھر نئے ٹیکس عوام پر عائد کر دیتی ہے۔

۶) اگر مال زکوٰۃ کم ہو، مثلاً ایک ہی شخص کی زکوٰۃ ہو جس کی مقدار کم ہو تو وہ ایک ہی صنف میں دے سکتا ہے جیسا کہ نخعی اور ابو ثور کی رائے ہے بلکہ ایک ہی فرد کو دے سکتا ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کیونکہ زکوٰۃ کی اس قلیل مقدار کو متعدد اصناف میں اور متعدد افراد پر تقسیم کر دینے سے اس کی افادیت ختم ہو جائے گی۔ اور فقراء اور مساکین کے مصرف کے بیان میں ہم امام شافعیؒ کی یہ رائے بیان کر چکے ہیں کہ فقیر کو اتنی زکوٰۃ دی جائے کہ وہ غنی ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ طریقہ متعدد افراد کو چند چند سکے تقسیم کر دینے سے بہتر ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جبکہ جو لوگ موجود ہوں اور ان کو شدید ضرورت ہو تو مصارف میں فرق کرنا زیادہ اولیٰ اور زیادہ عمدہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نویں فصل

وہ اصناف جن پر زکوٰۃ میں خرچ نہیں کی جائے گی

زکوٰۃ ایک مخصوص ٹیکس ہے اور انسان کی انفرادی زندگی اور حیات اجتماعی کے لیے اس میں خاص مقاصد کی تکمیل مضمر ہے۔ اس لیے اگر کوئی انسان مستحق زکوٰۃ نہ ہو اس کا زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور مال کا مالک اور حاکم اگر کوئی مصرف زکوٰۃ نہ پائے تو اپنی صوابدید پر خرچ کر سکتے ہیں۔

اس لیے فقہاء نے شرط لگائی ہے کہ زکوٰۃ لینے والا ان اصناف میں سے نہ ہو جن کے بارے میں نصوص وارد ہیں کہ انھیں زکوٰۃ لینا حرام ہے اور یہ کہ وہ زکوٰۃ کا صحیح مصرف نہیں ہیں۔

جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے وہ بالاجمال یہ ہیں۔

۱) اغنیاء (مالدار)

۲) قوی ٹکتسب (ایسا مضبوط شخص جو کمانے کی قدرت رکھتا ہو)

۳) ملحد کافر، اور محارب جو اسلام کے خلاف برسرپیکار ہوں، بالاجماع ـــــ اور ذمی جمہور فقہاء کے نزدیک۔

۴) زکوٰۃ دہندہ کا باپ، اس کی اولاد اور اس کی بیوی ـــــ باقی رشتہ داروں میں اختلاف اور تفصیل ہے۔

۵) آلِ نبیؐ یعنی بنی ہاشم ـــــ یا بنی ہاشم اور بنی مطلب۔ جیسا کہ اس امر میں اختلاف ہے۔

اب ذیل میں ہم ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث اوّل

اغنیاء

فقراء اور مساکین کی بحث میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ فقہائے اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ فقراء اور مساکین کے حصہ سے کسی غنی (مالدار) شخص کو نہیں دیا جائے گا، اس لیے کہ فرمانِ نبوت ہے کہ

"کسی غنی کو صدقہ حلال نہیں ہے"[1]

اور آپ نے حضرت معاذ سے فرمایا کہ

"ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء کو لوٹائی جائے گی"[2]

نیز یہ کہ فقہائے کرام نے فرمایا کہ اغنیاء کو دینے سے اس کے وجوب کی حکمت ضائع ہو جاتی ہے اور وہ ہے فقراء کو اغنیاء بنانا، اس لیے اغنیاء کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے۔

البتہ اس غنی (مالدار) کی تحدید میں اختلاف ہے جس کی موجودگی میں زکوٰۃ لینا حرام ہے اور ممنوع ہے جس کی تفصیل ہم فقراء اور مساکین کے مصرف کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں۔

باقی اصناف کے بارے میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک کسی غنی کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی اگرچہ وہ فی سبیل اللہ کے زمرے میں آتا ہو یا اس نے ذات البین (باہمی نزاع) کی اصلاح کی خاطر کوئی مالی بار اُٹھایا ہو کیونکہ

---

[1] ان کی تخریج گزر چکی ہے۔

[2] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت معاذؓ والی حدیث اور دوسری حدیث مطلق ہے۔

اس اصول سے صرف عامل مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ زکوٰۃ نہیں لیتا بلکہ اپنے عمل کی اجرت لیتا ہے۔ اور مؤلفۃ القلوب بھی اس اصول سے مستثنیٰ ہے جس کے بارے میں فقہائے اسلام نے کہا ہے کہ وہ اسلام کی اشاعت کے بعد ساقط ہو گیا ہے[1] جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک حدیث معاذ میں صرف فقراء پر اقتصار کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا اہم مقصود فقراء کو غنی بنانا ہے۔ کیونکہ اگر صرف فقراء اور مساکین ہی کو زکوٰۃ دینا ہوتی تو آیتِ صدقات میں باقی چھ مصارف نہ بیان کیے جاتے۔

فقہاء نے جس طرح عامل زکوٰۃ کو اور ابن السبیل کو اگرچہ وہ اپنے شہر میں غنی ہو اس مندرجہ بالا اصول سے مستثنیٰ کیا ہے اسی طرح انھوں نے ایسے غازی کو بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے جس کا لشکر میں کوئی وظیفہ مقرر نہ ہو اور اسی طرح وہ شخص جس نے باہمی نزاع میں صلح کرانے کی خاطر مالی بوجھ برداشت کر لیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ آیت مصارف کے ذیل میں مستحقین کی یہ دونوں اصناف آتی ہیں۔

۱) پہلی نوع: وہ مسلمان جو حاجتمند ہوں، یعنی فقراء، مساکین، فی الرقاب، الغارمون (مقروض) ابن السبیل ـــــ ان کو ان کی ضرورت کے بقدر زکوٰۃ دی جائے گی۔

۲) دوسری نوع: جن کی مسلمانوں کو ضرورت ہو، مثلاً عاملون علیہا (زکوٰۃ کے عامل) مؤلفۃ القلوب الغارمون (جو دوسرے لوگوں کی صلح کرانے کی بنا پر مالی بار اٹھا چکے ہوں) اور فی سبیل اللہ۔

ان لوگوں کو ہر حال میں زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا خواہ فقیر ہوں یا غنی۔

اور اس کی تشریح اس حدیث میں موجود ہے۔ کہ

---

[1] فتح القدیر علی الہدایہ۔ ج ۲، ص ۲۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"کسی غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔ ماسوا ان پانچ کے، فی سبیل اللہ غازی کو، عامل علیہا کو، غارم کو، اس شخص کو جس نے صدقہ کی کوئی شئے اپنے مال سے خرید لی ہو، یا اس شخص کو جس کا پڑوسی مسکین ہو اور وہ مسکین کو صدقہ کر دے اور مسکین اسے ہدیہ کر دے۔"

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے یا صحیح ہے اور ابوداؤد نے اسے مرسل اور موصول دونوں طرح روایت کیا ہے۔[1]

بیٹے کے غنیٰ سے باپ غنی متصور ہوگا کسی غنی کو چونکہ بحیثیت فقیر اور مسکین کو زکوٰۃ حلال نہیں ہے تو غنیٰ (مالداری) کی بھی دو صورتیں ہیں کہ آدمی اپنے آپ بھی غنی ہوتا ہے اور دوسرے کی وجہ سے بھی غنی ہوتا ہے۔

باپ اگر غنی ہو تو اس کا چھوٹا بچہ غنی متصور ہوگا اور اس میں مذکر اور مؤنث کا فرق نہیں ہے لیکن اگر بیٹا بالغ تو وہ باپ کے غنی ہونے سے غنی متصور نہیں ہوگا اگرچہ اس کے اخراجات اس کے باپ کے ذمے ہوں، جیسے فقیر بیٹی جس کا شوہر نہ ہو اور فقیر بیٹا جو کسب (کمانے) سے عاجز ہو۔[2]

فقیر (تنگدست) بیوی شوہر کی فراخی سے غنی متصور ہوگی کیونکہ بیوی از روئے شریعت اور از روئے رواج شوہر ہی کے ساتھ محسوب ہوتی ہے اس لیے شوہر کا اپنی بیوی کو زکوٰۃ

---

[1] المجموع (ج ۶، ص ۲۰۶) میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ہر دو طریقہ پر جید ہے، بیہقی نے اس کی روایات کے طرق کو جمع کیا ہے۔ اور اس میں ہے کہ امام مالکؒ اور ابن عیینہ نے اسے مرسل نقل کیا ہے اور معمر اور ثوری جو کہ حافظ ہیں، انھوں نے موصول نقل کیا ہے، اور اگر کوئی حدیث مرسل اور موصول دونوں طرح مروی ہو تو وہ مفصل ہی متصور ہوگی۔

[2] الہدایۃ وفتح القدیر، ج ۲، ص ۲۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینا درست نہ ہوگا کہ درحقیقت شوہر کا خود اپنے آپ کو دینا ہو جائے گا۔

حنفی فقہا کی ظاہری روایت یہ ہے کہ مالدار شوہر کا اپنی فقیر بیوی کو زکوٰۃ دینا درست ہے خواہ اس کے لیے نفقہ واجب ہو یا نہ ہو۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے مالدار شوہر پر اس کا نفقہ لازم ہے اور وہ اس کے لیے کافی ہے خواہ وہ خود فقیر ہو یا غنی۔ اس لیے اسے شوہر کا زکوٰۃ دینا ایسا ہی ہے جیسا باپ کا اپنے چھوٹے بچے کو دینا۔[1]

حنفی فقہا نے غنی کی بیوی اور اس کے بیٹے میں یہ فرق بھی کیا ہے کہ بیوی کا نفقہ کا درجہ اجرت کے درجے میں ہے جبکہ بیٹے کا نفقہ اس بنا پر ہے کہ وہ باپ کا جزء ہے اس لیے بیٹے کو زکوٰۃ دینا خود اپنے آپ کو زکوٰۃ دینا ہوگا۔[2]

بعض شافعی فقہا کے نزدیک غنی کا اپنی فقیر بیوی کو اور فقیر بیٹے کو زکوٰۃ دینا درست ہے حالانکہ باپ اور شوہر پر نفقہ بھی لازم ہے، جبکہ دیگر فقہا نے اس رائے کے برخلاف رائے دی ہے اور جو چند اقوال پر مشتمل ہے۔[3]

جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ جس شخص کا نفقہ غنی پر واجب ہے وہ اسے زکوٰۃ نہیں دے سکتا خواہ وہ بیٹا ہو یا بیوی اور کوئی قریبی رشتہ دار کیونکہ اس کے نفقہ سے اسے کفایت حاصل ہو گئی اور کفایت ہی غنی ہے۔[4]

مالکی فقہا کے نزدیک جس فقیر کا نفقہ غنی پر لازم ہو اس پر زکوٰۃ حرام ہے اگرچہ نفقہ بالفعل دینا شروع نہ کیا ہو کیونکہ وہ بذریعہ عدالت اور فیصلہ اسے لے سکتا ہے۔ البتہ اس حکم سے انھوں نے اس صورت کو مستثنیٰ کیا ہے جب غنی پر دعویٰ کرنا ممکن نہ ہو یا اس

---

[1] ایضاً۔ و شرح العنایۃ علی ہامش الہدایہ۔
[2] ایضاً۔ ۲۴۔
[3] المجموع، ج ۶، ص ۱۹۱۔
[4] شرح المخرشی علی خلیل، ج ۲، ص ۲۱۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خلاف فیصلہ لینا درست نہ ہو[1]

میری رائے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ انسان کا کم عمر بچہ اور اس کی بیوی دونوں باپ اور شوہر کے غنیٰ سے غنیٰ متصور ہوں گے کہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ اور بیوی اپنے شوہر کے ساتھ ایک ہی شے ہے اور ان کا نفقہ بلحاظ کتاب و سنت لازم ہے اور اس طرح ان کو دائمی کفالت حاصل ہے اور انھیں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے اور نہ انھیں لینا جائز ہے۔ بخلاف دیگر رشتہ داروں کے کہ حکومت ان پر زکوٰۃ سے اور دیگر ذرائع سے خرچ کرنے کی پابند ہے اور اس طرح وہ اپنے رشتہ داروں کے نفقات سے مستغنی ہو جاتے ہیں اور مسلمان افراد کو بھی چاہیے کہ نفقہ سے زائد جو ان کی ضروریات رہ جائیں وہ ان کو پورا کرنے کے لیے زکوٰۃ دیں یا ان کو اس قدر زکوٰۃ دیں کہ وہ نفقہ سے مستغنی ہو جائیں اور بالخصوص ان فقہاء کے مسلک کے حساب سے جو کہتے ہیں کہ فقیر اور مسکین کو عمر بھر کی کفایت کے بقدر دینا چاہیے[2] جو کہ رشتہ داروں کے نفقہ سے زیادہ وسیع اور گہری شے ہے۔

●

---

[1] شرح الخرشی علی خلیل، ج ۲، ص ۲۱۴۔

[2] دیکھیے پچھلی فصل۔ فقیر اور مسکین کو کس قدر زکوٰۃ دی جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث دوم

کسب کے قابل مضبوط افراد

جو شخص مضبوط اور قوی ہو اور اس کا جسم آفات سے محفوظ ہو، اس پر بھی غنی کی طرح از روئے حدیث زکوٰۃ لینا حرام ہے کیونکہ اس سے شریعت کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اپنے عمل (کسب) سے اپنی کفایت حاصل کرے اور ہیٹھ کر صدقات پر بھروسہ کر کے زندگی نہ گزارے۔ لیکن اگر قوی تو ہو مگر معذور ہو اور اس وجہ سے کسب سے عاجز ہو تو جب تک اسے اس کے لائق کام میسر نہ آئے اس کی زکوٰۃ سے اعانت کی جائے گی۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ

"زکوٰۃ میں غنی اور قوی مکتسب کا کوئی حصہ نہیں ہے"[1]

بہرحال یہ بحث فقراء اور مساکین کے مصرف کے بیان میں گزر چکی ہے۔

حنفی فقہاء کی رائے اس کے برخلاف ہے اور ان کے نزدیک جو شخص زکوٰۃ سے کم نصاب کا مالک ہو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے اگرچہ وہ صحیح اور مکتسب ہو، کیونکہ وہ فقیر ہے اور فقراء مصارف زکوٰۃ میں داخل ہیں، نیز یہ کہ حقیقی حاجت کا پتہ لگانا دشوار ہے اس لیے نصاب زکوٰۃ کے مالک نہ ہونے کو حاجتمند ہونے کے قائمقام سمجھا جائے گا۔

ابن الہمام کہتے ہیں کہ بیشتر فقہاء کے نزدیک کمانے والے کو زکوٰۃ لینا درست نہیں ہے کیونکہ ہم یہ فرمان نبوتؐ اوپر بیان کر چکے ہیں کہ

---

[1] البحر (ج ۲، ص ۱۷۵) میں امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ فقیر میں ضعف اور بڑھاپا شرط ہے اور یہ کہ وہ سوال نہ کرے۔ مگر یہ حدیث اس رائے کے خلاف ہے۔ اور ابن العربی نے کہا ہے کہ اپاہج پر اس کو موقوف کرنا درست نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"زکوٰۃ غنی کو اور صحت مند قوی آدمی کو حلال نہیں ہے"

اور آپؐ نے ان دونوں اشخاص سے فرمایا جنھوں نے آپؐ سے زکوٰۃ مانگی اور بظاہر وہ تندرست تھے کہ

"اس میں تمھارا کوئی حق نہیں ہے، پھر بھی اگر تم کہتے ہو تو دے دیتا ہوں"

اس کا جواب انھوں نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا سوال کرنا حرام ہے کیونکہ آپؐ نے فرمایا کہ

"اگر تم چاہو تو دے دیتا ہوں"

اور اگر اس کا لینا بھی حرام ہوتا تو آپؐ یہ نہ فرماتے[1]

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے اور وہاں اس میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ

"اگر تم چاہو تو میں تمھیں دے دوں لیکن غنی اور قوی مکتسب کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے"

اور آپؐ نے یہ ان سے اس لیے فرمایا کہ آپؐ کو ان کی حقیقی حالت کا علم نہیں تھا کیونکہ ہر مکتسب اور قوی کو اس کی کفایت کے بقدر نہیں ملتا، اس لیے آپؐ نے انھیں یہ سمجھا کر کہ غنی اور کمانے والے مضبوط آدمی کا کوئی حصہ نہیں ہے، انھیں عطا فرمایا۔

ابو عبید کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپؐ نے مالدار اور کمانے کی قوت رکھنے والے کو برابر کی حیثیت دی، خواہ قوی مالدار نہ ہو بہرحال دونوں برابر ہیں، الّا یہ کہ اس طاقتور کے کمائی کے ذرائع موجود نہ ہوں اور وہ امکانی سعی کے باوجود محروم رہتا ہو اور اپنے بچوں کے گزارہ لائق نہ کما پاتا ہو۔ ان حالات میں اسے مندرجہ ذیل آیت قرآنی کی رو سے مسلمانوں کے مال میں سے لینے کا حق ہوگا[2]

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات : ۱۹)

ان کے اموال میں سائل اور محروم کے لیے حق ہے۔

---

[1] الہدایہ وفتح القدیر: ج ۲، ص ۲۸۔

[2] الاموال، ص ۵۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث سوم

کیا زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا جائز ہے؟

زکوٰۃ ملحد، مرتد اور محاربِ اسلام کو نہیں دی جاتے گی فقہائے اسلام کا اس امر پر اجماع ہے

اس کافر کو جو اہلِ اسلام سے برسرِ پیکار (محارب) ہو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی[1] اور اس کی وجہ یہ فرمانِ الٰہی ہے۔

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (الممتحنہ : ۹)

وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں۔

کیونکہ محارب (دشمن اسلام) اسلام سے اور مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہے حق کا اور اہلِ حق کا دشمن ہے اور اس کو امداد دینے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو قتل کرنے اور انھیں نقصان پہنچانے کے لیے امداد دی جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بات نہ قرینِ عقل ہے اور نہ اسلام کے مطابق ہے کہ دشمنانِ اسلام کی اعانت کی جائے تاکہ وہ اس اعانت سے بھی اسلام کو

---

[1] البحر الزخار : ج ۲/ص ۱۸۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقصان پہنچائیں، مسلمانوں کو قتل کریں اور ان کی مقدس حرمتوں کو پامال کریں۔
وہ ملحد جو اللہ کا، نبوت کا اور آخرت کا منکر ہو وہ بھی کافر محارب ہی کی طرح ہے اور اسے بھی زکوٰۃ میں سے دینا اس کی دین دشمنی میں تعاون کرنا ہے۔
جو شخص مرتد ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا ہو وہ تو اسلام کی نظر میں زندگی ہی کا مستحق نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی زکوٰۃ کی مد میں سے اعانت کی جائے۔ اس نے اس قدر بڑا جرم کیا ہے اور اسلام سے اور مسلمانوں سے اس قدر عظیم خیانت کی ہے کہ وہ معاشرے میں زندہ رہنے کا حق کھو بیٹھا ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوت ہے کہ

"جو شخص اپنا دین تبدیل کر دے اُسے قتل کر دو۔"[1]

ذمیوں کو زکوٰۃ دینا ذمی اور اہلِ کتاب اور جو افراد ان کے زمرے میں آتے ہوں اور جو مسلم معاشرے میں رہتے بستے ہوں اور جنھوں نے اس اسلامی معاشرہ کی ذمے داریوں کو قبول کر کے نظامِ اسلام کے سامنے سرِ اطاعت خم کر دیا ہو اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہو کہ تمدنی زندگی میں وہ اسلامی احکام کو قبول کرتے ہیں اور دارالاسلام کے باشندے بن جانا تسلیم کرتے ہیں یا آج کی زبان میں اسلامی مملکت کی 'قومیت' اختیار کرتے ہیں ——— ان کو زکوٰۃ دینے اور ان پر صرف کرنے کے بارے میں اختلاف ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

نفلی صدقہ میں سے دینا اگر کوئی مسلمان رابطۂ انسانیت کے تحت ذمی کو نفلی صدقات دے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ مسلمانوں میں اور ذمیوں میں معاہدہ ہوتا ہے اور اس طرح اس معاہدہ کی پاسداری ہوتی ہے اور اسلام سے انکار ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے مانع نہیں ہے تاوقتیکہ وہ اسلام کے برخلاف برسرِ پیکار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے کہ

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ

---

[1] حضرت ابن عباسؓ سے احمد، بخاری اور اصحاب السنن نے روایت کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (الممتحنہ : ۸)

اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب بعض مومنین اپنے مشرک رشتہ داروں سے حسن سلوک کو تقویٰ کے خلاف تصور کرنے لگے تھے۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام اپنے مشرک رشتہ داروں پر صدقہ کا خرچ کرنا برا سمجھنے لگے تھے اس بارے میں جب سوال ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی اور اس امر کی رخصت دی گئی [1]

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ

(البقرہ : ۲۷۲)

اے نبیؐ، لوگوں کو ہدایت بخش دینے کی ذمے داری تم پر نہیں ہے ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور راہِ خیر میں جو مال تم لوگ خرچ کرتے ہو وہ تمھارے اپنے لیے بھلا ہے آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو تو جو کچھ مال تم راہِ خیر میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمھیں دیا جائے گا اور تمھاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔

ابن کثیرؒ [2] فرماتے ہیں کہ اگر صدقہ کرنے والا صرف رضائے الٰہی کی خاطر یہ کارِ خیر انجام

---

[1] ابن کثیر ج ۴، ص ۳۴۹۔

[2] ابن کثیر ج ۱، ص ۳۲۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے تو اسے ضرور خدا کے یہاں سے صلہ ملے گا، خواہ جس کو دیا ہو وہ نیک ہو یا بدکار مستحق ہو یا غیر مستحق، دینے والے کو ہر صورت میں اس کے ارادے اور نیت کا ثواب ہوگا، کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ

اور ایک اور مقام پر اللہ نے اپنے نیک بندوں کی اس طرح تعریف فرمائی۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا

(الدھر : ۸)

اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس وقت اسیر مشرک ہی تھے جیسا کہ حسن وغیرہ سے مروی ہے[1]

صدقۂ فطر سے دینا صدقۂ فطر اور کفارہ اور نذر کا صدقہ نفل صدقہ کے مانند ہے اور امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور بعض فقہاء نے اسے ذمیوں پر صرف کرنا جائز کہا ہے، کیونکہ اس سلسلے میں وارد دلائل عام ہیں، مثلاً صدقات کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۔

(البقرہ : ۲۷۱)

اگر اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے تمہاری بہت سی برائیاں اس طرزِ عمل سے محو ہو جاتی ہیں۔

اور کفاروں کے بارے میں فرمایا کہ

فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۴، ص ۳۹، ۴۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَهْلِيْكُمْ (المائدہ : ۸۹)

کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو۔

فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (المجادلہ : ۴)

اور جس میں یہ قدرت نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

ان آیات میں فقیر اور مسکین کے الفاظ عام ہیں، اس لیے یہ حکم کافر فقیر اور کافر مسکین کو بھی شامل ہے۔ اور نیز اس لیے بھی کہ یہ محض حسن سلوک ہے جس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے باوجود فقہاء نے کہا ہے کہ ان صدقات کو فقراء مسلمین پر صرف کرنا افضل ہے، کیونکہ یہ ایک طرح سے اللہ کی اطاعت میں ایک مسلم کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ غیر مسلم دشمن اسلام اور محارب نہ ہو، کیونکہ اس کو دینے میں اسلام سے جنگ میں اس کی اعانت کرنا ہو جائے گا، جو کہ جائز نہیں ہے[1]

ابوعبید اور ابن ابی شیبہ نے بعض تابعین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ راہبوں کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے[2]

زکوٰۃ میں سے دینا جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے

زکوٰۃ یعنی عشر، نصف عشر اور ربع عشر

جمہور فقہاء کے نزدیک غیر مسلم کو دینا درست نہیں ہے اور ابن المنذر نے کہا ہے کہ اُمت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ ذمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے البتہ زکوٰۃ فطر میں اختلاف ہے[3]

---

[1] بدائع الصنائع : ج ۲، ص ۴۹۔

[2] الاموال، ص ۶۱۳/۱۴۱۳۔ المصنف : ج ۴، ص ۳۹۔

[3] المجموع : ج ۶، ص ۲۲۸۔ یہ مذکورہ اجماع مؤلفۃ القلوب کے علاوہ مصارف میں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمہور فقہاء کی سب سے مضبوط دلیل حضرت معاذؓ کی یہ حدیث ہے کہ
"اللہ نے مسلمانوں کے مالوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقیروں کو لوٹائی جائے گی"
آپؐ نے اس حدیث میں حکم دیا کہ جن کے مالداروں سے زکوٰۃ لی جائے انہی کے فقیروں کو دی جائے اور ظاہر ہے کہ وہ مسلمان ہوں گے۔ اس لیے زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا جائز نہیں ہے۔

دعویٰ اجماع کا جائزہ ابن المنذر نے اس موقع پر جس اجماع کا ذکر کیا ہے، وہ قابل قبول نہیں ہے جبکہ ابن سیرین اور زہریؒ کی یہ رائے ہے کہ کافروں پر زکوٰۃ کا صرف کرنا درست ہے[1]

سرخسی المبسوط میں بیان کرتے ہیں کہ امام زفرؒ ذمی کو زکوٰۃ دینا جائز تصور کرتے ہیں۔ اس پر سرخسی کہتے ہیں کہ تقاضائے قیاس بھی یہی ہے کہ مقصود زکوٰۃ اس عبادت کے ذریعہ فقیر محتاج کو غنی بنانا ہے مگر حدیث معاذؓ اس رائے کے خلاف ہے[2]

ابن ابی شیبہ نے جابر بن زید سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کس کو صدقہ دیا جائے تو انھوں نے فرمایا اپنے اہل ملت مسلمانوں اور ذمیوں کو، اور بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ اور خمس ذمیوں میں تقسیم فرماتے[3]

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال فرض صدقہ (زکوٰۃ) کے بارے میں تھا، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نفلی صدقہ کے بارے میں ہو مگر اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو صدقات جمع ہوا کرتے تھے وہ زکوٰۃ ہی ہوتے تھے۔ بہرحال یہ حدیث مرسل ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے حضرت عمرؓ روایت کیا ہے کہ انھوں نے انما الصدقات

---

[1] ایضاً۔
[2] المبسوط، ج ۲، ص ۲۰۲۔
[3] مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳، ص ۴۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

للفقراء کے بارے میں فرمایا کہ اہل کتاب کے اپاہج اور معذور مراد ہیں[1]

اور یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک بوڑھے یہودی کا مسلمانوں کے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور دلیل انما الصدقات للفقراء والمساکین کو بنایا اور کہا کہ یہ اہل کتاب کے مساکین ہیں[2]

الروض النضیر کے مصنف[3] ابن ابی شیبہ کا نقل کردہ حضرت عمرؓ کا یہ استدلال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک زکوٰۃ اہل کتاب پر صرف کرنا جائز تھا۔

المنار کے مصنف نے زیدیہ مسلک کے فقہاء کی یہی رائے نقل کی ہے۔ اور البحر[4] نے زہری اور ابن سیرین کا یہی قول نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی دلیل لفظ فقراء کا عموم ہے۔

طبری[5] نے عکرمہ سے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ کے بارے میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مسلمان فقراء کو مساکین نہ کہو، کہ مساکین اہل کتاب

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۴، ص ۴۰۔

[2] کتاب الخراج، ص ۱۲۶۔ ط۔ السلفیہ۔ البلاذری نے اپنی تاریخ میں (ص ۱۷۷) اسی قسم کا واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ دمشق کی سرزمین میں الجابیہ کے مقام سے گزرے تو آپؓ کو کچھ جذامی عیسائی نظر پڑے، آپؓ نے انھیں صدقات دینے کا حکم فرمایا اور ان کے روزینے جاری کرنے کا حکم دیا ــــ یہاں بظاہر صدقات فرض زکوٰۃ ہی مراد ہے کیونکہ زکوٰۃ والی کے پاس ہوتی ہے اور وہی اس سے روزینہ جاری کرتا ہے۔

[3] ج ۲، ص ۴۲۶۔

[4] البحر الزخار: ج ۲، ص ۱۸۵۔

[5] تفسیر الطبری: بتحقیق محمود شاکر ج ۱۴، ص ۳۰۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مساکین ہیں [1]

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر زکوٰۃ دینے کے لیے کوئی مسلمان مستحق نہ ملے تو ذمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ جیسا کہ یہی قول جصاصؒ نے عبیداللہ بن الحسن سے نقل کیا ہے اور یہی بعض اباضیہ کا قول ہے [2]

موازنہ اور ترجیح ہم کہتے ہیں کہ جمہور فقہاء کے مسلک کی بہت ہی قوی دلیل حضرت معاذؓ کی حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے لیکن اس مسلک پر اس کی دلالت قطعی نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ زکوٰۃ جس علاقے کے لوگوں سے لی جائے گی اسی علاقے کے فقیروں پر صرف کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے کہا ہے کہ زکوٰۃ کا ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل کرنا درست نہیں ہے۔

فقہائے احناف نے جو دلائل ذکر کیے ہیں اور جن میں عموم ہے اور مسلمان فقیر اور غیر مسلم فقیر میں فرق نہیں کیا گیا ہے ان سے حضرت عمرؓ، زہریؒ ابن سیرینؒ عکرمہ، جابر بن زیدؒ اور زفر سے مروی اقوال کی تائید ہوتی ہے۔ اور اسی پر سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

---

[1] ابوزہرہ، عبدالرحمٰن حسن اور خلاف نے اس تفسیر پر کہا ہے کہ مساکین سے اہل کتاب کے مساکین مراد لینے سے دو فائدے ہیں:

۱) ایک یہ کہ فقیر اور مسکین دو علیحدہ علیحدہ صنفیں ہیں، اور ایک کو ذکر کر دینا دوسرے کے ذکر سے مستغنی نہیں کرتا۔

۲) ذمی مسکینوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ مطلقاً عاجز ہیں، کیونکہ قدرت والوں سے تو جزیہ لیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں ہے کہ ایک طرف ان سے جزیہ لیا جائے اور دوسری جانب انھیں زکوٰۃ دی جائے۔

ملاحظہ کیجیے: حلقۃ الدراسات الاجتماعیہ ص ۲۵۲۔

[2] احکام القرآن۔ ج ۳، ص ۳۱۵۔ الآستانہ۔

[3] شرح النیل: ج ۲، ص ۱۲۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ ۔

یہ فقہاء کہتے ہیں کہ اس نصّ کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیونکہ زکوٰۃ دینا ان کے ساتھ حُسنِ سلوک ہے لیکن بہرحال حدیث معاذؓ اس کی معارض ہے[1]

لیکن یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ حدیث معاذؓ دوسری نصوص کے عموم کے مقابلہ کی نہیں ہے اور حضرت عمرؓ کی یہ رائے ذکر کی جاچکی ہے کہ ان کے نزدیک انما الصدقات کا عموم مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو شامل ہے۔

ان دلائل کے موازنے سے میری رائے یہ ہوتی ہے کہ اصولاً زکوٰۃ مسلمان فقراء کو دی جائے، کیونکہ خصوصیت کے ساتھ زکوٰۃ مسلمانوں ہی پر فرض ہے لیکن اگر مال زکوٰۃ کثیر مقدار میں موجود ہو تو زکوٰۃ میں سے ذمیوں کو دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور بشرطیکہ انھیں دینے میں مسلمان فقراء کا نقصان نہ ہو۔ اور اس بارے میں آیت کا عموم، حضرت عمرؓ کا فعل اور فقہاء کے اقوال کافی دلیل ہیں۔ اور یہ درگزر اور غیر مذہب کے لوگوں سے حسنِ سلوک کی اس قدر عمدہ مثال ہے کہ کوئی مذہب ایسی مثال نہیں پیش کرسکا۔

یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ ذمیوں کو فقیر اور حاجتمند ہونے کی بنا پر زکوٰۃ دی جائے لیکن اگر انھیں بطور تالیف قلب، اسلام کی محبت پیدا کرنے اور اسلامی حکومت اور اسلامی نظام کی تائید پر آمادہ کرنے کے لیے زکوٰۃ دی جائے تو اس کا جواز کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ کے واضح دلائل سے ہم پہلے ہی ثابت کرچکے ہیں۔ اگرچہ ہم نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو ان کا حصہ دینا اسلامی حکومت کی ذمے داری ہے افراد کی نہیں ہے لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی حکومتیں

---

[1] البدائع: ج ۲، ص ۴۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلے میں اسلامی حکومت کی قائمقامی کریں۔

یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جن فقہاء کے نزدیک ذمی کو زکوٰۃ سے دینا جائز نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذمی اگر فقیر ہو تو اسلامی حکومت اُسے بھوکا ننگا چھوڑ دے گی، بلکہ اسلامی حکومت بیت المال کے دیگر موارد فئے، خُمس غنائم، معادن اور خراج سے اس کی امداد کرے گی۔

ابو عبید نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ایک تحریر کا ذکر کیا ہے جس میں انھوں نے اپنے بصرہ کے عامل کو لکھا کہ

"ان ذمیوں کا خیال رکھو جو بوڑھے ہو گئے ہوں اور ان کے کمانے کے ذرائع مسدود ہو گئے ہوں ان کے لیے بیت المال سے مستقل روزینہ مقرر کر دو۔"[1]

اسلام کی خوبی ملاحظہ کیجیے کہ خلیفۂ اسلام نے اس امر کا انتظار نہیں کیا کہ مجبور و کمزور ذمی خود مطالبہ کرے بلکہ انھوں نے اپنے والی کو لکھا کہ وہ معلوم کرے کہ اس کی گورنری کی حدود میں کوئی بے سہارا اور ضعیف ذمی تو نہیں ہے اگر ہو تو بیت المال سے اس کی ضروریات پوری کرے۔ یہ ہے عدلِ اسلام!

کیا فاسق کو زکوٰۃ دی جائے گی؟

فاسق جب تک دائرۂ اسلام میں داخل رہے اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے تاکہ وہ اپنی حالت کی اصلاح کر سکے اور اس لیے کہ اقرارِ آدمیت کا تقاضا بھی ہے اور اس لیے بھی کہ فاسق مالدار سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے تو فاسق فقیر کو دینی بھی چاہیے۔ تاکہ اس حدیث کا عموم مکمل ہو جائے کہ

"زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لی جاتی ہے اور ان کے فقراء کو لوٹائی جاتی ہے۔"[2]

---

[1] الاموال، ص ۴۶۔

[2] البحر الزخار، ج ۲، ص ۱۸۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرط یہ ہے کہ فاسق زکوٰۃ لے کر اسے فسق کے کاموں میں صرف نہ کرے مثلاً اسے شراب خریدے یا کوئی ناجائز کام کرے کیونکہ اللہ کا یہ مال اس لیے نہیں ہے کہ اس سے معصیت کے کاموں میں امداد بہم پہنچائی جائے۔ اور اس بارے میں غلبۂ ظن (گمان غالب) کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی لیے بعض مالکی فقہاء نے کہا ہے کہ اہل معاصی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اگر یہ گمان ہو کہ وہ اسے معاصی میں صرف کریں گے اور اگر یہ گمان نہ ہو تو جائز ہے[1]

مسلک زیدیہ کے فقہاء کے نزدیک فاسق کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور نہ اس پر صرف کرنا درست ہے ماسوا اس کے کہ وہ عامل ہو یا مؤلفۃ القلوب میں سے ہو[2]

میری رائے یہ ہے کہ وہ فاسق جس کے فسق مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچتی ہو اور اپنے فجور سے اور معاصی سے مسلمانوں کے ساتھ مجادلہ نہ کرے تو اسے دینا جائز ہے اگرچہ صالح اور صاحب استقامت مسلمانوں کو زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن اگر فاسق کھلم کھلا بدکار ہو اور اپنے فسق اور گناہوں کا برملا اظہار کرتا ہو تو اُسے زکوٰۃ کا مال اس وقت تک نہیں دینا چاہیے جب تک وہ اس سے توبہ نہ کرے، کہ ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ الحُبُّ فی اللہ والبُغْضُ فی اللہ ہو[3]

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ : ۷۱)

---

[1] الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی : ص ۴۹۲۔ یہ رائے امام جعفر کے مسلک کے مطابق ہے جیسا کہ فقہ الامام جعفر ج ۲، ص ۹۳ میں ہے اور اباضیہ کی رائے کے مطابق ہے۔ جیسا کہ النیل اور اس کی شرح میں ہے (ج ۲، ص ۱۳۱-۱۳۲)

[2] شرح الازھار۔ ج ۱، ص ۵۲۰، ۵۲۱۔

[3] اس حدیث کا مفہوم احمد اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے اور السیوطی نے اسے الجامع الصغیر میں حسن کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ مسلم معاشرہ کسی ایسے شخص کی اعانت نہ کرے جو اپنے معاصی سے معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر رہا ہو، گناہوں کا برملا اظہار کر رہا ہو اور اس طرح معاشرے کے عام شعور کو متاثر کر رہا ہو۔

اس سلسلے میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ فسق اور معصیت کے مرتکب افراد کے ساتھ سختی کا برتاؤ ہے اور انھیں ہلاکت کی نذر کرنا ہے حالانکہ اسلام معافی، درگزر اور رحم کرتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ عفو و درگزر ان امور میں موزوں ہے جن میں معاصی ذاتی دائرے میں ہوں، لیکن اگر معاصی سے معاشرہ متاثر ہوتا ہو یا دین پر اور اہل دین پر اثر پڑتا ہو تو یہ جرم قابل معافی نہیں ہے۔ کہ رحم کا مستحق وہی ہوتا ہے جو خود اپنے اوپر رحم کرے اور توبہ سے آدمی رحم کا مستحق ہو جاتا ہے اور جو شخص برابر معصیت کرتا رہے، شیطان کی اطاعت پر اصرار کرتا رہے اور معاشرے کو اور اس کی قدروں اور اخلاقی اصولوں کو پامال کرتا چلا جائے تو وہ کسی امداد کا مستحق نہیں ہے بلکہ مر ہی جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ جو خود اپنے آپ کی توہین کرے اس کی تکریم کیونکر کی جا سکتی ہے۔

وہ شخص کیونکر رحم اور معونت کا مستحق ہو سکتا ہے جو بھوکا ننگا مر جانا پسند کرے مگر توبہ نہ کرے، نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے اور شراب اور برے کاموں کو ترک نہ کرے بلکہ اپنی اصلاح کا عزم بھی ظاہر نہ کرے!

اگر اس فاسق کا خاندان اسی کی عیالات کر رہا ہو تو اس کے خاندان کو اعانت کی جائے اور اس فاسق کی وجہ سے اس کے خاندان کو محروم نہیں رکھا جائے گا۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (الانعام : ۱۶۴)

ہر شخص کو جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمے دار وہ خود ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

حضرت امام ابن تیمیہؒ سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا اہل بدعت کو اور نماز نہ پڑھنے والے کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ زکوٰۃ دیتے وقت ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینی چاہیے جو دیندار ہوں احکام دین کے پابند ہوں اور فقیر و مسکین اور غارمین وغیرہ ہوں جبکہ بدعت کا مرتکب اور اظہار فجور کرنے والا اس سزا کا مستحق ہے کہ اس سے ترک تعلق کیا جائے اور اسے توبہ کی نصیحت کی جائے، اس بنا پر اس کی اعانت نہیں کرنی چاہیے [1]

اور تارکِ صلوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ اسے نماز کا حکم دیا جائے گا اگر وہ توبہ کرے اور نماز کا وعدہ کرے اور پڑھنا شروع کر دے تو اس کی اعانت کی جائے گی ورنہ نہیں [2]

اور الاختیارات میں شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ

جو شخص زکوٰۃ لے کر اس سے اطاعت الٰہی میں مدد نہ لے اسے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی کہ مقصود زکوٰۃ یہی ہے کہ مؤمنین فقراء اور غارمین کی احتیاج پوری کی جائے یا ان لوگوں کی اعانت کی جائے جو مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں جیسے عاملین علیہا اور مجاہدین فی سبیل اللہ اگر حاجتمندوں میں سے کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اسے اس وقت تک کچھ نہیں دیا جائے گا جب تک وہ توبہ نہ کرے اور ادائے صلوٰۃ کا التزام نہ کرے [3]

سید رشید رضا کی رائے مصلح اسلام سید رشید رضا نے اپنی تفسیر میں اس موضوع کے بارے میں بڑی عمدہ رائے کا اظہار فرمایا ہے [4]

جہاں جہاں تعلیم مغرب اور تہذیب فرنگ پہنچی ہے اخلاق کو اور اسلامی تربیت کو دیمک کی طرح چاٹ گئی ہے اور الحاد کو اور زندقہ کو رواج دے دیا۔ اسلام کی نظر میں مرتد

---

[1] مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ: ج ۲۵، ص ۸۷۔

[2] ایضاً ص ۸۹۔

[3] الاختیارات، ص ۶۱۔

[4] المنار: ج ۱۰، ص ۵۹۶، ۵۹۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقی کافر سے بھی زیادہ اسلام کے لیے خطرناک ہے۔ اس لیے ایسے کسی شخص کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے (جیسا کہ جمہور فقہاء کی رائے ہے)

ملاحدہ کی کئی قسمیں ہیں: بعض کھلم کھلا خدا کا انکار کرتے اور کائنات کے خالق کا وجود تسلیم نہیں کرتے اور عبادت میں شریک کرتے ہیں۔

بعض وحی کا، رسالت کا، قرآن کا اور جزاء کا اور آخرت کی زندگی کا انکار کرتے ہیں۔ اور بعض اسلام کو ایک سیاسی قومیت تصور کرتے ہیں اور ان کے نزدیک شراب پینا، زنا کرنا اور نماز ترک کرنا جائز ہے، اور وہ ارکان اسلام اور فرائض اسلام میں سے کسی حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔ عام مسلمانوں کے بالمقابل ان افراد کی بہت ہی معمولی تعداد ہے اس لیے ان میں سے کسی کو بھی زکوٰۃ نہ دی جائے بلکہ زکوٰۃ دہندہ کو زکوٰۃ دیتے وقت یہ جائزہ لینا چاہیے کہ جن کا عقیدہ صحیح ہو اور وہ اسلام کے امر و نہی پر پختہ یقین رکھتے ہوں، کیونکہ گناہ ہر مسلمان سے سرزد ہو سکتا ہے اور مسلمان جب گناہ کرتا ہے تو وہ اس پر توبہ بھی کر لیتا ہے۔

اہل السنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ وہ کسی کو کافر قرار نہیں دیتے اور کسی بھی اہل قبلہ پر گناہ کی وجہ سے عملی یا اعتقادی بدعت کی وجہ سے کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے کہ وہ متأول ہے نص کا انکار کرنے والا ہے۔ اور جو مسلمان اللہ کے احکام اور ممنوعات کو تسلیم کرتا ہو اور اس سے گناہ سرزد ہو جائے اس میں اور اس شخص میں جو فرائض کے ترک کو اور فواحش کے ارتکاب کو جائز قرار دے بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ جائز قرار دینے والا تو یہ سمجھتا ہی نہیں ہے کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہے جس پر اسے توبہ کرنی چاہیے۔

جس مسلمان کے اسلام میں شک ہو اسے زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے ـــــ جو لوگ ماہِ رمضان میں جمعہ کے روز عین مسجد جمعہ کے سامنے ہوٹلوں میں بیٹھے کھا پی رہے ہوتے ہیں، ان کو کس زمرے میں شمار کیا جائے وہ گناہ گار مسلمان ہیں، یا بے دین ملحد ہیں؟ بہرحال زکوٰۃ دہندہ کو چاہیے کہ وہ دیندار شخص کو زکوٰۃ دے لیکن اگر یہ خیال ہو کہ فاسق کی امداد سے اس کی اصلاح ہو جائے گی تو انھیں مؤلفۃ القلوب کی حیثیت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں دے سکتا ہے۔

اہل اسلام کے مختلف فرقوں کو زکوٰۃ دینا اہل السنت والجماعت دوسرے فرقوں کو جو ان سے جُدا ہو گئے ہیں دو اصناف میں تقسیم کرتے ہیں۔

اہل البدع۔

اہل الاہواء۔

بدعت کی دو قسم ہیں ایک وہ بدعت جس کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے، جس میں بہت انتہا پسند بھی ہوتے ہیں اور ذرا درمیانے درجے کے لوگ بھی۔

اور دوسری بدعت وہ ہے جس سے انسان فاسق ہو جاتا ہے اور اس کے فکر اور اعتقاد میں فسق پیدا ہو جاتا ہے اور اس کو فسق تاویل کہا جاتا ہے اور یہ عمل و سلوک کا فسق نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں اہل السنّت کی رائے یہ ہے کہ جو فرقے ایسی بدعتوں کے مرتکب نہ ہوں جن سے انسان کافر ہو جاتا ہے[1] ان کے علاوہ تمام اہل قبلہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ ان میں نیکی اور استقامت موجود ہو۔ بلاشبہ زکوٰۃ دینے میں متبع سُنّت کو ترجیح دی جائے گی اگرچہ وہ انہی کی جانب منسوب ہو اور یہ گفتگو جواز اور عدم جواز کی ہے۔

شیعہ امامیہ جعفریہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ لینے والا شیعہ اثنا عشری ہو، کیونکہ امام جعفر کا قول ہے۔

"اپنے ساتھیوں کو صدقہ اور زکوٰۃ دو۔"

اس شرط سے صرف مؤلفۃ القلوب مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کے اندر تو کفر اور نفاق کی موجودگی فرض کر لی گئی ہے اسی طرح عام مصلحت یا خاص حاجت کے لیے دی گئی زکوٰۃ بھی اس سے مستثنیٰ ہے۔

---

[1] حاشیۃ ابن عابدین: ج ۲، ص ۷۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ مغنیہ اپنی کتاب "فقہ الامام جعفر" میں لکھتے ہیں کہ یہ شرط زکوٰۃ کے ساتھ خاص ہے جبکہ باقی مستحب صدقات ہر شخص کو دینا جائز ہے [1]

جس نص پر شیخ نے اعتماد کیا ہے اس میں امام جعفر نے صدقہ اور زکوٰۃ دونوں کو اپنے ساتھیوں (اصحاب) کو دینے کا حکم فرمایا اور دونوں کو عطف کے ساتھ ذکر کیا اس لیے یہاں پر صدقہ کو فرض زکوٰۃ کہنا درست نہیں ہوگا کہ اس طرح اس پر زکوٰۃ کے عطف کے کوئی معنی باقی نہیں رہیں گے۔ نیز یہ کہ اس فرمان میں ساتھیوں (اصحاب) کا جو لفظ آیا ہے اس سے تمام مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ اس قول کا انتساب امام جعفرؒ کی جانب درست ہو۔ چنانچہ آل بیت سے ایسی روایات بھی مروی ہیں جن سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے۔

البحرانی "الحدائق" میں حضرت امام جعفرؒ کے بارے میں یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کی یہ پانچ سو درہم میرے مال کی زکوٰۃ ہے آپ اسے جہاں چاہیں صرف کر دیں، آپ نے کہا تم خود ہی اپنے پڑوسیوں، یتیموں، مسکینوں اور اپنے مسلمان بھائیوں میں تقسیم کر دو [2]

اس نص سے معلوم ہوا کہ محض دو امور کو دیکھنا ہے ایک ضرورت اور دوسرے اسلام۔ کہ اسلام کا رشتہ ہر رشتہ سے بلند تر ہے، کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

اباضیہ کے یہاں ان کے مسلک کے برخلاف عام مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں اختلاف ہے۔

بعض کا کہنا یہ ہے کہ اگر فقیر ہو اور اس کے مسلک کے موافق یا مخالف ہونے کے بارے میں کوئی علم نہ ہو تو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے اور بعض دیگر نے کہا ہے کہ مسلک کے مخالف کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ اس میں ایک قول یہ ہے کہ اگر مخالف انہی میں رہتا ہو تو جائز ہے

---

[1] فقہ الامام جعفر الصادق: ج ۲، ص ۹۳۔

[2] فقہ الامام جعفر الصادق، ج ۲، ص ۹۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایک اور قول یہ ہے کہ اگر دہندہ کا رشتہ دار ہو تو جائز ہے۔

شرح النیل میں ہے کہ صرف مسلک کے افراد ہی کو زکوٰۃ دینا صحیح ہے اگر وہ نہ ہو تو جو اس معاملہ میں توقف اختیار کیے ہوئے ہو، یہ بھی نہ ہو تو وہ جو محض برأت کا اظہار کرے، اگر وہ بھی نہ ہو تو مخالف مسلک کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے مسلک میں صاحب تقویٰ ہو۔ اس کے بعد جو ہمارے مسلک پر گرفت نہ کرے اسے زکوٰۃ دی جائے اور اس کے بعد اسے دی جائے جس کی گرفت کم ہو اور اس کے بعد زیادہ گرفت کرنے والے کو دی جا سکتی ہے اور اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہو تو نصرانی، یا صابی یا یہودی یا مجوسی یا بت پرست کو دے دی جائے یعنی اس صورت میں کہ دہندہ کی قوت قریب ہو اور کوئی مستحق زکوٰۃ اس کے پاس نہ ہو اور نہ ہی بھیجنے کا کوئی ذریعہ ہو تو وہ ان میں سے جو بھی موجود ہو اسے دے دے[1]

اس تفصیل سے یہی معلوم ہوا کہ اباضیہ مسلک میں بھی مسلک سے باہر افراد کو زکوٰۃ دینا زیادہ سے زیادہ دشوار ہے۔

زیدیہ مسلک کے مجموع الفقہ الکبیر میں ہے کہ

زید بن علیؒ نے فرمایا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ قدریہ[2]، مرجئہ[3]، حروریہ[4] اور آل محمدؐ سے برسرپیکار

---

[1] شرح النیل، ج ۲، ص ۱۲۳۔

[2] القدریہ: وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ محض اتفاق ہوتا ہے اور اللہ کو اس کا پہلے سے علم نہیں ہوتا بلکہ بعد ہی میں علم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے یہ بات جہنی نے کہی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ قدریہ کے لفظ کا اطلاق معتزلہ پر بھی ہوتا ہے لیکن یہاں مراد پہلا ہی گروہ ہے اور گمان یہی ہے کہ امام زید کے زمانے میں یہ لوگ وجود میں آ چکے تھے۔

[3] المرجئہ: اولاً ان لوگوں کو کہا گیا جو فاسقوں کی وعید نہیں بیان کرتے تھے، پھر ان لوگوں کو کہا گیا جو ایمان بلا عمل کے قائل تھے اور یہ کہ گناہ سے ایمان پر اثر نہیں پڑتا جس طرح کہ حالت کفر میں اطاعت کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ویسے از روئے لغت ارجاء کے معنی تاخیر کے ہیں۔ یعنی ایمان کو عمل سے مؤخر کر دینا۔ اور غالباً یہی امام زید کی ہے۔

[4] حروراء کی طرف نسبت ہے جو کوفہ کے باہر ایک بستی تھی جہاں پہلے پہل خوارج جمع

(بقیہ آگے دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو نہ دو۔[1]

الروض النضیر میں ہے کہ مسلک امام یہ ہے کہ تاویل کی بنیاد پر فسق اختیار کرنے والے پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں ہے اور یہی قول الہادی، القاسم اور الناصر کا ہے۔

اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اغنیائکم کا خطاب مؤمنین سے ہے اور مقصود اس سے یہ ہے تاکہ زکوٰۃ کے مال سے ارتکاب معصیت میں مدد نہ ملے۔

لیکن سلف کی ایک جماعت جواز کی قائل ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں فضیل کی یہ روایت مروی ہے کہ انھوں نے ابراہیم نخعیؒ سے اصحاب اہوا کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: وہ بھی حاجتمند ہونے ہی کی بنا پر سوال کرتے ہیں؛

اور یہی رائے المؤید باللہ اور امام یحییٰ اور فقہائے احناف، اور شافعیہ کی ہے اس لیے کہ لفظ فقراء عام ہے اور اس لیے کہ زکوٰۃ عام مسلمانوں کے مالداروں سے لی جاتی ہے اور انہی کے فقراء پر تقسیم کی جاتی ہے۔

امام یحییٰ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ جس فاسق کے فسق عام مسلمانوں کو نقصان پہنچے اسے زکوٰۃ نہ دی جائے مثلاً محارب اور باغی وغیرہ کو اس طرح انھیں مسلمانوں کی ایذا رسانی میں امداد ہو جائے گی۔[2]

(بقیہ آگے) ہوئے، بعد ازاں ہر خارجی کو ضروری کہا جانے لگا انھیں محکمہ اور شراۃ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سب حضرت علیؓ اور حضرت عثمان کو کافر سمجھتے تھے۔

[1] جنھوں نے آل محمدؐ سے جنگ کی انھیں قتل کیا اور ان پر سختیاں کیں۔ یہ صورت حال خاندان سادات کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی پیش آتی رہی ہے بلاشبہ خاندان سادات کے ساتھ زیادہ سختیاں زیادہ ہوئی ہیں۔ لیکن اجتہادی مسائل میں ان کے اختلاف رائے پر اجماع کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور بعض مسائل اصول دین جن میں جانبین کا شبہ زیادہ قوی ہو تو وہ خارج نہیں ہے۔ الروض النضیر، ج ۲، ص ۸۹، ۹۰۔

[2] الروض النضیر، ج ۲، ص ۳۲۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث چہارم

کیا زکوٰۃ شوہر، والدین اور رشتہ داروں کو دی جا سکتی ہے؟

اگر دور کا رشتہ دار ہو اور اس کا نفقہ زکوٰۃ دہندہ کے ذمے نہ ہو، تو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے خواہ خود زکوٰۃ دے یا اپنی زکوٰۃ امام یا نائب کے توسط سے دلوائے یعنی تقسیم زکوٰۃ کے ادارے سے دلوائے اور خواہ فقراء کے حصہ سے دے یا مساکین کے حصے سے دے۔

قریبی رشتہ دار مثلاً والدین، اولاد، بھائی، بہن، چچا، اور پھوپھیوں کو زکوٰۃ دینے کے جواز کے بارے میں تفصیل ہے۔

اگر یہ قریبی رشتہ دار زکوٰۃ کا مستحق ہو اس لحاظ سے کہ عامل ہو، یا فی الرقاب یا الغارمین یا فی سبیل اللہ میں سے ہو، تو قریبی رشتہ دار کو زکوٰۃ دے سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ وہ زکوٰۃ کا اس طرح مستحق ہے کہ یہاں قرابت اثر انداز نہیں ہوتی جب کہ قریب پر قرابت کے حوالے سے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس کا تاوان ادا کرے یا اس کے فی سبیل اللہ کے اخراجات برداشت کرے۔ وغیرہ

اسی طرح اگر قریبی رشتہ دار ہو تو اس کے اخراجات سفر دیا جا سکتا ہے۔

مولفۃ القلوب کو انفرادی سطح پر دینا افراد کے لیے درست نہیں ہے اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں حکومت کا کام ہے۔

اگر قریبی رشتہ دار فقیر یا مسکین ہو تو کیا اسے زکوٰۃ کے فقراء اور مساکین کے حصے سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اس کے جواب کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ معطی (دہندہ) کون ہے؟

اگر زکوٰۃ تقسیم کنندہ امام یا اس کا نائب ہو یا ہماری جدید تعبیر کے لحاظ سے حکومت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت ہو، یعنی حکومت خود ہی زکوٰۃ لیتی اور تقسیم کرتی ہو تو وہ ہر حاجتمند اور صاحب استحقاق کو دے سکتی ہے خواہ حکومت جس کو دے وہ زکوٰۃ دہندہ کا بیٹا، یا باپ یا اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو[1] کیونکہ صاحب زکوٰۃ حکومت کو دے کر بری الذمہ ہو جاتا ہے اور اس کی تقسیم کی ذمے داری حکومت پر آجاتی ہے کہ ادائیگی کے بعد مالک کا کوئی صلہ اور رشتہ مالک سے نہیں رہا اب یہ مال اللہ اور مال مسلمین بن چکا ہے۔

اور اگر قریبی رشتہ دار فقیر یا مسکین ہو اور دینے والا خود ہی دے تو قرابت داری کے درجے کو دیکھنا لازمی ہے اگر فقیر دہندہ کا باپ یا اس کی ماں ہو یا بیٹا ہو یا بیٹی ہو اور اس کا نفقہ اس پر لازم ہو تو یہ دینا درست نہیں ہے۔

ابن المنذرؒ فرماتے ہیں۔ کہ فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ والدین کو دینا جائز نہیں ہے اس صورت میں کہ ان کا نفقہ اس کے ذمے ہو، کیونکہ انھیں زکوٰۃ دینے سے وہ اس کے نفقہ سے مستغنی ہو جائیں گے جس کا فائدہ خود اسی کو پہنچے گا اور یہ اپنی زکوٰۃ خود اپنے آپ کو دینا ہو جائے گا جو کہ جائز نہیں ہے جیسے کسی شخص کو اپنی زکوٰۃ سے اپنا قرض ادا کرنا جائز نہیں ہے[2] نیز اس لیے بھی کہ اولاد کا مال باپ ہی کا مال ہے، اسی لیے سنن اور مسند میں مختلف طریقوں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ — تُو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے[3] جیسا کہ قرآن نے بیٹوں کے گھروں کو باپ کے گھر تصور کیا ہے، اور فرمایا کہ لَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

---

[1] ابن العربی: احکام القرآن، ص ۹۶۵۔

[2] ابن قدامہ: المغنی، ج ۲، ص ۶۴۷۔

[3] تفسیر ابن کثیر: ج ۳، ص ۳۰۵ — اس حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں بسند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ تین طریقوں سے روایت کی ہے اور شیخ شاکر نے صحیح کہا ہے۔ دیکھیے احادیث نمبر ۶۶۷۸، ۶۹۰۲، اور ۷۰۰۱، ج ۱۱ و ۱۲۔ ابن ماجہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں، اور طبرانی نے سمرہ سے اور ابن مسعود سے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دیکھیے المناوی: التیسیر، ج ۱، ص ۳۷۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ (النور : ٦١) یہاں بیوت ابنائکم (تمھارے بیٹوں کے گھر)[1] مراد ہیں کیونکہ بقیہ رشتہ داروں کی طرح یہاں ان کا ذکر نہیں ہے اور اس لیے کہ انسان کا اپنے گھر سے کھانا ایسی بات نہیں ہے جس کے بارے میں کہا جائے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور ارشاد نبوت ہے۔

"آدمی کا پاکیزہ کھانا اس کا اپنے ہاتھ کا کسب ہے اور اس کا بیٹا بھی اس کا کسب ہے۔"[2]

اسی بنا پر فقہائے احناف نے کہا ہے کہ والدین اور اولاد کی املاک متصل ہیں، اس لیے دونوں میں سے اگر کوئی فقیر ہو تو اس کو دینا مکمل تملیک نہیں ہوگی بلکہ ایک طرح سے زکوٰۃ کا خود اپنے اوپر صرف کرنا ہوگا اور ان کے مابین اس مضبوط تعلق ہی کی بنا پر ایک کی دوسرے کے حق میں گواہی قابل قبول نہیں ہے۔[3]

اولاد کو زکوٰۃ دینا بھی درست نہیں ہے کہ وہ باپ کا ایک جز ہیں اور انھیں دینا بھی خود اپنے آپ کو دینا ہے اور اس پر اس حدیث سے کوئی اثر نہیں پڑتا جو بخاریؒ اور احمدؒ نے معن بن یزید سے روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ نے کچھ دینار نکالے اور مسجد میں موجود ایک شخص کو صدقہ دینے لگے، میں پہنچا اور میں نے لے لیے، میرے باپ بولے کہ میرا تمھیں دینے کا ارادہ نہیں تھا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ مسئلہ لے کر آیا تو آپ نے فرمایا۔ اے یزید تم نے جو نیت کی وہ تمھاری پوری ہوگئی اور اے معن جو تم نے لیا وہ تمھارا ہوگیا۔

---

[1] تفسیر القرطبی : ج ۱۲، ص ۳۱۴۔

[2] ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے اور اس کی سند کو ترمذیؒ نے حسن کہا ہے اور ابو حاتم نے صحیح کہا ہے، جیسا کہ التیسیر (ج ۱، ص ۳۱۱) میں ہے اور احمدؒ نے بھی اسی طرح کی روایت بسند صحیح نقل کی ہے، جو حدیث نمبر ۲۶۷۸ اور ۲۰۰۷ کا حصہ ہے۔

[3] بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۴۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نفلی صدقہ کا ذکر ہے اور فرض زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ شوکانی نے بیان کیا ہے[1]

اس کے برخلاف رائے صرف محمد بن الحسن سے مروی ہے اور شیعوں میں سے ابوالعباس سے یہ مروی ہے کہ والد اور والدہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اور متأخرین زیدیہ فقہاء نے اس کی تائید کی ہے، اور انھوں نے تمام اصول اور فصول اور تمام ذی رحم رشتہ داروں میں زکوٰۃ کی تقسیم کو جائز کہا ہے، اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ یہ رشتہ دار بھی فقراء اور مساکین کے عموم میں داخل ہیں اور کوئی خاص کر دینے والی نص موجود نہیں ہے[2]

جیسا کہ امام مالکؒ سے مروی ہے کہ ان کے نزدیک پوتوں کو اور پردادا اور پردادی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے[3]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن المنذر نے اور البحر نے جو اجماع نقل کیا ہے تو ان کے نزدیک یہ روایات صحیح نہیں ہیں کیوں کہ انھوں نے اس امر پر اجماع بیان کیا ہے کہ والد، والدہ، دادا اور دادی اور اسی طرح بیٹوں اور پوتوں کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے[4]

اس اجماع کی ابن المنذر نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ ان قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے سے اس پر لازم ان کا نفقہ ساقط ہو جائے گا جس کا فائدہ دہندہ کو پہنچے گا اور یہ خود اس کا اپنے آپ کو دینا ہو جائے گا۔

مگر ابن المنذر نے اس اجماع کی یہ شرط بیان کی ہے کہ جن قریبی رشتہ داروں کو دہندہ زکوٰۃ دے رہا ہے ان کا نفقہ اس پر لازم ہو۔ لیکن اگر یہ صورت نہ ہو مثلاً بیٹا تنگ دست ہو اور نصاب کا مالک ہو جائے اور اس میں اس پر زکوٰۃ عائد ہو جائے تو امام نوویؒ فرماتے

---

[1] نیل الاوطار: ج ۴، ص ۱۸۹۔

[2] الروض النضیر: ج ۲، ص ۴۲۱۔

[3] نیل الاوطار: ج ۲، ص ۱۸۹۔

[4] البحر الزخار: ج ۲، ص ۱۸۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ اگر بیٹا یا باپ فقیر یا مسکین ہو اور اس پر نفقہ لازم نہ ہو تو باپ اور بیٹا ایک دوسرے کو فقراء اور مساکین کے حصّہ سے زکوٰۃ دے سکتے ہیں، کہ اس صورت میں دہندہ مانند اجنبی ہوگا۔[1]

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر والد اور اس سے اوپر کی شاخ اور بیٹا اور اس سے نیچے کی شاخ فقیر ہوں اور زکوٰۃ دہندہ ان کے نفقہ سے عاجز ہو تو انھیں زکوٰۃ دے سکتا ہے کیونکہ زکوٰۃ کا مقتضا ضرورت اور فقر ہے جو یہاں موجود ہے اور کوئی شرعی مانع بھی موجود نہیں ہے۔

نیز ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں جو کہ مسلک احمدؒ میں ان کا ایک قول ہے کہ اگر ماں فقیر ہو اور اس کے چھوٹے بچے ہوں جن کے پاس مال ہو اور اس کے نفقہ سے بچوں کو نقصان ہو تو ان کی زکوٰۃ اسے دی جا سکتی ہے۔[2]

بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے والدین اور اولاد کے بارے میں جو امور بیان ہوئے وہی بیوی سے بھی متعلق ہیں۔ اسی لیے ابن المنذرؒ نے کہا ہے کہ فقہاء کا اس امر پر اجماع ہے کہ شوہر کا اپنی بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے جو اسے زکوٰۃ لینے سے مستغنی بناتا ہے، اس لیے اسے دینا بھی جائز نہیں ہے اور یہ ایسا ہی ہو جائے گا جیسے وہ زکوٰۃ بطور نفقہ دے دے۔[3]

نیز یہ کہ بیوی شوہر کا ایک حصّہ ہے فرمایا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا (الروم: ۳۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے

---

[1] المجموع: ج ۶، ص ۲۲۹۔

[2] اختیارات ابن تیمیہ، ص ۶۱، ۶۲۔

[3] المغنی: ج ۲، ص ۶۴۹، نیل الاوطار: ج ۴، ص ۱۸۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیویاں بنائیں۔

اور شوہر کا گھر اس کا گھر ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ (الطلاق : ۱)

نہ تم انھیں ان کے گھروں سے نکالو۔

اور بعض فقہاء نے جو کہا ہے کہ شوہر بیوی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے[1] تو یہ رائے قابلِ اعتبار نہیں ہے کہ فی الحقیقت شوہر کا بیوی کو دینا سیدھے ہاتھ سے دینے کر الٹے ہاتھ سے لینا ہے۔

کیا بیوی اپنے فقیر شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے؟ امام ابوحنیفہؒ اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک بیوی کا اپنے فقیر یا مسکین شوہر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ شوہر بھی بیوی کے لیے ہے اور شوہر کا اپنی فقیر بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اس لیے یہ بھی جائز نہیں ہے۔

لیکن بیوی کے دینے کو شوہر کے دینے پر قیاس کرنا نہ عقلاً درست ہے اور نہ نقلاً۔ از روئے عقل تو اس لیے کہ شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے اگرچہ بیوی مالدار ہو اور بیوی پر شوہر کا نفقہ لازم نہیں ہے اگرچہ شوہر تنگدست ہو۔ اور یہ یقیناً بہت بڑا فرق ہے[2]

ابن قدامہ جواز کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ شوہر کا نفقہ بیوی پر لازم نہیں ہے اس لیے بیوی ایک اجنبی کی طرح شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے، بخلاف شوہر کے بیوی کو زکوٰۃ دینے کے کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر لازم ہے۔ اور نیز اس لیے کہ اصول زکوٰۃ دینے کا جواز ہے اور شوہر ان اصناف کے عموم میں داخل ہے جو زکوٰۃ کی بیان کی گئی ہیں اور کوئی نص یا اجماع ایسا موجود نہیں ہے جو شوہر کے اس عموم کے داخل ہونے

---

[1] المجموع : ج ۶، ص ۲۲۹، ۲۳۰۔ نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۸۸۔ الروض النضید ج ۲، ص ۴۲۰۔

[2] الاموال، ص ۵۸۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مانع ہو، اور شوہر کو اس بات پر قیاس کرنا کہ چونکہ وہ بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اس لیے وہ لے بھی نہیں سکتا صحیح قیاس نہیں ہے اس لیے کہ ہر دو صورتوں میں فرق ہے اور اس طرح بیوی کا فقیر شوہر کو زکوٰۃ دینے کا جواز باقی اور ثابت ہے [1]

از روئے نقل دلیل یہ ہے کہ احمدؒ، بخاریؒ اور مسلمؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ زینب سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے خواتین، صدقہ کیا کرو، خواہ اپنے زیورات میں سے کرو، میں اپنے شوہر عبداللہ کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ آپ تنگدست ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا ہے۔ آپ جا کر پوچھیں کہ کیا میری طرف سے جائز ہے، ورنہ میں کسی اور کو دے دوں، عبداللہ بولے نہیں تم خود ہی جاؤ، چنانچہ میں گئی، دیکھا کہ ایک انصاری عورت باب نبوتؐ پر موجود ہے اور اس کا بھی وہی مسئلہ ہے جو میرا تھا، دربار رسالت کا ہم پر بڑا رعب تھا ــــ بلالؓ باہر آئے تو ہم نے ان سے کہا کہ وہ دربار نبوتؐ میں عرض کریں کہ دو عورتیں آئی ہیں اور یہ پوچھ رہی ہیں کہ کیا وہ اپنے شوہروں کو صدقہ دے سکتی ہیں اور ان یتیموں کو دے سکتی ہیں جو ان کی زیر پرورش ہوں، آپ یہ نہ بتلائیے کہ ہم کون ہیں، بلالؓ اندر گئے اور پوچھا، آپؐ نے فرمایا کہ ایک انصاری عورت ہے اور زینب ہیں، آپؐ نے پوچھا کہ کون سی زینب ہیں؟ بلالؓ نے عرض کی عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ دونوں کے لیے دو اجر ہیں رشتہ داری کا اجر اور صدقہ کا اجر۔ (احمدؒ، بخاریؒ، مسلمؒ)

بخاریؒ نے الفاظ کے تھوڑے سے فرق سے یہ روایت بیان کی ہے اور اس میں حضرت زینب کی جانب سے یہ الفاظ ہیں کہ

---

[1] المغنی: ج ۲، ص ۶۵۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا میری جانب سے یہ جائز ہے کہ میں اپنے شوہر پر خرچ کروں اور ان یتیموں پر خرچ کروں جو میرے زیر پرورش ہیں [1]

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے اور یہی قول ثوریؒ امام شافعیؒ اور ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا ہے اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی مروی ہے، اور الہادی الناصر اور المؤید باللہ کی یہی رائے ہے۔

اور مسئلہ کی یہ صورت صدقہ کو فرض صدقہ (زکوٰۃ) تصور کرنے کی شکل میں ہے جس کی المازری نے یقینی طور پر تائید کی ہے اور خود الفاظ حدیث کہ کیا میری طرف سے جائز ہے اسی پر دلالت کرتے ہیں، جب کہ بعض فقہا نے اس حدیث کو نفل صدقہ پر محمول کیا ہے کہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ خواہ تم اپنے زیورات میں سے دو، اور ان حضرات نے کیا میری طرف سے جائز ہے (ایجزئ عنی) کی یہ تاویل کی ہے کہ کیا اس ذریعے میں آگ سے بچ سکتی ہوں۔ گویا انھیں اندیشہ تھا کہ اگر اپنے شوہر کو یا تو ثواب ملنے اور عذاب سے محفوظ رہنے کا مقصود حاصل نہیں ہوگا۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ بظاہر بیوی کا اپنے شوہر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ

اوّلاً: اس میں کوئی مانع موجود نہیں ہے اور جو عدم جواز کا قائل ہو دلیل اسے پیش کرنی چاہیے۔

ثانیاً: نیز یہ کہ سوال میں تفصیل کو ترک کرنا عموم پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ نفلی صدقہ جائز ہے یا فرض صدقہ جائز ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ فرض اور نفل ہر دو صدقات جائز ہیں [2]

---

[1] نیل الاوطار: ج ۴، ص ۱۸۷-۱۸۸

[2] نیل الاوطار: ج ۴، ص ۱۸۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باقی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا

باقی رشتہ داروں مثلاً بھائی، بہن، چچا، پھوپی اور ماموں اور ممانی وغیرہ کو زکوٰۃ دینے کے جواز کے بارے میں فقہاء میں کافی اختلاف ہے بعض فقہاء کے نزدیک ان سب رشتہ داروں کو دینا جائز ہے، بعض کے نزدیک کسی کو بھی دینا جائز نہیں ہے اور بعض دیگر کے نزدیک کچھ رشتہ داروں کو دینا جائز ہے اور کچھ کو دینا جائز نہیں ہے۔

جن کے نزدیک ناجائز ہے ان کے درمیان عدم جواز کی وجہ میں اختلاف ہے۔

کسی نے یہ وجہ مدِ نظر رکھی کہ وہ قریبی رشتہ دار عملاً خاندان کا ایک حصہ ہو یعنی اگر زکوٰۃ دہندہ نے اسے اپنے گھر والوں میں شامل کیا ہوا ہے تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

کسی نے اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ حکومت نے اسے اس کے نفقہ کا پابند کر دیا ہو یعنی جس کا نفقہ عدالتی حکم کے ذریعہ دہندہ پر لازم ہو گیا ہو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

اور کسی نے اس امر کو مدِ نظر رکھا ہے کہ از روئے شریعت جس کا نفقہ مزکی (زکوٰۃ دہندہ) پر لازم ہے اسے زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے اور جس کا نفقہ شرعاً لازم نہیں ہے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اس بارے میں پھر یہ اختلاف ہے کہ کون سے رشتے دار قریبی رشتے دار ہیں کہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

ابو عبید بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم بن ابی حفصہ راوی ہیں کہ میں نے سعید بن جبیرؓ سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنی خالہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں تو انھوں نے کہا، ہاں تاوقتیکہ تم اس پر دروازہ بند نہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے عیال میں شامل نہ رہے۔

حسن فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زکوٰۃ ان رشتہ داروں کو دے سکتا ہے جو اس کے عیال میں شامل نہ ہوں۔

عطاء کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے رشتہ دار اس کے عیال میں شامل نہ ہوں جن کی وہ پرورش کرتا ہو تو محتاج رشتہ دار دوسروں کے مقابلے میں اس کی اعانت کے زیادہ مستحق ہیں۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اگر تم زکوٰۃ میں کسی ایسے شخص کو نہ دو جو تمہارے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیال میں شامل ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

عبدالرحمٰن اور ابن داؤد کا یہی مسلک ہے[1]

زیادہ مشہور رائے ان فقہاء کی ہے جنھوں نے ممانعت کی وجہ از روئے شریعت نفقہ کے لازم ہونے کو قرار دیا ہے، یعنی از روئے شریعت جس کا نفقہ لازم ہے اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور اس کی انھوں نے دو وجہ بیان کی ہیں۔

ایک یہ کہ جب اسے نفقہ مل گیا تو وہ خود غنی ہو گیا۔

دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دہندہ اسے زکوٰۃ دے کر خود فائدہ حاصل کرے گا کہ اس سے نفقہ ساقط ہو جائے گا[2]

یہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور امام احمدؒ کی بھی ایک روایت یہی زید بن علی، الہادی، القاسم الناصر اور المؤید باللہ کی رائے ہے۔ اگرچہ ان کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ قریبی رشتے دار کون کون سے ہیں جن کے نفقہ لازم ہیں۔

زید بن علی اور احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ "موروث کا نفقہ وارث پر ہے" اور امام زید نے کہا ہے کہ وہ شخص بھی اس کو زکوٰۃ نہیں دے گا جس کا نفقہ امام نے اس پر لازم کیا ہو۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام کس پر نفقہ لازم کر سکتا ہے؟ تو ان کی رائے یہ ہے کہ ہر وارث پر[3]

امام شافعیؒ کے نزدیک نفقہ صرف اصول پر لازم ہے خواہ وہ کتنے ہی بلند ہوں اور فروع کے لیے ہے خواہ وہ کتنے ہی نتیجے کے ہوں۔

نفقہ کے وجوب کے بارے میں امام مالکؒ کے مسلک میں سب سے زیادہ تنگی ہے کہ ان کے نزدیک صرف باپ پر اس کی مذکر اولاد کا نفقہ واجب ہے جو اس کی

---

[1] الاموال: ص ۵۸۲، ۵۸۳۔

[2] النووی المجموع، ج ۶، ص ۲۲۹، ابن العربی: احکام القرآن، ج ۲، ص ۹۶۰۔

[3] الروض النضیر، ج ۲، ص ۲۱۴۔ المغنی، ج ۲، ص ۶۴۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صُلب (پُشت) سے ہو، یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائیں[1] اور اس کی بچیوں کا نفقہ اس وقت تک لازم ہے جب تک ان کی شادیاں ہوجائیں اور اپنے شوہروں کے پاس جاچکی ہوں، بخلاف پوتے کے کہ اس کا نفقہ دادا پر لازم نہیں ہے جس طرح کہ ان پر ان کے دادا کا نفقہ لازم نہیں ہے۔ فقیر ماں باپ کا نفقہ بیٹے پر لازم ہے جس طرح کہ شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے اور اس کے ایک (خادم) ملازم کا خرچہ بھی لازم ہے لیکن بھائی، بہن ذی قرابت اور ذی رحم رشتہ دار کا نفقہ لازم نہیں ہے[2] اس لحاظ سے جن فقہاء نے والدین اور اولاد کو قریبی رشتہ داروں میں شمار کیا ہے ان کے نزدیک مسلک مالکیہ میں انھیں زکوٰۃ دینا جائز ہے[3]

رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے کے جواز کے قائل فقہاء

دیگر فقہاء کے نزدیک رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، سوائے ان فقہاء کے جن کے نزدیک والدین اور اولاد مستثنیٰ ہیں ان میں سے بعض کے نزدیک نفقہ قریبی رشتہ دار پر الزام اور اجبار (لازمی اور جبری) کے طور پر ماننہیں ہوتا بلکہ بطور صلہ اور حسن سلوک لازم ہوتا ہے، اور بعض کے نزدیک نفقہ لازم ہوتا ہے لیکن یہ لزوم ادائے زکوٰۃ سے مانع نہیں ہوتا۔ اور یہ امام ابوحنیفہؒ ان کے اصحاب اور امام یحییٰ کا مسلک ہے اور یہی امام احمدؒ کی ظاہر روایت ہے، اور

---

[1] شیخ علیش مالکی سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی طالب علم بالغ ہو اور کسب پر قادر ہو، کیا اسے اس کا باپ اپنے مال کی زکوٰۃ دے سکتا ہے، تو انھوں نے کہا کہ جائز ہے۔ کیوں کہ اس کے بالغ اور کسب پر قادر ہوجانے کے بعد اس پر اس کا نفقہ لازم نہیں رہا ہے اور وہ علم میں مشغول ہونے کی بنا پر زکوٰۃ کا مستحق ہوگیا ہے۔ فتح العلی المالک: ج ۱، ص ۱۲۹۔

[2] المدونۃ الکبریٰ: ج ۱، ص ۲۵۶، سنہ ۱۳۲۴ھ

[3] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ان سے ایک جماعت نے یہی رائے نقل کی ہے، اور ایک روایت میں اسحاق بن ابراہیم اور اسحاق بن منصور کا بھی نام لیا ہے اور ان سے جب پوچھا گیا کہ کیا بھائی بہن اور خالہ کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ ماسوا والدین اور بیٹے کے ہر رشتہ دار کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ یہی اکثر فقہاء کی رائے ہے۔ اور یہی ابوعبید نے کہا ہے اس لیے کہ فرمان نبوتؐ ہے کہ

"مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہے اور ذی رحم کو صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے"[1]

آپؐ نے اس فرمان میں نفل اور فرض کی کوئی شرط نہیں لگائی اور وارث وغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا اور نیز اس لیے کہ یہ رشتہ دار اجنبی کے مشابہ ہیں[2]

ابن ابی شیبہ نے اور ابو عبید نے یہی رائے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے نقل کی ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے رشتہ دار محتاج ہوں تو وہ انھیں زکوٰۃ دے گا۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ نے ان سے اپنے زیورات کی زکوٰۃ کے بارے میں سوال کرتے ہوئے کہا۔ کیا میں یہ زکوٰۃ اپنے یتیم بھتیجوں کو دے سکتی ہوں جو میری نگرانی میں ہیں، انھوں نے کہا کہ ہاں۔

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ میری زکوٰۃ کا مستحق میری زیر پرورش یتیم اور میرا قریبی رشتہ دار ہے۔

حسن سے کسی نے پوچھا کہ کیا میں اپنے بھائی کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں، انھوں نے کہا کہ بڑی خوشی سے۔

---

[1] ماسوا ابوداؤد کے پانچوں محدثین نے روایت کیا ہے۔

[2] المغنی، ج ۲، ص ۶۴۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابراہیم سے پوچھا گیا کہ ایک عورت کے پاس کچھ مال ہے کیا وہ اس کی زکوٰۃ اپنی بہن کو دے دے انھوں نے فرمایا، ہاں۔

ضحاک کہتے ہیں کہ تمہارے تنگدست رشتہ دار تمہاری زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں۔

مجاہد کہتے ہیں کہ جب اپنا ذی رحم رشتہ دار محتاج ہو تو کسی اور کو زکوٰۃ دینی قبول نہیں ہوتی۔[1]

موازنہ اور ترجیح صحابہ کرام تابعین اور بعد کے فقہائے کرام کے ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے کے جواز کے بارے میں جو والد اور بیٹے کے علاوہ ہوں اقوال ذکر کرنے کے بعد ہم اس رائے کو ترجیح دیتے ہیں جس کو ابو عبید نے ترجیح دی ہے۔

اور اس ترجیح کے یہ دو دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: فقراء کو زکوٰۃ دینے کے حکم پر مشتمل نصوص عام ہیں اور ان میں قریب اور اجنبی کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مثلاً آیت صدقات (اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ) اور یہ حدیث کہ ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقیروں پر صرف کی جائے گی یہ عموم تمام رشتہ داروں کو شامل ہے اور کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ خاص ہو جائیں اور اس عموم سے خارج ہو جائیں بخلاف بیوی، والدین اور اولاد کے کہ ان رشتہ داروں کی تخصیص بذریعہ اجماع ہوئی جس کا ذکر ابن المنذر ابو عبید اور ابر کے مصنف نے کیا ہے اور جس کے دلائل ہم نے ذکر کیے ہیں۔

دوسری دلیل: صدقہ کے بارے میں رشتہ داروں کو خصوصی طور پر شامل رکھنے کے بارے میں احادیث موجود ہیں مثلاً یہ فرمان نبوت ﷺ

"مسکین پر صدقہ، صدقہ ہے اور ذی رحم رشتہ دار پر صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔"[2]

صدقہ کا اطلاق جیسا کہ بیان ہوا یہاں زکوٰۃ ہی پر ہے۔

---

[1] یہ اقوال دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۴، ص ۴۷، ۴۸۔ الاموال ص ۵۸۱، ۵۸۲۔

[2] احمدؒ، نسائیؒ، ترمذیؒ، ابن حبانؒ، حاکم، دار قطنی، اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ نیل الاوطار: ج ۴، ص ۱۸۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا۔ کہ

"سب سے عمدہ صدقہ اپنے بہت ہی قریبی رشتہ دار کو جو آپ کے ساتھ اپنے دل میں دشمنی رکھتا ہو کو صدقہ دینا ہے"[1]

طبرانی اور بزاز نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے (وہی حدیث جو ہم پہلے بروایت احمد بخاری و مسلم نقل کر چکے ہیں) کہ ——— اُن کی اہلیہ نے حضرت بلالؓ سے کہا کہ نبیؐ کو ایک مہاجر عورت کا سلام کہنا اور انھیں نہ بتانا اور ان سے یہ پوچھنا کہ "کیا وہ اپنے شوہر کو صدقہ دے دے جو مہاجر ہے اور اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور اس کے یتیم بھتیجے اس کے زیرِ کفالت ہیں ——— بلال خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو دہرا اجر ملے گا، رشتہ داری کا اجر اور صدقہ کا اجر"[2]

اصول فقہ اسلامی ISLAMIC JURISPRUDENCE کے ماہرین نے ایک اصول بیان کیا ہے کہ جہاں تفصیل کا احتمال موجود ہو اور اس کا بیان نہ کیا جائے تو وہ بات عموم پر دلالت کرتی ہے۔

اب رہ گیا یہ اشکال کہ زکوٰۃ دہندہ کا اپنے رشتہ دار کو زکوٰۃ دینا خود اس کے حق میں

---

[1] احمد نے روایت کی ہے اور طبرانی نے ابوایوب سے روایت کی ہے اور ان دونوں نے حکیم بن حزام سے بھی روایت کی ہے، اور اسے مجمع الزوائد میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ اور الطبرانی نے الکبیر میں ام کلثوم بنت عقبہ سے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ الروض النضیر، ج ۲، ص ۴۲۲۔

[2] طبرانی نے اس روایت کو اوسط میں نقل کیا ہے اور اسی کے مثل البزار نے روایت کی ہے جس میں حجاج بن نصر ہے اور جسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اگرچہ اس میں کلام ہے اور بزاز کی روایت کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۱۶۔ صحیح ابن حبان میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ الروض النضیر، ج ۲، ص ۴۲۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باعث منفعت بن جائے گا اور اس کے اوپر سے نفقہ کا حق ساقط ہو جائے گا تو اس حق کو بیوی اولاد اور والدین کے لحاظ سے مدِ نظر رکھا جائے گا۔ اس لیے کہ ان کے درمیان منفعتیں ملی ہوئی ہوتی ہیں، وہ مال میں باہم شریک ہوتے ہیں اور کتاب و سنّت کے ذریعے ان کا نفقہ واجب ہے۔

باقی رشتہ داروں کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ ان کا نفقہ کسی شخص پر اس وقت لازم ہوتا ہے جب بیت المال میں زکوٰۃ فئے خمس اور دیگر اموال موجود نہ ہوں تو ایسی صورت میں قریبی فراخ دست رشتہ دار پر نفقہ لازم ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس رشتہ دار کو بھوکا ننگا نہیں چھوڑا جا سکتا۔

اسی طرح اگر ایسی اسلامی حکومت موجود نہ ہو جو زکوٰۃ جمع کرنے اور پھر فقراء کی زندگی کی ضمانت قبول کرنے پر تیار ہو تو ظاہر ہے کہ قریبی مالدار شخص پر اپنے فقیر رشتہ دار کی کفایت کرنا لازم ہوگا، اور اسے بھوک اور درماندگی کا شکار نہیں چھوڑا جائے گا۔ اور اس امر میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنی اس ذمے داری کو زکوٰۃ کی مد سے پورا کر دے۔ کیونکہ اصل فرض یہ ہے کہ قریبی رشتہ دار کی خبر گیری کی جائے، اس کی بھوک کا مداوا کیا جائے اور اس کی تکالیف دور کی جائیں تاکہ صلہ رحمی کے تقاضے پورے ہوں اور اس کے حقوق ادا ہو جائیں، اور ظاہر ہے کہ وہ بھی فقراء پر صرف کرے گی جن میں یہ بھی شامل ہوں گے۔ گویا حکومت کے اس ذمے داری کو پورا نہ کرنے کی صورت میں ہر مسلمان فرد اس ذمے داری کو خود پورا کرے گا اور امام کی نیابت کے طور پر اپنے قریبی رشتہ داروں کی کفالت اور کفایت کرے گا اور جس زکوٰۃ کو جمع کرنا اور تقسیم کرنا امام کی ذمے داری تھی اس ذمے داری کو وہ خود پورا کرے گا۔

علاوہ بریں بعض فقہاء کے نزدیک کسی رشتہ دار کے نفقہ کے لزوم میں اور اسے زکوٰۃ دینے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور ان کے نزدیک چند شرائط کے ساتھ نفقہ بھی لازم ہے اور انہی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔

اور یہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی رائے ہے کہ ان کے نزدیک نفقہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا لزوم زکوٰۃ دینے سے مانع نہیں ہے بلکہ اصل مانع یہ ہے کہ زکوٰۃ دہندہ اور جسے زکوٰۃ دی جارہی ہے دونوں کی ملکیتوں کے منافع باہم ایک ہوں اور اس طرح تملیک وجود میں نہ آئے جو کہ ان کے یہاں زکوٰۃ کا رکن ہے، اور یہ الیسی صورت ہوجائے گی جیسے زکوٰۃ دہندہ نے خود اپنے آپ کو زکوٰۃ دی ہو۔ اور یہ صورت صرف ایک انسان، اس کی اولاد، اس کے والدین میں ہی پیش آتی ہے، اور اسی وجہ سے ان کی ایک دوسرے کے حق میں شہادت قابل قبول نہیں ہے بخلاف باقی رشتہ داروں کے کہ انھیں دینے سے تملیک مستحق ہوجاتی ہے، کیونکہ ان کی ملکیتوں کے منافع جدا جدا ہیں اور اسی بنا پر ان کے ایک دوسرے کے حق میں شہادت بھی درست ہے [1]

متاخرین زیدیہ میں سے الروض النضیر کے مصنف کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے سے اس کا جو نفقہ دہندہ پر لازم آئے گا وہ ساقط ہوجائے گا تو یہ وجہ اس لیے قابل قبول نہیں ہے کہ یہ احادیث کے معارض ہے جن میں رشتہ داروں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ وجہ اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ نفقہ وقتاً فوقتاً لازم ہوتا ہے اور زکوٰۃ دینے سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا [2]

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اصل عدم مانع ہے (کسی مانع کا وجود نہ ہونا اصل ہے) اگر کوئی کہتا ہے کہ قرابت یا نفقہ کا وجوب مانع ہے تو اُسے دلیل دینی چاہیے اور کوئی دلیل موجود نہیں ہے [3]

---

[1] بدائع الصنائع: ج ۲، ص ۴۹، ۵۰۔
[2] الروض النضیر: ج ۲، ص ۲۳۴۔
[3] نیل الاوطار: ج ۴/ص ۱۸۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث پنجم

آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آلِ محمدؐ پر صدقہ کے حرام ہونے کے بارے میں احادیث | احمد اور مسلم نے روایت

کیا ہے کہ مطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپؐ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپؐ ہمیں بھی صدقات کا کام دے دیں۔ اور ہم بھی اس سے وہی فائدہ اٹھائیں جو لوگ اٹھاتے ہیں اور جس طرح وہ آپ کو لا کر دیتے ہیں ہم بھی آپؐ کو لا کر دے دیں، آپؐ نے فرمایا کہ محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے لیے صدقہ موزوں نہیں ہے کہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہے۔

اور ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ صدقہ محمدؐ کو اور آلِ محمدؐ کو حلال نہیں ہے[1]

ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور ترمذیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ ابو رافع جو آپؐ کے خادم (مولیٰ) تھے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو والی بنایا، اس نے ابو رافع سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ آجاؤ تمہیں بھی حصہ ملے گا، میں نے کہا کہ میں آپؐ سے اجازت لے لوں، میں نے آپؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا گھر کا خادم بھی خاندان کا ایک فرد ہوتا ہے اور ہم اہل بیت کو صدقہ حلال نہیں ہے[2]

امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے (باب مایذکر فی الصدقۃ للنبیؐ وآلہ) روایت کیا

---

[1] نیل الاوطار: ج ۴، ص ۱۷۵۔

[2] المجموع: ج ۶، ص ۱۶۷/ ۱۶۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ حسنؓ بن علیؓ ابھی بچے ہی تھے انھوں نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی، آپؐ نے فرمایا تھو تھو تاکہ وہ منہ سے نکال دیں اور فرمایا تمھیں نہیں معلوم کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے؟ مسلم نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

حافظ نے مسلم کی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ "ہمیں صدقہ حلال نہیں ہے" اور معمر کی روایت میں ہے کہ "آل محمدؐ کو صدقہ حلال نہیں ہے"۔

اسی طرح احمدؒ اور طحاوی نے خود حسنؓ بن علیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا کہ میں نے کھجور کی ایک کھلیان سے کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی، آپؐ نے اسے تھکوا دی اور اس کا پانی تک تھکوا دیا اور فرمایا کہ ہم آل محمدؐ کو صدقہ حلال نہیں ہے"۔ اس روایت کی سند قوی ہے[1]

یہ تمام مذکورہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آل محمدؐ کون ہیں؟ کون سا صدقہ انھیں حلال نہیں ہے؟ ان دونوں امور میں فقہاء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل ہم یہاں بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد راجح رائے بیان کریں گے۔

آل محمدؐ کون ہیں؟ حافظ (ابن حجر) نے الفتح میں اور شوکانی نے النیل میں اختلاف فقہاء کا ذکر اس طرح کیا ہے[2]

امام شافعیؒ اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو مطلب آل محمدؐ ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ذوی القربیٰ کے حصے میں بنی ہاشم کے ساتھ بنی المطلب کو بھی شامل فرمایا اور ان کے علاوہ قریش کے کسی اور قبیلہ کو یہ حصہ نہیں دیا، اور یہ حصہ عوض تھا صدقہ کے حصہ سے محرومی کا جیسا کہ امام بخاریؒ نے حضرت جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے کہ وہ

---

[1] الفتح: ج ۳، ص ۲۲۸۔

[2] فتح الباری: ج ۳، ص ۲۲۷۔ نیل الاوطار: ج ۴، ص ۱۸۲، ۱۸۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان کرتے ہیں کہ

وہ اور عثمانؓ بن عفان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے خمس خیبر میں سے بنوالمطلب کو حصہ دیا اور ہمیں چھوڑ دیا، حالانکہ ہم اور وہ ایک ہی درجے میں ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنوالمطلب اور بنوہاشم ایک ہی شئے ہیں۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بنوالمطلب اور بنوہاشم کو آپ نے اپنی موالات (ساتھ دینے) کی بنا پر دیا تھا، صدقہ کے معاوضہ کے طور پر نہیں دیا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور صادویہ مسلک کے فقہا کی رائے یہ ہے کہ صرف بنوہاشم ہی آل محمدؐ ہیں۔ امام احمدؒ سے بنوالمطلب کے بارے میں دو اقوال ہیں (کہ آل محمدؐ ہیں اور یہ کہ آل محمدؐ نہیں ہیں)۔

دیگر فقہا کا یہ قول ہے کہ بنوغالب بن فہر مراد ہیں، جیسا کہ الفتح میں ہے۔

بنی ہاشم سے مراد حضرت علی، حضرت عقیل، حضرت جعفر، حضرت عباس اور حرث کی اولاد ہیں اور ابولہب کی اولاد ان میں داخل نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی حیاتِ طیبہ میں اسلام نہیں لایا تھا۔ لیکن جامع الاصول میں ہے ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور معتب فتح مکہ کے موقع پر اسلام لے آئے تھے اور آپ نے ان کے اسلام پر اظہار مسرت فرمایا، ان کے لیے دعا کی، اور یہ دونوں آپ کے ساتھ حنین اور طائف کے معرکوں میں شریک ہوئے اور ان کی اولاد چلی۔

ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ حلال نہیں ہے، اور یہ کہ ابوطالب اہل بیت سے ہیں، اس قول کو البحر میں بھی نقل کیا گیا ہے اور ابن ارسلان نے اس کو اجماع کے طور پر بیان کیا ہے۔

الطبریؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے جواز نقل کیا ہے کہ اگر انہیں ذوی القربیٰ نہ مل رہا ہو تو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ اس قول کو طحاوی نے بھی نقل کیا ہے۔ اور مالکی مسلک کے بعض فقہاء نے الابھری سے ان کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ اور الفتح میں کہا ہے کہ یہی رائے مسلک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شافعیؒ کے بعض فقہاء کے نزدیک درست ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے یہ رائے منقول ہے کہ اہل بیت ایک دوسرے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، اور البحر میں زید بن علی، المرتضیٰ ابوالعباس اور امامیہ فقہاء کا یہی قول نقل کیا گیا ہے اور الشفاء میں ابن الہادی اور ابن القاسم العیانی کا یہی قول درج ہے۔

حافظ (ابن حجر) کہتے ہیں کہ مالکی مسلک کے فقہاء کے یہاں اس سلسلے میں چار اقوال ہیں۔ کہ جائز ہے۔ ناجائز ہے، نفل صدقہ جائز ہے زکوٰۃ جائز نہیں ہے اور زکوٰۃ جائز ہے نفل صدقہ جائز نہیں ہے۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ جو احادیث عموم کے ساتھ حرمت پر دلالت کرتی ہیں وہ ان سب اقوال کو رد کرتی ہیں، جبکہ کہا گیا ہے کہ یہ احادیث معناً متواتر ہیں اور ان آیات سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اگر آپؐ زکوٰۃ اپنی آل کے لیے جائز رکھتے تو یہ طعن (الزام) کا ایک سبب بن سکتا تھا۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

(الشوریٰ : ۲۳)

کہہ دو کہ میں اس کام پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں البتہ قرابت کی محبت ضرور چاہتا ہوں۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ (ص : ۸۶)

(اے نبیؐ) ان سے کہہ دو کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ : ۱۰۳)

(اے نبیؐ) تم ان کے اموال میں صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور نیکی کی راہ میں انھیں بڑھاؤ۔

اور آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وزکوٰۃ لوگوں کا میل کچیل ہے۔" (مسلم)[1]

جن فقہاء نے کہا ہے کہ ہاشمی، ہاشمی سے زکوٰۃ لے سکتا ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے الحاکم کی تخریج کردہ حضرت عباسؓ کی اس حدیث کو دلیل بنایا ہے جسے انھوں نے علوم الحدیث کی سینتیسویں نوع میں ذکر کیا ہے اور اس کی پوری سند بنی ہاشم کی ہے کہ

"حضرت عباس بن عبدالمطلب نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ نے فرمایا، ہاں"

اس حدیث کے بعض راوی "متہم" کہے گئے ہیں۔

ابن حجرؒ اور شوکانیؒ کے ان اقوال کے بعد میں یہاں پر مسالکِ اربعہ کی کتب سے اتمام فائدہ کے لیے مزید اقوال نقل کرتے ہیں۔

فقہ حنفی کی کتاب مجمع الانہر میں ہے کہ

امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اہلِ بیت کو نفلی اور فرض صدقہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور انھیں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

امام محمدؒ کے آثار میں ہے کہ امام سے ہر دو روایات ہیں اور ہم جواز کے قائل ہیں کیونکہ تحریم کا تعلق زمانۂ نبوتؐ سے تھا۔

المنتقی میں ہے کہ امام سے یہ مروی ہے کہ ہاشمی، ہاشمی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ اور

---

[1] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے نفل صدقہ کا جواز مستنبط ہوتا ہے نہ کہ فرض کا، جو کہ اکثر فقہائے احناف کا مسلک ہے اور جسے مسلک شافعیؒ اور حنبلیؒ کے فقہاء نے صحیح کہا ہے۔ اور اس کے برعکس یعنی فرض جائز ہے اور نفل جائز نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض سے کوئی ذلت لازم نہیں آتی بخلاف نفل کے۔ اور بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ ممانعت کا سبب یہ ہے کہ ادنیٰ کا اعلیٰ پر بلند نہ ہو، لیکن اگر اعلیٰ کا اعلیٰ پر بلند ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ الفتح ج ۳، ص ۲۲۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی سے ہمارے زمانے میں مطلق جواز کی رائے لی گئی ہے، الطحاوی کہتے ہیں کہ یہی ہماری رائے ہے اور قستانی وغیرہ نے اسی کی تائید کی ہے[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ بنی ہاشم، بنی ہاشم سے زکوٰۃ لے سکتے ہیں[2] اور یہی رائے مسلک جعفری کی بھی ہے[3]

ان مسالک میں سب سے سخت رائے مسلک زیدیہ کے فقہاء کی ہے کہ ان کے نزدیک ہاشمی کا ہاشمی کو زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں ہے اور ان کے نزدیک ہاشمی کا مردار کھالینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت زکوٰۃ کھانے کے، اور اگر مردار کھانے سے اُسے نقصان کا اندیشہ ہو تب وہ زکوٰۃ قرض کے طور پر لے سکتا ہے اور جب ممکن ہو اسے واپس کر دے۔ اور یہ مسئلہ اس مضطر (مجبور) سے متعلق ہے جو تلف ہو جانے، ہلاک ہو جانے اور بھوک پیاس سے مر جانے کے قریب ہو[4]

غنائم اور فئے سے محرومی کی صورت میں حکم

یہاں ایک اہم سوال یہ درپیش ہے کہ اگر بیت المال میں غنیمت اور فئے کا مال نہ ہو، یا بیت المال ایسے لوگوں کے قبضہ میں ہو جو اہل بیت کو اس میں سے نہ دے.... تو مسلک مالکؒ کے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ انھیں زکوٰۃ کے نہ دینے کا حکم اسی صورت میں ہے جب انھیں بیت المال سے ان کا حق مل رہا ہو، اگر بیت المال سے ان کا حق نہ ملے اور کم مائیگی انھیں پریشان کرے تو انھیں زکوٰۃ میں سے دیا جا سکتا ہے پھر اس میں بہتر یہ ہے کہ ہاشمی ہاشمی کو زکوٰۃ دے۔

---

[1] مجمع الانہر: بہامشہ درالمنتقی: ص ۲۲۴۔

[2] مطالب اولی النہی: ج ۲، ص ۱۵۷۔

[3] فقہ الامام جعفر: ج ۹، ص ۹۴، ۹۵۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مستحب زکوٰۃ تمام لوگوں کی طرف سے جائز ہے، جیسے زکوٰۃ تجارت جائز ہے، علاوہ گندم، جو، چھوارا اور کشمش فصلوں اور پھلوں میں سے۔

[4] شرح الازھار وحواشیہ: ج ۱، ص ۵۲۰، ۵۲۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض فقہاء کے نزدیک یہ اعطاء (زکوٰۃ کا دینا) ضرورت کے ساتھ مقید ہے اور ضرورت (اضطرار) کی وہ حالت ہے جب اکل میتہ حلال ہو جائے۔ اس تعبیر کا مطلب یہ ہوا کہ تحریم باقی ہے اور ضرورت کے وقت جائز ہے، جیسا کہ حالتِ اضطرار میں دوسرے محرمات جائز ہو جاتے ہیں۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ بعد کے زمانوں میں یقین کمزور پڑ گیا ہے، اس لیے انھیں زکوٰۃ دینا زیادہ سہل ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ (ہاشمی) کسی ذمی کافر اور فاجر کی خدمت کریں۔[1]

فقہائے احناف کے اقوال ہم نقل کر چکے ہیں۔

فقہائے شافعیہ میں سے ابوسعید اصطخری کہتے ہیں کہ اگر انھیں ان کا خمس کا حق نہ دیا گیا ہو تو انھیں زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ جب وہ خمس الخمس میں سے اپنے حصہ سے محروم ہیں تو انھیں زکوٰۃ میں سے دیا جانا جائز ہے۔

امام نوویؒ امام رافعیؒ سے ذکر کرتے ہیں کہ امام غزالیؒ کے صاحب (تلمیذ) محمد بن یحییٰ کا یہی فتویٰ تھا۔[2]

اسی طرح ابن تیمیہؒ، حنابلہ میں سے قاضی یعقوب نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ اگر انھیں غنائم اور فتے کا خمس نہ ملے تو انھیں زکوٰۃ لینا جائز ہے اس لیے کہ یہ محل حاجت اور ضرورت ہے۔[3]

اور یہی امامیہ اور جعفریہ کا مسلک ہے۔[4]

بہرحال جمہور فقہاء اس امر پر متفق نہیں ہیں کہ بنی ہاشم کو (صرف انھیں یا بنی المطلب

---

[1] حاشیۃ الصاوی: ج ۱، ص ۲۳۲۔ فتح العلی المالک، ج ۱، ص ۱۴۱۔

[2] المجموع: ج ۶، ص ۲۲۷، ۲۲۸۔

[3] مطالب اولی النہی: ج ۲، ص ۱۵۷۔

[4] فقہ الامام جعفر: ج ۲، ص ۹۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو بھی) زکوٰۃ دی جاتے، اگرچہ انھیں خُمس نہ ملے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ سے انھیں اس لیے محروم رکھا گیا ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عزت حاصل ہے۔[1]

موازنہ اور ترجیح میری رائے یہ ہے کہ موجودہ دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کو دینا زیادہ بہتر اور عمدہ ہے کیونکہ اب وہ غنائم اور فَے کے خُمس سے محروم ہیں جس کے ذریعے عہدِ نبوت میں اللہ نے ان کی صدقہ سے محرومی کا بدل پیدا فرما دیا تھا۔

'ذوی القربیٰ' کے حصّہ کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

(الانفال : ۴۱)

اور تمھیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصّہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ

(الحشر : ۷)

جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔ تاکہ وہ تمھارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

---

[1] المجموع : ج ۶، ص ۲۲۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کہنا کہ ذوی القربیٰ پر زکوٰۃ لینا اس لیے حرام ہوئی ہے کہ وہ شرف والے ہیں، زیادہ مضبوط رائے نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع فرمایا اور آپ کی نصرت (مدد) کی اور مسلم اور کافر اس میں شریک رہے اور اس سے امام شافعیؒ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ بنی المطلب بھی اس حکم میں بنی ہاشم میں شامل ہیں، کیونکہ ان سب نے بھوک اور تکلیف برداشت کی اور شعب (ابی طالب) میں محصور رہے، قریش کا مقابلہ اور ان کا مقاطعہ برداشت کیا۔

اب اگر ذوی القربیٰ کا حصہ کسی وجہ سے انھیں نہ ملے، مثلاً بیت المال خالی ہو، یا حکام اس پر قابض ہوں تو لازم ہے کہ انھیں زکوٰۃ سے محروم نہ رکھا جائے، ورنہ ان کی یہ خوبی ان کے لیے باعث مضرت بن جائے گی۔

اگرچہ بیشتر فقہا۔ اس امر کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ذوی القربیٰ کا حصہ ختم ہوگیا ہے اور آپ کے بعد یہ حصہ خلیفہ کے قرابت داروں کا حصہ بن گیا یا اسے جہاد میں صرف کیا جائے[1] تو اس صورت میں اس کا عوض یعنی زکوٰۃ بحال ہونا چاہیے۔

اس کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ فقہا نے جن احادیث سے اس

---

[1] ابو عبیدؒ اور ابو یوسفؒ نے الخراج میں اور ابن جریرؒ نے آیت انفال کی تفسیر میں حسن بن محمد بن الحنفیہ سے نقل کیا ہے کہ آپ سے سہم رسولؐ اور سہم ذوی القربیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان دونوں حصوں میں اختلاف ہوگیا۔ اور کچھ لوگوں نے کہا کہ قرابت داروں کا حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا ہے اور کسی نے کہا کہ یہ خلیفہ کے قرابت داروں کا ہے اور بعد ازاں اس امر پر اجماع ہوگیا کہ ان دونوں حصوں کو فی سبیل اللہ جہاد کی تیاری پر صرف کیا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں یہی طریقہ رہا۔ الاموال ص ۳۳۲، بدایۃ المجتہد ص ۳۹۰، ۳۹۱۔ بلکہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے بھی یہی طریقہ برقرار رکھا (الاموال۔ ایضاً)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امر پر استدلال کیا ہے کہ تا قیامت بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے وہ احادیث قطعی الدلالت نہیں ہے، جبکہ بعض فقہاء نے بنی ہاشم کے زمرے میں بنو المطلب کو بھی شامل کیا ہے اور ان کے غلاموں اور آزاد کردہ غلاموں کو بھی شامل کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان احادیث پر اگر تقلید سے بالاتر ہو کر اور فقہاء کی جلالت شان کے تاثر سے نکل کر نظر ڈالی جائے تو ہمارے سامنے حقیقت اس کے برعکس آتی ہے جو فقہاء نے راستے اختیار کی ہے۔

۱) مطلب بن ربیعہ کی حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بنی ہاشم کے دو نوجوانوں نے یہ ارادہ کیا کہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقات کا والی مقرر کر دیں اور وہ بھی اس سے اور لوگوں کی طرح مستفید ہوں آپؐ نے ان پر یہ دروازہ بند کر دیا اور آپؐ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپؐ کے آل بیت اور آپؐ کے اقارب لوگوں کے لیے قربانی اور خرچ کرنے میں نمونہ بنیں، غنیمت اور حصول منفعت میں نمونہ بنیں۔ چنانچہ آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر انھیں سدانت (کعبۃ اللہ کی نگرانی) اور سقایت (پانی پلانے کی خدمت) کی خدمت سپرد کی اور فرمایا کہ میں تمھیں وہ کام دیتا ہوں جس سے تمھیں مشقت ہو ایسا کام نہیں دیتا جس سے تم دوسروں کو مشقت میں ڈالو۔[1]

صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں (ترجمہ)

"صدقہ آل محمدؐ کے لیے موزوں نہیں ہے"

اور یہ الفاظ کراہت تنزیہ اور اس عمل سے دور رکھنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں تاکہ ناجائز سے لینے کی تہمت کا نشانہ نہ بنیں جیسا کہ ابن اللتبیہ نے کیا تھا۔ اسی لیے حضرت ابو عبادۃ بن الصامت وغیرہ نے صدقات کی ولایت کے قبول کرنے سے انکار کیا کہ اس میں ناجائز کام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ موجود تھا۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام: ج ۴، ص ۳۲ ۔ بتحقیق محمد یحییٰ الدین عبد الحمید۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال صدقات کے کام کی ذمے داری کا تعلق چونکہ اجتماعی مال سے ہے اور یہ محتاج مسلمانوں کا حق ہے اور ان لوگوں کا حق ہے جن کی مسلمانوں کو ضرورت ہے اس لیے اس میں شدت برتی گئی ہے، کیونکہ عامل اپنے استحقاق سے زائد جو کچھ وصول کریں گے وہ فقراء اور محتاج کے حقوق میں مزاحمت اور اجتماعی مال کو باطل طریقے پر کھانا ہوگا۔

ان احادیث کے باوجود قابل اتباع مسالک کے بیشتر فقہاء نے یہی کہا ہے کہ عامل بنی ہاشم میں سے ہوسکتا ہے جیسا کہ عاملین علیہا کے ذکر میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور ابورافع والی حدیث اسی مفہوم کی مؤید ہے اور بتاتی ہے کہ آل بیت اور قرابت داروں کا صدقات کے معاملات سے دور رکھنا ان کی شرافت نسب کی بنا پر نہیں ہے بلکہ تہمت دور کرنے کی خاطر ہے، اور اس لیے ہے کہ افترا پردازوں کی زبانیں بند ہو جائیں اور اُسوۂ حسنہ قائم ہو جائے اور آل محمد اور ان کے موالی (غلاموں) کی تربیت اس طرح ہو کہ وہ ذمہ داریوں (مَغارم) کو تو قبول کریں مگر ان میں غنیمتوں (مغانم) کے حصول کا لالچ نہ ہو، کیونکہ اگر یہ ممانعت برسبیلِ شرف ہوتی تو موالی اس حکم میں داخل نہیں ہوتی۔

۲) حسنؓ بن علیؓ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا تمھیں نہیں معلوم کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے؟ اور مسلم کی روایت کے الفاظ کہ ہمیں صدقہ حلال نہیں ہے۔ مفہوم میرے نزدیک یہ ہے کہ آپؐ نے یہ بات سربراہِ مملکت اور اسلامی جماعت کے امیر ہونے کی حیثیت میں فرمائی، کیونکہ بلاشبہ جو صدقات آپؐ کے پاس جمع ہوئے تھے وہ مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت ہونے کی بنا پر نہ آپؐ کے لیے حلال تھے اور نہ آپؐ کے اہلِ بیت کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب غلطی سے صدقہ کا دودھ پی لیا تھا تو آپؐ نے اس کی قے کرا دی تھی۔[1]

---

[1] امام مالکؒ نے اسے المؤطا میں کتاب الزکوٰۃ میں ذکر فرمایا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی لیے البحر میں یہ مسئلہ لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح امام کے لیے بھی صدقہ سے مستفید ہونا حلال نہیں ہے اور اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے قے فرما دی تھی۔[1]

۳) ان تمام اسباب اور واقعات سے صرف نظر کر کے اگر ہم احادیث کے الفاظ پر نظر کریں تو اب یہ غور کرنا ہے کہ کیا آل محمدؐ سے صرف بنی ہاشم ہی مراد ہیں یا ان کے ساتھ تا قیامت بنی المطلب بھی شامل ہیں۔

اس امر کی کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ آل محمدؐ اسی طرح ہے جس طرح آل ابراہیم ہے اور آل عمران ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ (آل عمران : ۳۳)

اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اپنی رسالت کے لیے) منتخب کیا تھا۔

ظاہر ہے کہ آل عمران سے مراد حضرت مریمؑ اور ان کے فرزند حضرت عیسیٰؑ ہیں اور آل ابراہیم سے مراد حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور اسباط مراد ہیں، اور تا قیامت چلنے والی ان کی ذریت مراد نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاقؑ کے بارے میں اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے کہ

وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ (القصص : ۸)

اور ان کی اولاد میں احسان کار بھی تھے اور اپنے آپ پر کھلا ظلم کرنے والے بھی تھے۔

دنیا میں فساد پھیلانے والے یہودی بھی انہی حضرت ابراہیم کی اولاد ہوئے ہیں۔

---

[1] البحر الزخار: ج ۲، ص ۱۸۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا۔

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ (القصص : ۸)

آل فرعون نے اسے اٹھالیا۔

وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ (البقرہ : ۵۰)

اور ہم نے آل فرعون کو غرق کردیا۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ (غافر : ۴۵)

اور آل فرعون کو بدترین عذاب نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

کیا یہاں پر آل فرعون سے وہ خود اس کے گھر والے اور اس کے مخصوص قریبی لوگ شمار نہ ہوں گے؟ اور یہاں بھی آل محمدؐ سے آپؐ کے اہل بیت، آپؐ کی ازواج، آپؐ کی اولاد اور آپؐ کے قریب ترین رفقا نہ ہوں گے اور یہ حکم آپؐ کی حیات کے ساتھ مخصوص ہوگا، جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے اور یہی رائے محمد بن الحسنؒ نے اختیار کی ہے اور البحر الزخار کے قول کے مطابق امام مالکؒ سے بھی یہی رائے مروی ہے کیونکہ تہمت سے بچنے کے لیے زکوٰۃ انھیں حرام ہوئی تھی جو آپؐ کی وفات سے زائل ہوگئی۔[1]

اسی سے شوکانی نے جو قول لا اسئلکم علیہ اجراً کو دلیل بنایا ہے ساقط ہوگئی کہ اگر زکوٰۃ جائز ہوتی تو اس پر اعتراض ہوتا جو کہ آپؐ کی وفات کے بعد ختم ہوگیا اور آپؐ کی اولاد اور اہل بیت دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوگئے کہ ان کے مالداروں سے زکوٰۃ لے کر ان کے فقیروں پر صرف کی جائے۔

اور اس کی دو وجوہ ہیں:۔

پہلی: یہ کہ اسلامی شریعت نے اپنے تمام احکام میں نبیؐ کے قرابت داروں اور دیگر مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ اسلام نے تو تمام انسانوں کو کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر قرار دیا اور حقوق و فرائض اور مغارم اور عقوبات سب میں تمام انسانوں کو برابر

---

[1] البحر۔ ج ۲، ص ۱۸۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار دیا ہے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ

وقسم بخدا اگر فاطمہ بنت محمدؐ چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ قطع کر دیتا۔[1]

اور آپ نے فرمایا کہ

وجس کا عمل مؤخر ہو گیا اس کا نسب اسے مقدم نہیں کر سکتا۔[2]

دوسری: یہ کہ زکوٰۃ اسلام میں ایک لازمی فرض ہے اور ایک معلوم حق ہے اور ایک متعین ٹیکس ہے جسے امام لے کر مستحقین پر صرف کرے گا اور اس میں کسی پر کوئی احسان نہیں ہے اور جب لینے والا اپنا حق لیتا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ بعض فقہاء نے ہاشمیوں کو فرض زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا ہے لیکن ان کے لیے نفل صدقات کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ اس میں احسان کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ حالانکہ اگر

تاقیامت صدقہ کے آل محمدؐ پر حرام ہونے کی رائے صحیح تسلیم کی جائے تو یہ صدقہ نفل ہونا چاہیے اور حافظ نے یہی قول بعض فقہاء کا نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ فرض صدقہ کے لینے میں اہانت کا پہلو نہیں ہے جبکہ نفلی صدقہ میں اہانت کا پہلو ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر اجماع نہیں ہے کہ اہل بیت کو زکوٰۃ دینے کا قائل اجماع کی خلاف ورزی کا مرتکب سمجھا جائے۔

جبکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ دینا جائز ہے اور یہی امام محمدؒ کی رائے ہے، بعض شافعیؒ فقہاء کی یہی رائے ہے اور مسلک مالکیؒ کے کچھ فقہاء کی بھی یہی رائے ہے۔

اور منقول روایات میں بھی ایسی روایات موجود ہیں جن سے مطلق جواز کے قائلین کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً البحر میں ہے کہ نبیؐ نے بنی عبدالمطلب کی بیواؤں کو صدقہ دیا۔

---

[1] بخاری و مسلم

[2] بخاری و مسلم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور صاحب البحر نے یہ تبصرہ کیا کہ یہ صدقۂ نفل تھا۔[1]

ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ

"میرے والد نے مجھے نبیؐ کے پاس بھیجا، ان اونٹوں کے بارے میں جو آپؐ نے انھیں صدقہ میں سے دیئے تھے"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

"میں ان کے بدلے میں لے کر آؤں"[2]

امام نوویؒ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔

پہلا: یہ کہ بنی ہاشم کے لیے پہلے صدقہ لینا حرام قرار دیا گیا اور بعد ازاں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

دوسرا: یہ کہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے حضرت عباسؓ سے فقراء کے لیے اونٹ لیے تھے یہ اونٹ انھیں صدقہ میں سے واپس کر دیئے اور ایک اور روایت میں اس کی تائید بھی موجود ہے اور یہی جواب الخطابی نے بھی دیا ہے۔[3]

حقیقت یہ ہے کہ تاویلات کے برعکس حدیث کے ظاہر کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، اور نسخ سے زیادہ موزوں ہے۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام بخاریؒ کے نزدیک کوئی صریح الدلالت اور صحیح السند حدیث موجود نہیں ہے۔ اسی لیے انھوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ

"باب مایذکر فی الصدقۃ للنبیؐ وآلہٖ"

---

[1] البحر: ج ۲، ص ۱۸۴۔

[2] ابوداؤد نے اس روایت کو باب الصدقۃ علی بنی ہاشم میں نقل کیا ہے اور نسائیؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ (مختصر السنن: ج ۲، ص ۲۴۶)

[3] المجموع: ج ۶، ص ۲۲۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس عنوان میں مائذکر کا لفظ تضعیف اور شک پر دلالت کرتا ہے۔

یہ بات تواتر روئے نقل ہے اور اگر ہم حکمتِ تشریع کے لحاظ سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حیاتِ رسالت مآب میں آپؐ کے اقربا کے لیے زکوٰۃ کی تحریم کی حکمت واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ آپؐ کے آل اور آپؐ کے قرابت دار تعفف اور دنیا سے اجتناب کی ایک اعلیٰ ترمثال قائم کریں اور اس اصول کی تطبیق کریں کہ

"دستِ بالا نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے"[1]

کہ بغیر عوض اور بغیر منفعت مال دینے میں ایک طرح کا احسان ضرور ہے اور دینے والے کو لینے والے پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ یہ احسان عام لوگوں کو اس وقت محسوس نہیں ہوتا جب امام مالداروں سے زکوٰۃ لے کر خود اسے صرف کرے لیکن خود امام جو مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے فقراء پر تقسیم کر رہا ہے اسے چاہیے کہ وہ خود اس احسان سے گراں بار نہ ہو اور اس سلسلے میں اس کے اہل بیت بھی اسی کے درجے میں ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام زکوٰۃ میں سے اپنے لیے یا ان لوگوں کے لیے جو اس کے مخصوص اور قریب ہوں زکوٰۃ میں سے کچھ لے گا تو کہنے والے اس کے حق میں وہ کچھ کہیں گے جو مناسب نہیں ہوگا اس لیے اس دروازہ کو بالکل بند ہو جانا چاہیے تاکہ وہ اس اتہام سے بچ جائیں اور خیر کے امور کے قریب ہو جائیں[2] مگر تا قیامت آلِ محمدؐ پر زکوٰۃ کی تحریم کی کوئی وجہ نمایاں نہیں ہے۔

تعجب ان فقہاء پر ہے جو اس صورت میں بھی بنی ہاشم اور بنی المطلب پر زکوٰۃ کی تحریم کے قائل ہیں جبکہ وہ خمس الخمس سے محروم ہوں خواہ اس وجہ سے کہ خمس موجود ہی نہ ہو، جیسا کہ آج کل کے زمانے میں موجود نہیں ہے یا اس وجہ سے کہ حکمرانوں نے اسے

---

[1] البخاریؒ نے حکیم بن حزام سے یہ روایت کتاب الزکوٰۃ کے باب الاستغناء عن المسئلہ میں ذکر کی ہے۔

[2] حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲، ص ۵۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے قبضے میں لے لیا ہو جیسے کہ پہلے ادوار میں ہوا ہے ——— اس صورت میں بنی ہاشم کے جو فقراء ہوں گے ان کی امداد کا کیا طریقہ ہوگا، کیا آل بیت کا یہی اکرام ہے کہ انھیں زکوٰۃ میں سے فقراء کا مقررہ حصہ نہ دیا جائے اور انھیں بھوکا اور ننگا رہنے دیا جائے۔

اسی لیے مسالک اربعہ کے فقہائے اور دیگر فقہائے نے اس امر کو جائز قرار دیا ہے کہ اگر اہل بیت خمس سے محروم ہوں تو انھیں زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ اس لیے کہ وہ محل حاجت اور ضرورت ہیں[1] بلکہ بعض مالکی مسلک کے فقہائے نے کہا ہے کہ اس صورت میں انھیں دینا دوسرے لوگوں کو دینے سے افضل ہے۔

●

---

[1] شرح غایۃ المنتہی : ج ۲، ص ۱۵۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث ششم

غلط مصرف میں زکوٰۃ دے دینا

اگر زکوٰۃ دہندہ مصرف زکوٰۃ میں غلطی کرے تو کیا حکم ہے؟ اگر زکوٰۃ دہندہ نے غلطی سے اپنی زکوٰۃ کسی ایسی جگہ (یا شخص) پر صرف کر دی جو زکوٰۃ کا صحیح مصرف نہیں تھا پھر اسے اپنی غلطی کا علم ہوا تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور دہندہ کا فرض ساقط ہو جائے گا؟ یا زکوٰۃ بدستور اس کے ذمے قرض رہے گی اور اسے از سر نو صحیح مصرف میں خرچ کرنا ہوگی؟

اس بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ، محمد بن الحسن اور ابو عبیدؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا اس طرح غلطی سے دیا جانا درست ہے اور دوبارہ اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

معن بن یزید سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے کچھ دینار نکالے اور انھیں مسجد میں موجود ایک شخص کو صدقہ دینا چاہا۔ میں نے وہ لے لیے، میرے والد نے کہا قسم بخدا میں تمھیں دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے عرض کی تو آپؐ نے فرمایا، یزید تمھیں تمھاری نیت کا ثواب مل گیا اور اے معن تم نے جو کچھ لیا وہ تمھارے لیے درست ہے۔ (بخاری، احمدؒ)

اس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ صدقہ سے نفلی صدقہ مراد ہو لیکن فرمان نبوتؐ میں "ما" (جو) ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے یہ ارادہ کیا کہ میں رات کو صدقہ کروں گا، اس نے رات کو صدقہ دیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کسی چور کو دے دیا، اور اسے علم نہیں تھا، صبح کو لوگوں نے باتیں کیں کہ فلاں شخص نے چور کو صدقہ دے دیا، وہ بولا، اے اللہ تُو ہی ہر ستائش کا مستحق ہے۔ مَیں آج پھر صدقہ کروں گا، اس شب اس نے صدقہ ایک زانیہ کو دے دیا، اگلی صبح لوگوں نے پھر باتیں کیں کہ فلاں شخص نے زانیہ کو صدقہ دے دیا ہے، اُس نے یہ سن کر کہا کہ اے اللہ تمام محامد آپ ہی کے لیے ہیں، مَیں آج پھر صدقہ کروں گا، چنانچہ اُس نے صدقہ کیا اور کسی مالدار کو دے دیا، اگلی صبح لوگوں نے باتیں کیں کہ فلاں شخص نے رات مالدار شخص کو صدقہ دے دیا ہے، تو وہ بولا، ہر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ مَیں نے چور کو، زانیہ کو اور مالدار کو صدقہ دے دیا۔ اس پر اس نے خواب میں دیکھا کہ تُو نے چور کو صدقہ دے دیا، ہو سکتا ہے کہ وہ چوری سے باز آجائے، ہو سکتا ہے زانیہ زنا ترک کر دے اور ہو سکتا ہے کہ مالدار شخص کو نصیحت ہو جائے اور وہ بھی راہِ خدا میں خرچ کرنے لگے۔ (احمدؒ، بخاریؒ و مسلمؒ)

اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے آپؐ سے صدقہ کا سوال کیا یہ فرمایا کہ اگر تم ان مستحقین میں سے ہو تو مَیں تمھیں دے دیتا ہُوں۔ اور آپؐ نے ان دونوں مضبوط نوجوانوں کو دے دیا، اور فرمایا تم چاہتے ہو تو مَیں تمھیں اس مال میں سے دیتا ہُوں مگر اس میں کسی غنی اور کسب کے قابل قوی کا حصّہ نہیں ہے۔ اگر آپؐ مالداری کی حقیقت کا اعتبار فرماتے تو ان کے قول کو کافی نہ سمجھتے — جیسا کہ المغنی میں ہے[1] اس کے برعکس بعض فقہاء کی یہ رائے ہے کہ اگر کسی شخص نے غیر مستحق کو زکوٰۃ دے دی اور بعد میں اُسے علم ہُوا تو یہ زکوٰۃ اس کی جانب سے ادا نہیں ہُوئی بلکہ یہ دوبارہ مستحق کو ادا کرے گا، کیونکہ غیر مستحق کو دے کر وہ بری الذمّہ نہیں ہُوا جیسا کہ انسانوں کا قرض ہو تو جس کا قرض ہو اس کے علاوہ کسی اور شخص کو دے کر قرض سے بری الذمّہ نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ کا مسلک بھی اسی کے قریب قریب ہے جیسا کہ الروضۃ[2] میں ہے۔

---

[1] المغنی ج ۲، ص ۶۶۷۔

[2] الروضۃ ج ۲، ص ۳۲۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور امام احمدؒ کے مسلک میں اس صورت میں کہ کسی کو فقیر سمجھ کر زکوٰۃ دی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غنی تھا دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جائز ہے اور دوسری یہ کہ یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور اگر زکوٰۃ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جسے زکوٰۃ دی ہے وہ غلام تھا، یا کافر تھا، یا ہاشمی تھا، یا مدیون کا ایسا قرابت دار تھا جسے اس کا زکوٰۃ دینا درست نہیں تھا، تو ایک ہی رائے ہے اور وہ یہ کہ یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی کیونکہ فقیر اور غنی کا امتیاز تو دشوار ہوتا ہے لیکن اور کسی کے بارے میں معلوم کرنا دشوار نہیں ہے[1] جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ

(البقرہ : ۲۷۳)

ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ یہ مالدار ہیں۔

بعض فقہاء نے مختلف صورتوں میں فرق کر کے بعض صورت میں کہا ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اور بعض صورتوں میں کہا ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔

فقہائے احناف کی رائے اگر کسی نے صحیح مصرف کی جستجو کے بعد زکوٰۃ دی اور یہ سمجھ کر دی کہ زکوٰۃ صحیح مصرف میں دی جا رہی ہے، بعد میں اسے معلوم ہوا کہ جس شخص کو اس نے زکوٰۃ دی وہ غنی ہے یا اس کا والد ہے یا اس کا بیٹا ہے یا اس کی بیوی ہے یا ہاشمی ہے، تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو گی اور اس پر اعادہ لازم نہیں ہے کہ اس نے حسبِ طاقت صحیح مصرف میں دینے کی سعی کی ہے۔

لیکن اگر بعد میں یہ معلوم ہوا کہ جس شخص کو زکوٰۃ دی وہ حربی تھا، خواہ مستامن ہو، تو امام ابوحنیفہؒ سے یہی مروی ہے کہ اسے دینا درست ہے اور اعادہ نہیں ہے اور ایک اور روایت ہے جو کہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ جائز نہیں ہے، کیونکہ حربی کے ساتھ یہ حسن سلوک شرعاً نیکی (برّ) نہیں بنتا، اور اسی بنا پر وہ نفلی صدقہ بھی نہیں بنتا اور اسے کار ثواب نہیں قرار دیا جاتا بلکہ اس کا بھی اعادہ لازم ہوتا ہے۔

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۶۶۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر اس نے صحیح مصرف میں دینے کی جستجو کے بغیر ہی زکوٰۃ دے دی بلکہ یہ خیال بھی نہیں کیا کہ جہاں زکوٰۃ دے رہا ہے وہ مصرف زکوٰۃ ہے بھی یا نہیں پھر اس کی خطا ظاہر ہو کہ اس نے صحیح مصرف میں زکوٰۃ نہیں دی تو یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی اور اس پر اعادہ لازم ہو گا، اس لیے کہ اس نے صحیح مصرف کے معلوم کرنے میں کوتاہی برتی ہے۔ لیکن اگر اسے نہیں معلوم کہ جہاں اس نے زکوٰۃ دی وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں تھا تو بہر حال جائز ہے۔

لیکن اگر یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے یا اس میں شک ہوتے ہوئے زکوٰۃ دے دی تو یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی تا آنکہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ صحیح مصرف میں زکوٰۃ دی گئی ہے کہ اگر یہ معلوم ہو گیا کہ صحیح مصرف میں زکوٰۃ دی گئی ہے تو ادا ہو جائے گی۔

جس شخص کو زکوٰۃ دی وہ فقراء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، یا ان کا سا لباس پہنے ہوئے تھا یا اس نے دست سوال دراز کیا تھا تو یہ باتیں تحری (صحیح مصرف کی جستجو) شمار ہوں گی اور اگر بعد میں اس شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ مالدار تھا تو اعادہ لازم نہیں ہو گا۔

زکوٰۃ دہندہ نے جو زکوٰۃ غلط مصرف میں دے دی ہے کیا اسے واپس لے گا؟ اگر حربی کو دی ہے تو واپس نہیں لے گا اور اگر ہاشمی کو دی ہے تو دو اقوال ہیں کہ واپس لے سکتا ہے اور یہ کہ واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر بیٹے کو اور مالدار کو دی ہے تو واپس لے گا۔

اور کیا جس کو دی ہے اس کے لیے درست ہو جائے گی اس بارے میں بھی اختلاف ہے ایک یہ کہ درست ہے اور ایک یہ کہ درست نہیں ہے اور اس صورت میں اسے چاہیے کہ وہ بھی صدقہ کر دے اور یہ بھی قول ہے کہ دہندہ کو دے دے[1]

فقہائے مالکیہ کی رائے اگر صحیح مستحق تک زکوٰۃ پہنچانے کی سعی کی اور پھر غیر مستحق کو دے دی، مثلاً غنی کو دے دی یا کافر کو دے دی اور یہ سمجھ کر دی کہ یہ مستحق ہے، اگر ممکن ہو تو اس سے واپس لے لے بشرطیکہ اس کے پاس باقی ہو، یا اگر اس نے اس کو صرف کر دیا ہے تو اس کا عوض لے لے خواہ اس حالت میں

---

[1] الدر المختار وحاشیۃ: ج ۲، ص ۷۳، ۷۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لینے والے نے اسے دھوکہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔

اور اگر اس کے پاس کسی آسمانی سبب کی بنا پر ضائع ہو گئی تو اگر لینے والے نے دہندہ کو کوئی دھوکہ دیا ہے یعنی اس پر یہ ظاہر کیا کہ وہ فقیر ہے حالانکہ وہ غنی تھا، یا یہ بتلایا ہے کہ وہ مسلمان ہے حالانکہ وہ کافر تھا، تو اس پر اس کا عوض لوٹانا لازم ہوگا اور اگر اس نے دھوکہ نہیں دیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے اور دہندہ پر دوبارہ زکوٰۃ دینا لازم ہے کہ پہلی زکوٰۃ اس کی صحیح نہیں ہوئی اس لیے کہ زکوٰۃ فقراء مسلمین کو نہیں پہنچی جو کہ مصرف زکوٰۃ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ صورت اس حالت سے متعلق ہے جب افراد خود زکوٰۃ ادا کریں۔

لیکن اگر امام (حکومت) یا اس کا نائب خود زکوٰۃ دے اور غیر مستحق کو دے دے تو یہ جائز ہے اور امام پر اس کی طرف سے فقراء کو دینا لازم نہیں آئے گا کیونکہ بہرحال اس نے مسلمانوں کی مصلحت پر غور کر لیا تھا اور امام کے اجتہاد پر نظر ثانی نہیں ہے یہاں تک کہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر واپس لینا بھی ممکن ہو تو بھی امام واپس نہیں لے گا۔

بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ مسلک مالکؒ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حاکم غیر مستحق کو زکوٰۃ دے دے اور اس سے واپس لینا ممکن ہو تو اس سے واپس لی جائے گی اور یہی ظاہر ہے اس لیے کہ زکوٰۃ اغنیاء کے پاس رہنے دی جائے اور ان سے نہ لی جائے یہ کیسے درست ہوگا؟

یعنی امام وصی اور قاضی کی طرح ہے کہ ان پر اتفاق ہے کہ ان کے حق میں جائز ہے کہ وہ بغیر اس کے کہ ان پر کوئی تاوان عائد ہو واپسی سے معذرت کر سکتے ہیں۔ اور اگر واپسی ممکن ہو تو بالاتفاق واجب ہے[1]

زیدیہ مسلک کے فقہاء کی رائے جس نے اپنی زکوٰۃ ایسے شخص کو دی جو بالاتفاق غیر مستحق ہو تو یہ شخص دوبارہ زکوٰۃ دے گا، اور پہلی مرتبہ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اور جو افراد بالاجماع غیر مستحق ہیں وہ کافر، اصول (باپ دادا وغیرہ)

---

[1] الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۲، ۵۰۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر اس نے صحیح مصرف میں دینے کی جستجو کے بغیر ہی زکوٰۃ دے دی بلکہ یہ خیال ہی نہیں کیا کہ جہاں زکوٰۃ دے رہا ہے وہ مصرف زکوٰۃ ہے بھی یا نہیں پھر اس کی خطا ظاہر ہو کہ اس نے صحیح مصرف میں زکوٰۃ نہیں دی تو یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اس پر اعادہ لازم ہوگا، اس لیے کہ اس نے صحیح مصرف کے معلوم کرنے میں کوتاہی برتی ہے۔ لیکن اگر اسے نہیں معلوم کہ جہاں اس نے زکوٰۃ دی وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں تھا تو بہرحال جائز ہے۔

لیکن اگر یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے یا اس میں شک ہوتے ہوئے زکوٰۃ دے دی تو یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی تاآنکہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ صحیح مصرف میں زکوٰۃ دی گئی ہے کہ اگر یہ معلوم ہو گیا کہ صحیح مصرف میں زکوٰۃ دی گئی ہے تو ادا ہو جائے گی۔

جس شخص کو زکوٰۃ دی وہ فقراء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، یا ان کا سا لباس پہنے ہوئے تھا یا اس نے دست سوال دراز کیا تھا تو یہ باتیں تحری (صحیح مصرف کی جستجو) شمار ہوں گی اور اگر بعد میں اس شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ مالدار تھا تو اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

زکوٰۃ دہندہ نے جو زکوٰۃ غلط مصرف میں دے دی ہے کیا اسے واپس لے گا؟ اگر حربی کو دی ہے تو واپس نہیں لے گا اور اگر ہاشمی کو دی ہے تو دو اقوال ہیں کہ واپس لے سکتا ہے اور یہ کہ واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر بیٹے کو اور مالدار کو دی ہے تو واپس لے گا۔

اور کیا جس کو دی ہے اس کے لیے درست ہو جائے گی اس بارے میں بھی اختلاف ہے ایک یہ کہ درست ہے اور ایک یہ کہ درست نہیں ہے اور اس صورت میں اسے چاہیے کہ وہ بھی صدقہ کر دے اور یہ بھی قول ہے کہ دہندہ کو دے دے۔[1]

فقہائے مالکیہ کی رائے اگر صحیح مستحق تک زکوٰۃ پہنچانے کی سعی کی اور پھر غیر مستحق کو دے دی، مثلاً غنی کو دے دی یا کافر کو دے دی اور یہ سمجھ کر دی کہ یہ مستحق ہے، اگر ممکن ہو تو اس سے واپس لے لے بشرطیکہ اس کے پاس باقی ہو، یا اگر اس نے اس کو صرف کر دیا ہے تو اس کا عوض لے لے خواہ اس حالت میں

---

[1] الدر المختار وحاشیۃ: ج ۲، ص ۷۳، ۷۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غلط مصرف میں زکوٰۃ دے دی تو اس پر اس غلطی کی ذمے داری آئے گی کہ اس نے یہ غلطی کوتاہی اور غفلت کی وجہ سے کی ہے، اور اس پر زکوٰۃ کا اعادہ لازم ہوگا اور اسے صحیح مصرف میں زکوٰۃ دینی ہوگی، کہ زکوٰۃ فقرا مساکین اور دیگر مستحقین میں اور وہ اپنی ذمے داری سے اسی وقت عہدہ برآ ہوگا، جب ان کو زکوٰۃ دے گا، یا ان کے نائب یعنی امام کو دے کر بری الذمہ ہوگا۔

دونوں صورتوں میں لینے والے پر لازم ہے کہ اگر وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہے تو وہ زکوٰۃ واپس کر دے یا اس کا عوض دے دے، اگر زکوٰۃ اس کے پاس صرف ہوگئی ہو اور مستحق کا حق کھا کر اپنے پیٹ میں آگ نہ بھرے۔ اور یہ اس وقت ہے جب لینے والا یہ سمجھے کہ فی الواقع وہ اس زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے، ورنہ وہ اس کے لیے جائز ہوگی جیسے اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ یہ زکوٰۃ ہے۔

اور حدیث معن جس میں یہ آیا ہے کہ "اے معن جو تمھیں ملا وہ تمھارا ہے" تو ہو سکتا ہے کہ معن فی الواقع مستحق ہوں اور ان کے والد انھیں نہ دینا چاہتے ہوں۔

اور اگر مصرف زکوٰۃ میں امام غلطی کرے تو اس پر تاوان نہیں ہے کیونکہ وہ مستحق کی مصلحت پر امین ہے لیکن اگر زکوٰۃ اس شخص کے پاس موجود ہو تو اس سے واپس لینا لازم ہے جیسا کہ مالکی فقہاء نے کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں باب

ادائے زکوٰۃ کا طریقہ

۱) حکومت کا زکوٰۃ سے تعلق
۲) زکوٰۃ میں نیت کی اہمیت
۳) زکوٰۃ میں قیمت کا دینا
۴) زکوٰۃ کا دوسرے شہر انتقال
۵) زکوٰۃ کی تعجیل اور تاخیر
۶) ادائے زکوٰۃ سے متعلق متفرق مباحث

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہید

گزشتہ ابواب میں یہ امور بیان ہو چکے ہیں۔ زکوٰۃ کی فرضیت، کس پر فرض ہے، کون سے اموال پر فرض ہے کتنی مقدار فرض ہے، مستحق کون ہیں اور مصارف زکوٰۃ کیا ہیں اور وہ اصناف کون سی ہیں جہاں زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

اب یہ امر بیان کرنا باقی رہ گیا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی کیفیت کیا ہو؟ کیا مکلف خود مستحق کو ادا کرے یا حکومت اور حکمران یہ فریضہ داری سنبھالیں؟۔ اور کیا حکومت کی یہ ذمہ داری ہر طرح کے اموال زکوٰۃ میں ہے یا چند اموال میں ہے؟ اور اگر حکومت اس فریضہ داری کو پورا نہ کرے یا ظالم یا کافر حکومت ہو تو کیا حکم ہے؟

کیا زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت شرط ہے؟ اور اگر زکوٰۃ دہندہ کی نیت کے بغیر حکومت زبردستی لے لے تو کیا حکم ہے؟ کیا حکومت یا دہندہ زکوٰۃ کو دوسرے شہر منتقل کر سکتا ہے؟ اور اس کی کیا حدود ہیں؟۔

کیا قیمت زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ یا وہی عین شئے دینا لازم ہے جو شئے بذریعہ نص لازم ہوتی ہے؟

زکوٰۃ جس وقت لازم ہوتی ہے کیا اس وقت دینا لازم ہے یا اس وقت سے مؤخر کی جا سکتی ہے اور تاخیر کا کیا حکم ہے؟ کیا تاخیر زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی؟ اور تعجیل کا کیا حکم ہے؟ کیا زکوٰۃ چھپانا جائز ہے اور اس کی سزا کیا ہے؟ اور زکوٰۃ سے بھاگنے اور اس کے اسقاط کے حیلے کرنے کا کیا حکم ہے؟۔

یہ اور اسی قسم کے دیگر مباحث جو زکوٰۃ سے اور ادائے زکوٰۃ سے متعلق ہیں آئندہ فصلوں میں ہم انہی کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی فصل

زکوٰۃ کا ریاست سے تعلّق

معاملات زکوٰۃ کے ضمن میں ریاست کی ذمّے داری

زکوٰۃ ایک ثابت شدہ اور مقررہ حق اور فریضہ الٰہی ہے اور دراصل یہ فریضہ افراد ہی پر موقوف نہیں ہے کہ وہی اسے انجام دیں اور اس کے صلے میں ثواب آخرت کے متمنّی ہوں اور اگر کسی کو آخرت پر کامل یقین نہ ہو یا اس میں اس قدر خشیت الٰہی موجود نہ ہو تو وہ زکوٰۃ نہ دے اور حبِ مال کے جذبے کو پرورش کرتا رہے۔

غرض زکوٰۃ کی ادائیگی انفرادی حسن سلوک کے درجے کی شئے نہیں ہے بلکہ یہ ایک اجتماعی ادارہ ہے جس کا انتظام ریاست کی ذمّے داری ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصولیابی اور مستحقین پر اس کے صرف کا ایک مضبوط اور جامع نظام قائم کرے۔

اس رائے پر قرآن سے استدلال

اس رائے کے حق میں سب سے واضح دلیل قرآن کریم میں موجود ہے کہ قرآن نے "عاملین علیہا" کا ذکر کیا اور ان کا باقاعدہ زکوٰۃ میں ایک حصّہ متعین کیا تاکہ وہ فکر معاش سے بے پروا ہو کر دلجمعی اور حسن کارکردگی سے امور زکوٰۃ کو انجام دے سکیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (التوبہ : ۶۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا دانا و بینا ہے۔

اس واضح نص کی موجودگی میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس آیت میں جملہ مصارف زکوٰۃ کو فریضۃ الٰہی قرار دیا گیا ہے اور انہی مصارف میں سے ایک عاملین علیہا بھی بیان ہوا ہے۔

نیز اسی سورۃ توبہ میں یہ آیت وارد ہوئی ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ

(التوبہ : ۱۰۳)

اے نبیؐ تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انھیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیونکہ تمھاری دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہوگی۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جمہور سلف اور خلف کے نزدیک اس آیت میں صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مانعین زکوٰۃ نے اس آیت کو دلیل بنایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے زکوٰۃ لیتے تھے اور اس کے بدلے ان پر صلوٰۃ (دعا) بھیجتے تھے، لیکن صحابہ کرام میں سے کسی نے ان کی اس رائے کو رد نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ یہ آیت فرض زکوٰۃ سے متعلق نہیں ہے اور تمام آئمہ کا یہی موقف رہا کہ اس آیت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد آنے والے اُمت کے تمام حکمرانوں سے ہے کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کریں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احادیث نبویؐ

بخاریؒ اور مسلمؒ میں یہ روایت ہے جو متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ فرمایا تو آپؐ نے ان سے کہا کہ انھیں یہ بتلانا کہ اللہ نے ان کے اموال پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے دولتمندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دی جائے گی۔ اگر وہ اطاعت کریں تو درست ہے اور دیکھو ان کے بہترین اموال سے بچنا۔ اور مظلوم کی پکار سے بچنا کہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ایسا فریضہ ہے جو لوگوں کے دولتمندوں سے لے کر ان کے حاجتمندوں کو دیا جائے گا یعنی اسے ان کی مرضی پر نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ اس کے لینے والے ہوں گے اور اس کے لوٹانے والے ہوں گے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی وصولیابی اور اس کا صرف کرنا امام یا اس کے نائب کی ذمے داری ہے اور اگر کوئی زکوٰۃ نہ دے تو یہ اختیار حکومت اس سے لی جائے۔[1]

شوکانی نے بھی علامہ ابن تیمیہؒ کی اس رائے کو نقل کیا ہے۔[2]

غرض متعدد احادیث موجود ہیں جن میں عاملین زکوٰۃ کی راہنمائی کی گئی ہے اور جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، نیز ایسی بھی احادیث موجود ہیں جن میں زکوٰۃ وصول کنندگان کے حق میں دہندگان کی ذمے داریاں بیان کی گئی ہیں، اس سلسلے میں ہم چند احادیث کا ذکر کریں گے۔

نبی کریمؐ اور خلفائے راشدین کی سُنّت

قولی سُنّت کی تائید سُنّت عملی سے بھی ہوتی ہے اور تاریخی حقائق بھی اس کے مؤید ہیں اور خلفائے راشدین کا عمل بھی اسی کے مطابق رہا ہے۔

---

[1] الحافظ ابن حجر: فتح الباری، ج ۳، ص ۲۳، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء و ترد الی الفقراء حیث کانوا۔

[2] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۲۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ ابن حجرؒ امام رافعیؒ کی تخریج کا ذکر کرتے ہوئے التلخیص میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء کا زکوٰۃ وصول کنندگان کو روانہ کرنا ایک مشہور بات ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صدقہ کے لیے روانہ فرمایا۔

صحیحین میں ابوحمید سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن اللتیبہ نامی ایک ازدی کو زکوٰۃ پر مامور کیا۔

صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابن السعدی کو اخذ زکوٰۃ پر مامور کیا۔

ابوداؤد سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابومسعود کو اخذ زکوٰۃ پر مامور فرمایا۔

مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے ابوجہم بن حذیفہ کو صدقات پر مامور فرمایا۔

نیز روایت ہے کہ آپؐ نے عقبۃ بن عامر کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے بھیجا۔

قرۃ بن دعموص سے مروی ہے کہ آپؐ نے ضحاک بن قیس کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے روانہ فرمایا۔

المستدرک میں ہے کہ آپؐ نے قیس بن سعد کو زکوٰۃ کی وصولی پر مامور فرمایا۔

حضرت عبادۃ بن صامت سے مروی ہے کہ آپؐ نے انھیں زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا اور ولید بن عقبہ کو بنی المصطلق کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے روانہ فرمایا۔

بیہقی نے امام شافعیؒ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے کارندے روانہ فرمایا کرتے تھے۔

امام شافعیؒ نے ابراہیم بن سعد سے اور انھوں نے زہریؒ سے یہ روایت نقل کی ہے، اور یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ ہر سال اس وصولی میں تاخیر نہیں کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے قحط کے سال زکوٰۃ کو مؤخر کر دیا اور پھر دو سال کی زکوٰۃ وصول فرمائی۔

ابن سعدؒ کی طبقات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ کے محرم کو زکوٰۃ وصول کنندگان کو روانہ فرمایا۔ اور الواقدی کی المغازی میں اس کی سند بالتفصیل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مروی ہے [1]

ابن سعدؒ نے ان زکوٰۃ وصول کرنے والوں کے نام اور جن قبائل کی جانب یہ بھیجے گئے ان کے نام بھی ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ذکر کیا ہے کہ

آپؐ عیینۃ بن حصن کو بنی تمیم سے زکوٰۃ وصول کرنے روانہ کیا۔

بریدۃ بن الحصیب کو، یا ایک روایت کے مطابق کعب بن مالک کو اسلم وغفار کی جانب بھیجا۔

عباد بن بشر الاشہلی کو سُلیم اور مُزینہ سے زکوٰۃ لینے بھیجا۔

رافع بن مکیث کو جہینہ کی جانب روانہ کیا۔

عمرو بن العاص کو فزارہ کی طرف روانہ کیا۔

ضحاک بن سفیان الکلابی کو بنی کلاب کی جانب روانہ کیا۔

بُسر بن سفیان الکعبی کو بنی کعب کی جانب بھیجا۔

ابن اللتبیہ ازدی کو بنی ذبیان سے زکوٰۃ لینے روانہ کیا۔

سعد ھذیم کے ایک شخص کو ان کی زکوٰۃ لانے کے لیے بھیجا۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ آپؐ نے ان زکوٰۃ وصول کنندگان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں سے ان کے فاضل مال لیں اور ان کے بہترین مال ان کے پاس رہنے دیں۔ [2]

ابن اسحاق نے کچھ اور افراد کے نام ذکر کیے ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے جزیرۂ عرب کے اور قبائل اور اقالیم کو بھیجا۔

چنانچہ آپؐ نے مہاجر بن امیہ کو صنعاء بھیجا جہاں اسود عنسی نے ان سے مزاحمت کی۔

اور آپؐ نے زیاد بن لبید کو حضرموت، عدی بن حاتم کو طی اور بنی اسد اور مالک بن نویرہ کو بنی حنظلہ روانہ فرمایا اور زبرقان بن بدر اور قیس بن سعد کو بنی سعد کے صدقات کی

---

[1] التلخیص، ج ۲، ص ۱۵۹/۱۶۰۔ القاہرہ۔

[2] طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۶۰۔ بیروت۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وصولی کے لیے بھیجا اور علاء بن الحضرمی کو بحرین اور حضرت علیؓ کو نجران بھیجا تاکہ آپ ان کے صدقات لے کر آئیں۔[1]

الکتانی نے التراتیب الاداریہ میں ابن حزم کی جوامع السیر، ابن اسحاق اور الکلاعی کی سیرت اور ابن حجر کی الاصابہ سے ان صحابہؓ کے مزید نام دیئے ہیں جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصولی یا اس کی تحریر پر مامور فرمایا تھا۔

ابن حزم اپنی کتاب جوامع السیر میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب زبیر بن العوام تھے اگر وہ غیر موجود ہوتے یا انھیں کوئی مصروفیت ہوتی تو جہم بن الصلت اور حذیفہ بن الیمان آپ کی جانب سے تحریر لکھتے۔[2]

الاصابہ میں ارقم بن ابی الارقم الزہری کے ذکر میں ہے کہ طبرانی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں زکوٰۃ کی وصولی پر مامور کیا۔[3]

اسی میں کافیہ بن سبع الاسدی کے بارے میں ہے کہ واقدی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے انھیں اپنی قوم کے صدقات کی وصولی پر مامور فرمایا۔

حذیفہ بن الیمان کے ذکر میں ابن سعد کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ آپ نے انھیں ازد سے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے روانہ کیا اور کہل بن مالک ھذلی کو بنو ھذیل سے زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا، اور اسی طرح خالد بن البرصاء کو زکوٰۃ وصول کرنے روانہ فرمایا۔

ابوداؤد اور نسائی نے بروایت معمر از زہری از حضرت عائشہؓ روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہم بن حذیفہ کو زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیجا اور خالد بن سعید بن العاص اموی کو حج سے زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا۔

خزیمۃ بن عاصم العکلی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ابن قانع نے سیف بن عمر سے

---

[1] زاد المعاد، ج ۲، ص ۴۷۲۔

[2] التراتیب الاداریہ، ص ۳۹۸۔

[3] بحوالہ مذکور، ص ۳۹۶، ۳۹۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ازمیر بن عبداللہ بن حدس نے روایت کیا ہے کہ عدس اور خزیمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے خزیمہ کو احلاف پر والی بنایا۔ اور انھیں یہ تحریر لکھ کر دی۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خزیمہ بن عاصم کے نام کہ میں نے تمھیں تمھاری قوم کی جانب زکوٰۃ وصول کنندہ مقرر کیا ہے اس طرح کہ نہ وہ تنگ دل ہوں اور نہ ان پر ظلم ہو۔"

رشاطی نے اس کا ذکر کر کے کہا ہے کہ ابو عمر نے اسے مہمل کہا ہے۔

سہم بن منجاب تمیمی کے ذکر میں طبری سے نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ وہ بنی تمیم سے صدقات کی وصولی پر نبیؐ کی جانب سے مامور تھے اور آپ کی وفات تک اس کام کو انجام دیتے رہے۔ عکرمہ بن ابی جہل کے ذکر میں طبری سے نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی وفات کے سال انھیں ہوازن سے زکوٰۃ وصولی پر مامور فرمایا تھا۔

مالک بن نویرہ تمیمی کے ذکر میں لکھا ہے کہ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی تمیم سے زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا اور مرداس بن مالک غنوی کو ان کی قوم سے زکوٰۃ کی وصولی پر مامور کیا۔

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے جزیرہ نمائے عرب میں اپنے زکوٰۃ وصول کرنے والے بھیجے تاکہ وہ زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین میں تقسیم کریں۔[1]

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عاملین زکوٰۃ کو روانہ فرماتے تو ان کو نصیحتیں کرتے

---

[1] مجلہ حضارۃ الاسلام دمشق میں سیرت نبویؐ کے اہم پہلو نقشوں کی مدد سے اجاگر کیے گئے ہیں انھی میں ایک نقشہ عاملین زکوٰۃ سے متعلق ہے، اسی سے ہم نے یہ اسماء نقل کیے ہیں، اگرچہ یہ نقشہ مکمل نہیں ہے اور اس میں صرف وہ نام دیئے گئے ہیں جو ابن اسحاق نے ذکر کیے ہیں، لیکن نقشہ میں قبائل کے تعین سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دولتمندوں سے معاملے کے بارے میں ضروری ہدایات دیتے اور نرمی اور آسانی کی تلقین اور حق اللہ میں رورعایت نہ کرنے کی تاکید فرماتے۔ آپ ان عاملین کو تنبیہ فرماتے کہ اس مالِ عام سے بغیر حق کوئی شئے نہ لیں خواہ وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو اور بعض موقعوں پر آپ بازپرس بھی فرماتے، جیسا کہ آپ نے ابن اللتبیہ سے بازپرس فرمائی۔

ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی یہ بازپرس اس امر کی دلیل ہے کہ اگر عامل یا حاکم خائن ہو تو اسے معزول کیا جائے اور اس کا احتساب کیا جائے۔[1]

یہ امور واضح کرتے ہیں کہ عہدِ نبوتؐ میں زکوٰۃ کے معاملات سرکاری معاملات تھے اور اسی لیے آپ ہر قوم اور ہر قبیلے میں عامل روانہ فرماتے تاکہ وہ ان کے دولتمندوں سے زکوٰۃ لے کر ان کے غریبوں میں تقسیم کردے۔

اور اسی بنا پر فقہاء نے کہا ہے کہ

"امام (سربراہِ حکومت) کی ذمے داری ہے کہ زکوٰۃ وصول کنندگان بھیجے اس لیے کہ آپ نے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے کارندے روانہ فرمائے اور نیز اس لیے بھی کہ دولتمند لوگ ایسے بھی ہوسکتے ہیں جنھیں یہ معلوم نہ ہو کہ کس قدر زکوٰۃ ان پر واجب ہوتی ہے اور بعض بخیل بھی ہوسکتے ہیں جو از خود دینے پر آمادہ نہ ہوں، اس لیے زکوٰۃ لینے والوں کو بھیجنا ضروری ہے۔"[2]

www.KitaboSunnat.com

قوم کے دولتمند لوگوں پر بھی لازم ہے کہ وہ ان زکوٰۃ وصول کنندگان کی مدد کریں اور ان سے تعاون کریں اور جس قدر زکوٰۃ لازم ہو وہ انھیں دے دیں اور ان سے اپنے زکوٰۃ کے مال نہ چھپائیں — کہ یہی حکم ہے سرکارِ دوعالمؐ کا اور یہی ان کے اصحابؓ کا طریقہ رہا ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ کچھ اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] زادالمعاد، بحوالہ مذکور۔

[2] المجموع، ج ۶، ص ۱۶۷۔ الروضۃ، ج ۲، ص ۲۱۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس آتے اور عرض کی کہ زکوٰۃ وصول کنندگان آتے ہیں اور زیادتی کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا اپنے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو خوش رکھو۔ (مسلم)

حضرت جابر بن عتیک سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایسے سوار آئیں گے جنھیں تم پسند نہیں کرو گے، جب وہ آئیں تو انھیں مرحبا کہو اور انھیں زکوٰۃ لینے دو اگر وہ انصاف سے کام لیں گے تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر وہ زیادتی کریں گے تو ان کے حق میں بُرا ہوگا، اور تمہارا پوری زکوٰۃ دینا ہی ان کی رضامندی ہے اور وہ تمہارے لیے دُعا بھی کریں گے [1]

---

[1] بروایت ابوداؤد، بحوالہ نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۵۔ ط۔ العثمانیہ۔

المناوی۔ الفیض میں کہتے ہیں کہ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی ناانصافی کرنے والے کو عامل نہیں بنایا بلکہ آپؐ کے مقرر کردہ زکوٰۃ وصول کنندگان، جن میں حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور حضرت معاذؓ جیسے افراد تھے بے حد عادل تھے۔ اس لیے اس حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ چونکہ حُبِ مال انسانی سرشت میں موجود ہے اس لیے جب میرے عمال آئیں گے تو ہو سکتا ہے کہ تم یہ خیال کرو کہ یہ ناانصافی کر رہے ہیں حالانکہ فی الواقع ایسا نہ ہو، گویا ان ظلمتم کا لفظ اسی خیال پر مبنی ہے اور اس پر ان شرطیہ جو کہ تقدیر اور فرض کے لیے آتا ہے دلالت کرتا ہے۔

المظہری کہتے ہیں کہ کیونکہ حکم تمام زبانوں پر عام ہے اس لیے فرمایا کہ اگر وہ ناانصافی بھی کریں تو بھی انہی کو دو کہ ان کی مخالفت حکومت (سلطان) کی مخالفت ہے کہ فتنہ اور شورش کا باعث بن سکتی ہے۔

المناوی نے اس رائے کو اس طرح رد کیا ہے کہ اگر اس کی وجہ محض مخالفت سے بچنا ہوتا تو پھر مال کا چھپا لینا درست ہوتا لیکن ایسا کرنا جائز نہیں ہے کہ روایت میں ہے کہ جب یہ کہا گیا کہ ہم اپنے مال میں سے ان کی مقدار کے بقدر چھپا لیں تو فرمایا کہ نہیں۔ بہرحال غیر منصف کو ناراض کر دینا ہی ضروری ہے اور اس کو ظلم پر راضی کرنا حرام ہے۔

(فیض القدیر: ج ۱، ص ۴۷۵)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اگر میں زکوٰۃ آپؐ کے نمائندے کو دے دوں تو کیا تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں اپنے فرض سے بری ہو جاؤ گے اور تمہیں اس کا اجر ملے گا اور جو اس میں ردوبدل کرے وہ خود گناہگار ہوگا۔[1]

صحابہ کرامؓ کے فتاوی

سہل بن ابی صالح اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ میرے پاس بقدر نصاب زکوٰۃ اخراجات جمع ہو گئے میں نے سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عمرؓ، ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ سے پوچھا کہ اس (زکوٰۃ) کو میں خود تقسیم کر دوں یا سلطان کو ادا کر دوں، سب نے مجھے یہی مشورہ دیا کہ میں سلطان (حکومت) کو دے دوں اور کسی کی رائے میں اختلاف نہیں ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے ان سے کہا کہ یہ حکومت جو کچھ کر رہی ہے وہ آپ کے سامنے ہے (عہد بنی امیہ) تو کیا میں پھر بھی اسے زکوٰۃ دے دوں؟ سب نے کہا، ہاں اس کے باوجود بھی حکومت ہی کو دو۔

اس روایت کو امام سعید بن منصور نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔[2]

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ اپنی زکوٰۃ ان لوگوں کو دو جن کو اللہ نے تمہارے معاملات کا والی بنایا ہے اگر وہ نیکوکار ہیں تو اپنے لیے ہیں اور اگر گناہگار ہیں تو خود بھگتیں گے۔

قرعہ، مولیٰ زیاد بن ابیہ سے مروی ہے کہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اپنی زکوٰۃ حکمرانوں کو دو خواہ وہ شراب پیتے ہوں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں روایات بیہقی نے سند صحیح اور حسن کے ساتھ روایت کی ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اپنے مولیٰ سے جو کہ طائف میں ان کے مال کا متولی تھا، کہا کہ تم میرے مال کا کیا کرتے ہو، اس نے کہا کہ کچھ میں خود صدقہ کر دیتا ہوں

---

[1] المنتقی میں اس حدیث کو احمد کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ نیل الاوطار، بحوالہ سابق۔

[2] المہذب، المجموع۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کچھ حکومت (سلطان) کو دے دیتا ہوں، آپؐ نے فرمایا تم ایسا کس طرح کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ یہ لوگ (حکمران) تو زمین خریدتے اور شادیاں کرتے ہیں، آپ نے کہا کہ انہی کو دیا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں انہی کو دینے کا حکم دیا ہے۔

(البیہقی : السنن الکبیر[1])

ان صحیح احادیث اور ان قطعی فتاوی کی روشنی میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی شریعت کی اصل یہ ہے کہ مسلم حکومت زکوٰۃ کے معاملات کو خود سنبھالے اور متمول حضرات سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین کو دے اور افرادِ اُمت پر لازم ہے کہ وہ نظم قائم رکھنے، اسلام کے مضبوط بنانے اور بیت المال کی تقویت کے لیے حکومت وقت سے تعاون کریں۔

اس قانون کے اہم پہلو

اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذاہب کا کام یہ ہے کہ وہ ضمائر کو بیدار کریں اور قلوب میں زندگی دوڑائیں اور انسانوں کی نگاہوں کے سامنے اعلیٰ ترین مثالیں رکھ کر ان میں اللہ سے حصول اجر و ثواب کا اشتیاق پیدا کریں اور اس کی ناراضگی کا خوف دلائیں اور تحدید، منتظم اور مطالبہ و سزا کے امور ہیئت مقتدرہ کے لیے چھوڑ دیں کہ اس کا تعلق سیاسی اقتدار سے ہے مذہبی راہنمائی سے نہیں ہے۔

ہو سکتا ہے یہ رائے دیگر مذاہب کی حد تک درست ہو لیکن اسلام کے بارے میں بالکل درست نہیں ہے اس لیے کہ اسلام عقیدہ و نظام، اخلاق و قانون اور قرآن اور سلطان (اقتدار) کا جامع ہے۔

اسلام نے انسان کو دو جدا حصوں میں تقسیم نہیں کیا ہے کہ اس کا ایک حصہ برائے دین ہو اور ایک حصہ برائے دنیا ہو اور زندگی کا ایک پہلو قیصر کے لیے ہو اور دوسرا پہلو خدا کے لیے ہو، بلکہ اسلام میں پوری زندگی پورا انسان اور ساری کی ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

---

[1] النووی : المجموع، ج ۶، ص ۱۶۲، ۱۶۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور ایک جامع نظامِ زندگی ہے۔ اس کے مقاصد میں سے یہ ہے کہ فرد آزاد ہو اور اس کی تکریم کی جائے اور حکومت اور عوام کو حق اور ضمیر کی جانب متوجہ کیا جائے اور ساری انسانیت کو اللہ کی عبادت اور اس کی بندگی کی دعوت دی جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ایک دوسرے کو اللہ کے سوا ارباب نہ بنالیں۔

نظامِ زکوٰۃ بھی اسلام کے اس پورے نظام کا ایک حصہ ہے اور اسی لیے یہ انفرادی معاملہ نہیں بلکہ اسلامی حکومت کی ایک ذمے داری ہے اور اسی لیے اسلام نے حکومت پر لازم کیا ہے کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے اور اس کو مستحقین میں تقسیم کرے اور اس کی متعدد وجوہ ہیں جن کو مدِنظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔

اوّل: بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے ضمیر مردہ ہو جاتے ہیں اور ان کے شعور بیمار ہو جاتے ہیں اور انھیں کسی ضرورتمند کی ضرورت کا احساس تک باقی نہیں رہتا، اس قسم کے لوگوں پر زکوٰۃ کو چھوڑ دینا معاشرے کے تنگدست افراد کو ضائع کر دینا ہے۔

دوم: تنگدست شخص کا مالدار سے لینا اس کی انا کو مجروح کرے گا جبکہ حکومت سے لینے میں اس کی ذات احسان کی گزند سے اور اس کے احساسات مالدار شخص کے سامنے بے وقعت ہونے کی جراحت سے محفوظ رہیں گے۔

سوم: زکوٰۃ کا معاملہ انفرادی ہو جانے سے اس کی تقسیم میں بے ربطی پیدا ہو جائے گی کہ ہو سکتا ہے کہ ایک سے زائد دولتمند افراد ایک ہی شخص کو زکوٰۃ دے دیں اور دوسرا اس سے محروم رہ جائے حالانکہ وہ تنگدستی میں پہلے سے بڑھا ہوا ہو۔

چہارم: زکوٰۃ کا مصرف فقراء، مساکین اور مسافر ہی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کی ایسی عمومی مصالح بھی زکوٰۃ کا مصرف ہیں جن کا اندازہ کرنا افراد کا کام نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی شوریٰ اور اولوالامر کی ذمے داری ہے جیسے مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینا ہے، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کرنا ہے اور دنیا میں تبلیغ اسلام کے لیے وفود بھیجنا ہے۔

پنجم: اسلام دین بھی ہے ریاست بھی، قرآن بھی ہے اور سلطان بھی، اور اس ریاست و سلطنت کے لیے مال ضروری ہے اور اسلام کے نظامِ حکومت میں زکوٰۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیت المال کی آمدنی کا اہم ترین ذریعہ ہے۔[1]

زکوٰۃ کا جداگانہ بیت المال

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلامی نظام میں اصولاً زکوٰۃ کا علیحدہ خاص بجٹ ہونا چاہیے جس کی آمدنی بھی جدا ہو اور جس کے مصارف بھی مخصوص و متعین انسانی ہمدردی پر مبنی مصارف ہوں اور زکوٰۃ کی آمدنی کو عام سرکاری آمدنی سے جدا رکھا جائے۔

چنانچہ سورۃ توبہ کی جس آیت میں مصارف زکوٰۃ بیان ہوئے ہیں وہاں اس اصول کا تعین بھی ہو جاتا ہے کہ عاملین اپنی تنخواہیں زکوٰۃ ہی کی مد سے وصول کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ ایک مستقل میزانیہ ہوگا اور اس کے انتظام اور انصرام پر اسی میں سے صرف کیا جائے گا، جیسا کہ ہم مصارف زکوٰۃ میں بیان کر چکے ہیں۔ اور یہی مفہوم ہمیشہ سے مسلمان سمجھتے آئے ہیں اور انھوں نے زکوٰۃ کو علیحدہ ایک بیت المال قرار دیا ہے اور فقہائے حنفیہ نے بیت المال کی چار اقسام کی ہیں۔

۱) صدقات (زکوٰۃ) سے متعلق بیت المال جس میں انعام سائمہ اور اراضی کے عشور شامل ہیں اور اسی میں وہ عشور (چنگی) بھی شامل ہے جو عاشر گزرنے والے مسلمان تاجروں سے وصول کرے۔

۲) جزیہ اور خراج کا خاص بیت المال۔

۳) غنیمت اور رکاز سے متعلق بیت المال (جن فقہاء کے نزدیک رکاز (دفینہ) میں زکوٰۃ نہیں ہے اور نہ اسے زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔)

۴) ضوائع (گم شدہ اشیاء) کا بیت المال یعنی جس مال کے مالک کا علم نہ ہو، جیسے ترکہ ہو جس کا کوئی وارث نہ ہو یا وارث ہو لیکن اُسے ترکہ نہ مل سکتا ہو جیسے میاں بیوی میں سے کوئی ایک، اور اس مقتول کی دیت جس کا کوئی ولی نہ ہو اور وہ گم شدہ اشیاء

---

[1] الدکتور یوسف القرضاوی: مشکلۃ الفقر وکیف عالجہا الاسلام۔ ص ۹۴، ۹۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(لقطات) جن کے مالک کا علم نہ ہو۔[1]

اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ میں زکوٰۃ کی ذمے داری

فقہاء نے جن اموال پر زکوٰۃ ہے ان کی دو قسمیں کی ہیں۔

اموالِ ظاہرہ اور

اموالِ باطنہ

اموالِ ظاہرہ سے مراد وہ مال ہیں جن کا علم اور اس کی مقدار عام طور پر مالک کے علاوہ دوسرے افراد کو ہو سکے۔ اس میں تمام زرعی پیداواریں خواہ وہ غلے ہوں یا پھل داخل ہیں اور اسی طرح ہر قسم کی حیوانی ثروت گائے بکری وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔

اموالِ باطنہ سے مُراد نقود (زرِ نقد۔ کرنسی) اور سامانِ تجارت ہے۔ زکوٰۃ فطر کو بعض فقہاء نے اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا ہے اور بعض دیگر نے اموالِ باطنہ میں شمار کیا ہے۔

اموالِ ظاہرہ کے بارے میں تقریباً اتفاق ہے کہ اس کا وصول کرنا اور اس کا تقسیم کرنا حکومت کے فرائض میں سے ہے افراد کی ذمے داری نہیں ہے اور اس مال کی زکوٰۃ کو افراد کے قلب و ضمیر پر نہیں چھوڑا جائے گا۔

اس بارے میں بے شمار روایات موجود ہیں کہ آپ اپنے قاصد اور عامل اور کارکن بھیجتے اور وہ جا کر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے اور اسی مال کی زکوٰۃ کی ادائیگی پر مسلمانوں کو مجبور کیا گیا اور اس سے باز رہنے والوں سے جہاد کیا گیا۔[2]

اور اسی مال کی زکوٰۃ کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا کہ اگر عرب کے یہ قبائل عہدِ نبوتؐ میں ایک رسی بھی زکوٰۃ میں دیتے تھے اور وہ اب دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے قتال کروں گا۔

---

[1] المبسوط ج ۳، ص ۱۸، البدائع ج ۲، ص ۶۸، ۶۹، الدر المختار و حاشیہ رد المختار علیہ۔ ج ۲، ص ۵۹، ۶۰۔

[2] الاموال۔ ۵۳۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری قسم کے مال یعنی اموال باطنہ ـــــ نقود اور سامان تجارت وغیرہ ـــــ کے بارے میں بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ بھی حکومت ہی لے گی اور وہی اس کی تقسیم بھی کرے گی ـــــ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا ان اموال کی زکوٰۃ لینے کے لیے حکومت لوگوں پر جبر کر سکتی ہے اور نہ دینے والوں سے اس طرح قتال کر سکتی ہے جس طرح کہ حضرت ابوبکرؓ نے کیا تھا۔ اس سلسلے میں اہم اقوال درج ذیل ہیں۔

حنفی فقہاء کی رائے فقہائے احناف کے نزدیک اموال ظاہرہ کی ولایت امام (حکومت) کو حاصل ہے مالکوں کو نہیں ہے کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (التوبہ : ۱۰۳)

اور اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اور منکرین زکوٰۃ سے قتال کیا۔ اور نیز اس لیے کہ جس شئے پر امام بحکم ولایت قبضہ کر سکتا ہو اسے مولیٰ علیہ کو دینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ولی یتیم کی صورت میں ہے۔[1]

اموالِ باطنہ مالکوں کے سپرد ہیں۔ اوّلاً ان کی ولایت بھی امام ہی کو حاصل تھی لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں یہ طریقہ ترک ہو گیا اور انھوں نے مصلحت یہی خیال فرمائی کہ یہ اموال مالکوں پر چھوڑ دیئے جائیں اور صحابۂ کرام نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور ان اموال میں مالک امام کے وکیل کے طور پر ہو گئے اگرچہ ان پر زکوٰۃ لینے کا امام کا حق بالکلیہ ختم نہیں ہوا، اسی لیے اگر امام کو یہ معلوم ہو کہ فلاں علاقے کے لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ نہیں دے رہے ہیں تو وہ ان سے مطالبہ کر سکتا ہے ورنہ نہیں کہ عام حالات میں اموال باطنہ کی زکوٰۃ کا حکومت کا مطالبہ خلافِ اجماع ہوگا۔[2]

مالِ تجارت اگر اپنی جگہ پر موجود ہو تو مال باطنہ ہے اور جب اس کو ایک علاقے سے دوسرے علاقے لے جایا جائے اور تاجر اسے لے کر عاشر (چنگی لینے والے) کے پاس سے گزرے تو اس وقت یہ مال ظاہرہ متصور ہوگا اور مالک پر اس کی زکوٰۃ عاشر کو دینا لازم ہوگا۔

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۶۴۳۔ ط المنار۔

[2] حاشیۃ ابن عابدین۔ ج ۲، ص ۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی حکومت (امام) راستوں کے ناکوں پر تجارتی سامان پر صدقات کی وصولی کے لیے جو آدمی مقرر کرتی ہے وہ عاشر (عُشُور یا لینے والا) کہلاتا ہے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ ان عاشروں کی مذمت کے بارے میں جو روایات وارد ہیں وہ ظلماً وصول کرنے والوں کے بارے میں ہیں[1]

مسلک مالکؒ کے فقہاء کی رائے

مسلک مالکؒ کے فقہاء کہتے ہیں کہ زکوٰۃ لازماً امام عدل کو دی جائے گی اور وہ اس کو وصول کرنے اور صرف کرنے کا مجاز ہوگا اگرچہ وہ ان معاملات کے سوا دیگر معاملوں میں ظالم ہو۔ اور زکوٰۃ خواہ مویشی کی صورت میں ہو یا زرعی پیداوار کی صورت میں یا بہ صورت نقد ہو اور جب امام عدل طلب کرے اور کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس نے زکوٰۃ دے دی ہے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

ایسے امام کو (جو زکوٰۃ کے معاملے میں عادل اور دیگر معاملات میں ظالم ہو) دینا لازم ہے یا جائز ہے؟

الدردیر اپنی الشرح الکبیر میں کہتے ہیں کہ واجب ہے اور الدسوقی نے اپنے حاشیہ میں کہا ہے کہ مکروہ ہے جیسا کہ التوضیح وغیرہ میں ہے۔

بہرحال اس امر پر اتفاق ہے کہ جو امام تمام معاملات میں عادل ہو اس کو دینا واجب ہے[2]

القرطبی فرماتے ہیں کہ اگر امام زکوٰۃ کے لینے اور صرف کرنے میں عادل ہو تو نقدین میں مالک کو از خود صرف کرنا درست نہیں ہے۔ اور ایک قول یہ بھی کہ زرِ نقد کی زکوٰۃ مالک ہی کے ذمے ہے اور ابن الماجشون کہتے ہیں کہ یہ اجازت بایں صورت ہے کہ مالک فقراء اور مساکین ہی پر صرف کرے اور اس کے علاوہ صرف کرنا درست نہیں ہے،

---

[1] بحوالہ مذکور، ص ۴۱، ۴۲۔

[2] الشرح الکبیر بحاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۳، ۵۰۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ امام ہی تقسیم کرے گا۔[1]

مسلک شافعیؒ کے فقہاء کی رائے مسلک شافعیؒ کے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اموالِ باطنہ (سونے چاندی اور سامانِ تجارت) میں زکوٰۃ مالک خود ہی تقسیم کرے گا اور اسی طرح زکوٰۃ الفطر میں جبکہ اس زکوٰۃ کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ اموالِ ظاہرہ میں سے ہے۔

اموالِ ظاہرہ، پیداواریں اور کانیں وغیرہ تو ان میں مالک کے خود تقسیم کرنے کے بارے میں دو اقوال ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور بعد کا قول یہ ہے کہ جائز ہے بلکہ اگر امام عادل ہو تو اسے دینا واجب ہے اور اگر امام ظالم ہو تو دو صورتیں ہیں یعنی یہ کہ جائز ہے اور یہ کہ لازم نہیں ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ امام کو دینا ہی لازم ہے اس لیے کہ اس کا حکم نافذ ہے اور وہ معزول نہیں ہوا ہے۔

ان فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ اگر اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ کا امام مطالبہ کرے تو بلا اختلاف اس مطالبہ کو تسلیم کیا جانا چاہیے اور جو لوگ باز رہیں ان سے امام مزاحمت کر سکتا ہے اگرچہ وہ از خود ادا کر رہے ہوں اور اگر امام مطالبہ نہ کرے اور کوئی زکوٰۃ وصول کرنے والا نہ آئے تو مالک اس وقت ادائے زکوٰۃ کو مؤخر کرے جب تک زکوٰۃ وصول کرنے والے کے آنے کی توقع ہو اور جب یہ توقع باقی نہ رہے تب از خود تقسیم کر دے۔

اموالِ باطنہ کے بارے میں الماوردی کہتے ہیں کہ ان اموال میں حکمرانوں کو کوئی اختیار نہیں ہے اور مالک اس کے زیادہ حقدار ہیں اور اگر وہ از خود صرف کر دیں تو حکمراں کو ان کی بات قبول کرنی چاہیے لیکن اگر کسی کے بارے میں امام کو یہ علم ہو کہ وہ از خود زکوٰۃ نہیں دیتا تو کیا امام کو یہ اختیار رہے گا کہ وہ اسے حکم دے کہ یا تو خود زکوٰۃ ادا کرے یا امام کو دے تاکہ وہ اسے مستحق لوگوں کو دے سکے، اس میں وہی دو صورتیں ہیں جو نذر اور کفارے کے مطالبہ میں ہیں۔ اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ امام کے اس اختیار کو تسلیم کیا جائے تاکہ

---

[1] تفسیر القرطبی، ج ۸، ص ۱۷۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ نہ دینے کے منکر کا ازالہ ہو سکے۔[1]

حنبلی فقہاء کی رائے حنبلی مسلک کے فقہاء کے نزدیک اس زکوٰۃ کا امام کو دینا لازم نہیں ہے لیکن امام کو لینے کا اختیار ہے اور مسلک میں اس بارے میں بقول المغنی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام کو دینا جائز ہے خواہ امام عادل ہو یا نہ ہو اور خواہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ ہو یا اموال باطنہ کی اور دینے والا امام کو دے کر بری الذمہ ہو جائے گا خواہ امام اس کو تلف کر دے یا اسے مصرف زکوٰۃ کے علاوہ کسی اور مصرف میں لگا دے، جیسا کہ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اس لیے کہ امام ان کا شرعاً نائب ہے اور اسے دے کر دینے والا بری الذمہ ہو جائے گا، جیسے یتیم کا مال اگر امام اپنی تحویل میں لے لے تو ولی بری الذمہ ہو جائے گا، بہرحال مسلک میں اس بارے میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ مال کا مالک زکوٰۃ از خود بھی تقسیم کر سکتا ہے۔

البتہ مسلک میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کون سا مسلک عمدہ اور افضل ہے کہ اگر امام مطالبہ نہ کرے تو مالک خود ہی اپنی زکوٰۃ دے دے یا امام عادل کو دے دے تاکہ وہ اس کو صرف کرے۔

ابن قدامہ المغنی میں کہتے ہیں کہ

مستحب یہ ہے کہ مالک اپنی زکوٰۃ خود ہی دے تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ اس کی زکوٰۃ مستحق تک پہنچ گئی ہے خواہ یہ اموال ظاہرہ ہوں یا باطنہ ہوں؟

امام احمد کہتے ہیں کہ مالک کا خود زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے لیکن اگر امام کو دے دے تو وہ بھی جائز ہے۔

حسن، مکحول، سعید بن جبیر اور میمون بن مہران کہتے ہیں کہ مالک خود ہی ادا کرے۔

ثوریؒ کہتے ہیں کہ اگر افراد حکومت زکوٰۃ صحیح مصرف میں صرف نہ کریں تو انھیں نہ دی جائے۔

---

[1] الروضہ: ج ۲، ص ۲۰۵، ۲۰۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عطاء کہتے ہیں کہ اگر افراد حکومت زکوٰۃ کو صحیح مصرف صرف کریں تو انھیں دی جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو انھیں زکوٰۃ نہ دی جائے۔

شعبی اور ابو جعفر کہتے ہیں کہ اگر والی عادل نہ ہو تو زکوٰۃ خود ہی اہل ضرورت کو دے دی جائے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ یہ اقوال ظالم حکمرانوں کے بارے میں ہیں اور ان سے المغنی کے قول کی تائید نہیں ہوتی۔

امام احمدؒ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ زمین کی زکوٰۃ میں میرے نزدیک بہتر یہی ہے کہ سلطان کو دی جائے اور مویشی جیسے اموال کی زکوٰۃ مالک خود ہی فقراء اور مساکین کو دے دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمدؒ کے نزدیک عشر امام کو دینا مستحب ہے۔ اس لیے کہ بعض فقہاء کے نزدیک خراج کی طرح عشر بھی زمین کی مؤونت ہے بخلاف دیگر اموال زکوٰۃ کے۔

المجامع میں ان کی یہ رائے ہے کہ صدقۂ فطر سلطان کو دینا پسندیدہ ہے۔

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے کہا گیا کہ حکمران زکوٰۃ کے مال سے کتے پالتے اور شراب پیتے ہیں، اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا پھر بھی زکوٰۃ حکومت ہی کو دینی چاہیئے۔

ابن ابی موسیٰ اور ابو الخطاب کہتے ہیں کہ امام عادل کو زکوٰۃ دینا افضل ہے اور یہی رائے امام شافعیؒ کے اصحاب کی ہے۔

بعد ازاں ابن قدامہ نے ان فقہاء کے اقوال درج کیے ہیں جن کے نزدیک تمام اموال کی زکوٰۃ امام (حکومت) ہی کو دی جانی چاہیے اور ان فقہاء کا قول جن کے نزدیک اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ امام کو دینا لازم ہے، جیسا کہ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ابو عبیدؒ وغیرہ اور ان اصحاب کی دلیل مذکورہ بالا آیت (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ) اور حضرت ابو بکرؓ کا مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنا ہے۔

اس کی ابن قدامہ اس طرح تردید کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مالک کے از خود مستحق کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ دینے کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس نے مستحق کو اس کا حق پہنچا دیا ہے جیسا کہ قرض دے دیا جائے، اور جس طرح کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ بھی مالک خود دیتا ہے اور اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی اموال باطنہ کی ہی طرح ہے کہ بہرحال وہ بھی زکوٰۃ ہے۔

جہاں تک آیت قرآنی کا تعلق ہے تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام (حکومت) زکوٰۃ لے سکتی ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور حضرت ابوبکرؓ کے قتال کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے سرے سے زکوٰۃ ہی نہیں دی، اگر وہ مستحقین کو زکوٰۃ دے دیتے تو حضرت ابوبکرؓ ان سے مقابلہ نہ فرماتے، اس لیے کہ زکوٰۃ کے از خود دینے کا مسئلہ اختلافی ہے اور اس پر مقابلہ نہیں ہو سکتا اور امام کا مطالبہ مستحقین کی ولایت اور نیابت کے طور پر ہوتا ہے، اس لیے اگر دہندہ خود ہی مستحقین کو دے دے تو جائز ہونا چاہیے، کیونکہ دہندہ صاحب عقل ہے بخلاف یتیم کے۔

اور جہاں تک مستحقین کو خود زکوٰۃ دینے کے مستحب ہونے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح مستحق کا حق اس کو پہنچ جاتا ہے اور عاملین زکوٰۃ کی اُجرت بچ جاتی ہے اور مستحقین کا حق خیانت سے محفوظ ہو جاتا ہے اور مستحق کی تکلیف براہِ راست دور ہو جاتی ہے اور رشتہ داروں اور قرابت داروں کی حق رسی اور صلہ رحمی ہو جاتی ہے اس لیے از خود مستحقین کو زکوٰۃ دینا زیادہ افضل ہے جیسا کہ اس صورت میں افضل ہے جب لینے والا اہل عدل میں سے نہ ہو۔

ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ اگر امام عادل ہو تو پھر تو خیانت کا اندیشہ نہیں ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ امام از خود زکوٰۃ وصول نہیں کرتا بلکہ اس کے مقرر کردہ وصول کنندگان کرتے ہیں اور ان سے خیانت کا اندیشہ ہے اور یہ بھی خطرہ ہے کہ زکوٰۃ مستحق کو نہ پہنچے، جب کہ مالک اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں موجود مستحقین سے بخوبی واقف ہے، اور وہ اس کے صلہ اور ہمدردی کے زیادہ مستحق ہیں [1]

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۶۴۱، ۶۴۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلک زیدیہ کے فقہاء کی رائے

زیدیہ مسلک کے فقہاء کے نزدیک امام کو اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ دونوں پر ولایت حاصل ہے اور امام عادل کی موجودگی میں مالک کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔

ان کے نزدیک مویشی، پھل، فطرہ، خراج اور خمس اموال ظاہرہ ہیں۔ اور سونا اور چاندی اور تجارتی مال اموال باطنہ ہیں۔

ان کا استدلال (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ) سے اور (زکوٰۃ اغنیاء سے لے کر ان کے فقیروں کو لوٹائی جاتی ہے۔) والی حدیث سے اور آپ کے زکوٰۃ وصول کنندگان کے روانہ کرنے والی احادیث سے ہے، اور عمل خلفائے راشدین دلیل ہے۔

ان کے نزدیک کفارے، نذریں اور مظالم میں امام کو ولایت حاصل نہیں ہے بلکہ یہ افراد کا اپنا معاملہ ہے الّا یہ کہ لوگ یہ ذمے داریاں پوری نہ کریں تو امام ان پر ان کو پورا کرنا لازم قرار دے دے۔

اور فرق ان دونوں امور میں یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت تو من جانب اللہ ہے جبکہ کفارہ وغیرہ میں خود مکلف اس کے لزوم کا سبب بنا ہے۔

جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ زکوٰۃ کا معاملہ امام کے سپرد ہے تو اگر کوئی شخص امام کے زکوٰۃ کے مطالبہ کے بعد اپنی زکوٰۃ امام کے علاوہ کسی اور کو دے دے تو اسے جائز نہ ہو گا اور اس پر اس کا اعادہ لازم ہو گا اگرچہ بوقت ادائیگی اسے علم نہ ہو کہ امام نے مطالبۂ زکوٰۃ کیا ہے یا زکوٰۃ امام ہی کو دینی ہے۔ اس لیے کہ اس کا اس واجب (فریضہ) سے ناواقف ہونا عذر نہیں بن سکتا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جس واجب (فریضہ) کی ناواقفیت عذر نہیں بنتی وہ ایسا واجب ہوتا ہے جس پر اجماع ہو جبکہ اختلافی مسئلہ میں ناواقفیت اجتہاد کی طرح ہوتی ہے اور اموال میں امام کی ولایتِ زکوٰۃ اختلافی مسئلہ ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ عدم واقفیت کی صورت میں مالک کا خود ادا کرنا جائز ہو۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مذکورہ اختلاف امام کی جانب سے مطالبہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کی صورت میں ہے اگر امام کا مطالبہ ہو تو یہ امر اجماعی ہے اور اسے زکوٰۃ دینا لازمی ہے۔[1]

اگر امام موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن مالک اس کی زیر ولایت نہ رہتا ہو تو عاقل بالغ مالک اپنی زکوٰۃ خود ہی مستحقین کو دے گا اور بچے، مجنون اور بے ہوش وغیرہ کی زکوٰۃ اس کا ولی دے گا، اور نیت ضروری ہوگی۔[2]

مسلک اباضیہ کے فقہاء کی رائے

مسلک اباضیہ کے فقہاء کے نزدیک اگر امام ظاہر ہو تو زکوٰۃ امام ہی کو دی جائے گی اور مالک از خود اپنی زکوٰۃ تقسیم نہیں کرے گا اگر کرے تو ٹوٹا دے گا الا یہ کہ امام یا اس کا نائب اسے خود دینے کا حکم دیں تو پھر وہ خود دے سکتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے بغیر حکم امام بھی دینا جائز ہے اور ایک اور قول یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے الا یہ کہ امام مطالبہ کرے تو اس صورت میں امام کو دوبارہ دے گا اگرچہ امام نے اس علم کے بعد مطالبہ کیا ہے کہ وہ زکوٰۃ دے چکا ہے۔

اس آخری قول کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی بیوی سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا، اگر ان کا بغیر اجازت امام دینا جائز نہ ہوتا تو وہ ان سے مطالبہ نہ کرتے۔ اور اہلیہ نے جو یہ کہا کہ نہیں جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ لوں تو اس کی وجہ ان کی یہ رائے تھی کہ میں عورت کا اپنے شوہر اور اپنے بیٹوں کو زکوٰۃ دینا ناجائز نہ ہو۔

امام کو زکوٰۃ دینے کے قائلین کی دلیل حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فرمان ہے کہ اگر وہ مجھے وہ ایک رسی نہ دیں گے جو عہد نبوت میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ نے ان سے مقابلہ کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ لازمی بتایا اور اس مانع زکوٰۃ میں مطلقاً نہ دینا، یا اپنے رشتہ داروں کو از خود دینا یا دینے کا ارادہ کرنا سب صورتیں شامل ہیں

---

[1] شرح الازھار وحواشیہ۔ ج ۱، ص ۵۲۷، ۵۲۹۔

[2] شرح الازھار، ج ۱، ص ۵۳۴، ۵۳۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ مانعینِ زکوٰۃ نے یہی کہا تھا کہ ہم اپنے اموال میں شریک نہیں بناتے۔ یہاں اعتبار عموم لفظ کا ہے خصوص سبب کا نہیں ہے اور یہاں پر قتال کو صرف منع سے متعلق کیا گیا ہے، اور یہ عام ہے (یعنی اس منع کی خواہ کوئی صورت ہو)[1]

الشعبی، الباقر، ابوزرین اور الاوزاعی کی رائے

شعبی، باقر، ابوزرین اور اوزاعی کی رائے بھی یہی ہے کہ زکوٰۃ امام کو دی جائے گی کیونکہ امام ہی کو مصارفِ زکوٰۃ کا علم ہے اور اسے دینا (دینے والے کو) ظاہری اور باطنی طریقے پر بری الذمہ کر دیتا ہے، جبکہ از خود فقیر کو دینے سے وہ باطناً بری نہیں ہوتا اس لیے کہ اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ اس نے غیر مستحق کو زکوٰۃ نہ دے دی ہو، اور یہ کہ اختلافی صورت سے اجتناب ہو جاتا ہے۔ اور تہمت (نہ دینے کی) بھی باقی نہیں رہتی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس جب حضرت ابن زبیرؓ کے زکوٰۃ وصول کنندگان آتے تو انھیں زکوٰۃ دیتے اور جب سجدہ سہو کرتے آتے تو انھیں زکوٰۃ نہ دیتے تھے۔

سہیل ابوصالحؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس گیا اور ان سے عرض کی کہ میرے پاس مال ہے اور میں اس کی زکوٰۃ دینا چاہتا ہوں اور ان لوگوں کا جو حال ہے وہ آپؓ کے سامنے ہے تو آپؓ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ انھی کو دے دو، اس کے بعد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور ان سے یہی بات کہی اور آپ نے بھی یہی جواب دیا۔ پھر میں حضرت ابوہریرہؓ کے پاس گیا انھوں نے بھی یہی جواب دیا، پھر میں ابوسعیدؓ کے پاس آیا تو انھوں نے بھی یہی کہا۔ اور یہی رائے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے[2]

موازنہ اور ترجیح

ان اقوال اور ان مسالک کے مابین ترجیح اور موازنہ سے پہلے میں اس امر کی جانب اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات اور اختلافات کے باوجود فقہاء ان دو بنیادی امور میں متفق ہیں۔

---

[1] شرح النیل، ج ۲، ص ۱۳۷، ۱۳۸۔

[2] المغنی، ج ۲، ص ۶۴۲، ۶۴۳۔ ط۔ المنار۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱) امام (حکومت) کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں سے ہر قسم کے مال۔ ظاہرہ اور باطنہ۔ کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرے اور بالخصوص اس صورت میں جبکہ کسی علاقے (شہر) کے لوگ ادائے زکوٰۃ میں سستی برتتے ہوں اور یہی بات علمائے احناف نے تاکید کے ساتھ کہی ہے۔

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف کا تعلق امام کے عدم مطالبہ کی صورت سے ہے لیکن مطالبہ کی صورت میں امام کو زکوٰۃ دینے پر اجماع ہے[1]

اور اگر اس میں کوئی اختلاف ہے تو وہ امام کے مطالبہ سے رفع ہو جاتا ہے کیونکہ امام کا حکم ایک امر اجتہادی ہے اور اس پر بنا کرنے سے یہ اختلاف رفع ہو جاتا ہے اور اس کی حیثیت قضاء قاضی (عدالتی فیصلہ) کی سی ہو جاتی ہے[2]

۲) یہ بلاشبہ ایک اختلافی اور قطعی امر ہے کہ اگر امام خود ہی زکوٰۃ کی وصولیابی کو نظر انداز کر دے اور لوگوں سے اس کا مطالبہ نہ کرے تو ظاہر ہے کہ مال کے مالکوں سے زکوٰۃ کی فرضیت ساقط نہ ہوگی بلکہ باقی رہے گی اور ان پر از خود مستحقین کو دینا لازم ہوگا اس لیے کہ زکوٰۃ ایک لازمی فریضہ اور عبادت ہے۔ بلکہ اگر کوئی حاکم یہ اعلان کر دے کہ زکوٰۃ معاف کر دی گئی ہے تو اس کا یہ اعلان کالعدم اور بے حقیقت متصور ہوگا اور ہر مسلمان پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم رہے گی۔

ان دونوں امور کی وضاحت کے بعد اب صرف اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں یہ اختلاف باقی رہ گیا کہ اس کی زکوٰۃ امام کو دی جائے یا نہ دی جائے؟

میری اس سلسلے میں رائے یہ ہے کہ جن نصوص اور شرعی دلائل سے زکوٰۃ امام اور حکومت کے معاملات میں سے قرار دی گئی ہے۔ ان نصوص میں مال ظاہر اور مال باطن میں کوئی فرق نہیں کیا ہے اور مسلم حکومت کا لازمی فرض یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کی ذمے داری

---

[1] شرح الازہار، ج ۱، ص ۵۲۹۔

[2] البحر، ج ۲، ص ۱۹۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبول کرے اور یہی وصولیٔ زکوٰۃ کی اصل صورت ہے جیسا کہ امور درج ذیل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) امام رازیؒ اپنی تفسیر میں "انما الصدقات" کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے اور اسے تقسیم کرنے کی ذمہ داری امام پر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عاملین (زکوٰۃ کے کارندوں) کا جداگانہ مصرف متعین کیا گیا ہے۔ جو اس امر کی دلیل ہے کہ ادائے زکوٰۃ کے لیے عامل ضروری ہے اور عامل وہ ہے جسے امام زکوٰۃ کی وصولیابی پر مامور کرے اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام ہی زکوٰۃ وصول کرے اور (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً) سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ جبکہ اموالِ باطنہ میں مالک کے از خود زکوٰۃ ادا کرنے کے جواز کی دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے۔ (وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ) کیونکہ یہ حق سائل اور محروم کا ہے اس لیے اسے ابتداءً ہی دینا چاہیے۔[1]

مگر امام رازیؒ کا یہ استدلال درست نہیں ہے اس لیے کہ سائل اور محروم کا حق تو اموالِ ظاہرہ میں بھی موجود ہے اور یہ دلائل موجود ہیں کہ زکوٰۃ امام کا معاملہ ہے انفرادی معاملہ نہیں ہے جیسا کہ خود انھوں نے بیان کیا ہے۔

(۲) حنفی محقق کمال الدین بن الہمام کہتے ہیں کہ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً کا ظاہر یہی بتاتا ہے کہ اموال کی ہر دو اقسام اموالِ باطنہ و ظاہرہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کا حق امام کو حاصل ہے۔ اور یہی سنت عہدِ رسالتؐ اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں رہی ہے لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور لوگوں میں تبدیلی آگئی تو انھوں نے یہ غیر مناسب خیال کیا کہ لوگوں کے پوشیدہ اموال کی تفتیش کے لیے سُعاۃ (کارندے) روانہ فرمائیں تو انھوں نے مالکوں کو یہ نیابت سونپ دی اور صحابہ کرامؓ نے ان پر اس بارے میں اعتراض نہیں کیا مگر اس سے (اموالِ باطنہ میں) امام کے مطالبہ کا حق ساقط نہیں

---

[1] الرازی: التفسیر الکبیر، ج ۱۶: ص ۱۱۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہُوا، اسی لیے اگر اسے یہ علم ہو کہ اہلِ بلد اپنی زکوٰۃ نہیں دیتے تو وہ ان سے مطالبہ کر سکتا ہے [1]

ج) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اموالِ ظاہرہ اور اموال باطنہ کی زکوٰۃ سعودہی وصول فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ابوعبید ترمذیؒ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ وصول کنندہ مقرر فرمایا، آپ حضرت عباسؓ کے پاس آئے اور ان سے زکوٰۃ طلب کی، انھوں نے کہا کہ میں پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سال کی زکوٰۃ دے چکا ہوں، حضرت عمرؓ نے یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کی آپ نے فرمایا کہ میرے چچا درست کہہ رہے ہیں ہم نے ان سے دو سال کی زکوٰۃ پہلے ہی لے لی ہے [2]

متعارف یہی ہے کہ حضرت عباسؓ تاجر تھے اور ان کا مال مویشی اور زرعی پیداوار کی صورت میں نہیں تھا۔

د) اس سے ملتی جلتی ایک روایت یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساعی (وصول کنندگان) روانہ فرمائے بعض طعنہ گر افراد نے کہا کہ ابن جمیل خالد بن ولیدؓ اور عباسؓ بن عبدالمطلب نے زکوٰۃ نہیں دی ہے، اس پر آپ نے خطاب فرمایا اور عباسؓ اور خالد بن ولیدؓ کی صفائی بیان فرمائی اور ابن جمیل پر اس طعنہ کو درست قرار دیا اور کہا کہ خالدؓ پر لوگ زیادتی کر رہے ہیں دراصل خالدؓ نے اپنی زرہیں رکھوا دی تھیں اور میں انھیں فی سبیل اللہ قرار دیتا ہوں، اور عباسؓ کی زکوٰۃ ان کے ذمے ہے اور اس کے مثل بھی ہے۔

---

[1] ابن الہمام: فتح القدیر، ج ۱، ص ۴۸۷۔ ط۔ بولاق۔

[2] الاموال، ص ۵۸۹۔ یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جو ضعف سے خالی نہیں ہیں مگر متعدد سندیں مل کر قوی ہو جاتی ہیں (فتح الباری۔ ۳۔ ۲۱۴) اس حدیث سے فقہا نے تعجیل زکوٰۃ پر استدلال کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ان کی زکوٰۃ میرے اوپر ہے اور اس کے مثل بھی ہے۔[1]

ھ) اس کی مؤید ابوداؤد کی نقل کردہ حضرت علیؓ کی یہ حدیث بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"رُبع عُشور (۲½) لے آؤ" یعنی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم۔[2]

آپ کا یہ فرمانا کہ لے آؤ نقود کی زکوٰۃ کے مطالبہ اور اس کے امام کو دینے پر دلیل ہے۔

و) متعدد روایات، اس مفہوم کی بھی موجود ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ "عطاء" یعنی فوجیوں اور دیوان وغیرہ مرتب کرنے والوں کی تنخواہوں میں سے بھی زکوٰۃ لیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ جب کسی کو عطا دیتے تو اس سے پوچھتے کہ تمہارے پاس اور بھی مال ہے اگر وہ کہتا کہ ہاں ہے تو اس عطا میں سے اس کے مال کی زکوٰۃ لے لیتے ورنہ اسے اس کی عطا سپرد کر دیتے۔

حضرت ابن مسعودؓ عطیات (تنخواہوں) میں سے ہر ہزار پر پچیس وضع کر لیتے، کیونکہ ان کا مسلک یہی تھا کہ مال مستفاد کی زکوٰۃ کے لیے سال گزرنا شرط نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ جب عطا جاری کرتے تو جملہ اموال تجارت جمع فرماتے اور اس میں فوری اور مؤخر زکوٰۃ کا حساب کرتے موجود اور غیر موجود سے زکوٰۃ لے لیتے۔[3]

قدامہ سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب حضرت عثمان بن عفان کے

---

[1] الاموال ص ۵۹۲، ۵۹۳، اس حدیث کو احمدؒ اور بخاریؒ اور مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ نیل الاوطار، ج ۴، ۱۴۹۔

[2] معالم السنن، ج ۲، ص ۱۸۸، ۱۸۹۔ و ابن القیمؒ: تہذیب سنن ابی داؤد۔

[3] مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۴، ص ۴۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاس اپنی عطا لینے جاتا تو آپ پوچھتے کہ کیا تمھارے پاس ایسا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو؟ اگر میں کہتا کہ ہاں تو وہ میری عطا (تنخواہ) میں سے اس مال کی زکوٰۃ لے لیتے۔ اور میں کہتا کہ نہیں تو پھر پوری عطا دے دیتے [1]

منہا) جو فتاوی حضرت ابن عمرؓ وغیرہ صحابۂ کرامؓ سے مروی ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امرا منحواہ ظالم ہی ہوں زکوٰۃ انھی کو دی جائے اور اس میں مال ظاہر اور مال باطن کا کوئی فرق نہیں ہے۔

ابو عبیدؒ کی رائے اور ان کا نقد فقہاء نے اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ میں فرق کی دلیل سنت علی سے یہ دی ہے کہ ہمیں کوئی متواتر روایت یا مشہور روایت ایسی نہیں پہنچی ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقود یا سامان تجارت پر زکوٰۃ کی وصولی کے لیے اپنے عمال بھیجے ہوں کہ ان اموال کی زکوٰۃ لے کر آئیں یا وہاں کے مستحقین میں تقسیم کریں جیسا کہ آپ نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ میں عمال بھیجے۔

اسی لیے جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ بھی امام کو دینا جائز ہے انھوں نے اس کی یہ شرط لگائی ہے کہ امام تقویٰ شعار ہو اور زکوٰۃ کو اس کے مقام پر صرف کرے اور کسی کی اور رعایت نہ کرے۔ بہرحال زکوٰۃ دہندہ جو بھی صورت اختیار کرے گا اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

ابو عبید کہتے ہیں کہ

ہمارے نزدیک اہل حجاز و عراق وغیرہ کے محدثین و فقہاء کا نقدی سیم و زر کے متعلق یہی قول ہے اس لیے کہ اس بارے میں مسلمانوں کو اسی طرح امین متصور کیا جائے گا جیسے کہ نماز ادا کرنے میں انھیں امین سمجھا جاتا ہے۔

باقی رہا مویشیوں، غلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کا معاملہ سو ان اشیاء کی زکوٰۃ حکام ہی

---

[1] الشافعیؒ: الام، ج ۲، ص ۱۴، بولاق۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وصول کریں گے اور ان اشیاء کے مالکوں کو یہ حق نہیں کہ وہ ان کی زکوٰۃ ان حکام سے چھپائیں اور اگر مالک ان اشیاء کی زکوٰۃ نکال کر مستحقین میں بانٹ دے تو اس عمل سے اس کی فرض زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اسے دوبارہ ان کی زکوٰۃ حکام کو دینا ہوگی آثار و روایات میں ان دونوں قسموں کی زکوٰۃ میں فرق ملحوظ ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مہاجرین و انصار کی موجودگی میں مویشیوں کی زکوٰۃ روکنے پر مرتدین سے جنگ کی تھی، لیکن سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے پر ایسا نہیں کیا۔[1]

بعد ازاں ابو عبید نے متعدد آثار ذکر کیے ہیں اور ان سے یہ استدلال کیا ہے کہ افراد خود ہی اپنے مال باطن کی زکوٰۃ نکالیں گے۔

ان آثار کا جائزہ لینے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مال باطن کی زکوٰۃ کے از خود ادا کرنے کا جواز فی الواقع اصل اصول سے استثناء ہے اور اس کا فتویٰ صحابہ کرامؓ نے اس وقت دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفاء کی سنت سے انحراف پیدا ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ اس رائے کا اظہار اس وقت ہوا جب یہودی سازشیں مسلم معاشرے پر چھا گئیں اور عبداللہ بن سبا کے تیار کردہ گروہ کے ہاتھوں حضرت عثمان غنیؓ شہید ہو گئے۔

ابو عبید نے اپنی سند سے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ

"زکوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی یا پھر اسے دی جاتی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مامور ہوتا آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو دی جاتی یا جسے وہ مامور کر دیتے، ان کے بعد حضرت عمرؓ کو دی جاتی یا جسے وہ مامور کر دیتے ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو دی جاتی یا جسے وہ مامور کر دیتے پھر اس بارے میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بارے میں لوگوں میں

---

[1] الاموال، ص ۵۷۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف پیدا ہوگیا لوگوں میں سے کچھ تو اپنی زکوٰۃ حکام ہی کو دیتے رہے اور کچھ اپنے طور پر اسے تقسیم کر دیتے، جو لوگ حکام کو دیتے تھے ان میں حضرت ابن عمرؓ بھی تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کا مشہور قول ہے کہ جب تک یہ حکام نماز قائم کرائیں انھیں زکوٰۃ دیتے رہو۔

ان سے مروی بعض اقوال میں یہ قید بھی موجود نہیں ہے بلکہ انھوں نے کسی پوچھنے والے کے جواب میں کہا کہ

"انھی حکمرانوں کو زکوٰۃ دیتے رہو خواہ وہ اس سے اپنے دسترخوانوں پر کتوں کا گوشت تقسیم کریں"

ایک اور شخص سے آپ نے کہا کہ

"انھی حکمرانوں کو زکوٰۃ دو خواہ وہ اس سے کپڑے اور خوشبو لے لیں"

لیکن بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اس رائے سے رجوع فرما لیا تھا اور کہا تھا کہ

"زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے مقامات پر صرف کر دو"

حضرت ابن عمرؓ کے ایک دوست نے ان سے بحث کی اور ان سے کہا کہ تم زکوٰۃ کے بارے میں کیا کہتے ہو یہ لوگ تو زکوٰۃ کو اس کے مقامات پر صرف نہیں کرتے تو حضرت ابن عمرؓ نے انھیں کہا، حکمرانوں ہی کو دو، اس شخص نے کہا کہ اگر یہ وقت پر نماز نہ پڑھیں تو کیا تم ان کے ساتھ نماز پڑھو گے انھوں نے فرمایا نہیں۔ اس شخص نے کہا کہ زکوٰۃ بھی نماز ہی کی طرح ایک فریضہ ہے۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ان حکمرانوں نے جس طرح ہمارے معاملات کو الجھایا ہے خدا ان کے معاملات الجھائے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس شخص کا نقطۂ نظر تسلیم کر لیا۔

اسی طرح ابراہیم نخعیؒ اور حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ

"زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے مقامات پر صرف کر دو اور حکمرانوں سے مخفی رکھو"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میمون بن مہران نے کہا کہ

"تھیلیوں میں رکھ کر اپنے جاننے والوں کو دے دو اور مہینہ ختم ہونے سے پہلے تقسیم کر دو۔"

ابو یحییٰ الکندی بیان کرتے ہیں کہ

"میں نے سعید بن جبیر سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ولی امر کو دے دو، جب سعید اُٹھے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور ان سے کہا کہ آپ نے کہا ہے کہ زکوٰۃ حکمرانوں کو دے دو اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سامنے ہے، تو انھوں نے فرمایا جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے اس طرح زکوٰۃ دے دو، تم نے سب کے سامنے پوچھا تھا اس لیے میں نے یہ بات نہیں بتائی تھی۔"

ابو عبید نے یہ آثار اور فتاوی پیش کر کے اسی امر پر استدلال کیا ہے کہ یہ اس زمانہ سے متعلق ہیں جب اسلامی ضمیر اموی حکمرانوں پر عام ناراضگی کا اظہار کر رہا تھا کہ انھوں نے خلفائے راشدین کے طریقوں اور سنّت کو بدل ڈالا تھا۔

بہرحال اگر اموال باطنہ اور اموال ظاہرہ کی تفریق تسلیم کر لی جائے اور یہ بات مان لی جائے کہ آپؐ نے سیم وزر پر زکوٰۃ کی وصولی کے لیے وصول کنندگان نہیں روانہ فرمائے تھے تو اس کی دو وجوہ تھیں:-

۱) لوگ جذبۂ ایمانی کے زیر اثر اور اطاعت اور اپنی خوشی کے ساتھ اللہ سبحانہٗ کے مقرر کردہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتے تھے۔

۲) نیز یہ کہ مال باطنہ کا شمار اور حساب صرف مالک ہی کر سکتا ہے اس لیے اس کی زکوٰۃ ان کے ذمے کر دی گئی تاکہ اسلام کی پیدا کردہ بیداریٔ ضمیر کے تحت وہ زکوٰۃ دیں۔

یہ صورت حال حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں برقرار رہی مگر حضرت عمرؓ کے عہد میں دائرۂ خلافت وسیع ہو گیا اور اسلامی ریاست کی حدود وسیع ہو گئیں اور مالیاتی امور کی تنظیم ضروری ہو گئی اور حضرت عمرؓ نے بے مثال اجتماعی کفالت SOCIAL SECURITY

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا نظام قائم کر دیا یہاں تک کہ آپؓ نے ہر پیدا ہونے والے بچے کا وظیفہ مقرر کر دیا اور یہ اجتماعی کفالت اس قدر وسیع ہوئی کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ اس میں غیر مسلم ذمی بھی داخل ہو گئے، تو لامحالہ زیادہ آمدنی کی حاجت ہو گئی۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو پابند فرما دیا کہ وہ اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ سب کی زکوٰۃ وصول کریں تاکہ اس اجتماعی کفالت کے وسیع تر نظام کے لیے آمدنی فراہم ہو سکے اور مسلمانوں کا بیت المال قوی ہو جائے۔

حضرت عمرؓ نے وصولی زکوٰۃ کا نظام وضع کیا اور وصول کنندگان کو 'عاشرین' کا نام دیا کہ یہ عاشرین دار الحرب کے تاجروں اور مسلمان تاجروں سے عُشر اور ذمی تاجروں سے نصف عُشر وصول کیا کرتے تھے (کہ اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے مصالحت کی تھی) اور تجارت پر مسلمان تاجروں سے رُبع عُشر (۲/۱۰) وصول کیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے انھیں ہدایات دی تھیں، اس طرح اس نظام میں زکوٰۃ کی شرحیں عُشر (۱/۱۰) نصف عُشر (۱/۲۰) اور رُبع عُشر (۱/۴۰) تھیں [1]

حضرت عمرؓ فاروق کا عمل احوال باطنہ کے مالکوں کی سہولت پر مبنی تھا کہ بجائے اس کے کہ وہ دراز کے علاقوں سے زکوٰۃ جمع کرانے آئیں ان کے پاس عاشر بھیج دیئے جائیں اور فقہاء نے حضرت عمرؓ کے اسی عمل کو مدِ نظر رکھا ہے۔

اگرچہ وسعت سلطنت کی بنا پر حضرت عمرؓ کا طریقہ دورِ نبوتؐ اور دورِ صدیقؓ سے مختلف تھا مگر بہر حال ان کے عہد میں اموال ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ جمع کی جاتی رہی ہے۔

جب حضرت عثمانؓ کا عہد آیا تو بیت المال میں فئے، غنیمت، خراج، جزیہ، عُشور اور صدقات کی آمدنیوں کی بے حد کثرت ہو گئی تھی اور فتوحات کی بنا پر دولت کی کثرت ہو گئی تھی، اس لیے حضرت عثمانؓ کی یہ رائے ہوئی کہ صرف اموال ظاہرہ ہی کی زکوٰۃ جمع کریں اور اموالِ باطنہ کا معاملہ ان کے مالکوں پر چھوڑ دیں تاکہ ان پر اعتماد کیا جائے اور انھیں تفتیش

---

[1] الاموال: ۵۳۱، ۵۶۷، ۵۷۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تحصیل کی زحمتوں سے بچایا جائے اور وصولیابی اور تقسیم پر ہونے والے اخراجات میں کمی کی جائے۔ یہ حضرت عثمانؓ کا اجتہاد تھا لیکن اس کا نتیجہ بعد میں یہ ظاہر ہوا کہ لوگوں کے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ میں سستی برتنی شروع کر دی۔ کیونکہ اب ان کے جذبۂ دینی میں کمی آگئی تھی اور ان کا یقین کمزور پڑ گیا تھا۔

بعض فقہاء نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ مال کے مالکین نے اداے زکوٰۃ میں حضرت عثمانؓ کی نیابت کی، جیسا کہ الکاسانی البدائع میں کہتے ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ خود زکوٰۃ لیا کرتے تھے، جب حضرت عثمانؓ کا عہد آیا تو مال و دولت کی بڑی فراوانی ہو گئی اور حضرت عثمانؓ نے یہ مناسب خیال کیا کہ اجماع صحابہؓ کے ذریعے اموال باطنہ کی زکوٰۃ مالکوں کے سپرد کر دی جاتے، اس طرح مال کے مالک امام کے وکیل بن گئے اور انھوں نے فرمایا کہ جس پر قرض ہو تو وہ اس کو ادا کرے اور باقی مال کی زکوٰۃ دے دے۔
>
> گویا اس ارشاد سے انھوں نے مال کے مالک کو وکیل بنا دیا، اور اس سے حق امام ختم نہیں ہوا، اسی لیے ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اگر امام کو یہ علم ہو کہ فلاں شہر کے لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کر رہے ہیں تو وہ ان سے مطالبہ کر سکتا ہے[1]

اس سے معلوم ہوا کہ عام اصول یہی ہے کہ امام (حکومت) اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی زکوٰۃ خود ہی وصول کرے، لیکن چونکہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ جمع کرنا مشقت طلب ہو گیا اور بیت المال ہر طرح کے مال و دولت سے بھر گیا تو انھوں نے بطور نیابت مال کے مالکوں پر اس امر کو چھوڑ دیا، لیکن جب لوگ اس نیابت کے طریقہ کو پورا نہ کر رہے ہوں اور اپنے مال میں سے اللہ کا حق ادا نہ کر رہے ہوں تو اصول کے مطابق امام (حکومت) خود ہی زکوٰۃ وصول کرے گا۔

---

[1] بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے عہد میں زکوٰۃ کون وصول کرے گا؟

دمشق میں ۱۹۵۲ء میں عرب یونین کی جانب سے منعقدہ زکوٰۃ کے بارے میں سیمینار میں ہمارے اساتذہ عبدالوہاب خلاف عبدالرحمٰن حسن اور محمد ابوزہرہ نے مقالات پڑھے اور انھوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ

یہ بات طے ہے کہ ولی امر (حکمراں) تمام اموال ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرے گا اور اس کی دو وجوہ ہیں:۔

۱) یہ کہ لوگ اب تمام اموال ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ ترک کر چکے ہیں اور اب وہ وکالت باقی نہیں رہی جو حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد آنے والے حکمرانوں کی طرف سے عام مسلمانوں کو ملی تھی۔ کیونکہ فقہاء اس رائے کا اظہار کر چکے ہیں کہ اگر حکمراں کو معلوم ہو کہ فلاں علاقے کے لوگ زکوٰۃ نہیں دے رہے ہیں تو وہ ان سے بااختیار حکومت زکوٰۃ لے سکتا ہے اور اس میں اموالِ باطنہ اور اموالِ ظاہرہ کا کوئی فرق نہیں ہے ـــــ اب اس اساس پر یہ وکالت ختم ہو چکی ہے۔ اس لیے دوبارہ اصل اصول کو اختیار کرنا لازم ہو گیا ہے۔

۲) اب بیشتر اموال، اموالِ ظاہرہ بن چکے ہیں۔ تجارتی سامان کی آمدنی کا حساب سالانہ شمار کیا جاتا ہے اور چھوٹے بڑے تاجر کے پاس نفع نقصان اور آمدنی کا مکمل حساب موجود ہوتا ہے۔ تو جن طریقوں سے حکومت کے ٹیکسوں کے لیے آمدنی معلوم کی جاتی ہے انھی طریقوں سے زکوٰۃ کے حصول کے لیے بھی آمدنی معلوم کی جا سکتی ہے۔

نقد مال کرنسی وغیرہ آج کل بینکوں میں رکھی جاتی ہے جس کا معلوم کرنا بہت آسان ہے اور جو لوگ اپنا روپیہ پیسہ اپنے گھروں میں رکھتے ہیں وہ فی الواقع ایسے زیادہ مالدار نہیں ہوتے اور ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے اس لیے ایسے لوگوں کا معاملہ ان کے دین پر چھوڑا جا سکتا ہے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے مذکورہ بالا فیصلے کے باوجود عاشرین برقرار رہے اور جب اموالِ باطنہ ظاہر ہو جاتے تو وہ اس پر زکوٰۃ لیتے اور زرِ نقد کے اور سامانِ تجارت کے ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہونے پر زکوٰۃ لیتے کیونکہ اس طرح اموالِ باطنہ اموالِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہرہ بن جاتے تھے الّا یہ کہ مالک یہ ثبوت دے دیتا کہ وہ پہلے ہی حاجتمندوں کو دے چکا ہے یا کسی اور عاشر کو اسی سال ادائیگی کر چکا ہے۔[1]

یہ گفتگو اس قدر مدلل اور وزنی ہے کہ اس کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہر اسلامی حکومت کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ ایک ادارہ یا محکمہ قائم کرے جو معاملات زکوٰۃ کی نگرانی کرے اور وصولی زکوٰۃ اور تقسیم زکوٰۃ کے فرائض انجام دے، جیسا کہ ہم عاملین علیہا کے مصرف زکوٰۃ میں بیان کر چکے ہیں۔

لیکن میری رائے یہ ہے کہ چوتھائی یا تہائی زکوٰۃ کی ایک متعین شرح مالک کے پاس رہنے دی جائے تاکہ وہ اسے اپنے اختیار سے اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو دے سکیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ وہ تہائی یا چوتھائی مالکوں کے پاس چھوڑ دیں تاکہ وہ اپنی زکوٰۃ از خود بھی ادا کر سکیں، جیسا کہ یہ اس فرمان کی ایک تشریح ہے۔

اس طرح ہم ہر دو طریقوں کی خیر کو جمع کر لیں گے اور وہ فوائد بھی حاصل ہو جائیں گے جو مسلک حنبلی کے فقہاء نے مالک کے از خود زکوٰۃ تقسیم کرنے کے بارے میں ذکر کیے ہیں۔

یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ اسلامی حکومت ہو، جو اسلام کو اپنے حکم (اقتدار) کی اساس قرار دیتی ہو، اسلام ہی ریاست کا دستور ہو اور اس کے تمام ثقافتی، اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی معاملات کا منہاج ہو، اسلام ہو، اگرچہ کہیں جزوی طور پر احکام شریعت کی خلاف ورزی کرتی ہو، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

لیکن جو حکومت اسلام کو ریاست کی اساس اور دستور حکمرانی تسلیم نہ کرتی ہو اور مغرب یا مشرق کے کسی نظریہ پر حکومت کی بنیاد قائم ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ لے ورنہ وہ اللہ کی اس وعید کی مستحق ہوگی:

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ

---

[1] حلقة الدراسات الاجتماعية للجامعة العربية - الدورة الثالثة - بحث الزكوٰة

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرہ : ۸۵)

تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

زکوٰۃ چھپانے یا نہ دینے یا ادائیگی کا دعویٰ کرنے کے بارے میں مسالک کے اقوال

زکوٰۃ کے بارے میں حکومت کی مسئولیت پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ تمام مسالک اسلامیہ کے فقہاء نے زکوٰۃ سے باز رہنے والے اور نہ ادا کرنے والے کی سزا مقرر کی ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی شخص برضا و رغبت زکوٰۃ نہ دے تو اس سے جبراً زکوٰۃ لی جائے گی نیز بعض فقہاء نے اس شخص کے بارے میں تفصیلات بیان کی ہیں جو نصاب کا مالک نہ ہونے کا دعویٰ کرے یا سقوط زکوٰۃ کا دعویٰ کرے۔

فقہائے احناف کی رائے

فقہائے احناف کہتے ہیں کہ اگر عاشر کسی سے اس کے مال کی زکوٰۃ طلب کرے اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا سال پورا نہیں ہوا یا یہ دعویٰ کرے کہ اس پر نصاب کے بقدر قرض ہے یا اس قدر قرض ہے جس سے زکوٰۃ کا نصاب باقی نہیں رہتا۔ یا وہ یہ کہے کہ میں نے کسی اور عاشر کو زکوٰۃ دے دی ہے۔ تو اس سے حلف لیا جائے گا اور اگر وہ حلف اٹھا لے تو اسے سچا سمجھا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ پہلے عاشر کو دینے کی رسید پیش کرے لیکن اس رائے پر یہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتراض کیا گیا کہ خط باہم مل بھی سکتے ہیں بلکہ خط کی نقل بھی کی جا سکتی ہے جعل سازی ہو سکتی ہے یا یہ کہ رسید بعد میں ضائع ہو سکتی ہے اس لیے اس پر اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا قول مع قسم کے قابل قبول ہوگا۔

اگر اس نے جھوٹی قسم کھائی اور اس کا جھوٹ سالوں بعد ظاہر ہوا تو اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی اس لیے کہ زکوٰۃ کی وصولی کا حق موجود ہے اور وہ جھوٹی قسم سے ختم نہیں ہوا۔

اگر اس نے یہ کہا کہ میں نے زکوٰۃ خود ہی مستحقین میں تقسیم کر دی ہے اور اس نے یہ حلف بھی اٹھا لیا، ماسوا مویشیوں کی زکوٰۃ کے، کیوں کہ ان کی زکوٰۃ کا حق بہر حال حکومت کو حاصل ہے اور وہ اس کو باطل کرنے کا حق نہیں رکھتا اور اسی طرح ان اموال باطنہ کی زکوٰۃ (حکومت کا حق ہے) جسے وہ کسی اور شہر میں لے کر جا رہا ہو اس لیے کہ اس لے جانے سے وہ اموال ظاہرہ بن گئے اور امام کو یا امام کے نائب کو اس پر زکوٰۃ لینے کا حق حاصل ہو گیا،[2] اسی طرح ارضی پیداوار بھی اموال ظاہرہ

---

[1] آج کل یہ بات ثابت ہو چکی کہ تحریریں گرچہ ہم مثل خلق بھی ہوتی ہیں، لیکن فی الواقع ہر تحریر جدا ہوتی ہے اور ہر لکھنے والے کی تحریر کی جداگانہ خصوصیات، علامات اور نشانیاں ہوتی ہیں، جنھیں ماہرین تحریر بخوبی پہچان سکتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ کے احکام غلبۂ ظن سے ثابت ہو جاتے ہیں اور آج تحریر پر اعتماد ایک لابدی امر بن چکا ہے اور ہر کاری عہدہ داروں کے پاس مہریں ہوتی ہیں، اور دھوکا دہی کرنے والوں کے لیے قوانین بھی موجود ہیں۔

[2] الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین علیہ، ج ۲، ص ۳۴۲، ۳۴۳۔ المیمنیہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں[1] اور امام ان تمام اموال پر جبراً زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اور اگر مالک زمین نے از خود زکوٰۃ ادا کردی تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا مگر فقہاء کی یہ رائے بھی ہے کہ اس پر اسے ثواب عبادت ملے گا اور امام کے لینے پر اسے اس کے مال کے فی سبیل اللہ صرف ہونے کا ثواب ملے گا۔[2]

مالکی مسلک کے فقہاء کی رائے جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی اگر اس کے پاس مال ظاہر ہوا اور اس کو تعزیری سزا بھی دی جائے گی۔ اگر اس کے پاس مال ظاہر نہ ہو کہ اس کے پاس مال ہے تو اسے حبس میں رکھا جائے گا یہاں تک وہ اپنا مال ظاہر کردے، اگر اس کا کچھ مال

---

[1] یہ امر قابل توجہ ہے کہ اکثر فقہائے احناف عشر کو علاوہ زکوٰۃ کے کوئی اور شئے متصور کرتے ہیں کہ یہ محض عبادت نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے زمین کی اجرت بھی ہے اور اس میں بالاتفاق سال گزرنے کی شرط نہیں ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (پیداوار کا بقدر) نصاب ہونا بھی شرط نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ مالک نے وصیت نہ کی ہو پھر بھی اس کے ترکہ سے عشر لیا جاتا ہے، قرض کے باوجود لازم ہوتا ہے اور صغیر، مجنون اور وقف کی زمین پر عائد ہوتا ہے۔ اسی لیے ان فقہاء نے کہا ہے کہ عشر کو زکوٰۃ کہنا بطور مجاز ہے۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ صرف صاحبین کے قول کے مطابق یہ زکوٰۃ ہے اور محقق ابن الہمام نے اس کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ بلاشبہ یہ زکوٰۃ ہے جیسا کہ ہم زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔ (ص ۳۴۲) صحیح یہی ہے، جس کی تائید ہم کئی مرتبہ کر چکے ہیں، کہ زکوٰۃ محض عبادت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں نیابت جاری ہوتی اور جبراً لی جاتی ہے اور صبی اور مجنون وغیرہ کے مال پر بھی عائد ہوتی ہے (کہ مختار رائے یہی ہے)۔

[2] بحوالہ مذکور، ص ۵۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہر ہُوا اور کچھ کے بارے میں یہ تہمت باقی رہی کہ وہ اس نے چھپالیا ہے تو امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس سے حلف نہیں لیا جائے گا کہ اس نے کچھ نہیں چھپایا ہے اگرچہ چھپانے کی تہمت موجود ہو، بہرحال جن فقہا نے حلف لینے کی رائے اختیار کی ہے وہ غلط ہے۔

اور اگر بغیر قتال اس کا لینا ممکن نہ ہو تو امام اس سے مقابلہ کرے گا بغیر اس کو مار ڈالنے کا ارادہ کیے۔ اگر خود اس نے کسی کو قتل کیا ہُوا ہوگا تو اس کے بدلے میں اسے قتل کیا جائے گا اور اگر کوئی اسے قتل کر دے گا تو یہ ھدر ہوگا [1]

شافعیؒ مسلک کے فقہاء کی رائے

المہذب میں ہے کہ

جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہو اور وہ ادا نہ کرے تو یہ دیکھا جائے گا کہ

کیا وہ فرضیت زکوٰۃ ہی کا منکر ہے اگر ایسا ہے تو وہ کافر ہے اور اُسے کفر کی سزا میں قتل کیا جائے گا جس طرح کہ مرتد کی سزا قتل ہے کیونکہ اللہ کے دین میں زکوٰۃ کا فرض ہونا لازمی طور پر معلوم ہے، اور اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا اللہ کو اور اس کے رسولؐ کو جھٹلانے والا ہے، اس لیے اس کے کفر کا حکم ہوگا۔

اور اگر بطور بخل اس سے باز رہا تو اس سے جبراً زکوٰۃ لی جائے گی اور اس کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

اور امام شافعیؒ کی قدیم رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ بھی لی جائے گی اور مال میں سے بھی کچھ حصہ لیا جائے گا کیونکہ بہزؒ بن حکیم سے از والد خود از جد خود مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو زکوٰۃ نہیں دے گا ہم اس سے زکوٰۃ لیں گے۔ اور اس کا کچھ مال بھی ہم اپنے رب کے فیصلے کے طور پر لیں گے جس میں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] الشرح الکبیر بحاشیۃ المقنع ج ۱ ص ۵۰۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا کوئی حصہ نہیں ہوگا[1] لیکن پہلی رائے زیادہ صحیح ہے۔
اگر بخل کی بنا پر زکوٰۃ نہ دینے والا اظہار طاقت بھی کرے تو امام اس کا مقابلہ کرے گا

---

[1] اس حدیث کو احمدؒ، ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے روایت کیا ہے اور اس پر ہم پہلے باب میں (ص ۷۷، ۷۸) گفتگو کر چکے ہیں۔ حاکمؒ نے بھی المستدرک میں اس حدیث کو روایت کیا ہے (ج ۱، ص ۳۹۸) اس کی سند صحیح ہے اور الذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے جبکہ بہز سے کمتر درجے کے راوی بھی ثقہ سمجھے گئے ہیں۔ امام احمدؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم اور سند کو انھوں نے درست قرار دیا۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ بہز قابل احتجاج نہیں ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ اگر بہز کی یہ حدیث نہ ہوتی تو میں انھیں ثقافت میں شامل کرتا، ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ ان کی عدالت غیر مشہور ہے، ابن الطلاع نے مجہول کہا ہے اور انھوں نے ائمہ حدیث کی ان کی توثیق پر گرفت کی ہے، ابن عدی نے کہا کہ میں نے ان کی کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی، الذہبی کہتے ہیں کہ انھوں نے کسی عالم کو نہیں چھوڑا لیکن ان کی حدیث کو دلیل بنانے میں تامل کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ شطرنج کھیلتے تھے مگر ابن القطان کہتے ہیں کہ اس سے ان کی شخصیت کو کوئی گزند نہیں پہنچتا، کہ شطرنج کا جواز مشہور فقہی مسئلہ ہے۔ امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اکثر ان کی حدیث کو دلیل نہیں بناتے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، ترمذیؒ نے ان کی کئی احادیث کو حسن کہا ہے اور ان کی توثیق کی ہے اور احمدؒ اور اسحٰق نے ان کی احادیث کو دلیل بنایا ہے اور امام بخاریؒ نے علاوہ صحیح کے دلیل بنایا ہے اور اس پر تعلیق کی ہے، اور ابوداؤد سے مروی ہے کہ ان کے نزدیک وہ حجت ہیں۔
(نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۲۲۔ العثمانیہ۔ تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۴۹۸، ۴۹۹ ترجمہ ۹۲۴۔ میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۳۵۳، ۳۵۴۔ ترجمہ ۱۳۲۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مانعینِ زکوٰۃ سے مقابلہ کیا تھا۔[1]

زکوٰۃ نادہندہ کی تادیب اور اس سے جبراً زکوٰۃ لینے پر اجماع

(جو زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر اس کے کافر ہو جانے اور مرتد کے طور پر قتل کیے جانے پر اجماع ہے بشرطیکہ معذور نہ ہو یعنی یہ کہ نیا نیا اسلام لایا ہو یا مسلمانوں کے وطن سے دور اس نے نشو و نما پائی ہو، جیسا کہ ہم پہلے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔

اسی طرح جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہو اور وہ بخل کی بنا پر نہ دے رہا ہو اس سے جبراً زکوٰۃ لے لینا اور اس کو تعزیری سزا دینا یا تعزیراً سزائے حبس دینے کا حکم ہے۔[2]

زکوٰۃ نادہندہ کا نصف مال ضبط کرنے کی سزا اور اس میں اختلاف

زکوٰۃ نادہندہ کے مال کا کچھ حصہ یا نصف حصہ تادیباً یا زجراً ضبط کر لینے کے بارے میں، جیسا کہ بہز بن حکیم کی روایت میں ہے اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا قدیم قول اور اسحاق کی یہی رائے ہے، احمدؒ اور اوزاعیؒ سے بھی یہی مروی ہے اور بعض حنابلہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور ان کی دلیل یہی حدیث صریح ہے۔

امام شافعیؒ کا قول جدید ہی جمہور فقہاء کا قول ہے کہ اس سے صرف زکوٰۃ ہی وصول کی جائے گی کیونکہ

ا) حدیث ہے کہ

و مال میں زکوٰۃ کے سوا کوئی حق نہیں ہے۔[3]

ب) زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور اس کے ترک پر نصف مال نہیں لیا جا سکتا جیسا کہ دیگر

---

[1] المہذب وشرح المجموع، ج ۵، ص ۳۳۱، ۳۳۲۔

[2] البحر الزخار، ج ۲، ۱۹۰۔

[3] اس کی تخریج صفحہ ۹۶۶ پر آ رہی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادات کے ترک پر نہیں لیا جاتا۔

ج) حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مانعین زکوٰۃ موجود تھے اس کے باوجود کسی سے یہ مروی نہیں ہے کہ کسی سے علاوہ زکوٰۃ کے کچھ لیا گیا یا یہ رائے ظاہر کی گئی۔

بہز کی حدیث کے بارے میں بیہقی نے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ فقہاء کے نزدیک اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زکوٰۃ بھی لی جائے اور زکوٰۃ کو چھپانے پر نصف اونٹ بھی لے لیے جائیں، اگر یہ بات ثابت ہوتی تو ہم بھی اس کے قائل ہوتے۔

بیہقی امام شافعیؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ بہز کی روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے نہیں بیان کی ہے مگر یہ امر کسی حدیث کو ضعیف قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ کتنی ہی صحیح حدیثیں ہیں جو بخاریؒ اور مسلمؒ نے روایت نہیں کی ہیں اور بیہقی اور دیگر ائمہ اس سے استدلال کر رہے ہیں وہ بھی انہی میں سے ہے۔

بعد ازاں بیہقی کہتے ہیں کہ چوری پر ڈگنا تاوان ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا اور اس کے نسخ پر امام شافعیؒ نے براء بن عازب سے مروی اس واقعہ سے استدلال کیا ہے جس میں ان کی اونٹنی مرگئی تھی اس میں آپؐ نے تاوان دگنا نہیں فرمایا بلکہ صرف ضمان کا حکم دیا۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث اس کی ناسخ ہو۔[1]

الماوردی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ

"مال میں ماسوا زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں ہے"

اس حدیث کو ایک لازمی حکم سے ایک زجر اور تنبیہ میں بدل دیتی ہے، جیسے آپؐ کا یہ فرمان کہ

"جو کوئی اپنے غلام کو قتل کرے اسے ہم قتل کر دیں گے"[2]

---

[1] السنن الکبریٰ، ج ۴، ص ۱۰۵۔

[2] صحاح خمسہ نے روایت کیا ہے اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ حسن اور غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے، کیونکہ یہ روایت حسن از سمرہ ہے اور اس کے ظاہر کے بعض فقہاء قائل ہیں۔ نیل الاوطار، ج ۷، ص ۱۵۔ ط الجلی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ آزاد شخص غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا۔[1]

امام نوویؒ الروضۃ میں فرماتے ہیں۔

سنن ابوداؤد وغیرہ میں جو نصف مال لینے کی حدیث وارد ہے، اسے امام شافعیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اہل علم کی یہ رائے نقل کی ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اور یہی جواب موزوں ہے اور منسوخ کہہ دینا موزوں نہیں ہے کہ نسخ کے لیے دلیل ضروری ہے جو یہاں پر موجود نہیں ہے۔[2]

اسی طرح مجموع میں ہے کہ اصحاب (فقہاء) نے کہا ہے کہ بہز کی حدیث منسوخ ہے اور اس کا تعلق اس دور سے ہے جب سزا کا تعلق مال سے ہوتا تھا مگر یہ جواب دو وجوہ سے ضعیف ہے۔

۱) کہ ابتدائے اسلام میں سزا مالی ہوتی تھی ثابت نہیں ہے اور نہ ہی متعارف ہے۔

۲) نسخ کی رائے کے اختیار کے لیے تاریخ کا علم ضروری ہے جو یہاں نہیں ہے۔

اس لیے اس حدیث کا موزوں جواب یہی ہوگا کہ یہ ضعیف ہے۔[3]

موازنہ اور ترجیح ہماری رائے یہ ہے کہ بہز کی حدیث پر کوئی قابلِ اعتبار طعن موجود نہیں ہے بلکہ ـــــ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے[4] ـــــ یہ ایک تعزیری سزا پر مشتمل ہے جو امام کی رائے اور اس کے اندازے پر موقوف ہے۔ اور یہ ان احادیث کے جو آپؐ سے امامت اور ریاست کی حیثیت میں وارد ہیں۔ جیسا کہ قرافی اور دہلویؒ نے کہا ہے[5]

---

[1] الاحکام السلطانیہ، ص ۱۲۱۔

[2] المنتقی، ج ۲، ص ۲۰۹۔

[3] المجموع، ج ۵، ص ۳۳۴۔

[4] ص ۷۷۔

[5] ص ۲۳۰، ۲۳۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث موجودہ قوانین سے پہلے کی ہے جن میں ٹیکس نادہندگان پر مالی سزائیں عائد کی گئی ہیں۔

جنھوں نے بہز کی حدیث کو رد کیا ہے انھوں نے ان تین امور پر استناد کیا ہے۔

۱) حدیث مرفوع ہے کہ مال پر ماسوا زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں ہے اور مذکورہ حدیث اس کے معارض ہے [1]

۲) مذکورہ حدیث ایک مالی سزا ہے جو اوائل اسلام دی جاتی تھی پھر منسوخ ہوگئی۔

۳) بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے کہ بہز ضعیف ہے اور اسی پر نووی نے اعتماد کیا ہے۔

پہلے نکتہ کے بارے میں ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ اسلام میں ماسوا زکوٰۃ کے اور بھی حقوق موجود ہیں، جیسا کہ آیات کریمہ اور صحیح احادیث میں وارد ہے، اس لیے بہز کی حدیث اور دیگر احادیث میں تعارض نہیں ہے۔

دوسرے نکتہ کا جواب یہ ہے کہ مالی سزا منسوخ نہیں ہوتی، چنانچہ ابن القیمؒ نے الطرق الحکمیہ میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے پندرہ فیصلے ایسے موجود ہیں جن میں مالی سزائیں دی گئی ہیں [2]

جہاں تک حدیث کے ضعیف ہونے کا معاملہ ہے تو بظاہر اس کی سند ضعیف نہیں ہے بلکہ حدیث کے مضمون کی بنا پر اس میں ایک طرح کی علت پیدا ہوگئی ہے اس لیے یہ بھی پہلے ہی دو نکات پر مبنی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض محدثین نے اس حدیث ہی کی بنا پر بہز کو ضعیف کہا ہے اور بہز کی وجہ سے حدیث کو ضعیف نہیں قرار دیا ہے چنانچہ ابن حبان کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کا معاملہ درپیش نہ ہوتا تو میں بہز کو ثقہ کہتا۔

ابن القیمؒ سنن ابی داؤدؒ کی تہذیب میں بہز کے بارے میں ائمہ کا کلام نقل کرنے

---

[1] البحر الزخار: ج ۲، ص ۱۹۰۔ المغنی: ج ۲، ص ۵۷۳۔ الماوردی: الاحکام السلطانیہ ۱۲۱۔

[2] الطرق الحکمیہ، ص ۲۸۷۔ ط المدنی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد اور یہ بیان کرنے کے بعد کہ احمدؒ، اسحاقؒ اور ابن المدینی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے کہ اس حدیث کو رد کرنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کے نسخ کا دعویٰ درست نہیں ہے، کہ اس دعویٰ کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ نیز مالی سزاؤں کی شرعیت LEGISLATION کے بارے میں متعدد احادیث مروی ہیں اور کسی بھی دلیل سے ان کا نبیؐ سے نسخ ثابت نہیں ہے بلکہ آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاؓ اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اور اس حدیث کا حضرت براء کی اونٹنی والے قصہ کی حدیث کے معارض ہونا کمزور ہے، اس لیے کہ زیر بحث سزا اس صورت سے متعلق ہے جب ملزم فرض کی عدم ادائیگی یا ممنوع امر کی انجام دہی کا عادی ہو، لیکن اگر کسی سے بلا قصد یہ جرم سرزد ہو جائے تو اس کے لیے یہ سزا نہیں ہے۔ اور اس کو بجائے حقیقی مفہوم کے محض وعید پر محمول کرنا اور بھی زیادہ غلط ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اس سے منزہ ہے۔ اور ابن حبان کا یہ کہنا کہ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں بہز کو ثقات میں شمار کرتا، بالکل غیر مناسب بات ہے اس لیے کہ بہز کو ضعیف قرار دیا گیا اس حدیث کی بنا پر اور حدیث کو ضعیف کہا گیا بہز کی وجہ سے تو یہ ایک باطل دَور UN-NATURAL CIRCLE ہے حالانکہ اس روایت میں ایسا کوئی امر نہیں ہے جس کی بنا پر بہز کو ضعیف قرار دیا جائے کہ یہ روایت ثقہ راویوں کے برخلاف نہیں ہے [1]

یہ عجیب بات ہے کہ فقہ کی قابل اعتماد کتابوں کے مصنفین نے، مثلاً الشیرازی نے المہذب میں، الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں اور ابن قدامہؒ نے المغنی میں، بہز کی صحیح حدیث کو، یا جس کی صحت میں اختلاف ہے، کو اس حدیث سے رد کیا ہے جس کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے یعنی یہ حدیث کہ

"مال میں ماسوا زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں ہے"

دراصل احادیث کا درجہ اور ان کا مقام ان کے جاننے والے محدثین سے معلوم کرنا چاہیے۔

---

[1] تہذیب السنن، مع مختصر المنذری، والعالم، ج ۲، ص ۱۹۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ (فاطر: ۱۴)

حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔

حنبلی مسلک کے فقہاء کی رائے

حنبلی مسلک کے فقہاء کی بھی وہی رائے ہے جو مسلک شافعیؒ کے فقہاء کی رائے ہے۔ ابن قدامہ مانعین زکوٰۃ کے بربنائے انکار وتکذیب ارتداد کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فرضیت زکوٰۃ کا قائل ہوتے ہوئے زکوٰۃ نہ دے اور امام اس سے زکوٰۃ لینے پر قدرت رکھتا ہو تو وہ زکوٰۃ لے گا اور اسے تعزیری سزا دے گا اور اکثر فقہاء کی رائے کے مطابق زکوٰۃ سے زائد کچھ نہیں لے گا۔ اور اسی طرح اگر وہ اپنا مال چھپا لے تاکہ امام زکوٰۃ نہ لے سکے لیکن بعد میں امام کو معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس مال ہے۔ اسحٰق بن راہویہ اور ابوبکر بن عبدالعزیز بہز بن حکیم کی روایت کی بنا پر کہتے ہیں کہ اس سے زکوٰۃ بھی لی جائے اور اس کا نصف مال لے لے۔

اگر زکوٰۃ نادہندہ امام (حکومت) کی دسترس سے باہر ہو تو امام اس سے مقابلہ کرے گا جیسا کہ صحابہ کرام نے مانعین زکوٰۃ سے مقابلہ فرمایا اگر امام ان پر گرفت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو بلا اضافہ صرف زکوٰۃ وصول کرے گا اور ان کے بچے قیدی نہیں بنائے جائیں گے اس لیے کہ ان کا کوئی گناہ نہیں ہے اور اس لیے کہ خود زکوٰۃ نادہندہ قیدی نہیں بنائے جاتے تو ان کی اولاد کیوں کر قیدی بنائی جائے گی، اور اگر امام نے زکوٰۃ نادہندہ پر بغیر اس کے مال کے دسترس حاصل کی تو اسے زکوٰۃ دینے کے لیے کہے گا اور تین مرتبہ اس سے توبہ کرائے گا، اگر وہ زکوٰۃ نہ دے اور توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا لیکن اس کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔

امام احمدؒ سے مروی ہے کہ جب زکوٰۃ نادہندہ سے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے قتال کرنا پڑے تو اسے کافر قرار دے دیا جائے گا اور میمونی نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر وہ زکوٰۃ نہ دیں جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مانعین زکوٰۃ نے زکوٰۃ نہیں دی اور اس نہ دینے پر مزاحمت کی تو انہیں نہ مسلمانوں کی وراثت ملے گی اور نہ ان پر جنازہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھا جائے گا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تارک زکوٰۃ مسلمان نہیں ہے۔

اور اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی اور جنگ ان کے خلاف چلی گئی تو وہ کہنے لگے کہ ہم زکوٰۃ ادا کریں گے، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا انہیں جب تک تم یہ کلمہ ہی نہ دو کہ ہمارے مقتول جنتی ہیں۔ اور تمہارے مقتول دوزخی ہیں ——— اور صحابہ کرام میں سے کسی نے اس کی تردید نہیں کی جو ان کے کفر پر دلالت کرتا ہے۔

پہلی رائے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے ابتداءً قتال (جنگ) کی رائے نہیں دی، اگر وہ ان کے کفر کی رائے رکھتے ہوتے تو وہ ان سے مقابلہ میں توقف نہ کرتے، بعد ازاں یہ صحابہ قتال پر متفق ہو گئے اور کفر کا مسئلہ اصل انکار پر موقوف رہا ——— نیز یہ کہ زکوٰۃ دین کی فروع میں سے ایک فرع ہے اور اس کے تارک کو محض اس کے چھوڑ دینے پر کافر قرار نہیں دیا جائے گا، جس طرح کہ حج کے تارک کو کافر نہیں قرار دیا جاتا، اور جب ترک پر کافر نہیں ہوا تو قتال سے بھی اسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا، جس طرح کہ اہل بغاوت سے قتال (مقابلہ) کیا جاتا ہے مگر انہیں کافر نہیں قرار دیا جاتا۔

اور حضرت ابوبکرؓ نے جن مانعین زکوٰۃ سے مذکورہ قول کہا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر ہوں ——— نیز چونکہ ان کا یہ قول ایک مخصوص صورتحال سے متعلق ہے اس لیے ان لوگوں کا تحقق ممکن نہیں ہے جن سے حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات کہی ہو ——— کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مرتد ہوں اور ہو سکتا ہے کہ وہ فرضیت زکوٰۃ کے منکر ہوں، اور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات اس لیے کہی ہو کہ انھوں نے کبائر کا ارتکاب کیا اور بغیر توبہ مر گئے اور ان کے ظاہر کے لحاظ سے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں جہنمی قرار دیا، اور مجاہدین کے مقتولین کو جنتی کہا لیکن اس سے ان کا دائمی جہنمی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ فرمان نبوت ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ جہنم میں جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرما دے گا۔[1]

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۵۷۳، ۵۷۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہائے زیدیہ کی رائے الازھار اور اس کی شرح میں ہے کہ اگر مالک یہ دعوے کرے کہ اس سے زکوٰۃ ساقط ہے اور وہ نصاب کا مالک نہیں ہے تو اس کے قول کا اعتبار ہوگا لیکن امام (حکومت) یا اس کا نائب اس شک کی صورت میں کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اس سے حلف لے سکتا ہے، اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی عدالت (پارسائی) ظاہر نہ ہو لیکن اگر اس کی عدالت ظاہر ہو تو اس سے حلف نہیں لیا جائے گا۔[1]

اگر مالک یہ کہے کہ اس پر زکوٰۃ تو واجب ہے لیکن اس نے امام کے مطالبہ سے قبل ہی از خود مستحقین میں تقسیم کر دی ہے اور زکوٰۃ وصول کنندہ کو اس کی تحقیق نہ ہو، تو تقسیم کرنے کا مدعی اس کا ثبوت پیش کرے گا، اس لیے کہ اصل یہی متصور ہوگا کہ اس نے زکوٰۃ نہیں دی ہے اور وہ یہ ثبوت بھی دے گا کہ اس نے امام کے مطالبہ سے قبل ہی زکوٰۃ تقسیم کر دی تھی۔ اگر وہ یہ دونوں امور نہ ثابت کر سکے تو اس کی عدالت ظاہر ہونے کے باوجود زکوٰۃ وصول کنندہ اس کے قول کو تسلیم نہیں کرے گا اور اس سے زکوٰۃ لے گا۔[2]

ظالم حکمراں کو زکوٰۃ دینا اس بحث کا تتمہ فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا ظالم حکمراں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں ہے، اس بارے میں تین آراء ہیں:-

۱) جائز ہے۔

۲) جائز نہیں ہے۔

۳) بعض صورتوں میں جائز ہے اور بعض میں جائز نہیں ہے۔

جواز کے قائلین کی رائے جواز کے قائلین نے اپنے مسلک کے حق میں صریح احادیث سے استدلال کیا ہے جو

---

[1] شرح الازھار، وحواشیہ، ج ۱، ص ۵۳۰۔ البحر، ج ۲، ص ۱۹۰-۱۹۱۔

[2] بحوالہ مذکور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المنتقی میں مذکور ہیں[1]

ا) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں آپ کے قاصد کو زکوٰۃ دے دوں تو میں اللہ اور رسولؐ کے یہاں بری ہو جاؤں گا، آپؐ نے فرمایا، ہاں اگر تم میرے قاصد کو دے دو تو تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں بری ہو جاؤ گے اور تمھیں اس کا اجر ملے گا اور اس کے بدلنے والے پر اس کا گناہ ہوگا۔[2]

ب) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد خود غرضی پیدا ہو جائے گی اور ایسے امور پیش آجائیں گے جنھیں تم ناپسند کرو گے۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپ کا کیا حکم ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو حق تم پر لازم ہے اسے ادا کرو اور اس کا صلہ خدا سے مانگو۔ (بخاری و مسلم)

ج) حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپؐ سے عرض کی کہ اگر ہمارے حکمراں ایسے آگئے جو اپنے حقوق کا مطالبہ کریں اور ہمارے حقوق ادا نہ کریں آپؐ نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو، ان کا بوجھ انھیں اٹھانا ہے اور تمھارا بوجھ تمھیں اٹھانا ہے۔[3]

یہ احادیث بڑے اہم معنی کی حامل ہیں اور وہ یہ کہ 'اجتماعی کفالت' کے نظام کے جاری رکھنے کے لیے اسلامی ریاست ہر وقت اور مسلسل مال کی محتاج ہے کہ اسی سے ہر عام مصلحت بروئے کار آسکتی ہے اور کلمۂ اسلام بلند ہو سکتا ہے۔ اگر لوگ حکومت کو ضروری مال فراہم کرنے سے ہاتھ روک لیں تو ریاست کا نظام بگڑ جائے گا، امت میں انتشار پیدا ہو جائے گا اور دشمنانِ اسلام سرگرم ہو جائیں گے۔ اس لیے تقاضائے حکمت یہ ہے کہ لوگ بہر حال زکوٰۃ دیتے رہیں اور ظالم حکمرانوں کو زکوٰۃ دینا اسلام کے بتائے ہوئے ظلم کے خلاف ڈٹ

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۶۴، ۱۶۵۔

[2] احمد، نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۵۔ ط۔ العثمانیہ۔

[3] مسلم اور ترمذی۔ اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے کے اصول کے خلاف نہیں ہے۔

اس لیے مسلم افراد پر لازم ہے کہ جو مالی حقوق ان پر لازم ہیں وہ انھیں ادا کریں اور حکمرانوں کو نصیحت کریں اور دین اسلام کے معاملے میں نصیحت فی الدین کے فریضہ کو ادا کریں، حق اور صبر کی وصیت کریں اور اچھائیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔

لیکن اگر حکمرانوں میں ایسا کھلم کھلا کفر دیکھیں جس کے کفر ہونے پر ان کے پاس دین اسلام کے مطابق دلیل موجود ہو تو مسلم جماعت کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ اطاعت نہ کریں۔

اسی طرح ایک مسلم فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر اسے کسی کھلی معصیت کے ارتکاب کا حکم دیا جائے تو وہ اس کے کرنے سے انکار کر دے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ

> مسلمان کا کام ہے کہ جو اسے پسند ہو اور جو اسے ناپسند ہو وہ اس میں احکام کو سنے اور اطاعت کرے، ماسوا اس کے کہ اسے کسی معصیت کا حکم دیا جائے اگر اسے کسی معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سننا ہے اور نہ اطاعت کرنا ہے۔[1]

عدم جواز کے قائل اور ان کے دلائل

امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ حکام جور (ظالم حکمرانوں) کو زکوٰۃ نہ دی جائے اور یہی رائے المہدی نے اہل بیت سے (البحر میں) نقل کی ہے کہ ظالموں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے۔

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (البقرہ : ۱۲۴)

میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔

علامہ شوکانی نے اس استدلال کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ آیت کا یہ عموم اس باب میں وارد ہونے والی احادیث سے خاص ہو گیا ہے اور اختلافی مسئلہ میں اس آیت سے استدلال بجائے خود محل نظر ہے۔[2]

---

[1] الجامع الصغیر، حضرت ابن عمر سے ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے۔

[2] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۶۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تفصیل کے قائلین کی رائے بعض شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ مالک حکمراں کو یا زکوٰۃ وصول کنندہ کو اس کے فاسق ہونے کی صورت میں زکوٰۃ دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ حکمراں زکوٰۃ کو اس کے مصارف میں خرچ کریں۔ لیکن اگر وہ زکوٰۃ کے مصارف میں نہ خرچ کریں اور نہ مستحقین کو دیں تو پھر انھیں زکوٰۃ دینا حرام ہے اور ان سے مال زکوٰۃ کا چھپا لینا لازم ہے۔[1]

بلکہ الماوردی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر حکمراں نے مالک سے اس کو راضی کر کے یا جبر کر کے زکوٰۃ لے لی تو اس کا حق اللہ ادا نہیں ہوا اور اسے از خود مستحقین کو زکوٰۃ دینا لازم ہے۔[2]

مالکی فقہاء کی رائے الدردیر نے (الشرح الکبیر علی مختصر خلیل)[3] میں اس طرح لکھی ہے کہ اگر کسی مالک نے اپنی زکوٰۃ کسی ایسے شخص کو دی جس کا ظلم متعارف ہے اور جو فی الوقت بھی مال زکوٰۃ میں ناانصافی کر رہا ہے تو یہ زکوٰۃ جائز نہیں ہوگی اور لازمی ہے کہ ایسے حکمراں کو زکوٰۃ دینے سے انکار کرے اور جس قدر ممکن ہو گریز اختیار کرے لیکن اگر حکمراں جبر نہ کرے بلکہ زکوٰۃ مستحقین کو دے دے تو جائز ہے۔

اور اگر حکمراں زکوٰۃ کے صرف کرنے اور اس کے لینے میں ظالم نہ ہو اور دوسرے معاملات میں ظالم ہو تو الدردیر کہتے ہیں کہ اسے زکوٰۃ دینا لازم ہے، اور الدسوقی نے (حاشیۃ الدردیر میں) کہا ہے کہ مکروہ ہے۔[4]

اور الشیخ زورق رسالہ میں لکھتے ہیں۔

"اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام عادل کو زکوٰۃ اپنے اختیار سے دی جائے گی اور غیر عادل کو اس کے مطالبہ پر اس صورت میں دی جائے گی جب

---

[1] بحوالہ مذکور۔

[2] الماوردی: الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۷، مصر۔

[3] الدردیر: الشرح الکبیر، ج ۱، ص ۵۰۲۔

[4] حاشیۃ الدسوقی: ج ۱، ص ۵۰۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ کا اس سے چھپانا ممکن نہ ہو اور جس کے لیے اس کے بغیر دینا ممکن ہے اس کے لیے اُسے دینا جائز نہیں ہے۔ ابن القاسم اور ابن نافع کہتے ہیں کہ اگر وہ اس پر حلف لے تو اسے دینا جائز ہے اور اشہب کی رائے ہے کہ جب زکوٰۃ دینے پر مجبور کیا جائے تو دینا جائز ہے مگر اس کا اعادہ مستحب ہے، اور ابن عبدالحکم نے بھی والیٔ مدینہ کو زکوٰۃ دی تھی۔ اور ابن رشد فرماتے ہیں کہ ایسے حکمراں کو زکوٰۃ دینے کے جواز کے بارے میں اختلاف ہے جو نہ اس میں عدل کرے اور نہ اسے اس کے مقام پر صرف کرے۔ المدونۃ کا مسلک یہ ہے اور اصبغ اور ابن وھب کی رائے یہ ہے اور یحییٰ سے منقول ابن القاسم کا ایک قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ اور مشہور قول یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ دہندہ کو مجبور کیا جائے تو جائز ہے، کہ ظالم کا حساب اللہ لینے والا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اسے زکوٰۃ ہی کے نام سے اور اس کے طریقوں کے مطابق لے۔[1]

یعنی اگر زکوٰۃ ٹیکس، یا چنگی وغیرہ کے نام سے لی گئی تو مسلک کے فقہاء میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہ ہوگی۔

فقہائے احناف کے نزدیک اگر باغی اور ظالم حکمراں اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ یا خراج لے لیں اور اس کو مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کریں تو مال کے مالک پر اعادہ نہیں ہے اور اگر اس کے محل میں صرف نہ کریں، تو اس پر اس کے اور اس کے خدا کے مابین، زکوٰۃ کا اعادہ لازم ہے نہ کہ خراج، کہ وہ خود خراج کا مصرف ہیں کہ خراج لڑنے والوں کا حق ہوتا ہے اور وہ اہل حرب سے قتال کرتے ہیں۔

اموالِ باطنہ میں بھی اختلاف ہے کہ بعض نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے کہ ظالم حکمراں کو اموال باطنہ پر زکوٰۃ لینے کا حق نہیں ہے اور اس لیے اسے دینا درست نہیں ہے کیونکہ اسے اختیار صحیح حاصل نہیں ہے۔

---

[1] شرح الرسالۃ، ج ۱، ص ۳۴۰، ۳۴۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المبسوط میں ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ درست ہے اگر دینے والے نے ظالم حکمرانوں کو دینے میں ان کو صدقہ کرنے کی نیت کی کیونکہ ان پر عام مسلمانوں کی جو ذمے داریاں ہیں، ان کے لحاظ سے وہ فقیر ہیں۔[1]

حنبلی فقہاء کے نزدیک فقہائے حنابلہ کی رائے المغنی میں ابن قدامہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

اگر خوارج اور باغی بھی زکوٰۃ لے لیں تو مالک کی طرف سے زکوٰۃ درست ہو جائے گی، اسی طرح حکمرانوں میں سے جو بھی لے لے اس کی طرف سے جائز ہو جائے گی خواہ وہ عادل ہوں یا ظالم اور خواہ وہ جبراً لے لیں یا مالک از خود دے دے۔

ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ حکمرانوں کی حالت آپ کے سامنے ہے کیا میں انھیں اپنی زکوٰۃ دے دوں آپ نے فرمایا کہ جی ہاں۔

ابراہیم عشّار (زکوٰۃ وصول کنندگاں) جو تم سے لے لیں تمھاری جانب سے جائز ہے۔

حضرت سلمۃ بن الاکوع سے مروی ہے کہ انھوں نے نجدہ (خارجیوں) کو زکوٰۃ دی۔

حضرت ابن عمرؓ سے استفسار کیا گیا کہ ابن الزبیر کے زکوٰۃ لینے والے کو زکوٰۃ دیں یا نجدۃ (خارجی) کو زکوٰۃ دیں؟ آپ نے فرمایا جسے دو درست ہے۔

اصحاب الرائے کہتے ہیں کہ جن کا اقتدار قائم ہو جائے انھیں زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن

---

[1] الدر المختار وحاشیۃ، ج ۲، ص ۲۶، ۲۷۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ مقروض 'غارمین' ہیں کیونکہ ان پر لوگوں کے حقوق اور اموال عائد ہیں۔ لیکن ہم نے 'الغارمین' کے بیان میں ایک شرط یہ ذکر کی ہے کہ 'غارمین' کا فرض کسی معصیت یا اسراف کا نہ ہو، اور یہ شرط یہاں موجود نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر خارجیوں کے پاس سے گزر ہوا اور وہ زکوٰۃ لے لیں تو زکوٰۃ جائز نہیں ہے۔

ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ خارجی جن سے زکوٰۃ لے لیں ان پر اعادہ لازم ہے کیونکہ وہ حکمران نہیں ہے بلکہ راہزنوں کے مشابہ ہیں۔

ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے پیش نظر اقوال صحابہ موجود ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لیے وہ اجماع کے درجہ میں ہیں اور اہل ولایت کو دینا اہل بغی کو دینے کے مشابہ ہے۔

مطالب اولی النہی میں ہے کہ مسلک میں امام کو دینے میں کوئی اختلاف نہیں ہے خواہ وہ عادل ہو یا ظالم ہو اور اس کے پاس مال ظاہر ہو یا باطن ہو، کیونکہ صحابہ کرام سے اسی طرح مروی ہے۔

امام احمدؒ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ زکوٰۃ امراء کو دیتے اور انہی کو دینے کا حکم فرماتے تھے حالاں کہ انھیں معلوم تھا کہ امراء زکوٰۃ کہاں صرف کر رہے ہیں تو اس کے بعد میں کیا کہہ سکتا ہوں۔[1]

موازنہ اور ترجیح ان مسائل میں میری رائے یہ ہے کہ اگر ظالم حکمران زکوٰۃ کو زکوٰۃ ہی کے نام سے لیں تو انھیں دینا جائز ہے اور مسلم زکوٰۃ دہندہ کسی بھی صورت میں اعادہ کا مکلف نہ ہوگا۔ لیکن اگر زکوٰۃ کا نام لیے بغیر لے رہے ہیں تو جائز نہیں ہے جیسا کہ فقہائے مالکیہ نے کہا ہے اور ہم اس گفتگو کی جانب زکوٰۃ اور ٹیکس کے باب میں لوٹیں گے۔

کیا زکوٰۃ ظالم کو دی جائے یا نہ دی جائے؟ تو میں اس صورت میں دینا پسند کرتا ہوں جبکہ وہ مستحقین کو پہنچ جائے اور وہ اسے مصارف زکوٰۃ میں صرف کرے اگرچہ وہ بعض دیگر امور میں ظلم کرے۔

اگر وہ زکوٰۃ کو اس کے مصارف میں صرف نہ کرے تو اس وقت تک اسے زکوٰۃ نہ دے جب تک وہ طلب نہ کرے اور اس میں زکوٰۃ نہ دینے کی گنجائش نہیں ہے کہ اس سلسلے میں احادیث بھی موجود ہیں اور اقوال صحابہ بھی ہیں کہ ظالم حکمرانوں کو بھی زکوٰۃ دی جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکمراں کا اسلام کا پابند ہونا ضروری ہے

اس میں شبہ نہیں ہے کہ جن حکمرانوں کے بارے میں صحابہ کرامؓ کی یہ آرا ہیں کہ انھیں زکوٰۃ دی جائے وہ مسلمان تھے اور اسلام کے پابند تھے اور اسلام کو نظام حکمرانی کے طور پر قائم کیے ہوئے تھے بلکہ اس کے لیے جہاد کرتے تھے، اس کے نام پر اور اس کے جھنڈے تلے فتوحات حاصل کرتے تھے، اگرچہ بعض احکام میں اس کی خلاف ورزی بھی کرتے تھے اور دنیا کو ترجیح دیتے اور اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے تھے۔

جیسا کہ صحیح احادیث موجود ہیں اور جمہور فقہاء نے ان سے استدلال کیا ہے اس قسم کے حکمرانوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

یہ ہمارے دور کے ان حکمرانوں سے مختلف ہیں جنھوں نے اپنا تعلق اسلام سے منقطع کرلیا ہے، اسے پس پشت ڈال دیا ہے اور قرآن کو ترک کردیا ہے بلکہ بعض تو دشمنانِ اسلام بن گئے ہیں اور اسلام کے دشمنوں کی ایجنٹی کر رہے ہیں، ان کی مال زکوٰۃ سے مدد نہیں کی جاسکتی کہ یہ کفر اور الحاد پھیلائیں اور زمین میں فساد برپا کریں، غرض حاکم کا اسلام کا پابند ہونا اسے زکوٰۃ دینے کے لیے شرط ہے۔

جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ابن السبیل یعنی وہ مسافر جس کا سفر گناہ کا سفر ہو اسے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی حتیٰ کہ وہ توبہ کرے اسی طرح غارم معصیت (کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے جو مقروض ہوگیا ہو) کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔ کہ ان معصیت کے مرتکب افراد کی اللہ کے مال سے اعانت نہیں کی جاسکتی۔

اس حقیقت کے پیش نظر اس حکمراں کو زکوٰۃ کیسے دی جاسکتی ہے جو اللہ کے راستے سے روکنے والا ہو شریعت الٰہی کو معطل کرے اور داعیانِ حق کو اذیتیں پہنچائے۔

علامہ سید رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار میں کس قدر عمدہ بات کہی ہے۔

"دارالاسلام میں مسلمانوں کا امام وہ ہوسکتا ہے جس کو زکوٰۃ ادا کی جائے اور جو اس کو مستحقین میں تقسیم کرے اور زکوٰۃ نادہندگان سے مقابلہ کرے۔

لیکن آج کل اکثر مسلمان اسلامی حکومت سے محروم ہیں ایسی اسلامی حکومت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس میں اسلام کی دعوت دی جائے اور اس کی مدافعت کی جائے۔ حدود قائم کیے اور ان کو ان مصارف میں صرف کرے جو اللہ نے ان کے مقرر کیے ہیں۔ اب تو صورتِ حال یہ ہے کہ یا تو انگریزوں کے غلام ہیں یا مسلمانوں پر ایسے حکمران مسلط ہیں جو خود مرتد اور بے دین ہیں۔ اور نام نہاد مسلمان غیر مسلموں کے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے تمام معاملات و مسائل میں وہ ان کی پالیسیاں نافذ کر رہے ہیں[1] ——— ظاہر ہے کہ ایسی حکومتوں کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہو سکتا خواہ ان کا سرکاری دین، اسلام ہو؟

بہر حال جو اسلامی حکومت اسلام پر ایمان رکھتی ہو اور اس کا مقتدر طبقہ اسلام کا پیروکار ہو اور اس کے مالی مسائل پر غیروں کا تسلط نہ ہو تو ان کو اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ دی جائے اور اگر وہ مطالبہ کریں تو اموالِ باطنہ کی بھی دی جائے، اگرچہ وہ بعض معاملات میں عدل و انصاف کے حامل نہ ہوں۔

شرح المہذب وغیرہ میں محققین نے کہا ہے کہ اگر امام یا حکومت عادل ہو اور زکوٰۃ کو اس کے شرعی مصارف میں تقسیم نہ کرے تو بہتر یہی ہے کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہو اور امام یا اس کا عامل اس سے طلب نہ کرے تو وہ از خود مستحقین کو دے دے[2]

---

[1] آج کل بیشتر مسلمان ملکوں میں اسی طرح کے لادین طبقے حکمران ہیں۔

[2] المنار، ج ۱۰، ص ۵۹۵، ۵۹۶ - طثانیہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری فصل

زکوٰۃ میں نیّت کا درجہ

زکوٰۃ کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ شعائر اسلام میں سے ہے، ایمان کے ستونوں میں تیسرا ستون ہے اور اس قدر اہم عبادت ہے کہ قرآن کریم میں اور سنّت رسولؐ میں اس کا ذکر نماز کے بعد کیا گیا ہے ـــــ لیکن عبادت ہونے میں بھی اس میں ایک گونہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔

زکوٰۃ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ ایک مقررہ ٹیکس ہے اور ایک حق ہے جو فقراء اور مستحقین کے لیے کتاب اللہ نے دولتمندوں کے اموال پر متعین کر دیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا ٹیکس ہے جس کی وصولی اور جس کا صرف ریاست کی ذمے داری ہے۔ کہ جن پر زکوٰۃ واجب ہو، اور وہ اپنی رضامندی سے نہ دیں تو حکومت ان سے جبراً لے لے۔

یعنی یہ ایسا ٹیکس ہے جس میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور ایسی عبادت ہے جس میں مال ادا کیا جاتا ہے۔

انہی دو مفاہیم کی بنا پر ہمیں فقہاء کرام کی بعض تصریحات میں اختلاف ملتا ہے کہ کسی فقیہ نے پہلے مفہوم کو ترجیح دی ہے اور کسی نے دوسرے مفہوم کو ترجیح دی ہے اور بعض فقہاء نے بعض مسائل میں ایک مفہوم کو ترجیح دی ہے اور دوسرے مسائل میں دوسرے مفہوم کو ترجیح دی ہے۔

بچے اور مجنوں کے مال پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بارے میں اختلاف رائے کی وجہ یہی ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہی وجہ اختلاف اس مقام پر بھی ہے کہ کیا زکوٰۃ میں نیت ضروری ہے؟ نیز یہ کہ اس کی زکوٰۃ میں کیا اہمیت ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ میں نیت کی شرط

کیا زکوٰۃ دینے میں نیت شرط ہے یا نہیں ہے؟

عام فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ ادائے زکوٰۃ میں نیت شرط ہے اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت صحیح نہیں ہوتی، چنانچہ فرمان الٰہی ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ

(البینہ : ۵)

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔

اور فرمانِ نبوت ہے: کہ

"اعمال نیتوں پر موقوف ہیں"

یعنی اگر کسی نے بلا نیت اور ارادہ زکوٰۃ دے دی، خواہ بوجہ ناواقفیت ایسا کیا ہو اور یا بھول کر ایسا کیا ہو، تو یہ زکوٰۃ جائز نہیں ہوگی کہ ناواقفیت یا بھول اس امر کی دلیل ہیں کہ اس نے اپنا مال بلا ارادہ تقرب اور بلا نیت عبادت دے دیا اور یہ ایک بے روح اور بے جان عمل ہو گیا۔

نیت واجب یا تو اپنی طرف سے ہوگی یا اس شخص کی طرف سے ہوگی جس کے مال کا وہ ولی ہے یعنی بچہ، مجنون اور کم عقل، جس کے معاملات پر پابندی لگا دی گئی ہو (سفیہ محجور علیہ[1]) کے مال کا ولی ہو کہ اگر یہ ولی بغیر نیت زکوٰۃ ادا کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اس پر تاوان عائد ہوگا۔[2]

---

[1] حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر، ج ۱، ص ۲۳۵۔

[2] الروضۃ للنووی، ج ۲، ص ۲۰۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام اوزاعیؒ کی رائے اور اس کی تردید

زکوٰۃ میں نیت کے شرط ہونے کے مسئلہ کے بارے میں امام اوزاعیؒ نے جمہور کے مسلک کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے۔

"زکوٰۃ میں نیت لازمی نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی حیثیت دین (قرض) کی سی ہے اور اس میں قرض کی طرح نیت نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ یتیم کا ولی اس کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہ دینا چاہے حکومت (امام) اس سے لے لیتی ہے۔"[1]

ان کی اس رائے کو اس حدیث سے رد کیا گیا ہے کہ

"تمام اعمال نیتوں پر موقوف ہیں۔"

نیز یہ کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور عبادت کا وجوب بار بار ہوتا ہے اور فرض اور نفل میں تقسیم ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی ایک عمل عبادت ہے اس لیے اس میں نماز کی طرح نیت لازمی ہے۔ اور ادائے قرض سے ایک مختلف امر ہے اس لیے کہ قرض عبادت نہیں ہے اور مستحق کے ساقط کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے جبکہ زکوٰۃ کو کوئی ساقط نہیں کر سکتا اور اس لیے کہ فقراء پر مال صرف کرنے کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے زکوٰۃ ہے، نذر ہے، کفارہ ہے اور نفلی صدقہ ہے اور ان اقسام میں تمیز اور فرق کے لیے بھی نیت ضروری ہے۔ جبکہ ولی صبی (بچہ کا ولی) اور سلطان (حکومت) دونوں نیابتاً نیت [illegible]

مسلک مالکیہ کے بعض فقہاء سے بھی امام [illegible] کے مطابق قول منقول ہے کہ زکوٰۃ میں نیت کی حاجت نہیں ہے کیونکہ مسلک مالکیہ میں ایک شاذ قول یہ ہے کہ فقراء مال زکوٰۃ میں شریک ہوتے ہیں اور شریک کے اپنے حق کے وصول کرنے کے لیے نیت لازمی نہیں ہے اور نہ ہی قابض اور دینے والے کی نیت ضروری ہے۔ نیز مسلک کا ایک قول یہ ہے کہ باوجودیکہ عبادت اور اس کو ناپسند کرنے میں منافات ہے جو شخص زکوٰۃ نہ دے رہا ہو تو

---

[1] المغنی، ج ۲/ص ۶۳۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے زبردستی لے لی جائے گی اور ادا ہو جائے گی۔

مالکیہ کے نزدیک قابل اعتماد امر یہ ہے کہ زکوٰۃ کے جواز میں نیت شرط ہے۔

جبکہ زکوٰۃ نادہندہ سے زبردستی زکوٰۃ لینے کے بارے میں ابن العربی کا قول آگے آ رہا ہے کہ اس کی زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی مگر اسے اس پر کوئی ثواب نہ ہوگا[1] بخلاف اس کے کہ مستحق خود غنی کے یہاں سے بقدر زکوٰۃ چوری کر لے تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کہ نیت موجود نہیں ہے[2]

زکوٰۃ میں نیت سے مراد نیت سے مراد یہ یقین ہے کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر رہا ہے یا بچے اور مجنون کی جانب سے زکوٰۃ ادا کر رہا ہے کیونکہ اعتقادات کا محل قلب ہے[3] نیت حکمیہ بعض فقہائے مالکیہ کی وضاحت کے مطابق کافی ہے، چنانچہ اگر کسی نے اپنے دراہم شمار کیے اور جو زکوٰۃ واجب ہوتی تھی وہ علیحدہ کر دی اور دے دی بغیر یہ دیکھے ہوئے کہ جسے دی ہے وہ زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن اگر اس سے پوچھا جائے تو وہ یہی بتلائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی[4]

اور اگر اس کی عادت یہ ہو کہ وہ مثلاً زید کو ہر سال ایک دینار زکوٰۃ دیتا ہے اور اسے دے دینے کے بعد نیت کرے کہ یہ زکوٰۃ ہے اور زید زکوٰۃ کا مستحق بھی ہو تو یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کہ اس میں نہ تو نیت حکمیہ پائی گئی ہے اور نہ نیت حقیقیہ[5]

---

[1] شرح الرسالہ لابن ناجی: ج ۱، ص ۳۱۷، ۳۱۸۔

[2] الشرح الکبیر، ج ۱، ص ۵۰۳۔

[3] المغنی، ج ۲، ص ۶۳۸، مطالب اولی النہی، ج ۲، ص ۱۲۱۔ فقہائے شافعیہ کے نزدیک زبان سے کہہ دینا قلبی نیت کے قائمقام ہے۔ الروضۃ، ج ۲، ص ۲۰۶۔ البحر میں اس قول کو داؤد کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

[4] حاشیۃ الصاوی، ج ۱، ص ۲۳۵۔

[5] حاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال عبادات میں نیت فیصلہ کن امر ہے اور فقہاء کی رائے ہے کہ زکوٰۃ میں نیت شرط ہے اور بغیر نیت عبادت قبول نہیں ہوتی اور اسی سے زکوٰۃ کے عبادت ہونے کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔

سلطان (حکومت) کے زکوٰۃ لینے کی صورت میں نیت

اگر حکومت زکوٰۃ لے اور دہندہ خوشی سے دے دے یا نہ دے اور اس سے زبردستی لی جائے تو ان دونوں صورتوں میں نیت کا کیا حکم ہے؟ کیا حکومت کی نیت دہندہ GIVER کی نیت کے قائمقام ہوگی؟ ہر حال میں یہ نیت کافی ہوگی یا بعض حالات میں؟ اور ظاہراً جائز ہوگی یا ظاہری اور باطنی دونوں طرح درست ہوگی؟

بیشتر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر مالک زکوٰۃ اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے دے رہا ہو تو حکومت کی نیت کافی نہیں ہے اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے اگرچہ حکومت کی بھی نیت نہ ہو جیسا کہ المختصر میں ان کا ظاہر قول درج ہے، اور دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ حکومت مساکین کی نائب ہے جب کہ مالک خود مساکین کو بلا نیت دے دے تو جائز نہیں ہے اسی طرح حکومت کی نیت بھی کافی نہیں ہوگی [1]

امام ثوریؒ فرماتے ہیں کہ

اگر زکوٰۃ دہندہ اس سے زکوٰۃ وصول کیے جانے کے وقت نیت کرلے تو وہ ظاہری اور باطنی طور پر پوری الذمہ ہو جائے گا اور امام کی نیت ضروری نہیں ہوگی اور اگر امام نے نیت

---

[1] النووی الروضۃ میں فرماتے ہیں کہ یہی دوسرا قول قاضی ابوالطیب اور المہذب اور التہذیب کے مصنفین کے نزدیک زیادہ صحیح ہے اور انھوں نے امام شافعیؒ کو نادہندہ پر محمول کیا ہے کہ اگرچہ اس کی نیت نہ ہو لیکن جو زکوٰۃ اس سے لی گئی ہے وہ جائز ہے لیکن الام میں نص یہ ہے کہ جائز ہے اگرچہ اس نے نیت نہ کی ہو اور خواہ اس نے زکوٰۃ از خود دی ہو یا اس سے زبردستی لی گئی ہو۔ الروضۃ، ج ۲، ص ۲۰۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلی تو ظاہراً جائز ہو جائے گی اور دوبارہ اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا لیکن کیا باطنی طور پر بھی جائز ہو جائے گی تو اس بارے میں دو اقوال ہیں جن میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ جائز ہے، جیسا کہ بچے کے ولی کی نیت اس کے قائمقام ہو جاتی ہے۔ اور اگر امام نیت نہ کرے تو باطنی طور پر بالکل ساقط نہیں ہوتی اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ظاہراً بھی ادا نہیں ہوتی۔ بہرحال مسلک یہ ہے کہ نیت امام پر لازم ہے اور اس کی نیت مالک کی نیت کے قائمقام ہے، اور ایک رائے یہ ہے کہ امام پر نیت واجب نہیں ہے کہ اس طرح مالک اپنی اس عبادت کی ادائیگی کی نیت میں سستی کرنے لگیں گے۔[1]

ابن قدامہؒ المغنی میں فرماتے ہیں کہ

اگر امام زبردستی لے لے تو تعبیر نیت جائز ہے کیونکہ نیت اس کے حق میں متعذر ہو گئی ہے اس لیے اس سے ساقط ہو گئی ہے اور یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے کیونکہ امام کا لینا تاوان کار میں تقسیم کر دینے کے مترادف ہے اس لیے اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہ امام کو اس کے لینے کی ولایت حاصل ہے اسی لیے وہ بالاتفاق نادہندہ سے بھی وصول کرے گا اور اگر اسے جائز نہ ہوتی تو وہ وصول نہ کرتا۔

فقہائے حنابلہ میں سے ابوالخطاب اور ابن عقیل کہتے ہیں کہ فیما بینہ وبین اللہ صرف نیت ہی کے ساتھ درست ہے کیونکہ امام یا تو زکوٰۃ دہندہ کا وکیل ہے یا فقراء کا وکیل یا دونوں کا وکیل ہے اور ہر صورت میں اس کا مالک کی طرف سے نیت کرنا کافی نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جس کے لیے نیت لازمی ہے اور اس لیے اس شخص کی طرف سے جس پر نیت واجب ہے بغیر نیت ادا نہیں ہوگی جیسا کہ نماز بغیر نیت ادا نہیں ہوتی۔ اور بغیر نیت نادہندہ سے زکوٰۃ اس لیے وصول کر لی جاتی ہے تاکہ اس کی ظاہری صورت پوری ہو جائے جیسا کہ نماز نہ پڑھنے والے کو ظاہری طور پر نماز پڑھوائی جائے کہ اگر اس کی نیت نہ ہوگی تو نماز نہ ہوگی لیکن اس کی ظاہری صورت پوری ہو جائے گی۔

---

[1] الروضۃ، ج ۲، ص ۲۰۸، ۲۰۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن عقیل کہتے ہیں کہ فقہاء کے اس قول کے کہ ظاہری طور پر ادا ہو جائے گی یہ معنی ہیں کہ دوبارہ اس سے ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ مرتد اگر ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کرے تو اسی ظاہر کو حکم اسلام کے لیے کافی سمجھا جائے گا اور دوبارہ اس سے اسلام کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور دل سے اقرار اسلام نہ ہونے کی بنا پر عنداللہ اس کا اسلام معتبر نہ ہوگا۔[1]

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ جبراً زکوٰۃ لینے سے زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی مگر اس پر ثواب نہیں ملے گا۔[2]

اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ ولی امر (حکمراں) کا مالک کی نیت کے بغیر زکوٰۃ لے لینا درست ہے اور اس طرح قانونی لحاظ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس سے دوبارہ اس زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن جہاں تک ثواب کا تعلق ہے تو وہ نیت پر موقوف ہے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور عمل بغیر نیت ایسا ہوتا ہے جیسے جسم بغیر روح کے ہوتا ہے۔

فقہائے احناف کے نزدیک فتویٰ یہ ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اگر اس سے زکوٰۃ وصول کنندہ (داعی) نے زبردستی لے لی تو اس کی طرف سے جائز ہو جائے گی اور اموال ظاہرہ میں اس سے فرض ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ اسے اس کے لینے کی ولایت حاصل ہے لیکن اموال باطنہ میں فرض (زکوٰۃ) ساقط نہ ہوگا۔[3]

زکوٰۃ کی نیت کا وقت

اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نیت ضروری ہے تو اس کا وقت کون سا ہے؟

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۶۴۰، ۶۴۱۔

[2] شرح الرسالۃ لابن ناجی ج ۱، ص ۳۱۸ اور الشرح الکبیر (ج ۱، ص ۵۰۳) میں ہے کہ اگر حکومت نے نادہندہ سے زکوٰۃ زبردستی لی ہو تو حکومت کی جانب سے نیت زکوٰۃ درست ہے۔

[3] ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہائے احناف کے نزدیک نیت کا ادائیگی کے وقت سے متصل ہونا ضروری ہے اور ادائیگی سے مراد فقراء کو دینا یا امام کو دینا ہے کیونکہ امام فقراء کا نائب ہے۔ اور نیت کا ادائیگی کے وقت سے متصل ہونا اس لیے ضروری ہے کہ تمام عبادات میں اصول یہی ہے (کہ جس وقت عبادت شروع کی جائے اسی وقت نیت کی جائے)۔

نیت کا زکوٰۃ سے حکمی طور پر متصل ہونا بھی جواز کے لیے کافی ہے جیسا کہ بلا نیت دے دیا پھر نیت کی جبکہ مال ابھی فقیر کے ہاتھ میں موجود تھا، یا وکیل کو دیتے ہوئے نیت کی پھر وکیل نے بلا نیت دے دی، یا ذمی کو دے دی تاکہ وہ فقراء کو دے دے اس لیے کہ نیت حکم دینے والے کی معتبر ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار کو باقی مال سے جدا کرتے وقت کی نیت بھی کافی ہے اگرچہ یہ خلاف اصول ہے کیونکہ مستحقین کو دیتے وقت نیت علیحدہ علیحدہ ہوگی اور ہر مرتبہ نیت میں دشواری محسوس ہوگی اس لیے زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کرنے کے وقت کی نیت کافی ہے لیکن محض جدا کر کے زکوٰۃ سے عہدہ برآ نہیں ہوگا بلکہ فقراء کو دے کر عہدہ برآ ہوگا۔

اگر کسی نے اپنا تمام مال صدقہ کر دیا تو اس سے زکوٰۃ بھی ادا ہو گئی اگرچہ اس نے علاً اس کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، کیونکہ جو زکوٰۃ واجب ہے وہ اس مال کا ایک حصہ ہے اور اس نے پورا کا پورا اللہ کے لیے صدقہ کر دیا اور نیت دفع تزاحم (ضروریات اور مصارف کے ٹکراؤ) کے لیے ضروری ہے۔ جب پورا مال ہی صدقہ کر دیا تو ضروریات کا یہ تزاحم ختم ہو گیا۔[1]

فقہائے مالکیہ کے نزدیک زکوٰۃ کی نیت اس کے علیحدہ کرنے یا مستحق کو دینے کے وقت لازمی ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک وقت کر لینا کافی ہے لیکن اگر ان دونوں مواقع پر نہ کی بلکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کی تو جائز نہیں ہے۔[2]

---

[1] الدر المختار و رد المحتار، ج ۲، ص ۱۴، ۱۵۔ ط استانبول۔

[2] حاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہائے شافعیہ کے نزدیک زکوٰۃ کی تقسیم سے پہلے نیت کے جواز کی دو صورتیں ہیں اور صحیح قول جواز ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے فرمایا ہے۔ جیسا کہ روزہ میں پہلے سے نیت جائز ہے کیونکہ زکوٰۃ کی تقسیم کے وقت نیت کے لازمی قرار دینے میں دشواری ہو سکتی ہے اور یہ کہ مقصود حاجتمند کی ضرورت کو پورا کرنے ہیں، اسی اساس پر موکل کی وکیل کو دیتے وقت کی نیت کافی ہے جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ وکیل مستحقین میں تقسیم کرتے وقت نیت کرے۔ اسی لیے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے زکوٰۃ کا معاملہ اپنے کسی وکیل کے سپرد کر دیا اور اسی کو نیت بھی سونپ دی تو جائز ہے۔[1]

فقہائے حنابلہ کے نزدیک جیسا کہ المغنی میں ہے کہ دینے سے کچھ وقت پہلے نیت جائز ہے جیسا کہ تمام عبادات میں ہے اور اس لیے کہ اس میں نیابت درست ہے اور دیتے وقت نیت کے لازم ہو جانے سے اس کے مال میں دھوکہ پیدا ہو سکتا ہے۔

نیت کے اتصال میں اس آسانی کے باوجود دوسرے پہلو میں تشدد برتا گیا ہے چنانچہ المغنی میں ہے کہ اگر زکوٰۃ دہندہ نے زکوٰۃ اپنے وکیل کو دے دی اور خود نیت کی وکیل نے نہیں کی تو جائز ہے بشرطیکہ اس نے دینے سے کافی پہلے نیت نہ کی ہو اور اگر بہت پہلے نیت کی تھی تو جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس نے وکیل کو دیتے ہوئے پھر نیت کر لی ہو اور وکیل نے دینے کے وقت نیت کر لی ہو۔

اگر دہندہ نے اپنا مال پورا صدقہ نفلی میں دے دینے کی نیت کر لی لیکن زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو جائز نہیں ہے۔

---

[1] الروضۃ، ج ۲، ص ۲۰۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ اس نے فرض کی نیت نہیں کی، جیسے کوئی شخص سو رکعت نفل پڑھے اور فرض کی نیت نہ کرے۔ یہی رائے امام شافعی رح کی بھی ہے۔[1]

میری رائے یہ ہے کہ ان تمام معاملات میں سہل پہلو کو اختیار کیا جائے اور زکوٰۃ کو جائز قرار دیا جائے اور یہ متصور کر لیا جائے کہ مسلم کے دل میں ادائے زکوٰۃ کی ایک عمومی نیت تو بہرحال ہوتی ہے (وہی کافی ہے)۔

●

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۵۳۳۔ الروضۃ للنووی، ج ۲، ص ۲۱۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری فصل

زکوٰۃ کی قیمت ادا کرنا

قیمتِ زکوٰۃ دینے کے بارے میں فقہی اختلاف

اگر مال کے مالک پر بکریوں میں ایک بکری، اونٹوں میں ایک اونٹنی، گندم میں ایک اردب، پھلوں میں ایک قنطار زکوٰۃ لازم ہے کہ وہ انہی اشیاء کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرے یا اسے اختیار ہوگا کہ وہ یہ اشیاء دے یا ان کی قیمت نقد کی صورت میں دے دے اور اگر قیمت دے دے تو کیا جائز ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

فقہاء کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں بعض کے نزدیک درست نہیں ہے اور بعض کے نزدیک جائز ہے مگر مکروہ ہے اور بعض دیگر کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

شافعیہ اور ظاہریہ نے قیمتِ زکوٰۃ کے دینے کے جواز میں زیادہ سختی برتی ہے جبکہ ان کے بالمقابل فقہائے احناف نے ہر حال میں جائز کہا ہے۔ اور مالکی اور حنبلی فقہاء کے اس سلسلے میں کئی اقوال ہیں۔

مختصر خلیل میں ہے کہ زکوٰۃ کی قیمت دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، ابن الحاجب اور ابن بشیر نے اسی کی اتباع کی ہے اور التوضیح میں اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ رائے المدونۃ کی رائے سے مختلف ہے اور اس میں یہ ہے کہ قیمت زکوٰۃ دینا مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔

ابن ناجی کے شرح الرسالہ میں اشہب اور ابن القاسم کا یہ قول ہے کہ قیمتِ زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اور ایک رائے اس کے برعکس ہے۔

المدونۃ میں ہے کہ اگر زکوٰۃ وصول کنندہ زکوٰۃ دہندہ کو صدقہ کی قیمت لینے پر مجبور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے تو مجھے امید ہے کہ جائز ہے۔ شیوخ کہتے ہیں اس لیے کہ وہ حاکم ہے اور حاکم کے حکم سے اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔

حنابلہ کی رائے المغنی میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ امام احمدؒ کا ظاہری مسلک یہ ہے کہ کسی بھی زکوٰۃ کی خواہ وہ زکوٰۃ الفطر ہو یا زکوٰۃ مال قیمت ادا کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ خلافِ سنت ہے۔

لیکن امام احمدؒ سے فطرہ کے علاوہ زکوٰۃ کے قیمتاً ادا کر دینے کا جواز بھی منقول ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے سخلستان کے پھل کی زکوٰۃ کر دے، تو آپ نے فرمایا کہ عشر فروخت کنندہ پر ہے جسے وہ چاہے تو پھل کی صورت میں دے دے اور چاہے اس کی قیمت دے دے ــــ یہ رائے قیمت کے زکوٰۃ میں دے دینے کے جواز پر دلیل ہے۔

زکوٰۃ الفطر میں انھوں نے تشدد کیا ہے اور ان کے نزدیک اس میں قیمت دینا جائز نہیں ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فعل کو اس رائے کے برخلاف قول رکھنے والوں پر دلیل بنایا ــــ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ واقعہ ہم ساتویں باب میں بیان کریں گے۔

وجہ اختلاف اس اختلاف کا پہلا سبب یہ ہے کہ حقیقت زکوٰۃ کے بارے میں نقطہ ہائے نظر کا اختلاف ہے کہ کیا یہ عبادت ہے یا قربت ہے یا یہ اغنیا کے اموال میں فقرا کا حق لازم ہے۔ یعنی مالک نصاب پر ایک لازمی ٹیکس ہے۔

صحیح امر یہ ہے کہ زکوٰۃ ان ہر دو پہلوؤں کی حامل ہے ــــ لیکن امام شافعیؒ، امام احمدؒ، مسلک ظاہر کے فقہاء اور بعض مسلک مالک کے فقہاء نے اس کے عبادت کے پہلو کو ترجیح دی ہے اور اس لیے انھوں نے کہا ہے کہ مالک پر لازم ہے کہ جس شئے پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے وہی ادا کرے اور اس کی قیمت دینا جائز نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابوحنیفہ رح، ان کے اصحاب اور دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ یہ ایک مالی حق ہے اور اس سے فقراء کی ضرورت ہی رفع کرنا مقصود ہے اس لیے قیمت ادا کرنا جائز ہے۔

ان فقہاء کے دلائل جن کے نزدیک قیمت کا زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں ہے

ان فقہاء کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱) امام حرمین الجوینی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے فقہاء کی اس سلسلے میں اصل دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ ایک امر ثواب (قُربت) ہے اور امورِ قُربت میں حکم آلٰہی کی اتباع کی جاتی ہے، اس کی مثال اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے وکیل سے کہے کہ کپڑا خرید لو، اور وکیل کو معلوم ہو کہ اس کا مقصود تجارت ہے تو وہ اس حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا اگرچہ اس کے خیال میں کسی اور شئے کی تجارت زیادہ نفع بخش ہو۔ اسی طرح جس حکم کا اجراء محض اللہ کے لیے ہے اس کا اتباع اسی صورت میں لازم ہے جس طرح سجدہ ناک اور پیشانی ہی پر کرنا لازم ہے اور گال یا ٹھوڑی پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے حالانکہ مقصود خضوع (عاجزی) کا اظہار کرنا ہے، کیونکہ سجدہ کی ہیئت میں یہ تبدیلی نص کے خلاف ہے اور تعبّد (عبادت) کے مفہوم سے خارج ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ میں بکری اور اونٹ کی قیمت دینا یا غلے یا پھل کی قیمت دینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ نص میں انہی اشیاء کا ذکر ہے اور قیمت کا دینا نص کے الفاظ کی خلاف ورزی اور معنیٰ عبادت سے گریز ہے جبکہ زکوٰۃ کو قرآن نے نماز کے ہم رشتہ کر کے بیان کیا ہے[1]

اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن نے ادائے زکوٰۃ کا اجمالی حکم دیا ہے اور اس اجمال کی تفصیل سُنّت نے بیان کی ہے اور اس کی مقداریں بیان کی ہیں کہ چالیس بکریوں پر ایک بکری اور پانچ اونٹوں پر ایک بکری اور قرآن و سنّت کے ان احکام کا مجموعی

---

[1] النووی: المجموع، ج ۵، ص ۳۴۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقاضا یہ ہو گیا کہ چالیس بکریوں یا پانچ اونٹوں پر ایک بکری زکوٰۃ ادا کرے۔ اس طرح فقیر (محتاج) کا حق اس نص کی بنا پر اس زکوٰۃ سے متعلق ہو گیا اور یہ جائز نہ رہا کہ تعطیل کے ذریعے اس حق عین کو باطل کر دیا جائے۔

۲) اس مفہوم کی تاکید قاضی ابوبکر بن العربیؒ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ

"امام ابوحنیفہؒ نے جس طرح سمجھا ہے کہ زکوٰۃ کے حکم کا مکلف بنانے کا مقصود محض مال میں کمی ہے حالانکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اس ذمے داری کے پورا کرنے کا حق جس خاص کمی سے متعلق ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ ذمے داری اسی خاص مقدار سے متعلق ہے جو کم ہوتی ہے کیونکہ مال کا مالک یہ چاہے گا کہ اس کے اصل مال میں کمی نہ ہو اور قیمت کے ذریعے زکوٰۃ ادا ہو جائے یعنی اس کا دل اس اصل مال سے متعلق رہے گا اور مقصود یہی ہے کہ اس تعلق کو منقطع کر دیا جائے اس لیے لازم ہوا کہ اصل مال کا بعینہٖ وہی حصہ زکوٰۃ میں ادا کیا جائے۔"[1]

۳) تیسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کی منشا فقیر کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور اللہ کی نعمت پر شکر ادا کرنا ہے اور حاجتیں متنوع ہیں اس لیے زکوٰۃ کی صورتیں بھی مختلف ہونی چاہئیں تاکہ فقیر کو اس کی ہر ضرورت پہنچ جائے اور اللہ کا شکر اسی نعمت سے ادا ہو جائے جس نعمت پر شکر واجب ہوا ہے۔[2]

۴) ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ فرمایا تو ان کو یہ حکم دیا کہ

"غلہ پر غلہ، بکری پر بکری، اونٹ پر اونٹ اور گائے پر زکوٰۃ وصول کرنا۔"

ظاہر ہے کہ یہ نص ہے اور اس پر عمل لازمی ہے اور اس سے تجاوز کر کے قیمت

---

[1] احکام القرآن، ج ۲، ص ۹۴۵۔

[2] المغنی، ج ۲، ص ۶۶۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لینے کا قول اختیار کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں غلّہ کے بدلے کوئی اور شئے زکوٰۃ میں ادا ہوگئی اور بکری کی جگہ اور کوئی شئے ادا ہوگی جو کہ درست نہیں ہے اور حدیث کے خلاف ہے۔

ان فقہاء کے دلائل جن کے نزدیک زکوٰۃ میں قیمت ادا کرنا جائز ہے

فقہائے احناف اور ان کے مسلک کے مطابق رائے رکھنے والے دیگر فقہاء نے اپنے مسلک کو عقلی اور نقلی دلائل سے واضح کیا ہے اور ان کے یہ دلائل ہیں:۔

۱) اللہ سبحانہٗ نے فرمایا ہے کہ

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

اس نصّ سے معلوم ہوا کہ جو شئے لی جا رہی ہے وہ بھی مال ہے اور قیمت بھی مال ہے اس لیے قیمت کا لینا جائز ہے اور نبی کریمؐ کا یہ فرمان کہ ہر چالیس بکری پر ایک بکری زکوٰۃ ہے تو یہ اس مال کے مالک کی سہولت کے بیان کرنے کے لیے ہے، اس لیے نہیں ہے کہ ادائے زکوٰۃ کی شرط یہی ہے کیونکہ مویشی کے مالکوں کے پاس نقد رقم کم ہوتی ہے اس لیے ان کے لیے جانور ہی زکوٰۃ میں دینا زیادہ سہولت کا باعث ہے۔[1]

۲) بیہقیؒ نے اپنی سند سے اور بخاریؒ نے معلقاً طاؤس سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذؓ نے یمن پہنچ کر فرمایا کہ

"میرے پاس نیزے اور کپڑے لے آؤ، میں اصل زکوٰۃ کی جگہ یہ اشیاء

---

[1] یہ حدیث المنتقی میں مذکور ہے اور الشوکانیؒ کہتے ہیں کہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی ایک سند عطاء از معاذ بھی ہے حالانکہ عطاء کا حضرت معاذؓ سے سماع ثابت نہیں ہے کیونکہ عطاء حضرت معاذؓ کی وفات کے بعد یا سال وفات میں پیدا ہوئے تھے۔

نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۲۔ ط۔ عثمانیہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لے لوں گا اس میں تمھارے لیے آسانی اور مدینہ میں مہاجرین کے سہولت ہوگی۔[1]

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

"میرے پاس کپڑے لے آؤ جو میں تم سے جَو اور مکئی کے بدلے قبول کرلوں گا۔"[2]

ان روایات کی وضاحت یہ ہے کہ اہل یمن کپڑے کی صنعت میں ممتاز مقام رکھتے تھے اس لیے ان کا زکوٰۃ میں پارچہ جات دینا آسان تھا جبکہ مدینہ والوں کو کپڑوں کی ضرورت تھی اور یمن کی حاصل شدہ زکوٰۃ یمن کے مصارف سے زیادہ تھی جو حضرت معاذؓ کو مدینہ منورہ بھیجنا تھی۔

حضرت معاذ کا یہ قول فقیہ اور امام یمن حضرت طاؤس نے روایت کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خود طاؤس حدیث نبویؐ "غلہ پر غلہ اور بکری پر بکری زکوٰۃ لے لو" سے یہ مفہوم اخذ نہیں کرتے تھے کہ جس شئے پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے وہی شئے زکوٰۃ میں لینا چاہیے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان شرحوں سے زکوٰۃ طلب کی جائے گی اور اگر وہ چاہیں گے تو قیمت ادا کر سکیں گے۔ گویا ان اجناس کے تعین کا مقصود مال کے مالکین کو سہولت بہم پہنچانا ہے کیونکہ ہر مالک کو اسی مال کے دینے میں سہولت ہوتی ہے جو اس کے پاس موجود ہوتا ہے، جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپؐ نے دیت میں بھی ان لوگوں سے جن کے پاس سلے ہوئے کپڑے تھے سلے ہوئے کپڑے لے لیے تھے۔[3]

۳) احمدؒ اور بیہقیؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کے اونٹوں میں ایک موٹی تازی اونٹنی دیکھی اور ناراض ہو کر فرمایا کہ برا ہو اس زکوٰۃ

---

[1] المبسوط، ج ۲، ص ۱۵۷۔

[2] البیہقی: السنن الکبریٰ، ج ۴، ص ۱۱۳۔

[3] ابن الترکمانی: الجوہر النقی، المطبوع مع السنن الکبریٰ، ج ۴، ص ۱۱۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وصول کنندہ کا جس نے زکوٰۃ میں یہ اونٹنی وصول کی ہے۔ اس زکوٰۃ وصول کنندہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے زکوٰۃ کے اونٹ دے کر یہ اونٹنی بدلی ہے اس پر آپ نے فرمایا، پھر ٹھیک ہے۔

یہ حدیث بلحاظ سند بھی[1] اور بلحاظ استدلال بھی دلیل بننے کے قابل ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ اونٹنی بلاشبہ باعتبار قیمت ہی دو اونٹوں کے برابر ہوگی۔

۴) زکوٰۃ کا مقصود فقیر کو مستغنی کر دینا اور محتاج کی بھوک ختم کرنا ہے، اور امت کی مصالح کو اس طرح بروئے کار لانا ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کا ذریعہ بنے۔ اور یہ مقصود جس طرح بکری کے زکوٰۃ میں دینے سے بھی حاصل ہوتا ہے بلکہ قیمت کے زکوٰۃ میں دینے سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس کی قیمت کے دینے سے بھی حاصل ہوتا ہے بلکہ قیمت کے زکوٰۃ میں دینے سے یہ مقصود زیادہ بہتر طریقے پر حاصل ہوتا ہے کہ مختلف ضروریات کی تکمیل کے لیے ادائے قیمت زیادہ سہل ہے۔

۵) از روئے اجماع عین شئے کو جنس سے تبدیل کر لینا جائز ہے کہ اپنی بکریوں کی زکوٰۃ ان بکریوں کے علاوہ کسی اور بکری سے اور ایک زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ دوسری زمین کی پیداوار سے ادا کر دے۔ تو جس طرح عین شئے کو جنس سے تبدیل کرنا جائز ہے اسی طرح ایک جنس کو دوسری جنس سے بدلنا جائز ہے۔

اور یہ دلیل قاضی ابن العربی کی اس رائے کی تردید بن جاتی ہے کہ شارع نے جو ہر مال میں ایک خاص زکوٰۃ متعین کیا ہے اس کا مقصود مالک کا اس مال سے تعلق منقطع کرنا ہے، کیونکہ اگر شارع کا مقصود یہی ہوتا تو کسی کے لیے یہ جائز نہ رہتا کہ وہ اس خاص حصہ کے علاوہ جو بطور زکوٰۃ متعین ہو گیا ہے مال کی اسی جنس کا کوئی دوسرا حصہ دے سکے۔

۶) سعید بن منصور اپنی سنن میں حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ دراہم کی زکوٰۃ سامان کی صورت میں لے لیا کرتے تھے"[2]

---

[1] بحوالہ مذکور۔ [2] المغنی، ج ۳، ص ۶۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موازنہ و ترجیح میری رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہر دو فریق کے دلائل پر غور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلک حنفی زیادہ صحیح ہے اور جہاں آثار و اخبار سے ثابت ہے وہاں فکر و نظر بھی اسی کی مؤید ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ میں عبادت کے پہلو کا غالب ہونا اور اس کا نقص میں وارد فقیر کے لحاظ سے نماز پر قیاس کرنا طبیعت زکوٰۃ کے مطابق نہیں ہے اور نہ ہی یہ مخالفین حنفیہ کی اس رائے کے موافق ہے کہ زکوٰۃ ایک مالی حق اور ایک ممتاز عبادت ہے اور بچہ اور مجنون کے مال پر زکوٰۃ واجب ہے حالانکہ اس پر نماز واجب نہیں ہے۔ جبکہ ان کو یہاں بھی وہی رائے اختیار کرنی تھی جو انھوں نے وہاں کی ہے اور ان حنفیہ کا رد کرنا چاہیے تھا جنھوں نے نماز پر قیاس کرتے ہوئے غیر مکلفین سے زکوٰۃ کو ساقط قرار دیا ہے۔

فی الواقع فقہائے احناف کی رائے ہمارے عہد کے موافق لوگوں کے لیے باعث سہولت حساب میں آسانی کا ذریعہ ہے بالخصوص جبکہ زکوٰۃ جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے باقاعدہ ادارے موجود ہوں کیونکہ اصل عین زکوٰۃ میں وصول کرنے سے ان کے نقل و حمل پر اخراجات زیادہ ہوں گے اور ان کی نگرانی اور حفاظت کے انتظامات اور ان کے گماس اور چارے کا بندوبست کے مصارف بے حد بڑھے ہوں گے جو کہ وصولی ٹیکس میں اصول اقتصاد کے منافی ہوں گے۔

یہ رائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت حسن بصریؒ سے بھی مروی ہے اور یہی سفیان ثوریؒ کی رائے ہے اور زکوٰۃ فطر کے علاوہ ہر زکوٰۃ میں امام احمدؒ سے یہی رائے مروی ہے[1] اور امام نوویؒ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا بھی مسلک یہی ہے[2] اور ابن رشید کہتے ہیں کہ اگرچہ امام بخاریؒ کی رائے بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے

---

[1] ایضاً۔

[2] المجموع، ج ۵، ص ۳۲۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برخلاف ہے مگر اس مسئلہ میں وہ بربنائے دلیل حنفی مسلک سے متفق ہیں[1]

چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں زکوٰۃ میں سامان (قیمت) کے لینے کا ایک جدا باب قائم کیا ہے اور اس باب میں وہ بطور دلیل حضرت معاذؓ کے طاؤس کے روایت کردہ اثر کو لائے ہیں کہ حضرت معاذؓ نے اہل یمن سے مطالبہ کیا کہ وہ غلوں کی بجائے کپڑے زکوٰۃ میں دیں، کہ اس طرح انھیں سہولت ہوگی اور مدینہ میں موجود اصحاب النبیؐ کو آسانی ہوگی[2]

اسی طرح امام بخاریؒ نے اور بھی احادیث بطور استدلال ذکر کی ہیں مثلاً حضرت ابوبکرہؓ کے مویشیوں پر زکوٰۃ کے بارے میں خط میں ہے کہ

> وجس شخص کی زکوٰۃ بنت مخاض بن جائے اور وہ اس کے پاس نہ ہو بلکہ اس کے پاس بنت لبون ہو تو وہی اس سے لیا جائے گا، اور زکوٰۃ وصول کنندہ اسے بیس درہم یا دو بکریاں دے گا۔

یعنی ایک عمر کے زکوٰۃ کے بدلے دوسری عمر کا اونٹ لے لینا اور ان دونوں کے مابین فرق کو درہم یا بکری دے کر پورا کر دینا مطلوب بالذات نہیں ہے بلکہ مال کے مالکوں کی سہولت کے لیے ہے۔

لیکن ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ درج ذیل وجوہ کی بنا پر طاؤس کی حدیث سے استدلال درست نہیں ہے۔

۱) یہ حدیث مرسل ہے اور طاؤس کی ملاقات حضرت معاذؓ سے نہیں ہوئی ہے کیونکہ

---

[1] فتح الباری، ج ۳، ص ۲۰۰۔

[2] بخاریؒ نے طاؤس کے اس اثر کو معلقاً صیغۂ جزم کی ساتھ روایت کیا ہے جو کہ اس کی صحت کی دلیل ہے کیونکہ طاؤس فقیہ یمن تھے اور حضرت معاذؓ کے اخبار اور وقائع سے واقف تھے اور امام بخاریؒ کا اس اثر کا بطور دلیل ذکر کرنا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ اثر ان کے نزدیک قوی ہے۔ (الفتح، ج ۳، ص ۲۰۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طاؤس تو پیدا ہی حضرت معاذؓ کی وفات کے بعد ہوتے ہیں۔

۲) اگر یہ اثر صحیح بھی تو حجت اس لیے نہیں ہے کہ یہ بیان سرکار دو عالم کی جانب سے نہیں ہے اور جو قول آپ کی جانب سے مروی نہ ہو وہ حجت نہیں ہے۔

۳) اس اثر میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ سے متعلق ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ جزیہ سے متعلق ہو اور حضرت معاذؓ نے غلہ اور کپڑا جزیہ کے بدلے لیا ہو۔

۴) اس اثر کے باطل ہونے پر ایک دلیل خود حضرت معاذؓ کا یہ قول ہے کہ یہ اہل مدینہ کے لیے بہتر ہوگا کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت معاذؓ نے اس شئے کو خیر (بہتر) قرار دیا ہو جس کو اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے[1]

سچی بات یہ ہے کہ یہ وجوہ کمزور ہیں۔ اس لیے کہ ہر چند کہ طاؤس کی ملاقات حضرت معاذؓ سے نہیں ہوئی ہے مگر حضرت طاؤس عالم تھے اور حضرت معاذؓ کے حالات و سیرت سے بخوبی واقف تھے اور بقول امام شافعیؒ عہد تابعین کے امام تھے اور قریب العہد ہونے کی بنا پر حضرت معاذؓ کی اخبار اور ان کے وقائع سے آشنا تھے۔

یمن میں حضرت معاذؓ کے اس عمل سے اور اصل واجب کی جگہ ان کی قیمت لے لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل سنت کے معارض نہیں تھا اور صحابہ کرامؓ کے ان کے اس عمل پر اعتراض نہ کرنے سے ان کی ضمنی تائید اور موافقت کا علم ہوتا ہے۔

یہ احتمال کہ یہ اثر جزیہ سے متعلق ہو سکتا ہے ضعیف اور باطل ہے جیسا کہ احمد شاکر نے المحلی کی تعلیق میں تحریر کیا ہے کیونکہ یحییٰ بن آدم کی روایت میں زکوٰۃ کی وضاحت موجود ہے۔

جبکہ چوتھی وجہ علامہ ابن حزمؒ کی بلا وجہ کھینچا تانی ہے اس لیے کہ یہاں "خیر لکم" کے معنی انفع لکم ہیں، یعنی یہ کپڑے اہل مدینہ کی ضرورت کو غلہ سے زیادہ پورا کریں گے

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۳۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ امر واقع ہے اور اس میں نزاع کی گنجائش نہیں ہے، رہ گیا یہ کہنا کہ اسے اللہ نے واجب نہیں قرار دیا ہے تو یہ اصل دعویٰ ہے جس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ زکوٰۃ میں قیمت وصول کرنا بھی اللہ کے واجب کردہ حکم کی تعمیل ہے۔

ابن تیمیہؒ نے اس میں ایک درمیانی مسلک اختیار کیا ہے کہ بلا ضرورت اور بغیر مصلحت قیمتِ زکوٰۃ لینا درست نہیں ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسر کی مقدار کو دو بکریوں یا بیس درہم سے پورا کرنے کا حکم فرمایا، اور قیمت کی جانب منتقل نہیں فرمایا۔ نیز یہ کہ اگر مطلقاً قیمت دینا جائز ہو تو مالک ردی انواع میں دے سکتا ہے اور قیمت کے تعین میں بھی نقصان ہو سکتا ہے اور چونکہ زکوٰۃ مواسات پر مبنی ہے جو کہ مال کی مقدار اور اس کی جنس میں ہے۔ لیکن بہرحال ضرورت اور مصلحت کے پیشِ نظر زکوٰۃ میں قیمت ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً کوئی مالک اپنا باغ یا فصل دراہم کے بدلے فروخت کر رہا ہو تو اُسے دس درہم زکوٰۃ میں دینا جائز ہے، اور اسے اس امر کا ذمے دار نہیں ٹھہرایا جائے گا کہ وہ غلہ خرید کر زکوٰۃ میں دے، اس لیے کہ وہ اب خود ہی فقراء کے مساوی ہو گیا ہے اور احمد نے اس کا جواز بیان کیا ہے۔

اسی طرح اگر کسی پر ایک بکری زکوٰۃ لازم آتے اور وہ بکری اسی جگہ نہ خرید سکتا ہو تو اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ بکری خریدنے کے لیے دوسرے شہر جائے بلکہ اس کا قیمت دینا ہی کافی ہوگا۔

اور اسی طرح اگر مستحقین خود ہی یہ چاہیں کہ انھیں قیمت دے دی جائے اور مالک انھیں قیمت دے دے یا زکوٰۃ وصول کنندہ خود محسوس کرے کہ نقد قیمت فقراء کے لیے زیادہ مفید ہے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اہلِ یمن سے فرمایا کہ میرے پاس نیزے اور لباس لے آؤ کہ اس میں تمھاری آسانی ہے۔ اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدینہ منورہ کے مہاجر و انصار کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ (اور اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کے بارے میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جزیہ کے بارے میں ہے۔)[1]

اسی کے قریب قریب رائے ہم نے اختیار کی ہے کہ دورِ جدید میں مصلحت اور ضرورت اس امر کی متقاضی ہے کہ زکوٰۃ میں قیمت ہی وصول کی جائے اِلّا یہ کہ اس میں ضرورت مندوں یا مالکوں کا کوئی نقصان ہو۔

---

[1] مجموع فتاوی ابن تیمیہؒ: ج ۲۵، ص ۸۲، ۸۳۔ ط السعودیۃ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھی فصل

زکوٰۃ کا اس شہر سے باہر لے جانا جس سے وصول ہوتی ہے

اسلام نے محصولات زکوٰۃ کے صرف کے لیے ایک انتہائی حکیمانہ اور عادلانہ نظام مقرر کیا ہے جو کہ دورِ جدید کے ترقی یافتہ انتظامی مالیاتی اداروں کے ہم پلہ ہے اور یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ آج کل مالیاتی و انتظامی ادارے بالکلیہ جدید ہیں اور پہلے کبھی اس طرح کے ادارے موجود نہیں رہے ہیں۔

ادوار جاہلیت میں اور یوروپ کے عصور مظلمہ DARK AGES میں ان کسانوں، صنعت کاروں، پیشہ وروں اور تاجروں سے ٹیکس وصول کیے جاتے جو اپنے ہاتھوں کی جفاکشی اور اپنے خون پسینہ کی محنت سے اور شب و روز کی کد و کاوش سے اپنی روزی کماتے تھے..... پھر پسینہ آنسوؤں اور خون میں تر یہ دولت جمع ہو کر سلطان معظم کے دارالسلطنت میں پہنچ جاتی جو کہ بادشاہ کی شان و شوکت اور عظمت اقتدار پر صرف ہوتی ہے، غریبوں کے اس خون پسینہ کی کمائی سے بادشاہوں کی بادشاہتوں کو مضبوط کیا جاتا، اس کے حواریوں اور درباری حاشیہ برداروں پر خرچ کیا جاتا اور دارالسلطنت کی خوبصورتی اور جلال و جمال پر خرچ ہوتا، اور اس کے بعد بھی اگر کچھ باقی رہ جاتا تو وہ بادشاہ کے شہر سے متصل شہروں کی خوبصورتی پر خرچ ہوتا..... لیکن جن شہروں کی کد و کاوش سے یہ محصولات ملے ہیں ان پر کبھی توجہ نہ دی جاتی۔[1]

سب سے پہلے اسلام نے یہ اصول مقرر کیا کہ زکوٰۃ سے حاصل شدہ مال اسی علاقے

---

[1] یوسف القرضاوی: مشکلۃ الفقر وکیف عالجہا الاسلام۔ ص ۱۱۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں تقسیم کیا جائے جس علاقے سے یہ وصول ہوتے ہیں خواہ یہ محصولات فصلوں اور پھلوں سے حاصل ہوں یا مویشی سے بہرحال مال وہیں تقسیم کیا جائے گا جہاں سے حاصل ہوا ہے نیز زکوٰۃ فطر وہاں تقسیم کی جائے گی جہاں وہ شخص موجود ہے جس پر زکوٰۃ فطر واجب ہے۔

اس بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے کہ اگر زکوٰۃ نقود کی صورت میں وصول ہوئی ہو تو کیا وہ وہاں تقسیم ہوگی جہاں مالک موجود ہوگا یا وہاں تقسیم ہوگی جہاں مال موجود ہوگا[1] لیکن اکثر فقہاء کے یہاں مشہور یہی ہے کہ زکوٰۃ مال کے تابع ہے مالک کی نہیں ہے۔

اس اصول کی دلیل خود سنّتِ رسولؐ اور سنّت خلفائے راشدین ہے کہ آپؐ جب کسی والی یا زکوٰۃ وصول کنندہ کو کسی علاقے کی طرف روانہ فرماتے تو اسے یہ حکم فرماتے کہ وہ اس علاقے کے امیروں سے زکوٰۃ وصول کر کے وہاں کے حاجتمندوں پر تقسیم کرے۔

حضرت معاذؓ بن جبل کی حدیث گزر چکی ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے کہ نبی کریمؐ نے انھیں یمن روانہ فرمایا اور انھیں حکم فرمایا کہ وہ زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء میں تقسیم کر دیں۔

حضرت معاذؓ نے اسی طرح تعمیل حکم فرمائی کہ اہل یمن کی زکوٰۃ وہیں کے مستحقین پر تقسیم فرمائی بلکہ ہر جگہ کی زکوٰۃ خاص طور پر اسی جگہ کے مستحقین کو دی گئی اور ان کے لیے یہ تحریر لکھی کہ جو شخص اپنے خاندان کے علاقے سے (جہاں اس کی زمین اور مال ہے) کہیں اور چلا گیا تو اس کی زکوٰۃ اور اس کا عُشر اسی علاقے میں تقسیم ہوگا۔[2]

ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زکوٰۃ وصول کنندہ آیا، اس نے ہمارے اغنیاء سے صدقہ لے کر ہمارے فقراء کو دیا، خود میں یتیم نوجوان تھا تو مجھے زکوٰۃ سے ایک اونٹ ملا۔[3]

---

[1] حاشیۃ الدسوقی۔ ج ۱، ۵۰۰۔

[2] طاؤس نے ان سے اس روایت کو پسند صحیح نقل کیا ہے اور سعید بن منصور اور اثرم نے اس کو روایت کیا ہے ــــ نیل الاوطار، ج ۲، ص ۱۶۱۔

[3] ترمذیؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے (بحوالہ مذکور)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح روایت میں ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سوال پوچھے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ میں آپ کو اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ لے کر ہمارے فقراء میں تقسیم کریں، آپ نے فرمایا، ہاں۔

ابو عبید رضؒ نے حضرت عمر رضؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنی وصیت میں کہا تھا، میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو فلاں بات اور فلاں بات کی وصیت کرتا ہوں اور اسے وصیت کرتا ہوں کہ وہ دیہاتی عربوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اس لیے کہ ان لوگوں پر عربوں کا دارومدار ہے اور یہی لوگ اسلام کا بنیادی مواد ہیں (میرے جانشین کو چاہیے) کہ وہ ان کے زائد (بقدر نصاب) اموال میں سے زکوٰۃ لے اور اسے انہی کے محتاجوں میں واپس کر دے [1]

غرض حضرت عمر رضؓ کے عہد میں یہی طریقہ رہا کہ جس جگہ سے مال زکوٰۃ اکٹھا کیا جاتا وہیں تقسیم کیا جاتا اور جب زکوٰۃ وصول کنندہ مدینہ منورہ واپس آتے تو ان کے پاس بچھانے کے کپڑے (بستر) اور عصا کے کچھ نہ ہوتا۔

چنانچہ حضرت سعید بن المسیب رضؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے حضرت معاذ رضؓ کو بنی کلاب یا بنی سعد بن ذبیان پر زکوٰۃ کا محصل بنا کر بھیجا، انھوں نے انہی قبائل کے فقراء پر وہ زکوٰۃ تقسیم کر دی اور کچھ بھی باقی نہ بچا اور اپنے کاندھے پر وہی بوریا رکھ کر واپس آئے جو لے کر نکلے تھے [2]

سعد یعلی بن امیہ کے اصحاب سے اور جنھیں حضرت عمر رضؓ نے زکوٰۃ کا عامل بنا کر بھیجا تھا ان سے روایت کرتے ہیں کہ ہم زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے جاتے اور جب واپس آتے تو اپنا کوڑا لے کر واپس آتے [3]

---

[1] الاموال، ص ۵۹۵۔

[2] بحوالہ مذکور۔ [3] بحوالہ مذکور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ سے اعراب کے صدقات کے بارے میں پوچھا گیا کہ ہم ان کا کیا کریں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم انھیں صدقہ دیتے رہیں گے تاآنکہ ان میں سے ایک کے پاس سو اونٹ ہو جائیں [1]

اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر مال زکوٰۃ ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کر دیا جائے تو جس مصلحت کے لیے زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اس کی تکمیل نہ ہوگی کہ زکوٰۃ کا مقصود اسی مقام کے فقراء کو غنی بنانا ہے اور زکوٰۃ کے اس مقام سے منتقل کر دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مقام کے فقراء محتاج رہ جائیں گے [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی اس سنت پر تمام عادل حکمرانوں کا عمل رہا ہے اور یہی جملہ فقہائے صحابہ اور تابعین اور فقہائے امت کی رائے ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ زیاد بن ابیہ یا اور کسی اموی حکمران نے عمران بن حصین کو زکوٰۃ پر والی بنا کر بھیجا تھا جب وہ واپس آئے تو ان سے پوچھا کہ مال کہاں ہے؟ انھوں نے کہا کیا تم نے مجھے مال لینے بھیجا تھا؟ ہم نے تو زکوٰۃ اس طرح وصول کی جس طرح عہد رسالتؐ میں وصول کیا کرتے تھے اور اسی طرح تقسیم کر دی جس طرح عہد نبوتؐ میں تقسیم کیا کرتے تھے [3]

محمد بن یوسف نے طاؤس کو مخلاف (یمن کے کسی علاقے) کا عامل مقرر کیا، وہ امیروں سے زکوٰۃ لے کر فقراء میں تقسیم کرتے رہے، جب فارغ ہوئے تو محمد بن یوسف نے کہا کہ اپنا حساب پیش کرو؛ اس پر انھوں نے جواب دیا، میرے پاس کوئی حساب نہیں، بس امیروں سے وصول کرتا گیا اور غریبوں کو دیتا گیا [4]

---

[1] المصنف، ج ۳، ص ۲۰۵ - ط۔ حیدر آباد۔

[2] المغنی، ج ۲، ص ۶۷۲۔

[3] ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے، نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۶۱۔

[4] الاموال، ص ۵۹۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرقد سبخی کہتے ہیں کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ تقسیم کرنے کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوا تو راستہ میں مجھے حضرت سعید بن جبیر ملے اور انھوں نے کہا کہ اسے واپس لے جاؤ اور اپنے ہی علاقے میں تقسیم کر دو۔[1]

سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ کسی کی زکوٰۃ رَے سے کوفہ لائی گئی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ نے اسے رَے واپس بھیج دیا۔[2]

ابوعبید کہتے ہیں کہ

ان تمام آثار پر جملہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ ملک کے ہر علاقے کے باشندے یا پانی (چشمے یا وادی) والے اپنے علاقے کی زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں اور یہ استحقاق اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ ان میں ایک یا اس سے زائد کوئی حاجتمند باقی رہے، خواہ اس احتیاج کو رفع کرنے کے لیے وہاں کی تمام زکوٰۃ کام میں آجائے اور محصل زکوٰۃ کو وہاں سے بغیر کچھ لیے خالی ہاتھ ہی واپس آنا پڑے۔

اس پر ابوعبید نے حضرت معاذ رضؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو ہم نے ابھی ذکر کی ہے کہ وہ اپنا دہی بوریا لے کر واپس آتے جو لے کر گئے تھے اور سعید کی یہ روایت کہ ہم زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے جاتے اور صرف اپنے کوڑے واپس لے کر آتے۔ نیز اس روایت سے استدلال کیا ہے جو ہم عنقریب ذکر کریں گے کہ حضرت معاذ رضؓ نے جب یمن کی بقیہ زکوٰۃ بھیجی تو حضرت عمر رضؓ نے اس کے بارے میں ان سے استفسار کیا۔

ابوعبید کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قوم کے لوگ اپنی زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں تاآنکہ آسودگی کی بنا پر انھیں اس کی ضرورت نہ رہے۔ اور دوسرے لوگوں کے علاوہ قریب کے لوگ زکوٰۃ کے مستحق اس لیے قرار دیئے گئے ہیں کہ اسلام حرمتِ جوار (احترام پڑوس) کو ملحوظ رکھتا ہے اس لیے سنّت یہی قرار پائی کہ جس جگہ کے امیروں سے زکوٰۃ لی جائے اسی جگہ کے حاجتمندوں میں تقسیم کی جائے۔

---

[1] ایضاً۔ [2] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر محصل زکوٰۃ لاعلمی کی بنا پر ایک علاقے کی زکوٰۃ دوسرے علاقے میں لے جائے حالانکہ اس علاقے والوں کو اس کی ضرورت باقی ہو تو امام اس لائی ہوئی زکوٰۃ کو واپس انہی لوگوں کے پاس بھیج دے گا جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا تھا اور جیسا کہ حضرت سعید بن جبیر نے فتویٰ دیا تھا، اگرچہ ابراہیم نخعی اور حسن بصری نے اس سلسلے میں اس شخص کو رخصت دی ہے جو اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دینا چاہتا ہو تاہم اس اجازت کا تعلق ذاتی مال سے ہے اور اس کا تعلق اس مجموعی مال سے نہیں ہے جو زکوٰۃ وصول کنندہ کے پاس جمع ہو، ابوالعالیہ سے بھی مروی ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ مدینہ لے جایا کرتے تھے، اور ابو عبید کہتے ہیں کہ وہ ایسا اس لیے کیا کرتے تھے کہ زکوٰۃ ان کے رشتہ داروں اور قرابت داروں ہی میں تقسیم ہو جائے۔[1]

اگر کسی جگہ کے لوگ زکوٰۃ سے مستغنی ہوں تو وہاں کی زکوٰۃ بالاجماع دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے

اصولی اور متفقہ حکم تو یہی ہے کہ جس شہر (یا علاقہ) سے زکوٰۃ وصول کی جائے اسی جگہ اس کی تقسیم کی جائے لیکن اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی علاقے کے لوگ پوری زکوٰۃ سے یا اس کے کچھ حصے سے مستغنی ہوں یعنی اس جگہ زکوٰۃ کے مصارف باقی نہ رہے ہوں یا مستحق کم ہوں اور مال زیادہ ہو تو اس مال کو منتقل کرنا درست ہے اور اس کو قریبی علاقے میں منتقل کیا جا سکتا ہے یا امام کے پاس بھیجا جا سکتا ہے کہ وہ حسب ضرورت اس میں تصرف کرے۔

چنانچہ ابو عبید بیان کرتے ہیں کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو وہ جند میں

---

[1] کتاب الاموال، ص ۵۹۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس آئے، حضرت عمرؓ نے بھی انھیں یمن بھیجا، اس کے بعد حضرت معاذؓ نے حضرت عمرؓ کو لوگوں کی زکوٰۃ کا تہائی حصہ بھیجا، جس پر حضرت عمرؓ نے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تمھیں مال جمع کرنے کے لیے نہیں بھیجا ہے بلکہ اس لیے مامور کیا ہے کہ تم امیر لوگوں سے وصول کر کے وہیں کے ضرورتمندوں میں تقسیم کرو، اس پر حضرت معاذؓ نے فرمایا میں نے جو کچھ آپ کو بھیجا ہے یہاں مجھے اس کا مستحق نہیں ملا اس لیے بھیجا ہے۔ آئندہ سال حضرت معاذؓ نے نصف زکوٰۃ روانہ فرمائی اور پھر حضرت عمرؓ نے اسی تامل کا اظہار کیا اور حضرت معاذؓ نے وہی جواب دیا، بعد ازاں تیسرے سال حضرت معاذؓ نے پوری زکوٰۃ روانہ کر دی اور حضرت عمرؓ نے اسی طرح اعتراض کیا جس پر حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ اب یہاں ایک بھی مستحق زکوٰۃ باقی نہیں رہا ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ جس علاقے سے زکوٰۃ وصول ہو وہیں کے مستحقین پر صرف ہونی چاہیے لیکن اگر مستحقین باقی نہ رہیں تو زکوٰۃ کا منتقل کرنا جائز ہے۔

عدمِ استغناء کی صورت میں انتقالِ زکوٰۃ

اس مسئلے میں بعض مسلک نے تشدد اختیار کیا ہے اور ان کے نزدیک زکوٰۃ کی دوسرے شہر منتقلی جائز نہیں ہے یا یہ کہ اس شہر تک منتقلی جائز نہیں جو قصر صلوٰۃ کی مسافت پر ہو، اگرچہ زکوٰۃ کا یہ انتقال بربنائے ضرورت ہو۔

فقہائے شافعیہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اسے وہیں صرف کرنا چاہیے جہاں سے وصول کی گئی ہے الّا یہ کہ کوئی مستحق زکوٰۃ موجود نہ ہو، اور یہی حنبلی فقہا کی رائے ہے، اگر مستحق زکوٰۃ موجود ہونے کے باوجود زکوٰۃ منتقل کی گئی تو ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، لیکن جن لوگوں نے زکوٰۃ دی ہے ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ انھوں نے مستحق کا حق دے دیا اس لیے وہ اس طرح

---

[1] الاموال، ص ۵۹۶۔ نیز دیکھیے حاشیہ بر کتاب مشکلۃ الفقر وکیف عالجہا الاسلام۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بری الذمہ ہو جائیں گے جس طرح مقروض ادائے قرض سے بری الذمہ ہو جاتا ہے لیکن بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ دہندگاں بھی بری الذمہ نہیں ہوں گے کہ اس صورت میں نقص شرعی کی مخالفت ہوتی ہے۔[1]

فقہائے احناف کہتے ہیں کہ منتقل کرنا مکروہ ہے لیکن اگر یہ انتقال قرابت دار محتاج کو دینے کے لیے ہو تو مکروہ نہیں ہے، کہ یہ صلہ رحمی ہے، یا ان افراد یا جماعت کو پہنچانا مقصود ہو جو اس جگہ کے لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں، یا اس کے انتقال میں مسلمانوں کی صلاح و فلاح مضمر ہو، جیسے دار الحرب سے زکوٰۃ کو دار الاسلام پہنچانا، کیونکہ دار الاسلام کے فقراء دار الحرب کے فقراء سے زیادہ مستحق ہیں، یا کسی عالم یا طالب علم کو دینا مقصود ہو تاکہ اسے اسلام کا پیغام پہنچانے میں سہولت ہو، یا کسی ایسے شخص کو دینا ہو جو زیادہ نیکوکار پرہیزگار ہو اور اسے دینا مسلمانوں کے حق میں مفید ہو، یا ابھی سال پورا نہ ہوا ہو اور زکوٰۃ پہلے دے دی گئی ہو تو ان تمام صورتوں میں انتقال زکوٰۃ مکروہ نہیں ہے۔[2]

فقہائے مالکیہ کے نزدیک زکوٰۃ کا اس مقام پر جہاں وہ واجب ہوئی ہے یا مقام قصر کے اندر اندر تقسیم کرنا واجب ہے۔

اگر وجوب کے مقام پر یا اس کے قریب مستحق موجود نہ ہو تو اس جگہ زکوٰۃ منتقل کرنا

---

[1] الاحکام السلطانیہ، الماوردی، ص ۱۱۹، ۱۲۰۔ ط۔ مصر۔ شرح الغایۃ، ج ۲، ص ۲۲۸۔ ملا علی قاری شرح مشکاۃ میں طیبی کا قول کرتے ہیں کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر زکوٰۃ منتقل کر دی گئی اور وہاں تقسیم کر دی گئی تو فرض ساقط ہو جائے گا، ماسوا اس کے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خراسان سے شام لائی جانے والی زکوٰۃ کو واپس خراسان بھیج دیا تھا، اس پر ملا علی قاری کہتے ہیں کہ ان کے اس عمل سے اجماع کے برخلاف رائے کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت یہ کمال عدل اور لوگوں کی طمع کو ختم کر دینے کی مثال ہے۔ المرقاۃ: ج ۴، ص ۱۱۸، ۱۱۹۔

[2] الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین، ج ۲، ص ۹۳، ۹۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واجب ہوگا جہاں مستحق موجود ہے اگرچہ وہ مسافت قصر پر ہو، جبکہ مستحق موجود ہونے کی صورت میں اسی جگہ یا اس کے قریب تقسیم کرنا لازم ہے۔ اور مسافت قصر پر اس کا منتقل کرنا جائز نہیں ہے ماسوا اس کے کہ جن کی طرف منتقل کیا جائے وہ زیادہ حاجتمند اور ضرورتمند ہوں تو ان کی جانب اکثر زکوٰۃ منتقل کرنا مستحب ہے اور اگر پوری منتقل کر دی یا پوری محل وجوب میں تقسیم کر دی تو جائز ہے۔

اگر ایسے مقام پر منتقل کی جہاں کے لوگ مقام وجوب کے لوگوں سے زیادہ مستحق اور حاجتمند نہیں ہیں۔ تو دو صورتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ دونوں کی ضرورت برابر ہو تو اس صورت میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یعنی اس کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ ایسی جگہ منتقل کی گئی ہو جہاں اس کی ضرورت کم ہو تو اس صورت میں دو اقوال ہیں ایک وہ قول ہے جو خلیل نے اپنی مختصر میں درج کیا ہے کہ جائز نہیں ہے اور دوسرا وہ ہے جو ابن رشد نے اور الکافی نے نقل کیا ہے کہ جائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ بہرحال مصارف کے اندر رہی ہے[1]

زیدیہ مسلک کے فقہاء کے نزدیک ایک شہر کی زکوٰۃ کو دوسرے شہر کے ضرورتمندوں پر صرف کرنا جائز ہے البتہ جس شہر سے زکوٰۃ وصول ہوئی ہے اسی کے حاجتمندوں پر صرف کرنا اولیٰ ہے اور اس میں علل کا مالک اور امام برابر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کراہت ہمارے نزدیک استحباب کی ضد ہے، اس لیے اگر زکوٰۃ کسی اور شہر کے ضرورتمندوں کو دی گئی تو باوجود کراہت کے جائز ہوگی۔ اور اگر کسی رشتہ دار مستحق یا طالب علم یا زیادہ ضرورتمند کو دینے کے لیے منتقل کی گئی تو بلا کراہت جائز ہے بلکہ افضل ہے[2]

اباضیہ کے نزدیک اس سلسلے میں کہ امام (سربراہ) زکوٰۃ کا تہائی یا نصف ضرورتمندوں

---

[1] حاشیۃ الدسوقی، علی الشرح الکبیر، ج ۱، ص ۵۰۱۔

[2] شرح الازہار، ج ۱، ص ۴۷۵، ۴۸۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر تقسیم کر دے اور باقی اسلامی ریاست کے اعزاز کو برقرار رکھنے کے لیے منتقل کر دے دو اقوال ہیں، کہ جائز ہے اور یہ کہ نا جائز ہے۔

اور کہتے ہیں کہ اگر امام کو تمام زکوٰۃ کی ضرورت ہو تو وہ تمام لے سکتا ہے اور مقام زکوٰۃ کے ضرورتمندوں کو اگلے سال ان کی ضرورت کے مطابق دے سکتا ہے اور اگر اسے ضرورت نہ ہو تو ساری تقسیم کر دے اور جب ایک بستی کے لوگوں کو کافی ہو جائے تو قریب ترین بستی والوں کو دے دے [1]

امام کے اجتہاد کے مطابق زکوٰۃ کا منتقل کرنا جائز ہے

جملہ احادیث آثار اور اقوال کے بیان کرنے کے بعد میری رائے یہ ہے کہ اصولاً زکوٰۃ وہیں تقسیم کی جائے جہاں وہ جمع ہوئی ہے تاکہ حرمت جوار ملحوظ رہے، فقراء اور حاجتمندی کا سدباب کیا جا سکے۔ ہر علاقہ بذات خود مکتفی ہو سکے، اور ہر جگہ کے مسائل وہیں حل کیے جا سکیں، اور اس لیے بھی کہ اس علاقے کے فقراء کی نظریں اس مال پر لگی ہوئی ہیں اس لیے ان کا حق مقدم ہے۔

لیکن اگر امام عادل اہل شوریٰ کے مشورے سے مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر زکوٰۃ کو منتقل کرنا چاہے تو کوئی شرعی مانع بھی موجود نہیں ہے، اور اس سلسلے میں مجھے امام مالکؒ کی رائے پسند ہے کہ اگرچہ اصولاً انتقال زکوٰۃ جائز نہیں ہے لیکن اگر امام اپنے اجتہاد اور رائے سے اس کو منتقل کرنا مناسب خیال کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے [2]

ان کے اصحاب میں سے ابن القاسمؒ کہتے ہیں کہ بعض زکوٰۃ کا ضرورتاً منتقل کرنا درست ہے [3]

---

[1] شرح النیل، ج ۲، ص ۱۳۸۔

[2] تفسیر القرطبی، ج ۸، ص ۱۷۵۔

[3] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سحنون کہتے ہیں کہ اگر امام کو یہ معلوم ہو کہ فلاں شہر کی ضرورت زیادہ شدید ہے تو زکوٰۃ منتقل کرنا جائز ہے اس لیے کہ صاحب احتیاج کی ضرورت کو مقدم کرنا ضروری ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظلم کے سپرد کرتا ہے۔

امام مالکؒ کی المدونۃ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نبی الخطاب نے مصر حضرت عمرو بن العاص کو قحط کے سال لکھا عرب کے لیے مدد، عرب کے لیے مدد، اتنے اونٹ روانہ کرو کہ ان کا ایک سرا میرے پاس ہو اور دوسرا تمہارے پاس اور آٹا اور کپڑا بھیجو۔ حضرت عمرؓ ان اشیاء کو تقسیم فرماتے گئے، تقسیم پر لوگوں کو متعین کرتے گئے اور انھیں اونٹوں کے ذبح میں موجود رہنے کا حکم دیتے گئے اور فرماتے تھے کہ عرب اونٹوں سے محبت کرتے ہیں کہیں وہ ان کے ذبح سے متامل نہ ہوں اس لیے انھیں ذبح کرکے ان کا سالن بناؤ اور جن کپڑوں میں آٹا آیا ہے ان کے لباس بناؤ۔[1]

غرض اسلامی ریاست کے مختلف علاقوں کو اس طرح دوسرے علاقوں کی کفالت و امداد کرنی چاہیے۔

اس کی تائید ان امور سے بھی ہوتی ہے۔

۱) وسیع اسلامی ریاست کا ہر علاقہ اور ہر شہر بالکل مستقل نہیں ہوتا اور نہ دیگر علاقوں سے جدا ہوتا ہے بلکہ تمام علاقے مرکزی حکومت سے پیوست اور مربوط ہوتے ہیں اور اسلامی ریاست کے تمام مسلمان افراد ایک خاندان کی طرح باہم مربوط ہوتے ہیں اور ان میں وہ یکجہتی کفالت اور ارتباط ہوتا ہے جو اسلام نے لازم کیا ہے اور اسلامی ریاست کا کوئی علاقہ دوسرے علاقوں سے اور دارالسلطنت سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوتا بلکہ جب ایک علاقہ قحط سالی یا آفات سماویہ سے

---

[1] المدونۃ الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۴۶۔ الحاکم نے اس اثر کو المستدرک میں المدونۃ سے طویل تر نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اور الذہبی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ ج ۱، ص ۴۰۵۔ ۴۰۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوچار ہوتا ہے تو ملک کے تمام حصے اس کی اعانت اور مدد کرتے ہیں۔

۲) زکوٰۃ کے مصارف میں تالیف قلوب اور فی سبیل اللہ کے مصارف بھی ہیں، جس میں جہاد بھی شامل ہیں اور وہ تمام اعمال شامل ہیں جن سے اسلام کو نصرت اور سربلندی حاصل ہو، جو کہ یقینی طور پر ایسے امور ہیں جو مرکز سے متعلق ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہم سبیل اللہ کو جہاد ہی پر مقتصر تصور کریں تو دور جدید میں جہاد بھی افراد اور اداروں کا کام نہیں ہے بلکہ مرکزی حکومت کے دائرۂ اختیار میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرکزی حکومت کے پاس ان امور پر صرف کرنے کے لیے ذرائع آمدن ہونے چاہئیں جنھیں وہ مسلمانوں کے مفاد میں صرف کرے، اگر اس کے پاس علاوہ زکوٰۃ کے ایسے موارد موجود ہوں تو بہتر ہے ورنہ امام (سربراہ حکومت) ان ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے مختلف علاقوں سے زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

اسی لیے امام قرطبیؒ نے بعض فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

فقراء اور مساکین کا حصہ اسی جگہ تقسیم کیا جائے گا جہاں سے زکوٰۃ وصول کی گئی ہے جبکہ باقی حصہ امام اپنے اجتہاد کے مطابق منتقل کر سکتا ہے [1]

بہرحال یہ ایک اجتہادی امر ہے اور اس میں اہل شوریٰ کی رائے پر چلنا زیادہ موزوں ہے جیسا کہ خلفائے راشدین فرماتے تھے، اور اسی لیے اس مسئلہ کو کسی غیر متغیر قسم کے اصول کے تابع نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں کسی سال میں اور کبھی کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اسی سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس عمل کی وضاحت ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے عامل کو تحریر فرمایا کہ

"نصف زکوٰۃ وہیں تقسیم کر دو اور نصف زکوٰۃ مجھے بھیج دو"

جب کہ آپ نے اگلے سال لکھا کہ "تمام زکوٰۃ وہیں تقسیم کر دو" [2]

---

[1] ج ۸، ص ۱۷۶۔

[2] الاموال، ص ۵۹۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ آپ نے رَبُذے کی جو زکوٰۃ کوفہ پہنچائی گئی تھی واپس کر دی تھی۔

میری رائے میں ان دونوں طرح کے طرزِ عمل میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ہر دو اعمال مصلحت اور ضرورت کے مطابق ہیں۔

اسی بنا پر ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ انتقالِ زکوٰۃ کی ممانعت کو مسافت قصر میں محدود کرنے کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ بتقاضائے مصلحت زکوٰۃ کو منتقل کرنا جائز ہے۔[1]

۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعراب سے صدقات طلب فرماتے اور انھیں فقراء مہاجرین اور انصار میں تقسیم فرماتے۔

عبداللہ بن ہلال الثقفی سے مروی ہے کہ

"ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ قریب تھا کہ میں ایک بکری کے بدلے مارڈالا جاتا، آپ نے فرمایا کہ اگر ہمیں فقراء مہاجرین کو دینا نہ ہوتا تو ہم نہ لیتے۔" (نسائی)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیصۃ بن مخارق کے زیر بار ہونے کے بارے میں فرمایا تھا کہ

"تم ہمارے پاس قیام کرو، زکوٰۃ آنے پر یا تو ہم تمھارا بوجھ ہلکا کر دیں گے یا سارا اپنے ذمے لے لیں گے۔"

یعنی قبیصہ نجد کے باشندے تھے اور آپ نے انھیں حجاز کی زکوٰۃ میں سے دینے کا وعدہ فرمایا۔

عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایامِ ارتداد میں اپنی قوم کی زکوٰۃ حضرت ابوبکرؓ کو لا کر دی۔

حضرت عمرؓ نے عام الرمادہ (قحط کے سال) کے بعد ابن ابی ذباب کو محصّل بنا کر

---

[1] الاختیارات، ص ۵۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھیجتے وقت کہا تھا، ان سے دو سال کی زکوٰۃ لینا اور ایک سال کی وہیں تقسیم کر کے ایک سال کی میرے پاس لے آنا۔

حضرت معاذؓ نے اہل یمن سے کہا تھا کہ میرے پاس جَو اور لبیس (یمنی چادریں اور کپڑے) لے آؤ میں زکوٰۃ کی جگہ یہ اشیاء تم سے لے لوں گا، اس لیے کہ ان کا دینا تمہارے لیے زیادہ آسان اور کپڑے مدینہ میں مہاجرین کے لیے کارآمد ہوں گے۔

ابو عبید کہتے ہیں کہ ان تمام اشیاء کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں الا یہ کہ یہ چیزیں علاقے والوں کی ضرورتوں سے زائد ہوں اور انھیں ان اشیاء کی ضرورت باقی نہ رہے جیسا کہ حضرت عمرؓ اور معاذؓ کی روایات میں ہم بیان کر آئے ہیں۔[1]

میں کہتا ہوں کہ مطلق استغناء لازمی نہیں ہے کہ استغناء کے بھی مراتب ہیں جن میں لامحالہ فرق ہوتا ہے، اسی طرح ضرورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں اور یہ امام کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ کس کی ضرورت کو شدید خیال کرے اور کس ضرورت کے بارے میں یہ محسوس کرے کہ یہ فوری نوعیت کی ہے اور کس ضرورت کو یہ سمجھے کہ یہ فوری نوعیت کی نہیں ہے اور یہ کہ کون سی مصلحتیں فوری اہمیت کی حامل ہیں اور ان میں تاخیر کی گنجائش نہیں ہے، لیکن بہرحال جو زکوٰۃ منتقل کی جاتے وہ حاصل شدہ زکوٰۃ کا ایک حصہ ہو، پوری زکوٰۃ نہ ہو کہ پوری زکوٰۃ کے منتقل کرنے کے لیے لازمی ہے کہ اس میں مطلق استغناء ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت معاذؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اس مقام پر اس امر پر متنبہ کرنا ضروری ہے کہ فقہائے مسلک شافعیؒ جو انتقال کے جواز میں زیادہ متشدد ہیں وہ بھی صاحب مال ہی پر یہ لازم کرتے ہیں کہ وہ خود تقسیم کرنے میں زکوٰۃ کو منتقل نہ کرے لیکن اگر امام اور ساعی (زکوٰۃ وصول کنندہ) منتقل کرے تو صحیح مسلک کی رُو سے یہ جائز ہے۔

چنانچہ المہذب کے مصنف کہتے ہیں کہ

---

[1] الاموال، ص ۵۹۴ / ۶۰۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اگر امام ساعی کو تقسیم کرنے کے لیے کہے تو وہ تقسیم کر دے اور اگر تقسیم کا حکم نہ دے تو امام کے پاس لے آئے۔"[1]

امام نوویؒ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ

"مصنف کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ انتقال زکوٰۃ جائز ہے امام کے لیے بھی اور ساعی کے لیے بھی۔ البتہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ مال کا خود زکوٰۃ کو منتقل کرے .... رافعیؒ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور احادیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔"

انفرادی طور پر کسی ضرورت یا مصلحت کے تحت انتقال زکوٰۃ کا جواز

چونکہ امام (سربراہ ریاست) اسلامی معتبر مصلحت کے تحت اپنے اجتہاد کے مطابق زکوٰۃ کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کر سکتا ہے تو مسلمان فرد جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور جو خود اپنی زکوٰۃ کی تقسیم کا ذمے دار ہو ضرورت اور مصلحت کے تحت زکوٰۃ منتقل کر سکتا ہے۔

مثلاً فقہائے احناف کے نزدیک کوئی شخص اپنی زکوٰۃ قریبی رشتہ داروں کو دینے کے لیے، یا ان لوگوں کو دینے کے لیے جن کی ضرورت زیادہ ہو یا جنھیں دینا مسلمانوں کے لیے مفید ہو، یا کسی ایسے منصوبہ میں لگانے کے لیے جس کا فائدہ تمام مسلمانوں کو پہنچے یا اسی قسم کی کسی مصلحت کے لیے جس میں زکوٰۃ دہندہ رضائے رب حاصل کرنے کی نیت رکھتا ہو منتقل کرنا جائز ہے۔

●

[1] المجموع، ج ۶، ص ۱۷۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچویں فصل

زکوٰۃ کو فوراً ادا کرنا اور اس میں تاخیر کرنا

زکوٰۃ کا فوری وجوب فقہائے احناف کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب توسیعی ہوتا ہے اور جب تک مطالبہ نہ ہو صاحب مال اس کی ادائیگی میں تاخیر کر سکتا ہے کیونکہ امر ادا مطلق ہے اور اس کی ادائیگی کا اوّل زمانہ متعین نہیں ہے جیسا کہ مقام کا تعین نہیں ہے یہ ابوبکر جصاص کی رائے ہے۔

ائمہ احناف میں سے کرخیؒ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ فوراً واجب ہے کیونکہ تقاضائے حکم فوری ادائیگی ہے اور اگر حکم سے فوری ہونا یا مؤخر ہونا مترشح نہ بھی ہو تب بھی بقول ابن الہمام طریقہ مختار یہی ہونا چاہیے کہ فوراً ادائیگی ہو جائے کہ فوراً ادائیگی کا یہ قرینہ موجود ہے کہ زکوٰۃ فقیر کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے اور فقیر کی ضرورت فوری ہے تو اگر زکوٰۃ فوری طور پر واجب نہیں ہوتی تو یہ مقصود بکمال حاصل نہیں ہوگا۔[1]

یہی رائے درست بھی ہے اور اسی کے امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور جمہور فقہاء قائل ہیں۔

ابن قدامہؒ کہتے ہیں کہ امر (حکم) فوری تعمیل کا متقاضی ہوتا ہے اور اسی وجہ سے حکم کی تعمیل میں تاخیر کرنے والا سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ ابلیس پر ناراض ہوا اور راندۂ درگاہ کر دیا اور اس کو سجدہ نہ کرنے پر سرزنش کی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے غلام کو پانی پلانے کے لیے کہے اور وہ تعمیل حکم میں تاخیر کرے تو وہ سزا

---

[1] فتح القدیر، ج ۱، ص ۴۸۲، ۴۸۳۔ رد المحتار، ج ۲، ص ۱۳، ۱۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مستحق ٹھہرے گا، اس لیے کہ تاخیر کا جواز وجوب کے منافی ہے کہ واجب وہ ہوتا ہے جس کے ترک پر سزا دی جائے اور اگر تاخیر جائز ہو گی تو بغیر غایت جائز ہو گی جس سے ترک (چھوڑ دینے) پر سزا ختم ہو جائے گی۔

اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مطلق امر فوری تعمیل کا متقاضی نہیں ہوتا تو اس مسئلہ میں بہرحال ہے اس لیے کہ اگر ادائے زکوٰۃ میں تاخیر جائز ہو تو زکوٰۃ دہندہ اپنے طبعی اقتضاء کے تحت تاخیر ہی کرے گا کیونکہ اسے اطمینان ہو گا کہ وہ اس تاخیر سے گنہگار نہیں ہو گا اور اس طرح ممکن ہے کہ اس کی موت آجائے یا مال تلف ہو جائے اور وہ زکوٰۃ ادا نہ کر سکے اور اس طرح فقراء اور مساکین کو نقصان پہنچے۔

مزید ایک قرینہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت فقراء کی ضرورت کے پیش نظر ہوتی ہے اور یہ ضرورت فوری ہے اس لیے ادائیگی بھی فوری ہونی چاہیے، نیز یہ کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور بار بار آتی ہے اس لیے اس کی دوبارہ فرضیت کے وقت آجانے تک تاخیر جائز نہیں ہے جس طرح کہ ایک وقت کی نماز کی اس حد تک تاخیر جائز نہیں ہے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے اور ایک روزے کی اتنی تاخیر جائز نہیں ہے کہ دوسرے روزے کا وقت آجائے۔

یہ اس صورت میں ہے جبکہ زکوٰۃ دہندہ کو فوری ادائیگی سے کوئی نقصان نہ ہو اگر اسے فوری ادائیگی سے کوئی جانی یا مالی نقصان ہو تو وہ ادائے زکوٰۃ کو مؤخر کر سکتا ہے اس لیے کہ فرمان نبوت ہے کہ

"نہ کوئی نقصان پہنچتا ہے نہ پہنچانا ہے"[1]

---

[1] احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے اسے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، ابن ماجہ نے حضرت عبادۃ بن الصامتؓ سے بھی روایت کیا ہے، الحاکم اور الدارقطنی نے حضرت ابو سعید سے روایت کیا ہے اور النووی نے الاربعین اور الاذکار میں حسن کہا ہے، امام مالکؒ نے متعدد طریقوں سے جو ایک دوسرے کے مؤید ہیں مرسلاً روایت کیا ہے۔ الہیثمی نے کہا ہے کہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس لیے کہ چونکہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر جائز ہے اس لیے (بایں صورت) زکوٰۃ میں بھی تاخیر جائز ہے۔[1]

ادائے زکوٰۃ میں سبقت ایک عمومی اصول کے تحت ہر عبادت میں جلدی کرنا اور سبقت اختیار کرنا اسلام میں پسندیدہ ہے۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (البقرہ : ۱۴۸)

امور خیر کی جانب سبقت کرو۔

نیز فرمایا۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ (آل عمران: ۱۳۳)

(بقیہ آگے) اس کے رجال ثقات ہیں، علائی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے ایسے شواہد موجود ہیں جو اسے صحیح اور حسن کے درجے میں داخل کر دیتے اور اسے قابل احتجاج بنا دیتے ہیں۔ شیخ احمد شاکر مسند کی حدیث ۲۸۶۷ کی تخریج میں کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے اور معنی صحیح ہیں اور ابن ماجہ کی حضرت عبادۃ بن الصامت کی صحیح سند سے ثابت ہیں۔

اس حدیث کے الفاظ ہیں "لا ضرر ولا ضرار"

ضرر کے معنی ابتدائی نقصان کے ہیں اور ضرار کے معنی اس کے بدلے کے ہیں یعنی پہلے کا مطلب ہے دوسرے کو مطلقاً نقصان پہنچانا جبکہ دوسرے کے معنی ہیں دوسرے کو بطور مقابلہ نقصان پہنچانا۔ اس حدیث کے لیے ملاحظہ کیجیے۔

ابن رجب : جامع العلوم والحکم۔

القاری : المبین المعین لفہم الاربعین ص ۱۸۰، ۱۸۵۔

المناوی : فیض القدیر، ج ۶، ص ۴۳۱، ۴۳۲۔

[1] ابن قدامہ : المغنی، ج ۲، ص ۶۸۴، ۶۸۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی جانب سرعت سے آگے بڑھو۔

چونکہ سرعت عمل تمام نیک کاموں میں محمود ہے تو یہ زکوٰۃ اور دیگر مالی حقوق میں اور بھی زیادہ محمود ہے تاکہ طبیعت پر لالچ کا غلبہ نہ ہو، خواہش نفس مانع نہ بنے اور دیگر عوارض خارج نہ ہو جائیں اور اس طرح فقراء کے حقوق ضائع ہوں۔

اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ خیر کی جانب سبقت کرنا چاہیے کہ آفات پیش آتی رہتی ہیں، موانع رکاوٹ بنتے رہتے ہیں، موت کا وقت معلوم نہیں ہے، ٹال مٹول ناپسندیدہ ہے اور خیر کی جانب سبقت ذمے داری کے پورا ہو جانے، ضرورت کے دور کرنے، رضائے الٰہی حاصل کرنے اور گناہ کے دور کرنے میں مفید ہے۔[1]

حدیث میں ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جس زکوٰۃ میں کوئی اور مال شامل کر دیا گیا وہ زکوٰۃ ضائع ہو گئی۔

امام شافعیؒ، امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور الحمیدی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ جس مال میں زکوٰۃ فرض ہو چکی ہو لیکن زکوٰۃ نہیں دی گئی تو یہ حرام مال حلال مال کو ہلاک کر دے گا۔[2]

چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں جلدی کرنا ایک امر محمود ہے تو کیا زکوٰۃ کے اخراج کا وقت آنے سے پہلے ہی یعنی سال گزرنے سے پہلے اور فصل کٹنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قبل از وقت زکوٰۃ نکالنا

زکوٰۃ کے اموال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم میں سال شرط ہے جیسے مویشی، نقد رقم اور سامان تجارت۔ دوسری قسم میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے جیسے فصلیں اور پھل۔

پہلی قسم کے بارے میں اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جب وجوب زکوٰۃ کا سبب۔

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۴۸۔ ط۔ عثمانیہ۔

[2] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی مکمل نصاب موجود ہو تو سال گزرنے سے پہلے ہی زکوٰۃ دے دینا جائز ہے بلکہ دو سال یا اس سے زیادہ پہلے بھی زکوٰۃ دے دینا جائز ہے لیکن نصاب کی ملکیت سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

حسنؒ، سعید بن جبیرؒ، زہریؒ، اوزاعیؒ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحٰقؒ، اور ابو عبیدؒ کی یہی رائے ہے۔[1]

جبکہ ربیعہ مالک اور داؤد کے نزدیک سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، خواہ ملکیت نصاب سے پہلے زکوٰۃ دے یا ملکیت نصاب کے بعد۔[2]

بعض مالکی فقہاء کے نزدیک زر نقد کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں قدرے تقدم جائز ہے، اور تاجر مدیر کا سامان تجارت اور بیع سے حاصل ہونے والے وہ قرضے جن کی وصولیابی کی امید ہو اور وہ مویشی جن کا ساعی (وصول کنندہ) نہ ہو، تو ان کی تقدیم جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔ مگر فصل اور پھل، تاجر محتکر (ذخیرہ اندوز) کے سامان تجارت اور تاجر مدیر کے قرض کی زکوٰۃ کی تقدیم جائز نہیں ہے، اسی طرح ان مویشی کی زکوٰۃ کی تقدیم جائز نہیں ہے جن کا زکوٰۃ وصول کنندہ (ساعی) اختتام سال پر آتا ہو، لیکن اگر سال گزرنے سے کچھ پہلے زکوٰۃ مویشی کے ساعی کو دے دی تو جائز ہے۔

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۶۳۰۔

[2] المغنی، بحوالہ مذکور۔ ابن رشد بدایۃ المجتہد میں (ج ۱، ص ۲۶۶) کہتے ہیں کہ وجہ اختلاف یہ ہے کہ کیا یہ عبادت ہے یا مساکین کا حق واجب ہے، جن فقہاء کے نزدیک عبادت ہے اور نماز کے مشابہ ہے ان کے نزدیک وقت سے پہلے اخراج جائز نہیں ہے اور جن کے نزدیک زکوٰۃ ایسے حقوق سے مشابہ ہے جو ایک وقت آنے پر لازم ہوتے ہیں ان کے نزدیک بر سبیل تطوع قبل از وقت اخراج بھی جائز ہے، چنانچہ امام شافعیؒ نے حضرت علیؓ کی اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت عباسؓ کی زکوٰۃ وجوب کے وقت سے پہلے لے لی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہاء کا اس معمولی زمانے کی تحدید میں اختلاف ہے جس میں تقدیم زکوٰۃ کا پیشگی ادا کرنا) جائز ہے یعنی یہ مدت ایک دو یوم ہے یا ایک دو ماہ ہے، قابل اعتماد رائے یہ ہے کہ یہ مدت ایک ماہ ہے اور اس سے زیادہ مدت پہلے زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

اس صورت میں زکوٰۃ کا پیشگی ادا کرنا بلکہ کراہت جائز ہے جبکہ زکوٰۃ کو اس کے وجوب کے مقام سے کسی زیادہ حاجت مند کو منتقل کیا جانا مطلوب ہو تاکہ سال کے اختتام پر یہ زکوٰۃ مستحق کو پہنچ جائے بلکہ بعض مالکی فقہاء کی وضاحت کے مطابق اس صورت میں زکوٰۃ کی تقدیم واجب ہے حتیٰ کہ اگر اس تقدیم کی صورت میں زکوٰۃ تلف یا ضائع ہو جائے تو بھی زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور وہ ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں یہی وقت، وجوب کا وقت متصور ہوگا اور وہ باقی ماندہ مال پر زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا جیسا کہ سے دیگر صورتوں میں باقی مال پر اگر بقدر نصاب ہو، زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔[1]

قبل از وقت ادائے زکوٰۃ کے جواز کے قائل فقہاء کی دلیل

جو فقہاء اس امر کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ کے وجوب کا وقت آنے سے پہلے اس کا ادا کرنا جائز نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح وجوب زکوٰۃ کے لیے مال کا بقدر نصاب ہونا شرط ہے اسی طرح سال کا گزرنا بھی شرط ہے اور جس طرح نصاب کا مالک ہونے سے پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی جائز نہیں ہے اسی طرح سال کے گزرنے سے پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی جائز نہیں ہے۔ اور نیز اس لیے کہ شریعت نے نماز کی طرح زکوٰۃ کا بھی ایک وقت مقرر کر دیا ہے اس لیے زکوٰۃ کا وقت سے مقدم کرنا جائز نہیں ہوگا۔[2]

قبل از وقت ادائے زکوٰۃ کے جواز کے قائل فقہاء کی دلیل | قبل از وقت ادائے زکوٰۃ

---

[1] الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۲۔

[2] بحوالہ مذکور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد وغیرہ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زکوٰۃ پہلے دے دینے کے بارے میں استفسار کیا تو آپؐ نے ان کو اجازت دی [1]

اگرچہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے مگر بیہقی نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ لینے بھیجا تو ابن جمیلؓ، خالدؓ بن الولید اور حضرت عباسؓ نے زکوٰۃ نہیں دی، تو آپؐ نے فرمایا کہ ہم عباسؓ سے پہلے ہی دو سال کی زکوٰۃ لے چکے ہیں [2]

یہ واقعہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے جس میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ عباسؓ کی زکوٰۃ میرے ذمے ہے اور اسی کے بقدر اور بھی، بعد ازاں آپؐ نے فرمایا عمرؓ تمھیں نہیں معلوم کہ چچا باپ ہی کے درجے میں ہوتا ہے [3]

ابوعبید اس روایت کی تشریح میں کہ عباسؓ کی زکوٰۃ میرے ذمے اور اسی کے بقدر اور بھی، کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے حضرت عباسؓ سے اس سال

---

[1] ماسوا نسائی کے صحاح کے پانچوں محدثین نے، الحاکم، الدارقطنی اور البیہقی نے روایت کیا ہے، الدارقطنی اور ابوداؤد نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے، اور اس کی تائید میں دیگر احادیث بھی موجود ہیں۔

نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۹، ۱۶۰۔ المجموع، ج ۶، ص ۱۳۵، ۱۳۶۔

[2] السنن الکبریٰ، ج ۴، ص ۱۱۱۔ ابوداؤد اور الطیالسی نے ابورافع سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ہم پچھلے سال پیشگی عباسؓ سے زکوٰۃ لے چکے ہیں۔

نیل الاوطار، بحوالہ مذکور۔

[3] بحوالہ مذکور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس سے پہلے سال کی زکوٰۃ لے لی تھی[1]

ان فقہاء نے بلحاظ قیاس و نظر یہ استدلال کیا ہے کہ یہ زکوٰۃ اس مال کی ادا کی جا رہی ہے جو موجود ہے یعنی سبب وجوب زکوٰۃ موجود ہے اگرچہ زکوٰۃ ابھی واجب نہیں ہوئی ہے، اس لیے یہ اسی طرح جائز ہے جس طرح قرض کی ادائیگی کا جو وقت مقرر ہو، اس سے پہلے قرض ادا کر دینا، جیسے قسم کا کفارہ قسم کھانے کے بعد اور حنث (قسم توڑنے) سے پہلے ادا کر دینا اور جیسے کسی کو زخم لگانے کے بعد اور اس کی رُوح نکلنے سے پہلے قتل کا کفارہ ادا کر دینا جائز ہے اور جو کہ امام مالکؒ کے نزدیک بھی جائز ہے[2]

رہ گیا یہ کہنا کہ سال گزرنا زکوٰۃ کی دو شرطوں میں سے ایک ہے، اس لیے سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں ہے جس طرح کہ نصاب سے پہلے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، قابل تسلیم نہیں ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کا ملکیت نصاب سے پہلے ہی ادا کر دینا ایسا ہے جیسے حلف سے پہلے ہی کفارۂ یمین دینا، اور زخمی کرنے سے پہلے قتل کا کفارہ دے دینا۔ نیز اس لیے کہ نصاب کی ملکیت سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنے میں زکوٰۃ ہر دو شرائط (نصاب اور حولان حول) پر مقدم ہو جائے گی جبکہ مسئلہ ایک شرط پر تقدیم کا ہے اس لیے ان دونوں صورتوں میں فرق ہے[3]

زکوٰۃ کا وقت مقرر ہونے کے بارے میں امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی حکم میں وقت بطور رفق (نرمی) کے ہو تو انسان کو اختیار ہے کہ اپنا حق ادا کر دے اور وقت

---

[1] الشوکانی کہتے ہیں، اگر مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کی زکوٰۃ اپنے ذمے لے لی تو پھر آپؐ جو زکوٰۃ واجب تھی اسی کو اپنے ذمے لیتے اور اس کے مثل مزید اپنے ذمے نہ لیتے، اور اگر مراد یہ ہے کہ حضرت عباسؓ دینا نہیں چاہتے تھے تو یہ ان کے ساتھ سوء ظن ہے۔ نیل الاوطار، بحوالہ مذکور

[2] المغنی، ج ۲، ص ۶۳۰۔

[3] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سہولت سے فائدہ نہ اُٹھائے، مثلاً کسی شخص کا کسی خاص وقت پر کوئی حق عائد ہوا اور وہ اس سے پہلے ادا کر دے، یا مثلاً کوئی شخص غائب ہو اور آدمی اس کی زکوٰۃ ادا کر دے درانحالیکہ اسے یقین بھی نہ ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت وہ مال تلف ہو چکا ہو۔ جبکہ نماز اور روزے محض عبادت ہیں اور ان میں وقت کا تعین غیر معقول المعنی ہے اور مقصود آزمائش اور امتحان ہے، اس لیے ان میں وقت کی پابندی لازم ہے۔[1]

اگر کسی شخص نے اپنے پاس موجود بقدر نصاب مال کی زکوٰۃ دے دی اور اس کے ساتھ ہی اس کی متوقع آمدنی پیداوار اور منافع کی بھی زکوٰۃ دے دی تو امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک قدر نصاب کی زکوٰۃ جائز ہے لیکن اس پر ہونے والے متوقع اضافہ کی زکوٰۃ جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہ اضافہ ابھی اس کی ملکیت میں نہیں ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس اضافہ کی زکوٰۃ جائز ہے اس لیے کہ وہ اس کا مالک بننے والا ہے اس لیے اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو موجود ملکیت کا ہے۔[2]

مال کی دوسری قسم وہ ہے جس میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے سال گزرنے کی شرط نہیں ہے، جیسے فصلیں پھل، کانیں اور دفینے، ان اموال میں زکوٰۃ قبل از وقت وجوب ادا کرنا جائز نہیں ہے جبکہ بعض فقہائے شافعیہ کے نزدیک عشر دینا جائز ہے، لیکن راجح رائے یہی ہے کہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ عُشر (۱/۱۰) پھل کے پکنے اور غلّوں کا دانہ پیدا ہو جانے کے بعد واجب ہوتا ہے، اس لیے اس پر تقدیم سبب وجود پر تقدیم ہوگی اس لیے جائز نہیں ہوگی جس طرح کہ نصاب سے قبل ادائے زکوٰۃ درست نہیں ہے۔[3]

---

[1] معالم السنن، ج ۲، ص ۲۲۴۔

[2] المغنی، ج ۲، ص ۶۳۱۔

[3] المجموع، ج ۱۰، ص ۱۶۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض فقہائے حنابلہ نے عشر کے قبل از وقت دینے کے جواز کی یہ شرط عائد کی ہے کہ فصل کی کونپلیں نکل آئی ہوں اور کھجور کی کلیاں طلوع ہو گئی ہیں۔

کیا تعجیل کی کوئی حد ہے؟ اگر تعجیل (قبل از وقت زکوٰۃ دینا) جائز ہے تو کیا اس کی سالوں کے اندر کوئی حد متعین ہے یا بلا حد جائز ہے فقہائے احناف کے نزدیک بلا تحدید مالک جتنے سالوں کی چاہے پیشگی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے یہاں تک کہ اگر اس کے پاس تین سو درہم ہوں اور وہ ان کی آنے والے بیس سالوں کی زکوٰۃ سو درہم دے دے تو جائز ہے کیونکہ زکوٰۃ کا سبب موجود ہے یعنی نامی مال بقدر نصاب کا مالک ہونا۔ بخلاف عشر کے کہ اس کی تعجیل جائز نہیں ہے تا آنکہ پودے پھوٹ آئیں اور پھلوں کی کلیاں نکل آئیں اس لیے بونے اور کاشت کرنے سے پہلے ان کا عشر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ سبب وجوب موجود نہیں ہے اور یہ اس طرح ہے جیسے کوئی مال بقدر نصاب کا مالک ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ دے دے۔[1]

بہر حال قبل از وقت زکوٰۃ دینے کے بجائے اس کے وقت پر زکوٰۃ دینا افضل ہے تاکہ فقہی اختلاف سے بچا جا سکے اور ہر سال کی زکوٰۃ کی آمدنی کا حساب ہو سکے۔ الا یہ کہ کوئی ضرورت پیش آجائے مثلاً فرض جہاد درپیش ہو یا فقراء کی ضروریات زیادہ ہوں اور بیت المال کو زیادہ مال کی ضرورت ہو اس وقت مال کے مالک اپنی پیشگی زکوٰۃ بھی دے سکتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے پیشگی زکوٰۃ لی۔

اس سلسلے میں مناسب یہ ہے کہ مذکورہ فصل کے پیش نظر زکوٰۃ کی یہ تقدیم دو سال کے عرصہ میں محدود ہو اس سے زائد نہ ہو۔

کیا زکوٰۃ میں تاخیر جائز ہے مصلحت اور ضرورت کے نقطۂ نظر سے زکوٰۃ کی تعجیل تو جائز ہے لیکن زکوٰۃ کا مؤخر کرنا اس وقت جائز ہے جب ایسی شدید ضرورت اور قابل اعتبار مصلحت موجود ہو، مثلاً کوئی شخص اس لیے

---

[1] حاشیۃ ابن عابدین، ج ۲، ص ۲۹، ۳۰۔ البحر الزخار، ج ۲، ص ۱۸۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ کی ادائیگی کو مؤخر کرے کہ زیادہ تنگدست شخص جو اس وقت موجود نہیں ہے آجائے اور اسے دے دے یا اس لیے زکوٰۃ مؤخر کرے کہ کسی قریبی مستحق رشتہ دار کو دے دے، کیونکہ اس کا حق بھی زیادہ ہے اور اسے دینے میں ثواب بھی زیادہ ہے۔

کسی مالی عذر کی بنا پر بھی ادائے زکوٰۃ میں تاخیر کی جا سکتی ہے کہ کوئی شخص اپنی زکوٰۃ خرچ کرے اور وہ اس پر ایک قرض کے طور پر لازم ہے اور جوں ہی اسے سہولت ہو وہ اسے ادا کر دے۔

شمس الدین الرملی کہتے ہیں کہ زکوٰۃ دہندہ کسی زیادہ حاجت مند، کسی قریبی رشتہ دار، پڑوسی یا نیک شخص کے انتظار میں زکوٰۃ کو مؤخر کر سکتا ہے اس لیے کہ یہ تاخیر ایک اچھے مقصد کے لیے ہے لیکن اگر اس تاخیر کے عرصے میں مال ضائع ہو گیا تو اس کا ضامن ہوگا اور اگر اپنی کسی ضرورت کی بنا پر ادائے زکوٰۃ میں تاخیر کی تو اس کا جواز سلامتی انجام پر موقوف ہوگا اور اگر تاخیر سے موجود حاجتمندوں کو تکلیف پہنچتی ہو تو مطلقاً تاخیر حرام ہے اس لیے اس کی تکلیف کو دور کرنا فرض ہے اور محض فضیلت کے حصول کے لیے تاخیر جائز نہیں ہوگی۔[1]

ابن قدامہ نے تاخیر کے جواز کی یہ شرط عائد کی ہے کہ زکوٰۃ معمولی ہو لیکن اگر زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے اور احمدؒ سے یہ قول مروی ہے کہ زکوٰۃ کو مؤخر کر کے ماہ بہ ماہ اپنے رشتہ داروں کو کچھ دیتے رہنا جائز نہیں ہے لیکن اگر پیشگی زکوٰۃ ادا کرے اور پھر رشتہ داروں کو یا غیروں کو ماہ بہ ماہ دیتا رہے تو جائز ہے کیونکہ اس طرح زکوٰۃ کے وقت میں تاخیر نہیں ہوئی ہے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس دو مال ہوں یا زیادہ مال ہوں اور ان کی زکوٰۃ ایک ہو جیسے اس کے پاس نصاب زکوٰۃ موجود ہو پھر دوران سال اس مال کی جنس سے نصاب سے کم مال آجائے تو تمام زکوٰۃ کو جمع کرنے کے لیے پہلے سے موجود نصاب کی زکوٰۃ میں تاخیر جائز نہیں ہے کیونکہ جمع کی تو صورت یہ بھی ہے کہ جو مال بعد میں آیا ہے اس کی زکوٰۃ پہلے

---

[1] نہایۃ المحتاج، ج ۲، ص ۱۳۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دے دے۔[1]

بعض فقہائے مالکیہ نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ زکوٰۃ کی تقسیم فوری طور پر لازم ہے اور اس کا مالک کے پاس اس طرح رہنا کہ دوران سال جو اس کے پاس مستحق آتا رہے اُسے دیتا رہے جائز نہیں ہے۔[2]

البتہ امام (سربراہ) یا اس کے قائمقام ملازمین مصلحت کے پیش نظر زکوٰۃ وصول کرنے میں تاخیر کر سکتے ہیں، مثلاً قحط کا زمانہ ہو اور پیداوار میں کمی واقع ہو گئی ہو اور امام احمدؒ نے اس کے جواز پر حضرت عمرؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک سال لوگوں کو اپنے مال کی ضرورت تھی تو حضرت عمرؓ نے ان سے زکوٰۃ نہیں لی اور آئندہ سال زکوٰۃ لی۔[3]

ابو عبید نے ابن ابی ذباب سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے قحط کے سال زکوٰۃ کی وصولی کو مؤخر فرما دیا تھا جب بارش ہو گئی تو آپؓ نے مجھے بھیجا کہ دو سال کی زکوٰۃ وصول کرنا، ایک سال کی انھی میں تقسیم کر دینا اور ایک سال کی میرے پاس لے آنا۔[4]

یہ حضرت عمرؓ کی سیاست حکمت اور لوگوں پر نرمی اور مہربانی کی ایک عمدہ مثال ہے کہ آپ نے قحط سالی کے دوران زکوٰۃ کو مؤخر فرما دیا اور اس سال آپ نے چوری پر قطع یدؓ کی سزا بھی جاری نہیں فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ قحط کے سال قطع یدؓ کی سزا جاری نہیں ہو گی۔[5]

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۶۸۵۔

[2] حاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۰۔

[3] مطالب اولی النہی: ج ۲، ص ۱۱۶۔

[4] الاموال، ۳۷۴۔

[5] ایضاً، ۵۵۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوہریرہؓ کی تعجیل زکوٰۃ کے بارے میں جو حدیث گزری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں فرمایا کہ یہ زکوٰۃ میرے ذمے ہے اور اس کی مثل بھی میرے ذمے ہے۔ اس کے بارے میں ابوعبیدؒ کہتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وجہ سے حضرت عباسؓ کی دو سال کی زکوٰۃ مؤخر فرمادی تھی، جو کہ امام اگر مناسب سمجھے تو کر سکتا ہے [1]

بلا ضرورت زکوٰۃ کی تاخیر بغیر عذر اور بلا ضرورت زکوٰۃ میں تاخیر جائز نہیں ہے اور اس تاخیر پر زکوٰۃ دہندہ گنہگار ہوگا۔

فقہائے شافعیہ میں سے صاحب المہذب کہتے ہیں کہ

"زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد اس میں تاخیر جائز نہیں ہے کیونکہ یہ حق ہے جس کا مطالبہ کیا گیا ہے اس لیے اس میں تاخیر جائز نہیں ہے جیسے امانت رکھنے والا اپنی امانت کا مطالبہ کرے، اگر امین امانت واپس کرنے پر قادر ہو پھر نہ کرے تو ضامن ہوگا کیونکہ جو اس پر واجب تھا اس میں اس نے تاخیر کر دی جبکہ اسے ادائیگی پر قدرت تھی۔" [2]

الکرخی نے کہا ہے کہ بلا ضرورت زکوٰۃ میں تاخیر کرنے والے کی شہادت رد کر دی جائے گی اور وہ گنہگار ہوگا، امام الطحاوی نے امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بلا ضرورت تاخیر مکروہ (تحریمی) ہے۔ غرض امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ سے زکوٰۃ کی فوری ادائیگی کا قول مروی ہے۔

فقہائے احناف کہتے ہیں کہ بلا ضرورت زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والا ایک دو یوم کی تاخیر پر بھی گنہگار ہوگا یہ بھی کہا گیا ہے کہ تاخیر سے مراد اگلے سال تک مؤخر کرنا ہے کیونکہ البدائع نے المنتقی سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر زکوٰۃ ادا نہیں کی اور دو سال

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۹۔

[2] المجموع، ج ۵، ص ۳۳۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزر گئے، تو یہ شخص بُرائی کا مرتکب اور گنہگار ہے۔[1]

میری رائے یہ ہے کہ ایک دو دن یا چند دن کی تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ ماہ و دو ماہ اور سال سے کم کی مدت تاخیر ناروا شمار ہوگی تاکہ لوگ ادائے زکوٰۃ میں سستی نہ کریں۔

زکوٰۃ کا ضیاع

اگر ایسی صورت پیش آئی کہ زکوٰۃ دہندہ نے اپنے مال کی زکوٰۃ علیحدہ کر کے رکھ دی اور اس کے بعد وہ کسی طرح ضائع ہوگئی یا چوری ہوگئی تو اس بارے میں فقہاء نے متعدد نظائر پیش کی ہیں، جن کی ابن رشدؒ نے عمدہ تلخیص کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ

"اگر زکوٰۃ دہندہ کے زکوٰۃ علیحدہ کر دینے کے بعد زکوٰۃ ضائع ہوگئی تو بعض فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ درست ہوگئی، اور بعض فقہاء کے نزدیک جب تک زکوٰۃ اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے وہ اس کا ضامن ہوگا، جبکہ کچھ فقہاء نے یہ فرق کیا ہے کہ اگر وجوب کے فوراً بعد زکوٰۃ علیحدہ کر لی اور اس سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تو ضامن نہیں ہوگا، اور اگر وجوب کے کچھ وقت بعد علیحدہ کی تو ضامن ہوگا اور یہ امام مالکؒ کا مشہور مسلک ہے۔ اور کچھ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر اس کی کوتاہی ہوگی تو ضامن ہوگا ورنہ باقی مال کی زکوٰۃ دے گا، یہی ابو ثورؒ اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اور کچھ اور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس مال کے جانے کے بعد جو مال بچے گا اس میں مالک اور مستحقین زکوٰۃ دو شریکوں کی طرح ہیں اور اسے اس بقیہ مال کی نسبت سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔"

اس طرح یہ پانچ اقوال ہوگئے۔

۱) مطلقاً ضامن نہیں ہوگا۔

۲) مطلقاً ضامن ہوگا۔

۳) اگر کوتاہی کی ہے تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔

---

[1] الدر المختار وحاشیۃ، ج ۲، ص ۱۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴) اگر کوتاہی کی ہے تو ضامن ہوگا ورنہ بقیہ مال کی زکوٰۃ دے گا۔
۵) باقی مال میں دونوں شریک ہوں گے۔[1]

وجوب زکوٰۃ کے بعد اور علیحدہ کرنے سے قبل زکوٰۃ کا ضیاع

ابن رشد نے ایک اور مسئلہ یہ ذکر کیا ہے کہ اگر مال پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد مگر زکوٰۃ کے علیحدہ کرنے سے پہلے کچھ مال ضائع ہو گیا، تو اس صورت میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ بقیہ مال کی زکوٰۃ دے گا جبکہ دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مساکین اور مالک دو شریکوں کی طرح ہوں گے جن کا کچھ مال ضائع ہوا ہے۔

ان دونوں مسئلوں میں اختلاف کی وجہ

ابن رشد کہتے ہیں کہ ان کے اس اختلاف کی وجہ زکوٰۃ کو یا تو حق ذمہ قرار دینا ہے نہ کہ ایسا حق جو مال سے متعلق ہو یا اسے ان حقوق کے مشابہ قرار دینا ہے جو عین مال سے متعلق ہوتے ہیں نہ کہ مال کے مالک کے ذمے جیسے امین کے ذمے ہوتے ہیں۔

جن فقہاء نے زکوٰۃ دہندہ کو امین کے مشابہ قرار دیا ہے ان کے نزدیک اگر مالک نے زکوٰۃ علیحدہ کر دی اور وہ ضائع ہو گئی تو اس کے ذمے کچھ واجب نہیں رہا اور جن کے نزدیک وہ غرباء (مقروض) کے مشابہ ہے ان کے نزدیک وہ اس ضائع شدہ زکوٰۃ کا ضامن ہے۔

جن فقہاء نے کوتاہی اور عدم کوتاہی کا فرق کیا ہے انھوں نے زکوٰۃ دہندہ کو بہر طور امین کے مشابہ تصور کیا ہے کیونکہ امین سے امانت میں کوتاہی ہو جائے تو وہ بھی ضامن ہوتا ہے۔

اور جن فقہاء نے یہ کہا کہ اگر کوتاہی ہوئی تو باقی مال کی زکوٰۃ دے گا تو انھوں نے اس کو اس شخص کے مشابہ متصور کیا ہے جس کا وجوب زکوٰۃ سے پہلے ہی کچھ مال ضائع ہو گیا

---

[1] بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۲۰۴۔ ط۔ الاستقامہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو تو جس طرح وہ موجود مال پر زکوٰۃ دے گا اسی طرح یہ بھی موجود مال کی زکوٰۃ دے گا۔

غرض اس اختلاف کی وجہ مالک کی مشابہت میں تردد ہے کہ وہ امین کے مشابہ ہے، غریم (مقروض) کے مشابہ ہے یا اس شخص کے مشابہ ہے جس کا وجوب سے پہلے کچھ مال ہلاک ہو چکا ہو۔

لیکن اگر زکوٰۃ واجب ہو چکی ہو اور اس کا علیحدہ کرنا ممکن ہو، اور اس کے علیحدہ کرنے سے پہلے کچھ مال ضائع ہو جائے تو اس صورت میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ ضامن ہوگا، ماسوا مویشی کے کہ اس میں امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مویشی میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ وصول کنندہ پہنچ جاتے۔[1]

کیا زکوٰۃ تقادم سے ساقط ہو جاتی ہے گی؟ اگر کسی شخص نے زکوٰۃ کو عذر کی بنا پر یا بغیر کسی عذر کے اتنا مؤخر کیا کہ ایک سال یا چند سال گزر گئے تو کیا اس مدت کے گزرنے سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ ایک حق ہے جو اللہ نے فقراء اور مساکین کے لیے واجب (فرض) کیا ہے اور اس فرضیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ساقط نہ ہونا چاہیے خواہ کتنا ہی وقت ادائے زکوٰۃ میں تاخیر کو گزر جائے۔

چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ

"اگر کئی سال گزر جائیں اور جس پر زکوٰۃ واجب ہے وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس پر زکوٰۃ لازم ہے سب ادا کرنی ہوگی خواہ اسے فرضیت زکوٰۃ کا علم ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ دار الاسلام میں ہو یا دار الحرب میں، یہی ہمارا مسلک ہے۔"

ابن المنذرؒ فرماتے ہیں کہ

---

[1] بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۲۰۴، ۲۰۵۔ ط الاستقامہ۔ المحلی، ج ۶، ص ۳۶۳، الدر المختار بحاشیۃ ابن عابدین، ج ۲، ص ۷۹، ۸۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اگر اہل بغاوت کسی مقام پر غلبہ حاصل کرلیں اور اس طرح اس جگہ کے لوگ سالوں تک زکوٰۃ نہ دے سکیں، بعد ازاں امام کو ان پر غلبہ حاصل ہو جائے تو امام ماضی کی جملہ زکوٰۃ وصول کرے گا۔ اور یہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ابو ثورؒ کی رائے ہے جبکہ اصحاب رائے کہتے ہیں کہ اس پر کوئی زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی نیز وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی جماعت دارالحرب میں اسلام لے آئے اور کئی سال وہاں رہ کر دارالاسلام آئے تو ان سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ ان کے ذمے نہیں ہے۔"[1]

ابو محمد بن حزمؒ فرماتے ہیں کہ[2]

"جس کے مال میں دو زکوٰۃ یا زیادہ جمع ہو جائیں اور وہ زندہ ہو تو وہ ہر سال اپنے اوپر واجب زکوٰۃ کے حساب سے ادا کرے گا، خواہ اس تاخیر کی وجہ یہ ہوئی ہو کہ وہ خود اپنا مال لے کر کہیں چلا گیا ہو یا اس کے پاس ساعیٔ (زکوٰۃ وصول کنندہ) نہ پہنچا ہو یا اسے فرضیت زکوٰۃ کا علم نہ ہو اور خواہ اس زکوٰۃ کا تعلق عین (نقود) سے ہو، یا فصل اور مویشی سے اور خواہ اس نے اپنے باقی تمام مال کی زکوٰۃ دی ہو یا نہ دی ہو اور خواہ اس نے اس اس مال کو جس پر زکوٰۃ ادا کی ہے اس مال میں شامل کر دیا ہو جس پر زکوٰۃ نہیں دی یا نہ کیا ہو، حتیٰ کہ جن لوگوں کا اس کے ذمے قرض یا تاوان وغیرہ ہوگا (غرماء) وہ بھی اس وقت تک کچھ وصول نہ کر سکیں جب تک کہ

---

[1] المجموع، ج ۵، ص ۳۳۷۔
[2] المحلی، ج ۶، ص ۸۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ نہ پوری ہو جاتے [1]

غرض قانونی طور پر لگائے گئے ٹیکس مدت کے گزرنے اور کئی سالوں کے گزر جانے کے، قانون کی تحدید کے مطابق ساقط ہو جاتے ہیں لیکن زکوٰۃ کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی بلکہ خواہ کتنے ہی سال گزر جائیں زکوٰۃ ایک مسلمان کے ذمے عائد رہے گی اور وہ اسے سالہا سال گزر جانے کے بعد بھی ادا کرنی ہوگی اور اس کے بغیر اس کا ایمان اور اسلام صحیح نہیں ہوگا۔

سقوطِ زکوٰۃ بالموت جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مال کے مالک کے مر جانے سے اس مال پر واجب زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی بلکہ اس کے ترکہ میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اگرچہ اس نے وصیت بھی نہ کی ہو، یہ قول عطاءؒ، حسنؒ،

---

[1] یہ قول صحیح ہے اور اس کا مبنا یہ ہے کہ زکوٰۃ ذمے پر واجب ہوتی ہے، عین مال پر واجب نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر ذمے پر واجب ہوگی اور اس پر بغیر زکوٰۃ ادا کیے دو سال گزر جائیں گے تو اس کو پچھلی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور دوسرے سال کی زکوٰۃ میں کوئی کمی نہیں ہوگی اسی طرح اگر زکوٰۃ نصاب پر بھی بڑھ جائے تب بھی کمی نہیں کی جائے گی، خواہ کتنے ہی سال گزر جائیں، مثلاً اگر کسی کے پاس چالیس بکریاں ہوں اور ان پر کئی سال تک زکوٰۃ ادا نہ کی جائے، تو اس پر تین بکریاں واجب ہو جائیں گی اور اگر کسی کے پاس سو دینار ہوں تو اس پر ساڑھے سات دینار زکوٰۃ لازم ہو جائے گی، اس لیے کہ یہ زکوٰۃ اس کے ذمے واجب ہو چکی ہے اور اب نصاب کی کمی اس پر اثر انداز نہیں ہوگی، لیکن اگر اس کے پاس ادائے زکوٰۃ کے لیے کوئی اور مال نہ ہو جس سے زکوٰۃ ادا کرے تو اس مقدار کی زکوٰۃ ساقط ہوگی کیونکہ قرض وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے۔

(المغنی، ج ۲/ص ۶۷۹، ۶۸۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زہریؒ، قتادہؒ، مالکؒ[1]، شافعیؒ[2]، احمدؒ، اسحٰقؒ، ابوثورؒ اور ابن المنذرؒ[3] کی ہے اور یہی زیدیہ[4] کا مسلک ہے۔

امام اوزاعیؒ اور لیثؒ کہتے کہ وصیتوں کے اجراء سے پہلے تہائی میں سے زکوٰۃ لی جائے اور تہائی پر متجاوز ہونے والی زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

ابن سیرین شعبی نخعیؒ، حماد بن سلیمان اور ثوریؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ جب تک وصیت نکی ہو زکوٰۃ نہیں لی جائے گی، اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ زکوٰۃ مکلف کی موت کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے۔ الا یہ کہ وہ وصیت کر جائے جو کہ تہائی میں جاری ہوگی اور اس میں اصحاب وصایا تزاحم کریں گے (یعنی اور وصیتیں بھی اسی تہائی میں سے جاری ہوں گی) اور اگر اس نے وصیت نہ کی تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور ورثاء پر زکوٰۃ کی ادائیگی عائد نہ ہوگی اور اگر انھوں نے ادا کی بھی تو نفلی صدقہ ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ عبادت

---

[1] مسلک مالکؒ کی کتب میں ہے کہ زکوٰۃ کبھی رأس المال سے نکلتی ہے اور کبھی ثلث سے یعنی ترکہ میت سے، تو اگر اس نے وصیت کی ہے تب تو ترکہ کے ثلث سے ادا ہوگی اور اگر اس نے وجوب زکوٰۃ کا اقرار کر لیا تھا اور اس کی ادائیگی کی تاکید کر دی تھی تو اصل رأس المال سے ادا ہوگی۔ حاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۲۔ شرح الرسالہ، لزورق (ج ۲، ص ۱۷۲) میں ہے کہ اگر عام زکوٰۃ ہو اور اس کی ادائیگی سے پہلے مر جائے تو تعین کی بنا پر یہ زکوٰۃ رأس المال سے ادا ہوگی۔

(بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۲۴۱۔)

[2] امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ واجب ہو جانے اور اس کی ادائیگی پر قدرت ہو جانے کے بعد موت سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ ہمارے نزدیک اس کے مال سے زکوٰۃ کا اخراج لازمی ہوگا۔ المجموع، ج ۵، ص ۳۳۵۔)

[3] المغنی، ج ۲، ص ۶۸۳، ۶۸۴۔

[4] الازھار، شرح، ج ۱، ص ۳۶۳، البحر، ج ۲، ص ۱۴۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جس میں نیت شرط ہے اس لیے نماز اور روزہ کی طرح زکوٰۃ بھی موت سے ساقط ہو جائے گی۔[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ فقہائے احناف کے نزدیک بہ تارکِ زکوٰۃ گنہگار مرا ہے اور موت کے بعد اس سے اس فرض کے ساقط کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے جیسے نماز اور روزے کے تارک کی صورت ہے، اسی لیے بعض احناف نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے اور اس نے زکوٰۃ نہ دی ہو تو ورثاء سے چھپا کر دے۔[2]

بہرحال پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ بقول ابن قدامہؒ زکوٰۃ حق واجب ہے اور اس کی وصیت بھی درست ہے اور یہ موت سے ساقط نہیں ہوتی جیسے شخصی فرض ساقط نہیں ہوتا، نیز یہ کہ زکوٰۃ ایک لازمی مالی حق ہے جو نماز اور روزے سے مختلف ہے کہ یہ دونوں جسمانی عبادتیں ہیں، جن میں نہ نیابت درست ہے اور نہ وصیت صحیح ہے۔[3]

اگرچہ ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ

"اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی روزے رکھے"

حالانکہ روزے جسمانی عبادت ہیں اور اس حدیث کی رُو سے ان میں بھی نیابت کی اجازت دی گئی ہے تو زکوٰۃ میں یہ نیابت بدرجۂ اولیٰ ہونی چاہیے کہ زکوٰۃ مالی حق ہے۔

قرضۂ زکوٰۃ کی اہمیت

فقہائے شافعیہ میں صاحب "المہذب"[4] فرماتے ہیں کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہو اور اسے ادائیگی کی قدرت ہو اور وہ

---

[1] امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے بارے میں ہے، مویشی اور فصلوں کے بارے میں ان کی رائے مختلف ہے کہ کیا زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، یا موت کے بعد وصول کی جائے گی۔ (المحلی، ج ۶، ص ۸۸، ۸۹۔ المجموع، ج ۵، ص ۳۳۵، ۳۳۶۔

[2] ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۴۔

[3] المغنی، ابن قدامہ، ج ۲، ص ۶۸۳، ۶۸۴۔ المجموع، ج ۵، ص ۳۳۶۔

[4] المجموع، ج ۶، ص ۲۳۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادا نہ کرے تو اس کی ادائیگی اس کے ترکہ سے لازمی ہوگی، کیونکہ یہ مالی حق ہے جو زندگی میں اس پر لازم ہوا ہے اس لیے یہ اس کے ذمے سے ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن اگر زکوٰۃ اور قرض دونوں لازم ہوں اور مال میں اتنی گنجائش نہ ہو۔ تو تین اقوال ہیں۔

۱) قرض کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ حقوق العباد کی تکمیل کی زیادہ تاکید کی گئی ہے جب کہ حقوق اللہ کی تعمیل میں تخفیف روا رکھی گئی ہے۔

۲) زکوٰۃ پہلے ادا کی جائے گی، اس لیے کہ حج کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ

"اللہ کا قرض ضرور ادا کیا جانا چاہیے"۔[1]

۳) ان دونوں کی برابر ادائیگی کی جائے گی کہ دونوں بلحاظ وجوب مساوی ہیں تو بلحاظ ادائیگی بھی مساوی ہوں گے۔

ادائے زکوٰۃ کو قرضوں پر مقدم کرنے کا قول فقہائے ظاہر کا ہے جس کی تائید محمد ابن حزم نے بھی کی ہے اور کتاب و سنت سے دلائل دیئے ہیں اور کہا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس پر سال دو سال کی زکوٰۃ واجب ہو تو وہ اس کے رأس المال میں سے ادا ہوگی، خواہ اس نے اس کا اقرار کیا ہو، یا ثبوت موجود ہو، اور خواہ اس کی وارث اس کی اپنی اولاد ہو، یا وہ کلالۃ ہو، اور اس مال میں غرماء کا اور وصیت کا اور ورثاء کا کوئی حق نہیں ہوگا، اور تمام مال مویشی، پیداوار اور زر نقد سب اس سلسلے میں برابر ہوں گے۔

ابن حزم نے حنفیہ کے اس قول کی سخت تردید کی ہے کہ موت سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ فقہائے احناف نے اپنے اس قول میں شدید غلطی کی ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ حق اللہ ہے جو کہ زندگی ہی میں عائد ہوا ہے۔ اور احناف کے پاس اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر زکوٰۃ موت سے ساقط نہ ہوگی تو جو شخص چاہے گا زکوٰۃ نہ دے کر ورثاء کو وراثت سے محروم کر دے گا۔

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم، بروایت حضرت ابن عباسؓ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالانکہ یہ دلیل غلط ہے کیونکہ اگر ایک شخص قرض لیتا رہے اور مرنے کے بعد اس کے ترکے سے قرض ادا ہو جائیں اور ورثاء کو کچھ نہ ملے تو بھی اس نے وارثوں کو محروم کر دیا، یا وہ غیر مسلموں کی شراب لے کر بہاتا رہے اور اس کے ذمے اتنے قرض ہو جائیں کہ ورثاء وارث ہوں یا نہ ہوں، یعنی احناف نے خود اپنی دلیل کو توڑ دیا اور اس حق اللہ کو ساقط کر دیا جو اللہ نے فقراء اور مساکین وغیرہ کا متعین فرمایا تھا اور اس کی جگہ انسانوں کا قرض لازم کر دیا اور اس طرح ورثاء کو مال حرام کھانے پر مجبور کر دیا۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ حنفیوں کے نزدیک نماز تو وقت نکلنے کے بعد بھی لازم رہتی ہے لیکن زکوٰۃ کو وہ اس کا وقت موجود ہونے کے بعد بھی ساقط کر دیتے ہیں۔

ہمارے قول کی صحت اور حنفیوں کے قول کا ابطال میراث میں اللہ سبحانہ کے اس فرمان سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ (النساء : ۱۱)

جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کر دیا جائے۔ کہ اس فرمان میں دَیْن (قرض) عام ہے اور زکوٰۃ بھی مساکین اور فقراء کا قرض ہے۔

سعید بن جبیر مجاہد اور عطاء نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ "ایک شخص نبیؐ کے پاس آیا اور عرض کی کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا اور ان پر ایک ماہ کے روزے تھے تو کیا میں ان کی طرف سے قضا کروں، آپؐ نے فرمایا، ہاں، اللہ کا قرض ضرور ادا کیا جانا چاہیے۔" (مسلم)

ایک اور روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ کا قرض ادا کرو کہ اس کا قرض پورا کیا جانا چاہیے۔"

عطاء، سعید بن جبیر اور مجاہد حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث نقل کر رہے ہیں اور یہ احناف اپنی رائے سے حق اللہ کو ساقط کر کے لوگوں کے حق کو لازم قرار دے رہے ہیں۔[1]

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۸۹، ۹۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حزمؒ کے اس سخت و تند طرزِ بیان سے چشم پوشی کرتے ہوئے[1] ہم کہتے ہیں کہ جو دلائل انھیں دیتے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ بلاشبہ اصلی اور ثابت شدہ حق ہے جو موت سے یا تقادم سے ساقط نہیں ہوتا اور یہ کہ ترکہ میں سے سب سے پہلے زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اسے دیگر قرضوں پر ترجیح دی جائے گی۔

اس لحاظ سے اسلام نے جدید مالیاتی قوانین پر سبقت کی ہے جن کی رو سے حکومت کو یہ اختیار ملتا ہے کہ حکومت مالدار مرنے والے لوگوں کے مال سے اپنے وہ ٹیکس حاصل کر سکے، جو ادائیگی سے رہ گئے ہیں[2]

---

[1] بعض لوگ ابن حزمؒ کے لب و لہجہ کی اس تندی کی بنا پر ان سے استفادہ سے گریز کرتے ہیں مگر ہماری رائے یہ ہے کہ ان کے فقہ سے استفادہ کرنا چاہیے اور ان کی سختی اور تشدد سے متاثر نہ ہونا چاہیے۔ کہ ماسوا ذاتِ نبوی کے ہر شخص کی بعض باتیں اخذ کی جا سکتی ہیں اور بعض ترک کی جا سکتی ہیں۔

[2] الدکتور عبدالحکیم الرفاعی و حسین خلاف : مبادئ النظریۃ العامۃ للضریبہ، ص ۱۴۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹی فصل

زکوٰۃ سے متعلق چند متفرق مباحث

سقوطِ زکوٰۃ کا حیلہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو کیا اس کا زکوٰۃ کے اسقاط کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے؟

ابن تیمیہؒ نے القواعد النورانیہ میں ذکر کیا ہے کہ میں ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ کے اسقاط کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے اگرچہ ان کے اصحاب میں اختلاف ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔

جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک حیلۂ اسقاط زکوٰۃ حرام ہے اور حیلہ کرنے کے باوجود زکوٰۃ زکوٰۃ لازم رہے گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک حیلۂ اسقاط زکوٰۃ مکروہ ہے۔

امام احمدؒ کا قول امام مالکؒ کی طرح ہے کہ حیلہ کرنا حرام ہے اور حیلہ کے باوجود زکوٰۃ واجب رہے گی، جیسا کہ سورۂ ن[1] اور دیگر دلائل سے یہی امر ثابت ہوتا ہے۔[2]

امام ابن تیمیہؒ نے امام ابویوسفؒ کا جو قول نقل کیا ہے وہ الخراج میں امام ابویوسفؒ کی تصریح کے برخلاف ہے، اس لیے کہ وہاں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

> وکسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو جائز نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کو روکنے کی تدبیر کرے اور اپنی ملکیت سے نکال کر کسی لوگوں کو دے دے کہ ہر ایک کے پاس نصاب سے کم مال آجائے اور اس

---

[1] اصحاب جنت کا قصہ مراد ہے جس کا آگے ذکر آرہا ہے۔

[2] القواعد النورانیہ ص ۸۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح زکوٰۃ واجب نہ ہو سکے۔ غرض زکوٰۃ سے بچنے کا کوئی حیلہ اور طریقہ بالکل جائز نہیں ہے۔[1]

ابن تیمیہؒ نے جو قول نقل کیا ہے اور جو ابو یوسفؒ کی جانب سے مشہور بھی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض حیلے بلحاظ قضا نافذ ہو جاتے ہیں اگرچہ بلحاظ تدین وہ جائز نہیں ہوتے۔

فقہائے احناف کی کتابوں میں ہے کہ بعض حیلے مکروہ ہیں اور بعض مکروہ نہیں ہیں۔ مکروہ حیلہ مثلاً یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے تنگدست والدین کو زکوٰۃ دینے کے لیے کسی فقیر کو دے دے اور وہ فقیر اس کے والدین کو دے دے۔

اسی طرح حنفی فقہاء جب یہ بیان کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کو تعمیر مسجد پر صرف کرنا، میت کے کفن پر خرچ کرنا اور اس کے قرض کی ادائیگی کرنا درست نہیں ہے تو وہ بتاتے ہیں کہ اس کا حیلہ یہ ہے کہ پہلے زکوٰۃ کسی فقیر کو دے دی جائے پھر وہ فقیر ان جگہوں پر صرف کر دے کہ اس طرح زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس فقیر کو نفلی صدقہ کا ثواب ملے گا۔ اس کے ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ فقیر اگر چاہے تو زکوٰۃ لینے کے بعد اس کے اس طرح صرف کرنے سے انکار کر سکتا ہے کہ تقاضائے صحت تملیک یہی ہے اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں ہے کہ زکوٰۃ دہندہ نے اسے زکوٰۃ دی اور اس پر ایک فاسد شرط عائد کی اور ہبہ اور صدقہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔[2]

یہ حیلے مکروہ ہوں یا غیر مکروہ یہ زکوٰۃ دینے سے متعلق ہیں (زکوٰۃ کے اسقاط کے نہیں ہیں) اور جہاں تک مالک نصاب کے زکوٰۃ کے اسقاط کا حیلہ ہے تو مجھے کتب حنفیہ میں کہیں بھی ایسے حیلہ کے جواز کی وضاحت نہیں ملی ہے۔

---

[1] ابو یوسفؒ: الخراج، ص ۸۰۔

[2] الدر المختار و حاشیۃ، ج ۲، ص ۶۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہائے مالکیہ کے نزدیک حیلے باطل اور بلحاظ قانون غیر مؤثر ہیں

فقہائے مالکیہ کے نزدیک حیلے نہ تو بلحاظ تدین جائز ہیں اور نہ قانوناً مؤثر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص کے پاس مویشی کا نصاب ہو اور وہ سال گزرنے کے فوراً بعد یا کچھ پہلے اس نصاب کو تبدیل کر لے کہ اس کے پاس پانچ اونٹ ہوں وہ انھیں دوسرے چار اونٹوں سے بدل لے یا کسی اور نوع سے بدل لے یعنی اونٹوں کے بدلے بکریاں لے لے یا اس کے برعکس، خواہ بعد والا مال بقدر نصاب ہو یا نہ ہو، یا اس نے ان مویشیوں کو سامان سے یا زر نقد (رقم) سے بدلا ہو، یا اپنے جانور ذبح کر دیتے ہوں (تاکہ نصاب میں کمی آجائے) وغیرہ، اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسا کیا ہے کہ وہ اس امر کا اقرار کرے یا قرائن احوال اس بات کی نشاندہی کریں۔ تو ان ردوبدل سے اور ان تصرفات سے اس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ اس کے اس ارادے کے علی الرغم اس سے زکوٰۃ لی جائے گی اور جو مال بعد میں تبدیل کیا ہے اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی اگرچہ وہ زیادہ ہو (بلکہ پہلے ہی والے مال سے زکوٰۃ لی جائے گی) کیونکہ اس تبدیل شدہ مال پر تو ابھی سال نہیں گزرا ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی ہے، لیکن اگر وہ نصاب کا بعد ردوبدل بھی مالک رہا تو اسے زکوٰۃ سے فرار حاصل کرنے والا تصور نہیں کیا جائے گا۔ بہرحال مسلک مالکؒ کا اصول یہ ہے کہ عبادات ہوں یا معاملات حیلے کہیں بھی مؤثر نہیں ہیں۔

فقہائے مالکیہ کہتے ہیں کہ باطل حیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی شخص سال کے اختتام کے قریب اپنا مال یا اس کا کچھ حصہ اپنے بیٹے کو دے دے تاکہ اس پر نیا سال گزرے اور زکوٰۃ واجب نہ ہو، اور پھر اس دوسرے سال کے اختتام سے پہلے اس سے لے لے اس تصور کے ساتھ کہ اب یہ مال نیا اس کی ملکیت میں آیا ہے یا بیوی کو ہدیہ کر دے اور اُسے کہے کہ یہ ہدیہ مجھے واپس کر دے اور مقصود زکوٰۃ کا اسقاط ہو، تو زکوٰۃ اس سے وصول کی جائے گی اور حیلہ غیر مؤثر ہوگا۔[1]

---

[1] بلغۃ السالک وحاشیہ، ج ۱، ص ۲۱۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہائے حنابلہ کی رائے

ابن قدامہؒ المغنی میں فرماتے ہیں۔

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ نصاب کو کسی دوسری جنس سے بدل لینے سے حَوْل (سال) کا تسلسل منقطع ہو جاتا ہے اور دوسرا سال شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اس طرح کرے تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہو گی خواہ مویشی ہی بدلے گئے ہوں یا کوئی اور نصاب بدلا گیا ہو، اسی طرح اگر کسی نے نصاب کے ایک حصّہ کو تلف کر دیا تاکہ نصاب میں کمی آجائے اور زکوٰۃ ساقط ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہو گی بلکہ اگر دو بدل یا اتلاف وجوب زکوٰۃ کے قریب ہو گا تو اس سے آخر سال میں زکوٰۃ وصول کی جائے گی لیکن اگر اس نے نصاب میں کوئی رد و بدل شروع سال میں کی تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کہ اسے زکوٰۃ سے فرار تصور نہیں کیا جائے گا۔

یہی رائے امام مالکؒ، اوزاعیؒ، ابن الماجشونؒ، اسحاقؒ اور ابو عبیدؒ کی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ (نصاب میں رد و بدل سے) زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اس لیے کہ سال پورا ہونے سے پہلے نصاب میں کمی ہو گئی ہے اس لیے زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی، اور یہ ایسی ہی صورت ہے جیسے وہ اپنے مال کو اپنی ضرورت میں صرف کر لے۔

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ وَلَا يَسْتَثْنُونَ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِنْ رَبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ (ن : ۱۷، ۲۰)

(ہم نے (ان اہل مکہ کو) اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح ایک باغ کے مالکوں کو آزمائش میں ڈالا تھا جب انھوں نے قسم کھائی کہ صبح سویرے ضرور اپنے باغ کے پھل توڑیں گے اور وہ کوئی استثنا نہیں کر رہے تھے۔ رات کو وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوئے پڑے تھے کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک بلا اس باغ پر پھر گئی۔
اور اس کا ایسا حال ہو گیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہو۔)

ان آیات میں اللہ سبحانہٗ نے صدقہ (زکوٰۃ) سے فرار حاصل کرنے والوں کو سرزنش فرمائی ہے .... نیز یہ کہ یہ اس حق کے اسقاط کا ارادہ کرنا ہے جو کہ لازم ہو چکا ہے یعنی فقراء اور مساکین کا حق، اس لیے یہ ساقط نہیں ہوگا، جیسے کوئی شخص مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دے .... اور اس لیے کہ اس نے ایک قصد فاسد کیا ہے اور حکمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس قصد کو توڑا جائے، جیسے کوئی شخص میراث جلد حاصل کرنے کے لیے اپنے مورث کو قتل کر دے تو شریعت اسے (قاتل) کو میراث سے محروم قرار دے دیتی ہے بعجب کہ اگر وہ اپنا مال اپنی ضروریات میں صرف کرے تو یہ قصد فاسد (غلط ارادہ) نہیں ہے اس لیے اس پر سزا بھی نہیں ہے۔

فقہائے زیدیہ کی رائے اس باب میں فقہائے زیدیہ کے یہاں قدرے تفصیل ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اسقاط زکوٰۃ کے لیے حیلہ کرنا جائز نہیں ہے اور یہ کہ اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک وجوب زکوٰۃ سے پہلے (یعنی سال پورا ہونے سے پہلے جو کہ وجوب زکوٰۃ کی شرط ہے۔)

اور دوسرے وجوب کے بعد۔

وجوب سے پہلے کی مثال یہ ہے کہ کسی کے پاس زر نقد کا نصاب تھا اس نے سال پورا ہونے سے پہلے سقوط زکوٰۃ کے حیلے کے ارادے سے غذائی اشیاء خرید لیں تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور کرنے والا گنہگار ہوگا۔ بعض فقہاء نے اسے مباح بھی کہا ہے۔

وجوب کے بعد کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنا مال فقیر کو دے دے اور اس پر یہ شرط

لہ المغنی، مع الشرح الکبیر، ج ۲، ص ۵۳۴، ۵۳۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لگائے کہ وہ اسے واپس کر دے گا اور یہ شرط اس معاملہ کے ساتھ منسلک ہو، یعنی وہ اس طرح کہے کہ یہ میں اپنی زکوٰۃ میں سے اس شرط پر تجھے دے رہا ہوں کہ تو اسے مجھے واپس کر دے گا، یہ صورت بہرحال جائز نہیں ہے اور اس بارے میں مسلک میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اگر واپسی کی شرط پہلے لگالی اور دونوں میں یہ اتفاق ہو گیا اور اس کے بعد بلا شرط زکوٰۃ دے دی تو یہ بھی ناجائز ہے اگرچہ مسلک کے بعض فقہاء نے کراہت تحریمی کے ساتھ جائز کہا ہے۔

وجہ مسلک یہ ہے کہ اس سے حق فقراء ساقط ہوتا ہے جو کہ اللہ کا مقرر کردہ اور حکم شریعت ہے اور جس حیلہ کا مقصود شارع کے حکم کی خلاف ورزی ہو وہ حرام ہے اور اس کا اثر باطل ہے۔[1]

ان فقہاء کے نزدیک جس طرح سقوطِ زکوٰۃ کے لیے حیلہ ممنوع ہے اسی طرح اخذ زکوٰۃ کے لیے حیلہ ممنوع ہے اور زکوٰۃ لینے کے لیے حیلہ کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں۔

۱) فقیر زکوٰۃ اس حیلے کے تحت لے لے کہ اس شخص کو دے دے گا جس کو زکوٰۃ جائز نہیں ہے یعنی ہاشمی کو، یا بیٹے کو یا باپ کو، تو یہ حیلہ جائز نہیں ہے اور اس زکوٰۃ کا لوٹانا لازم ہے۔

البتہ اس سے ہاشمی فقیر کے لیے لینے کو مستثنیٰ کیا ہے کہ یہ جائز ہے خواہ پہلے ہی اس پر اتفاق ہو گیا ہو۔

۲) کوئی شخص غنی ہو اور وہ اپنا مال کسی اور کی ملکیت میں دے دے اور فقیر بن کر زکوٰۃ لے لے تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ بعض فقہاء نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ اگر اس نے مال کی کثرت کے لیے یہ حیلہ کیا تو جائز نہیں ہے لیکن اگر اس نے اس وجہ سے ایسا کیا کہ اس کی آمدنی آنے تک اس کا گزارہ ہو سکے تو

---

[1] شرح الازہار و حواشیہ، ج ۱، ص ۵۳۹، ۵۴۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائز ہے[1]

غرض اگر حیلہ سے مقصود رضائے الٰہی، مقاصد شرعیہ کی تکمیل اور حرام سے احتراز ہو تو جائز ہے اور اگر مقصود شریعت کی مخالفت ہو تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر مطلق حیلہ جائز قرار دے دیا جائے تو شریعت کا کوئی حرام باقی نہیں رہے گا مگر یہ کہ وہ حلال ہو جائے گا۔[2]

الازھار کے حواشی میں الشوکانیؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ

"ہر ایسا حیلہ جس سے حرام حلال ہو جائے اور حلال حرام ہو جائے اس سے اجتناب لازمی ہے اور اس کو صحیح قرار دینا غلط ہے۔"[3]

زکوٰۃ دہندہ اور وصول کنندہ ادائے زکوٰۃ کے وقت کیا کہیں؟

زکوٰۃ اپنے روحانی پہلو کے لحاظ سے دنیا کے تمام ٹیکسوں سے ممتاز ہے کیوں کہ اسلام میں زکوٰۃ عبادت ہے اور اس کے عبادت ہونے اور ایک روحانی عمل ہونے کا اظہار مختلف پہلوؤں سے ہوتا ہے۔

جس کا ایک مظہر یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کنندہ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ وصول کرتے وقت زکوٰۃ دہندہ کو اور اس کے گھر والوں کو دعا دے، تاکہ انہیں ادائے زکوٰۃ کی رغبت پیدا ہو اور وصول کنندہ اور دہندہ میں اخوت اسلامی کا رابطہ اجاگر ہو اور مسلمانوں میں اور غیر مسلموں میں جو ظالمانہ ٹیکس ادا کرتے ہیں اس لحاظ سے بھی امتیاز اور تفریق پیدا ہو جائے اور اس فرمان الٰہی کی تعمیل ہو جائے۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ

---

[1] شرح الازھار، ج ۱، ص ۵۴۰، ۵۴۱۔

[2] حواشی الازھار، ج ۱، ص ۵۳۹۔ البحر، ج ۱، ص ۱۸۷۔

[3] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ : ۱۰۳)

(اے نبیؐ تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انھیں بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیونکہ تمھاری دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہوگی۔)

یہاں صَلِّ عَلَيْهِمْ کے معنی ہیں کہ آپ ان کے لیے دعا کیجیے اور اس دعا کا اثر اللہ سبحانہٗ نے یہ بیان فرمایا کہ اس سے زکوٰۃ دینے والوں کے نفوس میں سکون الطمینان، امن اور ثبات قدمی پیدا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی جماعت زکوٰۃ لے کر آتی تو آپؐ انھیں دعا دیتے، میرے والد آپؐ کے پاس زکوٰۃ لے کر گئے تو آپؐ نے فرمایا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى آلِ اَبِي اَوْفٰى [1]

ضروری نہیں ہے کہ دعائیہ کلمات انہی الفاظ پر مشتمل ہوں جو حدیث میں وارد ہیں بلکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ وصول کنندہ یہ دعا بھی دے سکتا ہے کہ اللہ تیری اس زکوٰۃ پر تجھے اجر دے، تیرے لیے اس کو پاکی بنا۔ اور جو تیرے پاس باقی رہ گیا اس میں برکت دے۔ [2]

نسائی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کے ایک خوبصورت اونٹنی بھیجی تو آپؐ نے فرمایا

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيهِ وَفِي اِبِلِهِ [3]

---

[1] المنتقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۳۔

[2] النووی : الروضۃ، ج ۲، ص ۲۱۱۔

[3] سنن النسائی : کتاب الزکوٰۃ، ج ۵، ص ۳۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(اے اللہ اس میں اور اس کے اونٹ میں برکت دے۔)

کیا یہ دعا واجب ہے یا مستحب ہے؟ آیت کا ظاہری مفہوم وجوب پر دلالت کرتا ہے اور یہی ظاہریہ کا اور بعض شافعیہ کا مسلک ہے، جبکہ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ اگر دعا واجب ہوتی تو نبی کریمؐ اپنے والیوں اور ساعی کو اس کی تعلیم دیتے جیسے حضرت معاذؓ وغیرہ کو، مگر ایسی کوئی بات منقول نہیں ہے[1]

مگر یہ کہنا درست نہیں ہے اس لیے کہ آیت قرآنی موجود ہے جو ظاہر ہے کہ حضرت معاذؓ سے مخفی نہ ہوگی۔

نیز جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ امام جو قرض اور کفارہ وغیرہ وصول کرتا ہے اس پر دعا دینا اس پر واجب نہیں ہے اسی طرح زکوٰۃ میں بھی دعا دینا واجب نہیں ہے[2] مگر یہ بھی دلیل نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کے معاملہ میں یہ حکم صراحتاً قرآنی آیت میں موجود ہے، نیز یہ کہ زکوٰۃ دوسرے قرضوں کے بالمقابل ایک مرتبہ اور مقام رکھتی ہے اور ایک ایسا حق ہے جو سال بسال لازم آتا ہے اس لیے اس میں ترغیب کے لیے دعائیہ کلمات ضروری ہیں۔

رہ گیا یہ کہنا کہ دعا کا وجوب آپؐ کی ذات سے مخصوص تھا کہ آپؐ کی دعا باعث سکینت تھی جبکہ کسی اور کی دعا میں وہ تاثیر نہیں ہو سکتی۔ تو یہ کہنا اس شبہ کو تقویت پہنچانا ہے جس کا اظہار عہد صدیق میں مانعین زکوٰۃ نے کیا تھا اور صحابہ میں کسی نے اس کو درست تسلیم نہیں کیا تھا، مزید یہ کہ ہم آیت کے پہلے حصہ کو عام اور دوسرے حصے کو نبیؐ کے ساتھ خاص کیسے قرار دے سکتے ہیں۔

اس لیے راجح یہ یہی ہے کہ جس طرح قرآن میں حکم وارد ہے اسے وجوب ہی پر محمول کیا جائے کہ یہی زکوٰۃ کے مزاج کے مطابق اور اسلام کے تصور زکوٰۃ کے موافق

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۳۔

[2] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اسی سے زکوٰۃ تمام ٹیکسوں سے ممتاز ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا محرک رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیے اور یہ کہ زکوٰۃ پوری خوش دلی سے دی جائے اور اللہ سے دعا کی جائے کہ اللہ اسے قبول فرمائے اور اسے وجہ غنیمت بنائے باعث تاوان نہ بنائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

جب تم زکوٰۃ دو تو اس کے ثواب کو فراموش نہ کرو بلکہ یہ کہا کرو

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا مَغْنَمًا وَلَا تَجْعَلْھَا مَغْرَمًا۔ [1]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب زکوٰۃ دہندہ کسی مستحق زکوٰۃ کو یا حکومت کے مقرر کردہ وصول کنندہ کو زکوٰۃ دے تو اس دعا کو نہ بھولے بلکہ یہ دعا کرے تاکہ ثواب پورا ملے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میرے نفس کو پاکیزہ بنا دے کہ میں اس زکوٰۃ کو اپنے دین، دنیا اور اپنی آخرت میں نفع اور غنیمت بنا سکوں اور یہ میرے اوپر ایک تاوان نہ بن جائے جسے میں ناگواری کے ساتھ ادا کروں۔

ترمذی نے حضرت علیؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ

"اگر میری اُمّت کے لوگوں میں پیدرہ عادات پیدا ہو گئیں تو اس پر مصیبت آجائے گی ــــ اور ان میں سے ایک آپؐ نے یہ بیان فرمائی کہ وہ امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھنے لگے۔" [2]

---

[1] اس حدیث کو ابن ماجہ نے (ج ۱، رقم ۱۷۹۷) روایت کیا ہے، عبدالرزاق نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے، السیوطی الجامع الکبیر میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لائے ہیں اور ضعیف کہا ہے۔ المناوی نے الفیض (ج ۱، ص ۲۹۰) میں کہا ہے کہ حدیث بہت ضعیف نہیں ہے، جیسا کہ وہم ہوا ہے، الاصل میں کہتے ہیں کہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں سوید بن سعید ہے، احمدؒ نے متروک کہا ہے۔ (نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۲، ۱۵۳)

[2] اس کی سند ضعیف ہے۔ نیل الاوطار۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی جب مسلم زکوٰۃ دہندہ اپنے رب سے یہ دعا کرتا ہے کہ اے خدا میری زکوٰۃ کا تاوان نہ بنا تو گویا وہ اپنے آپ کو اور اُمت کو اسباب بلا سے بچاتا ہے۔

مندرجہ بالا مفہوم اس لحاظ سے ہے جبکہ حدیث میں وارد أَعْطَيْتُمْ کو مبنی علی الفاعل متصور کیا جائے جیسا کہ مشہور ہے لیکن اگر مبنی علی المفعول أُعْطِيتُمْ ہو، جیسا کہ المنادی نے کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مستحقین سے خطاب ہے کہ جب تمھیں زکوٰۃ دی جائے تو تم زکوٰۃ دہندہ کے احسان کا بدلہ اس طرح دو کہ اس کے حق میں یہ دعا کرو کہ اے اللہ اس کی زکوٰۃ کو اس کے لیے حصولِ ثواب کا ذریعہ بنا اور اسے ذریعۂ تاوان نہ بنا[1] اور یہی دعا مستحقین زکوٰۃ کا وکیل امام یا اس کا نائب دے اور یہی مفہوم ہوگا اللہ سبحانہٗ کے اس فرمان کا کہ

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (التوبہ : ۱۰۳)

اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔

زکوٰۃ دینے میں توکیل یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر مسلمان اپنی زکوٰۃ خود دے بلکہ وہ کسی بھی قابلِ اعتماد شخص کو اپنی جانب سے وکیل مقرر کر سکتا ہے یعنی جس شخص پر اسے یہ اعتماد ہو کہ وہ اس کی امانت (زکوٰۃ) مستحقین تک پہنچا دے گا۔ بعض فقہاء کے وکیل (برائے زکوٰۃ) کے مسلمان ہونے کی شرط بھی لگائی ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اور غیر مسلم اس کا اہل نہیں ہے جبکہ بعض دیگر فقہاء نے کہا ہے کہ اگر مؤکل نیت زکوٰۃ کرلے تو اس کی نیت کافی ہے اور وہ ادائے زکوٰۃ کے لیے ذمی کو وکیل بنا سکتا ہے[2]

اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ مسلمان غیر مسلم کو اس وقت تک وکیل نہ بنائے جب تک ضرورت نہ ہو اور یہ اطمینان نہ ہو کہ وہ مؤکل کی فرضی کو پورا کرے گا۔

---

[1] فیض الباری، ج ۱، ص ۲۹۰۔ میں ہے کہ اس دعاء کا تعلق چونکہ فضائل سے ہے اس لیے مستحب ہے۔

[2] الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۴۹۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلک مالکیؒ کے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ مالک کا اپنی طرف سے نیابتاً زکوٰۃ ادا کروانا مستحب ہے کیونکہ اس میں ریا نہیں ہوگا اور خود زکوٰۃ دینے میں لوگوں کی ستائش کا جو پہلو ہے وہ نہیں ہوگا۔ اور اگر لوگوں کی ستائش کے مقصود بن جانے کا گمان غالب ہو تو زکوٰۃ کسی اور شخص کے ذریعے (نیابتاً) دلوانا واجب ہے اسی طرح اس صورت میں بھی واجب ہے جبکہ اسے علم نہ ہو کہ زکوٰۃ کا مستحق کون ہے، اس صورت میں زکوٰۃ دہندہ کو چاہیے کہ وہ کسی شخص کو وکیل بنا دے جو اس کی جگہ اہل شخص کو زکوٰۃ دے دے۔[1]

ادائے زکوٰۃ کا اظہار امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ میں افضل یہ ہے کہ اس کا اخراج علی الاعلان ہو تاکہ دوسروں کو معلوم ہو جائے اور دیکھنے والوں میں بھی ادائے زکوٰۃ کا جذبہ پیدا ہو اور زکوٰۃ دہندہ کے بارے میں سوءظن پیدا نہ ہو جیسے فرض نماز کا بھی اظہار ضروری ہے جبکہ نفلی نماز اور روزے کا اخفاء مستحب ہے۔[2]

اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ان شعائر اسلام میں سے ہے جن کا اظہار، ان کی تعظیم اور ان کو لوگوں کے لیے محبوب بنانا دلائل ایمان اور تقویٰ کی علامتوں میں سے ہے، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے۔

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

(الحج : ۳۲)

اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

اور شاید یہ وہی اختیال (خوش ہونا اور بڑائی محسوس کرنا) ہے جس کو اللہ سبحانہٗ زکوٰۃ میں پسند فرماتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ جنگ اور زکوٰۃ میں اپنے آپ پر خوش ہونے کو پسند فرماتے ہیں"[3]

---

[1] ایضاً۔

[2] المجموع، ج ۶، ص ۲۳۳، فقہ الامام جعفر، ج ۲ ص ۹۶۔ چنانچہ ایک روایت میں ان کا یہ قول مروی ہے کہ "چھپا کر دینے سے اعلان کے ساتھ دینا افضل ہے"۔

[3] النسائی، کتاب الزکوٰۃ، ج ۵، ص ۷۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اسی وجہ سے قرآن کریم میں فرمایا۔

وَإِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ (البقرہ : ۲۷۱)

اگر اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے۔

کیا محتاج کو زکوٰۃ دیتے وقت یہ بتلا دیا جائے کہ یہ زکوٰۃ ہے

چونکہ آج کل مسلمان حکومتیں زکوٰۃ کی وصولیابی اور اس کی تقسیم کے فرائض انجام نہیں دیتیں اس لیے ایسی صورت میں زکوٰۃ دہندہ کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ یہ نہ بتائے کہ وہ اسے زکوٰۃ دے رہا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس سے لینے والے کو اذیت محسوس ہو اور بالخصوص جبکہ وہ ستور حال اور دست سوال دراز کرنے سے بچنے والا ہو، اور اس لیے کہ اس کے ذکر کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

صاحب المغنی فرماتے ہیں کہ

"جس شخص کو فقیر (حاجتمند) سمجھ کر زکوٰۃ دی تو اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہی کہ یہ زکوٰۃ ہے، جس نے فرمایا یہ کہہ کر اسے اذیت دینا چاہتے ہو، نہیں اسے نہ بتلاؤ۔ احمد بن الحسن فرماتے ہیں کہ میں نے احمد سے کہا کہ ایک شخص جب زکوٰۃ دے دے تو کیا وصول کنندہ کو یہ بتائے کہ یہ زکوٰۃ ہے، یا خاموش رہے، آپ نے فرمایا کہ خاموش رہے اور حاجتمند کو تکلیف نہ پہنچائے۔"[1]

مسلک مالک کے بعض فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ بتا کر دینا مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں حاجتمند کی دل آزاری کا پہلو موجود ہے۔[2]

مسلک جعفریہ کی بھی وہی رائے ہے جو اہل سنت کی ہے کہ حاجتمند کو زکوٰۃ دینے سے پہلے یا زکوٰۃ دینے کے بعد اس کو بتلانا ضروری نہیں ہے اور ابو البصیر کہتے ہیں کہ میں

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۶۴۷۔

[2] بلغۃ السالک وحاشیۃ الصاوی، ج ۱، ص ۳۳۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے امام باقرؒ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی ہم میں سے حاجتمند شخص زکوٰۃ لینے سے شرماتا ہو تو میں اُسے بغیر بتائے زکوٰۃ دے دوں، آپ نے فرمایا، ہاں بغیر بتائے ہوئے زکوٰۃ دے دو اور مسلمان کی اہانت نہ کرو۔[1]

تنگدست شخص سے قرض ساقط کر دینا کیا زکوٰۃ میں شمار ہو سکتا ہے؟

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی تنگدست شخص پر قرض ہو اور وہ اسے زکوٰۃ قرار دینا چاہے اور یہ کہہ دے کہ یہ میری جانب سے زکوٰۃ ہے۔ تو مسلک شافعی میں دو صورتیں ہیں صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اور یہی عدم جواز امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا مسلک ہے کیونکہ زکوٰۃ اس کے ذمے موجود ہے جس سے وہ اسی وقت بری ہوگا جب اسے (مستحق کے) قبضے میں دے دے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جائز ہے اور یہی حسن بصریؒ اور عطاؒ کی رائے ہے کیونکہ (مقروض) اگر قرض واپس کر دیتا اور پھر اس سے بطور زکوٰۃ لیتا تب بھی جائز ہوتا تو اسی طرح بغیر قبضہ کے بھی جائز ہے جیسے اس کے پاس امانت ہوتی اور وہ اُسے زکوٰۃ کے طور پر دے دیتا تو بھی جائز ہوتا خواہ اس کا قبضہ ہوتا یا نہ ہوتا، لیکن اگر زکوٰۃ اس شرط کے ساتھ دی کہ وہ اس سے اس کا قرض دے گا تو یہ دینا صحیح نہیں ہے اور زکوٰۃ بالاتفاق ساقط نہیں ہوگی اور نہ ہی اس سے قرض کی ادائیگی بالاتفاق جائز ہوگی اور اگر ان دونوں نے نیت کی اور شرط نہیں لگائی تو بالاتفاق جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ بھی جائز ہے اور اگر اس کو قرض کی طرف سے لوٹا دیا تو وہ اس قرض سے بری ہو جائے گا اور اگر مقروض نے کہا کہ مجھے اپنی زکوٰۃ دے دو میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا اور اس نے یہی کیا تو اس کی زکوٰۃ جائز ہے اور قابض مالک ہو جائے گا اور اس پر اس زکوٰۃ میں سے قرض ادا کرنا لازم نہ ہوگا لیکن اگر کر دے تو جائز ہے۔[2]

---

[1] فقہ الامام جعفر الصادق، ج ۲، ص ۸۸۔

[2] المجموع، ج ۶، ص ۲۱۰، ۲۱۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام نوویؒ نے حسن کا جو قول نقل کیا ہے اسے ابو عبید نے بھی ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں تھا اگر یہ قرض سے ہو لیکن ان کے نزدیک اگر قرض کسی سامان کی قیمت کا ہو جیسا کہ تاجروں کے قرضوں میں ہوتا ہے تو جائز نہیں ہے اور یہ ایک عمدہ قید ہے۔

ابو عبید کے نزدیک کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے اور یہ قول انھوں نے سفیان ثوریؒ سے نقل کیا ہے اور اس کو سنّت کے برخلاف قرار دیا ہے اور اس اندیشہ کا اظہار کیا ہے کہ اس طرح قرض خواہ اپنے اس مال کو محفوظ کر لے گا جس سے وہ مایوس ہو چکا ہے اور اس طرح زکوٰۃ (ضائع ہونے والے) مال کے بچانے کا ذریعہ بن جائے گی حالانکہ زکوٰۃ جب ہی قبول ہوتی ہے جب وہ خالص اللہ کے لیے ہو۔[1]

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی قرض کسی اہل صدقہ (مستحق زکوٰۃ) پر ہو اور وہ اس کو یہ قرض زکوٰۃ میں دے دے اور زکوٰۃ کی نیت کر لے اور مقروض اسے قبول کر لے تو جائز ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس قرض کو کسی مستحق کو صدقہ دے دے اور اسے جو اس کے پاس ہے اس پر محول کرے اور زکوٰۃ کی نیت ہو تو جائز ہے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور زکوٰۃ کا مستحق زکوٰۃ کو دینا بھی واجب ہے تو اگر وہ قرض سے بری قرار دے دینے کو اپنی زکوٰۃ قرار دے دے تو جائز ہے۔

ابن حزمؒ نے اس رائے کی دلیل میں صحیح مسلم میں وارد حضرت ابو سعید خدریؓ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ

"عہد نبوت میں ایک شخص نے پھل خریدے اور اس میں اسے نقصان ہو گیا جس سے اس کا قرض بڑھ گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے صدقہ دو۔"

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے۔[2]

---

[1] الاموال، ص ۵۹۵، ۵۹۶۔

[2] المحلی، ج ۶، ص ۱۰۵، ۱۰۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہی مسلک جعفریہ کے فقہاء کی بھی رائے ہے کیونکہ ایک شخص نے حضرت جعفر صادق سے پوچھا کہ کچھ لوگوں پر اس کا کافی عرصے سے قرض ہے اور وہ یہ قرض ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور وہ زکوٰۃ کے مستحق بھی ہیں تو کیا میں انھیں اس قرض کو چھوڑ دوں اور اسے زکوٰۃ کے حساب میں لگالوں تو آپ نے فرمایا کہ درست ہے [1]

میرے نزدیک یہی قول راجح ہے بشرطیکہ حاجتمند ہی اس زکوٰۃ سے فائدہ اٹھائے اور اپنی اصلی ضروریات اس سے پوری کر سکے یعنی اس کا قرض اتر جائے۔ اور خود قرآن کریم نے تنگدست سے قرض کے ساقط کر دینے کو صدقہ قرار دیا ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ : ۲۸۰)

تمہارا قرض دار تنگدست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

یہ بھی تنگدست مقروض کو صدقہ کرنا ہے اگرچہ اس میں قبضہ اور تملیک نہیں ہے لیکن بہرحال اعمال کے مقاصد پورے ہونے چاہئیں خواہ ان کی صورت پوری نہ ہو۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ یہ مقروض قرض ادا نہ کر سکتا ہو اور اسے اس قرض سے بری کر دیا جائے اور اسے بتا بھی دیا جائے کیونکہ ایسا عاجز مقروض اگر فقراء اور مساکین میں سے نہ ہو تو الغارمین میں سے تو یقیناً ہے جو کہ مستحقین زکوٰۃ میں سے ہے اور قرض سے بری قرار دینا بھی اس کے قبضے میں دے دینا ہے کہ اس سے بھی مقروض کی نفسیاتی ضرورت پوری ہوتی ہے کہ اس کے ذمے سے قرض ادا ہو جاتا ہے وہ شب و روز کے غم و فکر سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کا مطالبہ اور حبس کا خوف اور سزائے آخرت کا ڈر ختم ہو جاتا ہے۔

البتہ حضرت حسن کی اس قید پر غور کرنا چاہیے کہ یہ قرض تجارتی قرض نہ ہو کہ اس صورت میں یہ اندیشہ موجود ہے کہ تاجر زیادہ منافع کے حصول کے لیے قرض کے بدلے تجارت زیادہ کرنے لگیں گے اور جو قرض وصول نہ ہوگا اسے زکوٰۃ میں شمار کر لیں گے۔ اور اس میں جو

---

[1] فقہ الامام جعفر، ج ۲، ص ۹۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خرابی ہے وہ ظاہر ہے۔

کیا کسی شئے کو کسی کے لیے مُباح کر دینے سے تملیک کی شرط پُوری ہو جاتی ہے؟

بعض فقہاء نے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی یتیم کو کھانا کھلا دیا یا کسی ضرورتمند کو اپنا مہمان بنا لیا اور زکوٰۃ کی نیت کر لی تو کیا جو کھانا اس نے ان کے لیے بنیت زکوٰۃ مُباح قرار دیا اسے زکوٰۃ شمار کرنا درست ہوگا۔

فقہاء احناف کے نزدیک اس کو زکوٰۃ قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک تملیک ضروری ہے اور کھانا کھلا دینا تملیک نہیں ہے بلکہ اسے مباح قرار دینا ہے، لیکن اگر بنیت زکوٰۃ کھانا اس کے سپرد کر دیا تو جائز ہے، جیسا کہ کپڑا پہنا دینا جائز ہے کیونکہ زکوٰۃ کی نیت سے جب اُسے خوردنی شئے دی تو وہ مالک بن گیا اور اب اس نے اپنی ملکیت میں سے کھایا، بخلاف اس صورت کے جب کہ کھلانے والا اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے (کہ اس صورت میں یہ کھانے والا اس کھانے کا مالک نہیں ہوگا۔)[1]

زیدیہ مسلک کے بعض فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ میں سے اپنے فقراء مہمانوں کو کھلانا بشرائط ذیل جائز ہے۔

۱) زکوٰۃ کی نیت ہو۔

۲) عین طعام (خوردنی شئے) باقی رہنے والی ہو، جیسے چھوارا اور کشمش۔

۳) ہر ضرورتمند کو اتنا حصہ مل جائے جس کی کوئی قیمت ہو اور جو (بالعموم) یونہی نہ دیا جاتا ہو۔

۴) فقیر (ضرورتمند) کے قبضے میں آجائے، یا اس کے اور اس شئے کے درمیان کوئی حاجز نہ رہے۔ اور اسے یہ معلوم ہو کہ یہ شئے مجھے دی گئی ہے۔

۵) فقیر کو یہ معلوم ہو کہ یہ زکوٰۃ ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات نہ رہے کہ یہ حُسنِ سلوک ہے جس کا بدلہ دینا ہے۔

---

[1] الدر المختار وحاشیۃ، ج ۲، ص ۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہ الزکوٰۃ

حصہ چہارم

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

●

ترجمہ

ساجد الرحمٰن صدیقی

●

ایمان پبلی کیشنز ۲۳۔ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور ۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(جملہ حقوق بحق ادارہ معارف اسلامی کراچی محفوظ ہیں)

بار اول ——— ایک ہزار ستمبر ۱۹۸۲ء
ناشر ——— عبدالحفیظ احمد
کتابت ——— محمد اسلم طور
قیمت ———

طبع فی المطبعۃ العربیۃ
۳۰۔ کے سندھ، بلوچستان سوسائٹی فیز۔ ۱ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۱۲ پاکستان

●

ادارہ معارف اسلامی
10 C/163 فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادارہ معارفِ اسلامی

ادارہ معارفِ اسلامی رجسٹرڈ ایک آزاد علمی و تحقیقی ادارہ ہے جو اسلام کی حقیقی اور بے آمیز تعلیمات کو دورِ جدید کی زبان میں پیش کرنے اور اسلام کی رہنمائی میں آج کے معاشرے کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے علمی کام میں مصروف ہے اس ادارہ کا قیام ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا۔ ایک بااختیار مجلس منتظمہ اس کے تمام امور کی ذمہ دار ہے ادارہ کا مرکزی نظم کراچی میں ہے اور مختصر شاخ ڈھاکہ میں کام کر رہی تھی لیکن سقوطِ مشرقی پاکستان کے سبب اس سے ادارہ کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ جن مقاصد کے حصول کے لیے ادارہ کوشاں ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ اسلامی تعلیمات کو پوری تحقیق اور علمی جستجو کے بعد جدید ترین اسلوبِ اظہار کو اختیار کرتے ہوئے پیش کرنا اور تمدن، تاریخ، قانون، معیشت اور دوسرے دائروں میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کرنا۔

۲۔ علمائے اسلام کے تحقیقی کارناموں کا ترجمہ، ترتیبِ نو، تشریح و توضیح اور اشاعت۔ اس طرح قدیم علمی خزانوں تک آج کے طالب علموں کی رسائی کا سامان کرنا۔

۳۔ عالمِ اسلام کے موجودہ مسائل اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ فہم پیدا کرنے کے لیے مسلم ممالک کے بارے میں بالعموم اور پاکستان کے بارے میں بالخصوص تحقیقی کام کرنا۔

۴۔ اسلامی موضوعات پر دورِ حاضر کے مسلم علماء کے نمایاں کارناموں کی وسیع اشاعت اور نفوذ کی خاطر دنیا کی اہم زبانوں میں بالخصوص عربی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی میں اُن کے ترجمہ اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۵۔ عام پڑھے لکھے لوگوں میں اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ اور مسلم دنیا کے موجودہ مسائل کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لیے مناسب طرز کی عام فہم کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۶۔ تعلیم کو مثبت اسلامی آہنگ دینے کے لیے اور اسلامی بنیادوں پر تشکیل شدہ ایک نئے نظامِ تعلیم کے ارتقاء کی راہ ہموار کرنے کے لیے مختلف مراحل کی نصابی اور امدادی کتب کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

چھٹا باب : مقاصد زکوٰۃ اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مرتب ہونے والے اثرات۔ ۹

فصل اوّل : مقاصد زکوٰۃ اور انفرادی زندگی میں اس کے اثرات۔ ۱۵

بحث اوّل : مقصد زکوٰۃ اور زکوٰۃ دہندہ پر اس کا اثر۔ ۱۶

بحث دوم : زکوٰۃ وصول کنندہ پر زکوٰۃ کا اثر۔ ۳۹

فصل دوم : اجتماعی زندگی پر زکوٰۃ کے اثرات۔ ۴۹

بحث اوّل : معاشی ناہمواری اور اس کا اسلامی حل۔ ۶۰

بحث دوم : بھیک کا مسئلہ اور اس کا اسلامی حل۔ ۶۴

بحث سوم : عورتوں سے رونما ہونے والے فساد کا مسئلہ۔ ۷۴

بحث چہارم : مصائب اور آفات سماویہ کا مسئلہ۔ ۸۵

بحث پنجم : عدم ازدواج کا مسئلہ۔ ۹۰

بحث ششم : بے گھر ہونے کا مسئلہ۔ ۹۳

ساتواں باب : زکوٰۃ الفطر (فطرہ)۔ ۹۷

پہلی فصل : زکوٰۃ الفطر کا مفہوم، حکم اور اس کی حکمت۔ ۱۰۱

دوسری فصل : زکوٰۃ الفطر کس پر واجب ہے اور کس کی جانب واجب ہے۔ ۱۱۱

تیسری فصل : زکوٰۃ الفطر کی مقدار اور یہ کس کی جانب سے فرض ہے۔ ۱۲۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھی فصل : فطرہ کے واجب ہونے کا وقت اور اس کے ادا کرنے کا وقت۔ ۱۵۰

پانچویں فصل : فطرہ کے مستحقین۔ ۱۵۶

آٹھواں باب : زکوٰۃ کے علاوہ مال پر حق۔ ۱۶۱

پہلی فصل : ان فقہا کی رائے جن کے نزدیک مال پر علاوہ زکوٰۃ کے کوئی حق عائد نہیں ہوتا۔ ۱۶۴

دوسری فصل : ان فقہا کی رائے جن کے نزدیک مال پر علاوہ زکوٰۃ کے بھی حق ہے۔ ۱۷۰

تیسری فصل : ان اقوال کے درمیان ترجیح۔ ۱۹۳

نواں باب : زکوٰۃ اور ٹیکس۔ ۲۰۳

پہلی فصل : ٹیکس کی حقیقت اور زکوٰۃ کی حقیقت۔ ۲۰۷

دوسری فصل : ٹیکس کے عائد کرنے اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اساسی تصور ۲۱۵

تیسری فصل : ٹیکس کا ظرف اور زکوٰۃ کا ظرف۔ ۲۳۲

پہلی بحث : رأس المال پر زکوٰۃ۔ ۲۳۳

دوسری بحث : آمدنی پر زکوٰۃ۔ ۲۳۹

تیسری بحث : اشخاص پر عائد ہونے والی زکوٰۃ۔ ۲۴۲

چوتھی فصل : ٹیکس اور زکوٰۃ کے اصول ہائے انصاف۔ ۲۴۴

پہلی بحث : عدل و انصاف۔ ۲۴۵

دوسری بحث : تیقن۔ ۲۵۴

تیسری بحث : نرمی۔ ۲۵۵

چوتھی بحث : اقتصاد۔ ۲۵۸

پانچویں فصل : ٹیکس اور زکوٰۃ کے مابین تناسب اور ارتفاع۔ ۲۶۰

چھٹی فصل : ٹیکس کی ضمانتیں اور زکوٰۃ کی ضمانتیں۔ ۲۶۵

ساتویں فصل : کیا زکوٰۃ کے ساتھ دیگر ٹیکس لگائے جا سکتے ہیں۔ ۲۷۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی بحث : ٹیکس عائد کرنے کے جواز۔ ۲۸۰
دوسری بحث : ٹیکس عائد کرنے کی شرائط۔ ۲۸۶
تیسری بحث : ٹیکس کے خلاف رائے رکھنے والوں کے شبہات۔ ۲۹۴
آٹھویں فصل : کیا موجودہ ٹیکس فریضہ زکوٰۃ سے مستغنی کرتے ہیں۔ ۳۰۷
خاتمہ : اسلام کا نظام زکوٰۃ منفرد اور جدید نظام ہے۔ ۳۱۷
اشاریہ اعلام۔ ۳۲۹
اشاریہ کتابیات۔ ۳۴۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابتدائیہ

دولت کی فراوانی وسائل پیداوار کی ترقی اور حیرت انگیز معاشی ارتقاء کے باوجود انسانیت آج جس غربت و ناداری، بیکاری اور بے روزگاری، معاشی لوٹ کھسوٹ اور معاشرتی ظلم و ناانصافی سے دوچار ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے اگر فقر و فاقہ کا علاج اور افلاس و ناداری کا مداوا محض دولت کی فراوانی اور وسائل پیداوار کی ترقی سے ہو سکتا ہو تو بلاشبہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کسی کو بھی غریب و مفلس اور بھوکا ننگا نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہے، معاشی ارتقاء اور وسائل پیداوار کی محیر العقول ترقی کے باوجود ہر جگہ غربت و افلاس کا دور دورہ ہے اور رات کو بھوکے سونے والوں کی تعداد وقت گزرنے کے ساتھ گھٹ نہیں رہی ہے بلکہ بڑھ رہی ہے، یہ فطرت کی ظالمانہ تعزیر یا تقدیر کا بہیمانہ کھیل نہیں بلکہ مروجہ معاشی نظام کا حصہ اور لازمی نتیجہ ہے۔

مغرب کے معاشی نظام نے چند چہروں کی رونق تو دوبالا کی ہے لیکن بھوک کی عالمگیر مصیبت کو ختم کرنا کبھی اس کے پیش نظر نہیں رہا، کیونکہ جو نظام معیشت اس سلوگن پر قائم ہو کہ ہر شخص کی دولت صرف اسی کے لیے ہے اور معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اُسے فنا ہو جانا چاہیے اور کشمکش حیات میں زندہ رہنے کا حق صرف اس کو ہے جو اس دوڑ میں دوسروں سے آگے نکل جائے وہ نظام غربت و بے کاری کو ختم کرنا تو درکنار اس میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

اس مشکل کا حل اسلام تجویز کرتا ہے کیونکہ اسلام کا معاشی نظام فرد کی کفالت پر مبنی ہے جس کا اہم ترین ستون نظام زکوٰۃ ہے ——— زکوٰۃ ایک ایسا مقدس فریضہ ہے جس کے ذریعہ غریب و نادار کو فوری طور پر اوّل محرومی کا الاؤنس مل جاتا ہے جس سے اس کی بنیادی ضرورتوں کی فوراً کفالت ہو جاتی ہے یعنی پیٹ کی بھوک مٹ جاتی ہے اور عریانی ختم ہو جاتی ہے، پھر اس کو مستقل طور پر زندگی کی جدوجہد میں برابر کی شرکت کے لائق بنا دیا جاتا ہے۔

کئی صدیوں سے اسلام کا نظام زکوٰۃ کسی مسلم سوسائٹی میں بھی رائج نہیں اور اس کی اصل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہان معاشروں کا اسلامی قیادت وسیادت سے محروم ہونا ہے۔ نظام زکوٰۃ نظام اسلام کا جزو ہے اور کیونکہ کہیں بھی اسلامی نظام اپنی حقیقی شکل میں موجود نہیں لہٰذا اس کے اجزا میں سے بھی کسی جزو کو اپنی نعمتیں بکھیرنے کا موقع میسر نہیں۔ تاہم مسلمان جہاں جہاں موجود ہیں ان کی معتدبہ تعداد نے ادائیگی فرض کی خاطر زکوٰۃ نکالتے رہنا اپنا شعار بنایا ہے، اس طرح ادائیگی زکوٰۃ کا تواتر اور تسلسل دیکھنے کو ملتا ہے اور یہ اسلام کی خوبی ہے کہ ناسازگار ماحول میں بھی اپنے آئیڈیل پیش کرتا رہتا ہے اور مثالی کردار کی صورت گری کی صلاحیت اور قدرت رکھتا ہے اور اپنی بنیادی خصوصیات کی جھلک انتہائی نامساعد حالات میں بھی پیش کرتا رہتا ہے۔ تاہم افراد انسانی کی کوئی بھی کسی عمل کو رضاکارانہ اپنا کر اس نظام کا بدل نہیں پیش کر سکتی جو ایک کل کا جزو بھی ہو اور خود اپنی جگہ ہمہ گیر وہمہ جہت بھی ہو اور انسانی سوسائٹی کے معاشی رُخ کو حسب خواہ موڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

زیر نظر کتاب "فقہ الزکوٰۃ" اس مسئلہ کے بہت سے پہلوؤں پر محیط ہے، کتاب کے مصنف ڈاکٹر یوسف القرضاوی عالم اسلام کے معروف دینی رہنما اور سرمایۂ افتخار ہیں، ان کی علمی خدمات نے عالم اسلام پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، انھوں نے اپنی اس کتاب میں وقت کے ایک بڑے چیلنج کا مؤثر اور شافی کافی جواب دیا ہے اور اسلام کے مالیاتی نظام کا خاکہ پیش کر کے مسئلہ کا یقینی حل پیش کیا ہے۔

یہ کتاب عربی میں دو جلدوں میں ہے جس کا ترجمہ عربی کے مشہور فاضل جناب ساجد الرحمٰن صدیقی نے کیا ہے ضخامت کی وجہ سے ادارہ معارف اسلامی اس کو چار جلدوں میں شائع کر رہا ہے۔ برادم ساجد الرحمٰن صاحب نے اس کتاب کا سادہ، سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کر کے اپنی جس علمی صلاحیت کا اظہار کیا ہے وہ ہم سب کے لیے باعث ملانیت اور خود ان کے لیے باعث سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو ہم سب کے لیے تحصیل علم اور فکر و رہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

سید منور حسن
سیکرٹری جنرل
ادارۂ معارف اسلامی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(ابتدائیہ، فقہ الزکاۃ، جلد چہارم)

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی ضخیم معلوماتی کتاب فقہ الزکاۃ کے ترجمہ اور اشاعت کو ممکن بنایا۔ اس کی چوتھی اور آخری جلد اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کتاب ۱۴۰۰ سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ پہلی جلد کے ابتدائیہ میں اس خیال کا اظہار کیا گیا تھا کہ یہ کتاب تین جلدوں پر محیط ہوگی لیکن کتاب کی وسعت متقاضی ہوئی کہ اسے چار جلدوں میں لایا جائے۔

مغرب کے عطا کردہ نظام معیشت اور اس کے جلو میں چلنے والے نظام معاشرت نے اہل ایمان کے لیے جس قدر مسائل پیدا کیے ہیں ان کا احاطہ کرنا تنہا کسی فرد کے بس کی بات نہیں۔ افراد اور ادارے تو بعض امور کی نشان دہی کر سکتے ہیں، کچھ خفی گوشے نمایاں کر سکتے ہیں۔ چند حاشیے، چند لکیریں، چند تشریحات، کچھ توضیحات، حلت و حرمت کی یاد دہانی و تذکیر، ملت کی شیرازہ بندی کی تدبیر۔ وگرنہ نظاموں کی اس کشمکش میں ایک نظام کا مقابلہ نظام ہی کر سکتا ہے۔ تہذیبوں کو ایک برتر تہذیب کے بل پر ہی شکست دی جا سکتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ برائی تو منظم ہو، متحرک ہو، ہمہ گیر نظام کلی اور ریاست ہو، با اختیار اور مقتدر ہو اور نیکی کی محض خواہش اس کا بدل ہو سکے۔ اسے شکست و ریخت سے دوچار کر سکے۔ فی زمانہ نیکی ایک تحریک اور ایک صدائے انقلاب تو ہے لیکن ریاست و نظام نہیں — غربت و مغلوبیت کے اس عالم میں بجا طور پر وہ انفرادی کوششیں بھی بڑی قیمتی ہیں جو دیئے، بتی اور تیل کی فراہمی کے ضمن میں آتے ہیں تاکہ چراغ جلے اور چراغ سے چراغ جلے۔ ہر چند کہ روشنی زیادہ نہ ہو، تاہم اندھیرا بھی زیادہ نہ رہے۔ کچھ اجالے، کچھ دھندلے سے سائے۔ کم از کم ہاتھ کو ہاتھ تو سجھائی دے۔

پوری مسلم دنیا میں ان گنت علماء، مسلم دانش ور اور نوجوان کارکن اس راہ پر چل نکلے ہیں تاکہ امت کی رہنمائی کریں، اسے مسائل کی گرداب سے نکالیں، قیادت فراہم کریں، فکر کی گتھیاں سلجھائیں، عمل کی راہیں ہموار کریں، امید کی کرن بن کر ابھریں اور شعلہ بن کر دشمن پر لپکیں۔

علامہ یوسف القرضاوی انہی اہل علم میں سے ایک ہیں، ان کے یہاں چراغ جلانے کا اہتمام بھی ہے اور اسے طوفانی ہواؤں سے بچانے کا بھی۔ اس کتاب میں علامہ نے آج کے معاشی و

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشرتی نظام کے پیدا کردہ مسائل کی نہایت خوبصورتی سے گرفت کی ہے اور ذہن میں چبھنے والے سوالات کا مسکت جواب دیا ہے۔ البتہ اس کتاب کو پڑھ کر ہر قاری یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ شریعت کا منشا محض انفرادی سطح پر زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں بلکہ پورے نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ ہے۔ تبھی معاشی انصاف حاصل ہو سکتا ہے اور عادلانہ معاشرہ کا قیام عمل میں آ سکتا ہے۔ اسلام کا نظامِ زکوٰۃ کسی بھی چلتے ہوئے نظام کا حصہ نہیں بن سکتا۔ یہ اپنی روح کے اعتبار سے متقاضی ہے کہ جس کا یہ جزو ہے وہ کُل کا کُل نافذ ہو، خود لادینی نظامِ معیشت و معاشرت بھی پیوندکاری پسند نہیں کرتا۔ تھوڑے پر قناعت نہیں کرتا، بلکہ فرد اور اجتماع، جسم و روح، دل و دماغ، سب پر مکمل کنٹرول کرتا ہے۔ تو بھلا نظامِ شریعت یہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ کچھ اس کا اور کچھ دوسروں کا ہو۔ کچھ خدا کا اور کچھ طاغوت کا ہو۔ لہٰذا یہ کتاب ہمیں اس جدوجہد کی طرف بھی دعوت دیتی ہے جو نیکی اور بدی کی کشمکش میں بالآخر نیکی کو ایک مثبت قدر اور ایک نظام کی حیثیت سے منوا سکے۔ اور ایمان دراصل جہدِ مسلسل ہی کا دوسرا نام ہے۔ جہاد اپنے نفس کے خلاف بھی اور باہر کی دنیا میں طاغوتی نظام کے خلاف بھی۔

آخر میں میں رفیقِ عزیز ساجد الرحمٰن صدیقی کا شکریہ ادا کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں جنہوں نے بڑی دلچسپی اور دلجمعی سے اس کتاب کو اردو زبان کا قالب دیا اور یوں اردو داں طبقہ کے دین سے شغف کو مہمیز دیا۔

برادرم حفیظ احمد اس کتاب کو اس کے قارئین تک پہنچانے کا سبب بنے ہیں۔ میں ان کا بھی مشکور ہوں۔ ان کی محنت شاقہ اور سعی پیہم، نامساعد حالات میں بھی اس کتاب کو ترجیح دے کر کتابت و طباعت کے تھکا دینے والے مراحل سے بحسن و خوبی گزار لینے کا سبب بنی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں دوستوں کی مساعی کو قبول فرمائے۔ آمین

امید ہے ادارہ کے ساتھ ان حضرات کا تعاون آئندہ بھی جاری رہے گا اور ادارہ اپنے کرمفرماؤں کو مستقبل میں بھی اچھے دینی لٹریچر سے روشناس کراتا رہے گا۔

وما علینا الا البلاغ

سید منور حسن

سیکرٹری جنرل

ادارہ معارف اسلامی۔ کراچی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹا باب

۱ : مقاصد زکوٰۃ اور انفرادی زندگی میں اس کے اثرات

۲ : مقاصد زکوٰۃ اور اجتماعی زندگی میں اس کے اثرات

تمہید

ایک طویل عرصے تک ماہرین مالیات وضرائب اس امر کے قائل رہے ہیں کہ ٹیکس کو ہر طرح کے انسانی، اجتماعی اور حتیٰ کہ اقتصادی مقاصد سے بھی دور رکھا جائے تاکہ اس کا بنیادی مقصد یعنی "آمدنی" کا حصول اور خزانۂ حکومت کا اس سے بھرا ہونا متاثر نہ ہو، اسے ٹیکس کی علیحدگی کا تصور کہا جاتا ہے۔

لیکن بالآخر افکار کے ارتقاء، حالات کے تغیر اور پے در پے انقلابات کے بعد اس قدیم روایتی تصور کے ترک کر دینے کی فکر ابھری اور یہ خیال پیدا ہوا کہ ٹیکس کے کچھ ایسے اقتصادی مقاصد اور اجتماعی اہداف ہونے چاہئیں جو طبقاتی فرق کو کم کرنے اور معاشرے کے اقتصادی توازن کو قائم رکھنے میں مدد دیں۔ وغیرہ۔

ٹیکس کے ان تصورات کے بالمقابل زکوٰۃ کی نوعیت وحیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ کہ اسلام نے زکوٰۃ کو دین کا ایک رکن، شعائر اسلام اور عبادت قرار دیا ہے اور مسلمان پر لازم کیا ہے کہ اسے وہ ایک مقدس دینی فرض سمجھ کر اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا کے حصول کے لیے پوری خوش دلی اور خلوص نیت کے ساتھ انجام دے تاکہ یہ زکوٰۃ اللہ کے یہاں مقام مقبولیت حاصل کر سکے۔

اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ

(البینہ : ۵)

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے لیے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔

نیز فرمان نبوت ہے۔

"تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی"

غرض زکوٰۃ ایک مسلمان کی ذمے داری اور فریضہ ہے اور اس فریضہ کا مکلف اسے اس خدا نے قرار دیا ہے جس اللہ نے اس کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے تاکہ وہ اللہ کی عبادت و بندگی کرے اور اس زمین کو حق و عدل کے ساتھ آباد کرے اور اس کا صلہ دار آخرت میں پائے۔ یعنی انسان اس دنیا میں تکالیف و مشقتوں سے گزرتا ہے اور ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہوتا ہے تاکہ وہ دار البقاء میں دوامی زندگی کے قابل ہو سکے اور ان تکالیف کا نعمتوں کی صورت میں بدلہ حاصل کر سکے۔ جب اس کا نفس پاک ہو جاتا ہے اور اس کا قلب مطہر ہو جاتا ہے اور حدود اللہ کے قیام اور ادائے فرائض سے نعیم آخرت کا اور جنت میں اللہ کی رحمتوں کا مستحق ہو جاتا ہے تو وہ ان سعادت مندوں اور خوش بختوں میں سے ہو جاتا ہے جن کے بارے میں فرمایا ہے۔

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

(النحل : ۳۲)

ان متقیوں کو جن کی روحیں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام ہو تم پر جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے۔

قرآن کریم میں اٹھائیس مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ ذکر آیا ہے اور سنت نبوی میں دسیوں مقامات پر نماز اور زکوٰۃ یکجا بیان کیے گئے ہیں، اس سے یہ حقیقت معلوم ہوتی کہ نماز اور زکوٰۃ ایک ہی نظام کے دو اجزاء ہیں اور ان کو علیحدہ علیحدہ نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان صحابہ کرام سے جن کو مانعین زکوٰۃ سے جنگ میں اختلاف تھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمایا کہ قسم بخدا میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جنھوں نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ کتبِ فقہ میں زکوٰۃ کا بیان 'عبادت' کے حصے میں آتا ہے[1] اور قرآن وسُنّت کی اتباع میں نماز کے احکام کے فوراً بعد احکام زکوٰۃ بیان کیے جاتے ہیں۔

زکوٰۃ میں عبادت کے اس پہلو کے واضح ہونے کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ میں بڑے عظیم انسانی اور اخلاقی مقاصد اور روحانی اقدار موجود ہیں اور اسلام زکوٰۃ سے ان کے حصول کی سعی کرتا ہے، جیسا کہ آیات قرآنی اور احادیث سے ان مقاصد اور اہداف کی نشاندہی ہوتی ہے اور محققین علماء اسلام نے ان کی وضاحت کی ہے۔

چنانچہ اسلام کے اوّلین ادوار میں جب نظامِ زکوٰۃ عملاً نافذ تھا تو اس کے یہ فوائد بھی مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں موجود تھے۔

یہ فوائد اور مقاصد صرف مادّی نہیں ہیں، بلکہ زکوٰۃ میں ہر طرح کے مادّی اور معنوی فوائد موجود ہیں اور زکوٰۃ سے اقتصادی اور مالی مقاصد حاصل ہونے کے ساتھ اخلاقی اور روحانی مقاصد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

نیز یہ کہ زکوٰۃ سے حاصل ہونے والے فوائد محض انفرادی یا اجتماعی نہیں

---

[1] اکثر کتب فقہ میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا بیان آیا ہے، جب کہ کچھ کتب میں نماز کے بعد روزے کا بیان ہُوا ہے کہ یہ دونوں جسمانی عبادتیں ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج مالی اور جسمانی عبادت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں بلکہ انفرادی طور پر زکوٰۃ دہندہ اور وصول کنندہ بھی یہ فوائد حاصل کرتے ہیں۔ اور پورا مسلم معاشرہ بھی ان فوائد سے مستفید ہوتا ہے اور سماجی امن و انصاف حاصل ہوتا اور اجتماعی مسائل حل ہوتے ہیں۔

یہ باب دو بنیادی فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل میں زکوٰۃ کے مقاصد اور مسلمان کی انفرادی زندگی میں اس کے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔

دوسری فصل میں زکوٰۃ کے مقاصد کو اس اعتبار سے بیان کیا گیا ہے کہ اجتماعی زندگی میں اس کے فوائد واضح ہو سکیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوّل فصل

مقاصدِ زکوٰۃ اور انفرادی زندگی میں اس کے اثرات

اس فصل میں دو مباحث ہیں۔

بحث اوّل: مقاصدِ زکوٰۃ اس زکوٰۃ دہندہ کے لحاظ سے جو مالدار ہے اور جس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

بحث دوم: زکوٰۃ وصول کنندہ اور اس سے منتفع ہونے والے کے لحاظ سے مقاصدِ زکوٰۃ کا بیان، یعنی ان حاجتمندوں کے اعتبار سے زکوٰۃ کے فوائد کی وضاحت جن پر زکوٰۃ صرف کی جاتی ہے، اور وہ خود اس کی احتیاج رکھتے ہیں، جبکہ ان مصارفِ زکوٰۃ کا بیان جن پر زکوٰۃ کے صرف کرنے کی احتیاج مسلمانوں کو ہے، مثلاً مؤلفۃ القلوب، غارِم لاصلاح ذات البین (جو مخاصم افراد کے مابین صلح کرانے کی خاطر مقروض ہو جائے) غازی اور عاملینِ زکوٰۃ، زکوٰۃ سے معاشرے کو پہنچنے والے فوائد کے ضمن میں بیان ہوگا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث اوّل

مقصد زکوٰۃ اور زکوٰۃ دہندہ پر اس کا اثر

زکوٰۃ کا مقصود محض مال جمع کرنا اور خزانۂ ملکی کی ضرورت پوری کرنا نہیں ہے اور نہ ہی اس کا صرف یہ منشا ہے کہ کچھ کمزوروں کی مدد ہو جائے اور حاجتمندوں کی حاجت پوری ہو جائے، بلکہ اس کا اوّلین اور اساسی مقصد یہ ہے کہ انسان مادہ پر بلند ہو جائے اور مادہ انسان کا تابع بن جائے اس کا آقا نہ بنے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جس طرح زکوٰۃ وصول کنندہ پر توجہ دی ہے اسی طرح زکوٰۃ دہندہ پر بھی توجہ دی ہے اور یہی وہ نقطۂ افتراق جس کی بنا پر زکوٰۃ دنیا میں مروج تمام ٹیکسوں سے مختلف اور ممتاز ہو جاتی ہے، اس لیے کہ ہر طرح کے ٹیکس میں مرکز توجہ ٹیکس دہندہ ہوتا ہے کہ اس کے ٹیکس سے ملکی خزانہ کو امداد ملتی ہے۔

جن اغنیاء سے زکوٰۃ لی جاتی ہے ان کے نقطۂ نظر سے زکوٰۃ کے مقصد کو قرآن کریم نے چند حروف پر مشتمل دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے مگر ان دو الفاظ میں نظام زکوٰۃ کے اسرار و مقاصد کی ایک دنیا آباد ہے۔ یہ دو الفاظ ہیں۔ تطہیر اور تزکیہ۔ اور یہ ہر طرح کی مادی اور معنوی تطہیر و تزکیہ اور غنی کے نفس کی تطہیر اور تزکیہ اور اس کے مال کی تطہیر اور تزکیہ پر مشتمل ہیں۔

قرآنی تعبیر کا اعجاز ملاحظہ فرمائیے۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (التوبہ : ۱۰۳)

اے نبی تم ان کے اموال میں صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھیں بڑھاؤ۔

زکوٰۃ بخل سے پاک کرتی ہے مسلمان زکوٰۃ جب اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا کے لیے دیتا ہے تو یہ زکوٰۃ اسے تمام گناہوں سے بالعموم اور بخل کی آلودگی سے بالخصوص پاک کرتی ہے۔ بخیلی بہت بڑی برائی ہے جو نفس میں رچی بسی ہوتی ہے اور انسان اس میں مبتلا ہوتا ہے، کیونکہ منشاء الٰہی یہ ہے کہ انسان کے نفس کی تہوں میں بہت سے نفسیاتی میلانات اور جبلتیں موجود ہوں جو اسے زمین کی تعمیر اور اس میں سعی و کاوش پر مجبور کریں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں ملکیت کی محبت، ذات کی محبت اور بقاء کی محبت ہو۔ انہی نفسیاتی میلانات کے زیر اثر انسان جس شئے کا مالک ہوتا ہے اس میں بخل اختیار کرتا ہے اور اس کی منفعتوں اور خوبیوں سے خود ہی مستفید ہونا چاہتا ہے دوسروں کو شریک نہیں کرنا چاہتا۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (الاسراء : ۱۰۰)

واقعی انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (النساء : ۱۲۸)

نفس تنگ دلی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں۔

ایک ترقی یافتہ اور ایک مؤمن انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود پسندی، خود ترجیحی اور انانیت کے ان میلانات سے بلند تر ہو اور ایمانی جذبات سے بخل کے میلانات پر غلبہ پائے اور اسے دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب وہ اس مکروہ خصلت بخل سے نجات حاصل کرلے۔

بخل ایک خطرناک مرض ہے جو فرد کے لیے بھی مضرت رساں ہے اور معاشرے کے لیے بھی نقصان دہ ہے کہ اس بخل کے زیر اثر آدمی خون بہا دیتا اور عزت پامال کر دیتا ہے دین میں خیانت کرتا اور وطن کو داؤ پر لگا دیتا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"تین خصلتیں تباہ کن ہیں، بخل جس کے اشاروں پر چلا جائے، خواہش نفس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کی پیروی کی جائے اور اپنی ذات کو پسند کرنا۔[1]

اور قرآن میں فرمایا گیا۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے پس وہی فلاح پانے والے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ آیت دو مرتبہ آئی ہے (الحشر: ۹۔ اور التغابن: ۱۶) اور مقصود قرآنی یہ ہے کہ جو اس مہلک اور تباہ کن بیماری سے بچ گیا اس نے نجات حاصل کر لی۔

ایک موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"بخل سے بچو، پچھلے لوگ دراصل بخل ہی سے ہلاک ہوئے ہیں کہ انھیں بخل کا حکم دیا گیا تو انھوں نے بخل کیا، انھیں قطع رحم کو کہا گیا تو انھوں نے قطع رحمی کی اور انھیں برائیوں کا حکم دیا گیا تو انھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا۔"[2]

غرض زکوٰۃ ان مفاہیم کے لحاظ سے پاک کرنے والی ہے اور زکوٰۃ دہندہ اس تباہ کن بخل سے پاک ہو جاتا ہے اور جس قدر زکوٰۃ میں خرچ کرتا ہے اس قدر پاکی حاصل ہوتی ہے اور وہ خوشی محسوس کرتا ہے کہ اس نے زکوٰۃ دی اور رضائے الٰہی کے لیے اپنا مال خرچ کیا۔

زکوٰۃ جہاں ایک طرف نفس کو بخل کی برائی سے پاک کرتی ہے وہاں دوسری جانب نفس کو مال کی محبت اور اس کے سامنے سر جھکا دینے سے اور اس کی خاطر ذلیل ہو جانے سے نجات دلاتی ہے اور انسان کو اس تذلیل سے بچاتی ہے کہ وہ روپے پیسے کی خاطر اپنا شرف انسانیت پامال کر دے۔ کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ انسان صرف اپنے خالق کے سامنے جھکے اور صرف اسی کا بندہ ہو کر رہے اور ہر بندگی اور ہر فروتنی سے نجات حاصل کر کے خود اس جہاں کا سردار بنے اور عناصر کون اور اشیائے ارض کا مالک بنے۔

---

[1] طبرانی نے اوسط میں ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ التیسیر، ج ۱، ص ۵۷۰۔

[2] ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ مختصر المنذری، ص ۲۶۳، ج ۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کی اس سے بڑی توہین اور تذلیل کیا ہوگی کہ وہ خلیفہ آلٰہی اور آقائے زمین ہونے کے باوجود مٹی کے ڈلوں کی خاطر پیشانی رگڑدے اور مال و دولت دنیا کا غلام بن جائے۔

انسان کی شرافت و کرامت کی اس سے بڑی توہین کیا ہوگی کہ انسان مال جمع کرنا ہی مقصد حیات بنالے اور اس کا بیشتر وقت اور اس کا تمام علم و فن اسی کے حصول میں صرف ہو جائے، حالانکہ انسان کی تخلیق کا مقصد اس سے کہیں بڑا اور اس سے کہیں عظیم ہے۔

عبودیت اور بندگی صرف اللہ ہی کے لیے ہے اور انسان کی کسی اور شئے کی بندگی ہلاکت اور تباہی ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

"دینار و درہم کا بندہ اور چادر کا غلام ہلاک ہو جائے اور سرنگوں ہو جائے اور جب اسے کانٹا چبھے تو نہ نکلے"[1]

زکوٰۃ کے ذریعے خرچ کرنے اور انفاق کرنے کی تربیت ہوتی ہے

جس طرح زکوٰۃ نفس مسلم کو بخل سے پاک کرتی ہے اسی طرح اس کی خرچ کرنے، دینے اور انفاق کرنے کی تربیت بھی کرتی ہے۔

ماہرین تربیت و اخلاق اس امر پر متفق ہیں کہ انسان کے اخلاق و عمل پر اس کی عادتوں کا گہرا اثر مرتب ہوتا ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ "عادت طبیعت ثانیہ ہے"، یعنی عادت میں اس قدر قوت اور نفوذ ہوتا ہے کہ یہ انسان کی طبیعت کے درجے میں بن جاتی ہے۔

مسلمان جسے انفاق کی عادت ہوتی ہے جو اپنی زرعی پیداوار پر زکوٰۃ دیتا ہے جو اپنی آمدنی کی زکوٰۃ دیتا ہے اپنے جانوروں کی زکوٰۃ دیتا ہے اور سال گزرتے ہیں اپنی نقد رقوم اور تجارتی سامان پر زکوٰۃ دیتا ہے اور ہر عید کے موقع پر زکوٰۃ ادا کرتا ہے، دینا اور عطا کرنا اس

---

[1] البخاری، کتاب الجہاد، والرقاق، وابن ماجہ فی الزہد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اصل صفت بن جاتی ہے اور اس کے اخلاق کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔

اسی لیے قرآن کی نظر میں عطا اور انفاق مؤمن متقی کی صفات میں سے ایک صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے، چنانچہ جوں ہی مسلمان مصحف کھولتا ہے وہ سورۃ البقرہ کی یہ آیات تلاوت کرتا ہے۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (البقرہ : ۱، ۳)

الف لام میم یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے ان پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

مکی قرآن میں بھی مؤمنین کی اس صفت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (الشوریٰ : ۳۶، ۳۸)

جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا سروسامان ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ وہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو درگزر کر جاتے ہیں جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں ہم نے جو کچھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی رزق انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں انفاق سے مراد زکوٰۃ ہے کیونکہ یہاں پر نماز کے فوراً بعد اس کا ذکر آیا ہے ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر نفلی صدقہ مراد ہے اس لیے زکوٰۃ کے لیے قرآن کریم میں زکوٰۃ ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں نفقہ سے مراد اہل و عیال پر نفقہ کرنا ہے۔

اور ایک اور رائے یہ ہے کہ یہ عام ہے اور اس سے ہر طرح کا انفاق مراد ہے۔ اور یہی رائے زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہاں عمومیت کے ساتھ مؤمنین کی صفت بیان کی جا رہی ہے اور اس طرح بیان کی جا رہی ہے جس طرح ان آیات میں بیان کی گئی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً (البقرہ : ۲۷۴)

جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ۝ (آل عمران : ۱۳۴)

جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ خوش حال ہوں یا بدحال۔

اَلصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران : ۱۷)

یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، راستباز ہیں، فرماں بردار اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں مؤمنین کی اس صفت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات : ۱۵/۱۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البتہ متقی لوگ اس روز باغوں اور چشموں میں ہوں گے، جو کچھ ان کا رب انھیں دے رہا ہوگا اُسے خوشی خوشی لے رہے ہوں گے وہ اس دن کے آنے سے پہلے نیکوکار تھے راتوں کو کم ہی سوتے تھے پھر وہی رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لیے۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا إِلَّا الْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (المعارج : ۱۹، ۲۵)

انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے، جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے اور جب اسے خوش حالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ لوگ (اس عیب سے بچے ہوتے ہیں) جو نماز پڑھنے والے ہیں جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے۔

مزید برآں جو شخص اپنا مال دُوسروں پر خرچ کر دینے اور اپنے دینی بھائیوں کی تکلیف دُور کرنے کے لیے اپنی کمائی صرف کر دینے اور مصالح اُمت میں اپنے آپ کو شریک رکھنے کا عادی ہو وہ یقیناً اس امر سے بہت دُور ہوگا کہ وہ کسی دوسرے کے مال پر چوری اور لُوٹ کے ذریعے کوئی اعتداء (زیادتی) کرے کیونکہ جو شخص محض رضائے الٰہی کا اپنا مال خرچ کرتا ہو وہ اللہ کی ناراضگی مول لینے کے لیے دوسرے کے مال پر کس طرح دست درازی کرے گا۔

اللہ سبحانہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗ اِذَا تَرَدّٰى اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى (اللیل : ۱ - ۲۱)

قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھا جائے اور دن کی جبکہ وہ روشن ہو اور اس ذات کی جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا، درحقیقت تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا اور بھلائی کو سچ جانا اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے اور اس کا مال آخر اس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے؟

بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمے ہے اور درحقیقت آخرت اور دنیا دونوں کے ہم ہی مالک ہیں، پس میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے۔ اس میں نہیں جھلسے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا اور اس سے دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو وہ تو صرف اپنے رب برتر کی رضاجوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے اور ضرور وہ (اس سے) خوش ہوگا۔

اس سورہ میں انسانوں کے دو نمونے بیان کیے گئے ہیں۔

ایک قسم کے انسان وہ ہیں جن کی اللہ نے ستائش فرمائی اور ان کی داد و دہش

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقویٰ اور نیکی کی تصدیق پر ان کے لیے یہ راستہ سہل فرما دیا۔ یعنی تقویٰ اور بھلائی کی تصدیق کے ساتھ اس کا دینا بھی ایک بنیادی صفت ہے، قرآن کریم نے اس مقام پر اعطاء کو مطلق رکھا ہے اور یہ نہیں کہا ہے کہ اس نے کیا دیا اور کتنا دیا، کیونکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس کا نفس کریم ہے جو دینے والا اور خرچ کرنے والا ہے اور روکنے والا نہیں ہے، درحقیقت دینے والا وہی ہوتا ہے جو احسان کرنے والا اور نفع پہنچانے والا ہو، جس کی طبیعت میں احسان اور اعطاء خیر ہو، وہ اپنی ذات کو بھی خیر پہنچائے اور اس میں دوسروں کو بھی شریک کرے، اور وہ ایک چشمۂ آب صافی کی طرح ہو، جس سے پیاسے پانی پی کر سیراب ہوں، جس سے کھیتیاں سیراب ہو کر لہلائیں اور جس سے جانوروں کی بھی پیاس بجھے اور انسان جس طرح چاہیں اس سے استفادہ کریں، جس طرح یہ چشمۂ صافی سب کے لیے یکساں مفید اور نفع بخش ہے اسی طرح یہ انسان تمام انسانوں کے لیے مفید اور نفع بخش ہے۔

اس کے بالمقابل دوسری قسم کے انسان وہ ہیں جو بخل کریں، خدا سے بے پروا ہو جائیں اور بھلائی کی تکذیب کریں، یہ وہ لوگ ہیں جو بخیل اور لئیم ہیں جو اپنے مال میں بخل کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اپنے مال کے گھمنڈ میں خدا سے اور اس کے بندوں سے بے نیاز سمجھتے ہیں اور اللہ نے مومنین صادقین کے لیے جس حسن انجام کا وعدہ فرمایا ہے اس کو جھٹلاتے ہیں۔

اس بھلائی کو جھٹلا دینے اور اعطاء اور تقویٰ سے روگردانی کا انجام ہے۔

نَارًا تَلَظّٰى لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝

اور پہلی قسم کے انسانوں کا حسن انجام یہ ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝

سورۂ لیل مکی قرآن کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور اس میں ان دونوں قسم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے انسانوں کا تذکرہ اس امر کا غماز ہے کہ آگے چل کر اسلام مال کے بارے میں اور دولتمندوں کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرتا ہے اور اس اخلاقی کردار کی نشاندہی کرتا ہے جو اسلام کو مطلوب اور خدا کو پسند ہے۔

صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہونا

انسان بخل اور دناءت نفس سے پاک ہو کر اور انفاق کا عادی ہو کر انسانی نفس کی گراوٹ سے بلند تر ہو جاتا ہے۔

وَكَانَ الْإِنسَانُ قَتُورًا (الاسراء : ۱۰۰)

اور کمالات ربانی کے قریب ہو جاتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی صفات یہ ہیں کہ ان کی خیر اور رحمت، جود اور کرم اور احسان تمام مخلوقات پر عام ہے اور کوئی نفع انھیں نہیں پہنچتا، اس لیے ان صفات امکانی حصول اللہ کے اخلاق سے متصف ہونا ہے اور انسانی کمالات کی انتہا تک رسائی حاصل کرنا ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں[1] کہ نفس ناطقہ، جس کے ذریعے انسان بنا ہے، کی دو قوتیں ہیں نظری قوت کا کمال اللہ کے حکم کی تعظیم میں ہے اور عملی قوت کا کمال اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنے میں ہے، اللہ سبحانہٗ نے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے کہ روح یہ کمال حاصل کرے اور مخلوقات پر احسان کرنے کی صفت سے متصف اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے اور ان کا دکھ درد دور کرنے کے وصف سے موصوف ہو جائے ——— یہی وجہ ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ[2]

---

[1] التفسیر الکبیر، ج ۱۶، ص ۱۰۱۔

[2] میں نے اس روایت کو ہر ممکن مقام پر تلاش کیا مگر مجھے نہ ملی اور نہ ہی یہ معلوم ہو سکا کہ یہ کس کا قول ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و اخلاق آلٰہی اختیار کرو۔[1]

اس اخلاق اور اس رُوح کے اثرات یہ ہوں گے کہ زکوٰۃ کے ذریعے مسلمانوں میں خرچ کرنے اور نیکی کرنے کی رُوح پیدا ہوگی اور مسلمانوں کے ان صدقات جاریہ سے تمام مسلمان مستفید ہوں گے اور یہ نظام ایک وقف خیری کی صُورت میں ظاہر ہوگا جس کی مسلمانوں نے بہت عمدہ مثالیں قائم کی ہیں اور رُوح لطف وکرم کو فروغ دیا ہے اور محتاجوں اور ضرورتمندوں کو اور انسانوں کے ہر طبقے اور گروہ کے نادار لوگوں سے مادّی اعانت کی ہے، بلکہ بعض اوقات مسلمانوں کی کرم نوازیاں انسانوں سے گزر کر حیوانات پر بھی محیط ہوگئی ہیں۔[2]

زکوٰۃ نعمتِ آلٰہی کا شکر ہے احسان شناسی اور شکر نعمت تمام ادیان اور مذاہب کے لحاظ سے عقل کے اعتبار سے اور انسانی فطرت اور اخلاق کے لحاظ سے ایک امر لازم ہے۔

زکوٰۃ دہندہ کے نفس میں اللہ تعالیٰ کے لیے شکر کا احساس بیدار کرتی ہے اور اللہ سبحانہٗ

---

[1] اس مفہوم سے قریب قریب ایک قول یہ بھی ہے کہ کسی شئے کے ساتھ استغناء اختیار کرنے سے کسی شئے کے بغیر استغناء اختیار کرنا بہتر ہے، کیونکہ شئے کے ساتھ استغناء میں اس کی احتیاج بڑھ جائے گی الّا یہ کہ وہ اس کو دوسری اشیاء سے استغناء کا ذریعہ بنالے۔ جبکہ ہر شئے سے مستغنی ہو جانا غنائے تام ہے، اسی لیے ہر شئے سے استغناء، خالق کی صفت ہے اور شئے کے ذریعے استغناء مخلوق کی صفت ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے اپنے بعض بندوں کو بہت مال دیا ہے اور انھیں اس مال کے ذریعے مستغنی بنا دیا ہے گویا اسے زکوٰۃ کا حکم دینے سے مقصود یہ ہے کہ وہ استغناء کے کم تر درجے سے اعلیٰ تر اور ارفع تر درجے تک ترقی کرے یعنی اس مقام تک ترقی کرے۔ جو ہر شئے سے مستغنی ہونے کا درجہ ہے۔

[2] اس کی مثالیں ہماری کتاب 'الایمان والحیاۃ' میں (ص ۲۹۱، ۲۹۳) ملاحظہ فرمائیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے احسان اور اس کی نعمت کے شکر پر آمادہ کرتی ہے جیسا کہ امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ

"اللہ کی اپنے بندوں پر دو طرح کی نعمتیں ہیں، جانی اور مالی، جسمانی عبادتیں جانی نعمتوں کا شکر ہیں اور مالی عبادتیں مالی نعمتوں کا شکر ہیں، وہ شخص کس قدر خسیس ہوگا جو فقیر کی جانب دیکھے کہ اس کا رزق تنگ ہے اور وہ حاجتمند ہے پھر اس کے نفس میں یہ گنجائش پیدا نہ ہو کہ وہ اسے سوال سے مستغنی کر کے اور اس کی ضرورت رفع کر کے اللہ کا شکر بجا لائے اور اسے اپنے مال میں صرف چالیسواں یا دسواں حصہ دے دے۔"[1]

زکوٰۃ کے اس تصوّر کا مسلمانوں پر گہرا اثر مرتب ہوا ہے اور انھوں نے اس امر کا ادراک کرتے ہوئے کہ ہر نعمت کی زکوٰۃ ہے، خواہ مادی نعمت ہو یا معنوی نعمت، کہ "اپنی صحت کی زکوٰۃ دو، اپنی بصارت و بینائی کی زکوٰۃ دو اپنے علم کی زکوٰۃ دو اور اپنی اولاد کی نجابت کی زکوٰۃ دو۔"

خود حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہوا ہے۔ کہ

"ہر شئے کی زکوٰۃ ہے۔"[2]

حُبِ دنیا کا علاج زکوٰۃ انسان کو متنبہ کرتی ہے کہ اس پر اللہ سبحانہٗ کی جانب سے عائد کردہ کیا فرائض ہیں اور زکوٰۃ انسان کو حُبِ دنیا اور حُبِ مال سے نجات دلاتی ہے کہ ان محبتوں کی شدت سے قلب یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ امام رازیؒ نے فرمایا ہے — اور آخرت کی تیاری سے غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔ بہرحال حکمت شریعت اس امر کی متقاضی ہے کہ مال کے مالک پر یہ ذمہ داری ہو کہ وہ

---

[1] الاحیاء، ج ۱، ص ۱۹۴، ط الحلبی۔

[2] بروایت ابن ماجہ از ابو ہریرہؓ، و طبرانی از سہل بن سعد، سیوطیؒ نے ضعیف کہا ہے اور المنذری نے بھی الترغیب میں ضعیف کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے مال میں سے کچھ حصّہ راہِ خدا میں صرف کرے تاکہ مال کی محبت میں کمی آئے، قلب مسلم اسی کی محبت میں گرفتار نہ رہے اور یہ احساس رہے کہ محض طلب مال کی سعی میں لگے رہنا انسانی فلاح کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ فلاح و کامیابی کے لیے مال خرچ کرکے رضائے آلٰہی کا حصول ضروری ہے غرض وجوب زکوٰۃ قلب سے مرض حبِ دنیا کے ختم کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

مال کی کثرت سے قوت اور قدرت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس قوت و قدرت کی زیادتی انسانی نفس کو لذتوں سے ہمکنار کرتی ہے اور ان لذتوں کی کسک انسان کو کو مزید طلب مال پر اکساتی ہے اور پھر یہ مال مزید حظ نفس عطا کرتا ہے اور یہ حظ نفس پھر اور طلب مال کی جانب لے جاتا ہے اور انسان طلبِ مال کے اس چکّر میں گرفتار ہوکر رہ جاتا ہے۔ شریعت نے اس چکّر کا خاتمہ یہ مقرر کیا ہے کہ ہر مالدار شخص اپنے مال کا کچھ حصّہ محض رضائے الٰہی کے لیے صرف کرے تاکہ اس کا نفس اس ظلماتی راستے سے ہٹ کر عبودیت خداوندی اور طلب رضائے الٰہی کی صراطِ مستقیم کی طرف متوجہ ہوجائے۔[1]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ سبحانہٗ یہ نہیں چاہتے کہ ان کا بندہ ایک ایسی پیچیدہ پگڈنڈی پر چلے جس کی کوئی انتہا اور انجام نہ ہو اور وہ محض مال کے جمع کرنے اور اس کی حرص و طلب میں لگا رہے بلکہ اللہ سبحانہٗ چاہتا ہے کہ بندہ کے سامنے ایک کھلی شاہراہ ہو جس پر چل کر رضائے آلٰہی کی منزل پر پہنچے اور اس شاہراہ پر چلتے ہوئے ہر موقعے پر فقیر اور مستحق کا حق ادا کرتا رہے اور انفاق کرتا رہے۔

اللہ سبحانہٗ نے مسلمان کو جمع مال کی اجازت دی ہے اور طیبات دنیا اس کے لیے حلال قرار دی ہیں مگر اس کا مقصود حیات نہیں قرار دیا ہے بلکہ انسان کا مقصود زندگی اس سے بلند تر بتایا ہے کہ ہر چند دنیا اس کے لیے پیدا کی گئی ہے مگر خود انسان دنیا کے لیے نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ اسے عبادت آلٰہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس بات کی اجازت

---

[1] تفسیر رازیؒ، ص ۱۰۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انسان اپنے راستے کو خوبصورت اور اپنی گزرگاہ کو ہموار بنائے لیکن اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ راہ کی خوبصورتی میں منہمک ہو کر منزل کھوٹی نہیں کرنی چاہیے۔

اللہ مال و دولت دنیا ہر انسان کو دیتا ہے اسے بھی جسے وہ پسند کرتا ہے اور اسے بھی جسے وہ پسند نہیں کرتا، مومن کو بھی دیتا ہے اور فاجر کو بھی دیتا ہے۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (الاسراء : ۲۰)

ان کو بھی اور اُن کو بھی، دونوں فریقوں کو ہم (دنیا میں) سامان زیست دیئے جا رہے ہیں، یہ تیرے رب کا عطیہ ہے اور تیرے رب کی عطا کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔

یعنی کسی انسان کے پاس مال کا ہونا اس کے اچھا ہونے اور خوب ہونے کی ہرگز کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اصل خوبی اور فضیلت یہ ہے کہ جو مال اللہ انسان کو دے انسان اس میں سے شکر نعمت کے طور پر اور رضائے آلٰہی کے لیے اللہ کے راستے میں خرچ کرے۔

مال اللہ کی نظر میں خیر اور نعمت ہے مگر اس خیر میں بھی آزمائش کا پہلو اسی طرح موجود ہے جس طرح کہ شر میں اور برائی میں ہوتا ہے۔

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (الانبیاء : ۳۵)

اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن : ۱۵)

تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ (الفجر : ۱۵)

مگر انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنا دیا۔

وہ شخص خوش بخت ہے جو اپنے آپ کو دنیا کے مال کا امانت دار اور نیابت دار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متصور کرے اور اس مال کو اللہ کے احکام کے مطابق صرف کرے۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ (الحدید : ۷)

اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔

زکوٰۃ درحقیقت مسلم کو مال و دولت دنیا کے فتنوں اور آزمائشوں سے بچنے کی تربیت دیتی ہے کہ زکوٰۃ دہندہ کے نفس کو مال صرف کرنے کی عادت ہو جاتی ہے وہ اللہ کا حکم بجالانا اور اس کی رضا کو پورا کرتا ہے۔

قوموں کو سب سے بڑا مرض جو لگتا ہے اور جس سے ان کی بڑی سے بڑی افرادی قوت سمندری جھاگ کی طرح ہو جاتی ہے اور دشمن اس کو نوالۂ تر بنا لیتے ہیں، وہ ایسا گھن ہے جو اندر ہی اندر قوموں کی قوت مزاحمت ختم کر کے رکھ دیتا ہے، ان کے نفوس میں کسلمندی پیدا کر دیتا ہے ان کی قوت عزم مٹا دیتا ہے اور ان کی معنوی طاقت کو ملیامیٹ کر دیتا ہے ـــــ اس مرض کو اور اس گھن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو امور میں منحصر فرمایا ہے۔ "دنیا کی محبت اور موت کا خوف"[1]

جب مسلم کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ آخرت کی خاطر دنیا کو کیسے ترک کر دے، کس طرح مال خرچ کرے اور کس طرح کسی مصلحت کے لیے اور کسی دوسرے کی ضرورت کے لیے اپنی ہوائے نفس کو مؤخر کرے تو وہ درحقیقت اس گھن (وَھن) کو ختم کرنے اور اپنی اندرونی قوت کو بحال کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جو بالآخر پوری اُمتِ مسلمہ کی قوت بنتی ہے۔

زکوٰۃ غنی کی شخصیت کو نمایاں عطا کرتی ہے

زکوٰۃ غنی کی معنوی شخصیت کو نشوونما دیتی ہے کیونکہ انسان جب کوئی بھلائی کا کام کرتا ہے۔ کوئی نیکی کرتا ہے اور اپنے ہاتھ سے اور اپنے مال سے اپنے دینی بھائیوں اور انسانی بھائیوں کی اعانت کرتا ہے اور انسانیت کی طرف

---

[1] مسند احمد، ج ۵، ص ۲۷۸۔ ابوداؤد، کتاب الملاحم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اپنے اوپر عائد حق کو ادا کرتا ہے تو اس کے نفس میں ایسی وسعت، انشراح اور فراخی پیدا ہوتی ہے جیسی کسی معرکہ جیتنے والے بہادر کو محسوس ہوتی ہے اور درحقیقت مالی امداد کرنے والا بھی اپنے نفس کی کمزوری، خواہش نفس اور بخل و کنجوسی پر غلبہ پالیتا ہے۔ یہ ہے وہ نفسیاتی ارتقاء اور تزکیۂ معنوی جو زکوٰۃ دہندہ کو حاصل ہوتا ہے اور یہی آیت

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا

کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے اس لیے کہ تزکیہ کو تطہیر پر عطف کرنا اس مفہوم کی تائید کرتا ہے کہ قرآن کے ہر لفظ اور ہر ترتیب کا ایک مفہوم ہوتا ہے۔

زکوٰۃ فروغ محبت کا ذریعہ ہے

زکوٰۃ مالدار فرد کے درمیان اور معاشرے کے درمیان اخوت محبت اور تعاون کا مضبوط رشتہ استوار کرتی ہے کیونکہ لوگوں کو جب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص انھیں نفع پہنچانے کا اشتیاق ان کی بھلائی کی خواہش اور ان کو نقصان اور تکلیف سے بچانے کا جذبہ رکھتا ہے وہ طبعاً اسے پسند کرنے لگتے ہیں اور ان کے دل اس کی جانب مائل ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ

"انسانوں کی جبلت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اس شخص سے محبت کرتے ہیں جو ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اور وہ اس شخص سے نفرت کرتے ہیں جو ان کے ساتھ برائی سے پیش آتا ہے"[1]

---

[1] اس حدیث کو ابن عدی نے الکامل میں، ابونعیم نے الحلیۃ میں البیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعودؓ سے سند ضعیف کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، لیکن البیہقی نے اس کی موقوف روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن السخاوی فرماتے ہیں کہ موقوفاً اور مرفوعاً ہر دو طرح باطل ہے۔ التیسیر ج ۱، ص ۴۸۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی وجہ ہے کہ اگر معاشرے کے تنگدست لوگوں (فقراء) کو یہ علم ہو کہ فلاں شخص ان کی تنگدستی دُور کرنے کے لیے اپنے مال کا کچھ حصہ صرف کر رہا ہے اور جس قدر اس کے مال میں اضافہ ہوگا اس کی امداد و اعانت بڑھتی جائے گی تو وہ اس کے حق میں دعائے خیر کریں گے اور اس کی بھلائی کے خواستگار رہیں گے اور ان کے دلوں کی حرارت اور روحانی تاثیر اس انسان (مالدار) کے دل میں خیر کے سرچشمہ کو فروغ اور جذبۂ انسانی ہمدردی کو دوام بخشے گی۔ جیسا کہ امام رازیؒ نے فرمایا ہے اور جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے۔

وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ (الرعد: ۱۷)

اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھیر جاتی ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

وزکوٰۃ کے ذریعے اپنے اموال کی حفاظت کرو۔[1]

زکوٰۃ مال کو پاک کر دیتی ہے زکوٰۃ جس طرح زکوٰۃ دہندہ کے نفس کا تزکیہ اور اس کی تطہیر کرتی ہے اسی طرح زکوٰۃ سے مالدار کے مال کی تطہیر ہوتی ہے اور تزکیہ ہوتا ہے یعنی مال پاک ہو جاتا ہے اور اسے نشوونما ملتا ہے۔

مال میں دوسروں کا حق بھی ہوتا ہے اور دوسروں کے حق کی وابستگی کی بنا پر وہ آلودہ ہو جاتا ہے اور اس وقت تک یہ آلودگی ختم نہیں ہوتی جب تک حق غیر ادا نہ کر دیا جائے، اسی مفہوم کو بعض علماء نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ اگر کسی کے گھر میں ایک پتھر غصب شدہ لگا ہوا ہے تو یہی پتھر اس گھر کی ویرانی اور بربادی کا ضامن ہے۔

---

[1] ابوداؤد نے المراسیل میں روایت کیا ہے الطبرانی اور البیہقی نے مرفوعاً اور متصلاً صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ المنذریؒ نے کہا مرسل سند زیادہ موزوں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی صورت اس پیسے کی ہے جو کسی تنگدست کا حق بنتا ہو کہ اس کی موجودگی سے پورا مال آلودہ ہو جاتا ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

"جب تم نے اپنے مال کی زکوٰۃ دے دی تو تم سے اس کی برائی دور ہو گئی۔"[1]

اس مضمون کی اہم حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ

"اپنے اموال کو زکوٰۃ دے کر محفوظ کرو۔"

آج کے دور میں جبکہ دنیا میں خونی انقلابات برپا ہو رہے ہیں اور تباہ کن اقتصادی نظام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں مالداروں کے لیے اپنے اموال کو محفوظ کرنا کس قدر ضروری ہو گیا ہے۔

ضرورتمند اور حاجتمند کا مالدار کے مال میں مضبوط حق ہے یہاں تک کہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ زکوٰۃ مالدار کے ذمہ عائد نہیں ہے بلکہ اس کے عین مال پر عائد ہے اور اس مال میں کم ہو جانے اور ضائع ہو جانے کا اندیشہ موجود ہے الا یہ کہ اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے چنانچہ فرمان نبوت ہے کہ

"جس مال میں زکوٰۃ مل جاتی ہے زکوٰۃ اسے ضائع کر دیتی ہے۔"[2]

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ

"اگر تمہارے مال پر زکوٰۃ عائد ہو اور تم زکوٰۃ ادا نہ کرو تو یہ حرام (مال) حلال (مال) کو ضائع کر دے گا۔"[3]

---

[1] ابن خزیمہ، در صحیح خود، حاکم از جابر۔ اس حدیث پر کچھ کلام ہے جو آٹھویں باب میں آئے گا۔

[2] یعنی جس جائز مال پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہے اور اس کی یہ فرض زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی تو یہ زکوٰۃ اس سارے مال کے ضیاع کا سبب بن جاتی ہے۔ اگلی حدیث میں حرام کے لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ واجب الادا زکوٰۃ اس شخص کے لیے جس پر اس کی ادائیگی فرض ہے حرام ہو جاتی ہے۔ (س۔ صدیقی)

[3] اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ پوری اُمت (قوم) کا مال معرضِ ہلاکت میں پڑ جاتا، آفاتِ سماوی پیداوار گھٹا دیتی ہیں اور قومی آمدنی میں سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہ نتائج اس قوم پر اللہ کی ناراضگی کا اظہار ہیں جو باہمی کفالت و تعاون کو بروئے کار نہیں لاتی اور ان کا قوی ان کے کمزور کا بوجھ نہیں اُٹھاتا۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ

"جو قوم ادائے زکوٰۃ بند کر دیتی ہے اس کی آسمان سے بارش بند ہو جاتی ہے اور جانوروں تک کی ضرورت کے لیے پانی نہیں برستا"

غرض انفرادی مال ہو یا اجتماعی دولت اس کی تطہیر اس وقت تک نہیں ہوتی اور اس میں کمی کے اور ضائع ہو جانے کے اسباب اس وقت تک ختم نہیں ہوتے جب تک اس میں سے اللہ کا مقرر کردہ اجتماعی حق ـــــ زکوٰۃ ـــــ نہ ادا کر دیا جائے۔

زکوٰۃ سے مال حرام پاک نہیں ہوتا

زکوٰۃ صرف مالِ حلال و جائز کو پاک کرتی ہے اسی کو نشوونما دیتی ہے اور اسی میں برکت کا ذریعہ بنتی ہے، جبکہ مالِ خبیث (حرام و ناجائز) کو زکوٰۃ پاک نہیں کرتی یعنی جو مال لوٹ مار کے ذریعے، چھین جھپٹ کر، چوری اور رشوت سے، سود اور جوئے سے یا اثر و نفوذ کے کسی طرح کے استعمال سے یا مال باطل کی کسی بھی صورت کے ذریعہ حاصل ہوا اس میں سے زکوٰۃ ادا کر دینے سے وہ پاک نہیں ہو جاتا مالِ حرام کو زکوٰۃ سے پاک کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گندگی کو پیشاب سے دھو لے۔

ہمارے زمانے میں بعض چوروں اور لٹیروں کا جو کھلم کھلا اس نام سے پکارے جاتے ہیں جن کے معاشرے میں اچھے نام ہیں اور کام درحقیقت وہ ہی کرتے ہیں جو چور اور ڈاکو کرتے ہیں، یہ سمجھ لینا کہ وہ کچھ صدقہ خیرات کر کے اور اپنا حرام کا کمایا ہوا مال راہِ خدا میں دے کر خدا کے یہاں سرخرو ہو جائیں گے اور ان کے گناہوں کی تلافی ہو جائے گی[1]

---

[1] پاکستان میں بعض دینی درسگاہوں اور فلاحی اداروں کی ناکامی کا ایک بڑا اور اوّلین
(بقیہ اگلے صفحے پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ایک بالکل غلط تصور ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ فرمانِ نبوتؐ ہے کہ

"اللہ پاک ہے اور پاکیزے قبول فرماتا ہے"۔[1]

نیز فرمایا کہ

"جس نے مال حرام اکٹھا کیا پھر اس پر زکوٰۃ دی اسے اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا البتہ اس کا وبال اس پر ہوگا"۔[2]

اور فرمایا کہ

"اللہ خیانت سے حاصل کیے ہوئے مال کی زکوٰۃ قبول نہیں کرتا جس طرح بغیر وضو نماز قبول نہیں فرماتا"۔[3]

اور فرمایا کہ

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جو بندہ مال حرام کما کر اس پر زکوٰۃ دیتا ہے وہ قبول نہیں ہوتی، اور نہ اس مال سے راہِ خدا میں خرچ کرنے پر کوئی برکت ہوتی ہے اور جو مال وہ پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ جہنم کے

(بقیہ آگے) سبب یہی ہے کہ چندوں کے ذریعے حاصل ہونے والا جو سرمایہ خرچ ہوا اس میں یہ حقیقت پیشِ نظر نہیں رکھی گئی کہ اس میں مال حرام کس قدر شامل ہے اور غصب کے یہ پتھر" مدارس کی بنیادوں میں نصب کیے گئے جو ان کی ناکامی، خرابی اور ویرانی کی اصل اور حقیقی وجہ بن گئے۔ بلکہ اکلھم السحت کے عادی سرمایہ داروں کی رفاقت خود علمائے امت کی نیک نامی کو داغدار کر گئی۔ (س۔ صدیقی)

[1] مسلم، ترمذی (الترغیب والترہیب ج ۳، ص ۱۱) صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب،

[2] ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، (الترغیب والترہیب ج ۱، ص ۲۶۶)

[3] ابوداؤد بسند صحیح، صحیح مسلم۔ (فتح الباری، ج ۳، ص ۱۷۸۔)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واسطے اس کا زادِ راہ بنتا ہے کیونکہ بُرائی کو بُرائی سے نہیں مٹایا جاتا اور خبیث کو خبیث ختم نہیں کرتا البتہ بُرائی کو اچھائی سے مٹایا جاتا ہے۔[1]

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ مال حرام کے صدقہ کو اس لیے قبول نہیں فرماتا کہ مال حرام جس شخص کے پاس آیا ہے اس کی ملکیت ہی نہیں بنا ہے اور اس ملکیت کے بغیر اس کا کوئی بھی تصرف درست نہیں ہے۔ اس لیے مال حرام پر زکوٰۃ مقبول قرار دینے کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ مال حرام بھی ہے اور حلال بھی ہے (کہ زکوٰۃ صرف حلال مال پر عائد ہوتی ہے) اور یہ محال ہے۔[2]

بلکہ بعض فقہائے احناف نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کوئی شخص مال حرام میں سے کسی تنگدست کو کچھ دے اور اس پر ثواب کی اُمید رکھے تو وہ کافر ہے اور اگر محتاج کو بھی علم ہو کہ یہ مال حرام ہے اور وہ اس کو قبول کر کے اس پر دُعا دے تو وہ بھی کافر ہو جائے گا، اور اگر سُننے والا حقیقتِ حال کے علم کے باوجود اس کی دُعا سن کر آمین کہے تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ مثلاً حرام مال سے کوئی شخص مسجد بنائے اور اُمید ثواب رکھے (تو یہ کفر ہے) کہ جس فعل پر سزا ہونی ہے وہ اس پر ثواب کی توقع لگا رہا ہے۔ گویا اس نے حرام کو حلال سمجھ لیا ہے جو کہ کفر ہے۔

بہرحال حرام مال پر زکوٰۃ دینا حرام قطعی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔[3]

ہرگز کسی شخص کو یہ وہم نہیں ہونا چاہیے کہ غاصبِ مال غصب پر زکوٰۃ دے گا تو اس کے جُرم غصب کا کفارہ ہو جائے گا، راشی رشوت کے مال پر زکوٰۃ دے کر جُرم رشوت سے رُستگاری حاصل کر لے گا، سود خوار اپنی گندگی خدا کے راستے میں دے کر عذاب سے بچ جائے گا ـــــ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ حرام مال ہر حالت میں حرام ہے اور کسی حرام

---

[1] احمد، بروایت حسن عند بعض علماء الحدیث (الترغیب والترہیب، ج ۳، ص ۱۴)

[2] فتح الباری، ج ۳، ص ۱۸۰۔

[3] حاشیۃ ردالمحتار علی الدر المختار، ج ۲، ص ۲۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مال سے زکوٰۃ وصدقات ادا نہیں ہوتے کیونکہ ایسے مال پر سرے سے زکوٰۃ عائد ہی نہیں ہوتی۔ زکوٰۃ درحقیقت صرف اسی مال پر فرض ہوتی ہے جو حلال وجائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو اور جو صاحبِ مال کی ملکیت ہو اور اسلام کی نظر میں مال حرام حاصل کرنے والا اس کا مالک ہی نہیں ہوتا اس لیے اس مال پر زکوٰۃ بھی عائد نہیں ہوتی، اور نہ قبول ہوتی ہے۔

مالِ حرام خواہ کسی شخص کے پاس کتنا ہی طویل عرصہ رہے اس کی ملکیت اس پر قائم نہیں ہوتی اور اسلام غاصبوں، لٹیروں اور راشیوں کو یہ نہیں کہتا کہ زکوٰۃ دے کر اپنی اس کمائی کو پاک بنالو (جیسا کہ موجودہ نظامِ ضرائب کہتا ہے کہ اپنی کالی آمدنی پر ٹیکس ادا کر دو وہ قانونی آمدن بن جائے گی) بلکہ اسلام تو کہتا ہے کہ جو مال تم نے ناجائز ذریعے سے حاصل کیا ہے اُسے وہیں واپس کرو جہاں سے لیا ہے اور جن لوگوں سے لیا ہے۔

زکوٰۃ سے مال میں افزائش ہوتی ہے

زکوٰۃ سے مال بڑھتا ہے نشوونما پاتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے ــــ

ہوسکتا ہے بعض لوگوں کو یہ بات عجیب معلوم ہو کہ بظاہر زکوٰۃ سے مال میں کمی آنی چاہیے تو زیادتی اور افزائش کی کیا صورت ہوتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں جو کمی ہوتی ہے وہ ظاہری ہے ورنہ فی الواقع زکوٰۃ سے مجموعی مال میں بھی اور خود مالدار شخص کے مال میں بھی اضافہ ہوتا ہے کہ تھوڑی سی مقدار زکوٰۃ کی دے کر ایسے طریقوں سے جن کا احساس تک نہیں ہوتا مال میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

دورِ جدید میں تو ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک کو مالی امداد دیتے ہیں جو اس لیے نہیں کہ یہ حکم الٰہی ہے بلکہ اس لیے دیتے ہیں تاکہ غریب ملکوں میں ان کی مصنوعات کی خرید کی قوت پیدا ہوجائے (اور بالآخر انھوں نے جو مالی امداد دی ہے وہ مع منافع ان کو واپس پہنچ جائے۔)

نفسیاتی لحاظ سے بھی جو روپیہ انفاق کے لیے ہاتھ میں ہوگا، اس سے لوگ مانوس ہوں گے اور دعائے خیر کریں گے اور اس بنا پر یہ روپیہ ان کئی روپوں سے زیادہ عملی قوت کا حامل ہوگا جو کسی کی تجوری میں پڑے ہوں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن نشوونما افزائش کے اسی اقتصادی پہلو کی جانب اشارہ فرماتا ہے۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (سبا:۳۹)

جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے وہ سب رازق سے بہتر رازق ہے۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرہ : ۲۶۸)

شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تمھیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے، اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے۔

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ (الروم:۳۹)

اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ارادے سے دیتے ہو اسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (البقرہ : ۲۷۶)

اللہ سود کا منہ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے۔

اس نشوونما اور افزائش کے بے شمار اسباب ہو سکتے ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے بہرحال زکوٰۃ دہندہ کے مال میں برکت ہوتی ہے اور اللہ اپنا فضل فرماتا ہے کہ اللہ بہت فضل فرمانے والا ہے۔

مزید برآں یہ کہ ہر سال مالدار کے مال میں جو حصہ بطور زکوٰۃ لیا جاتا ہے یہ اس کے لیے اس امر میں کشش پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے سرمایہ کو یونہی پڑا نہ رہنے دے کہ زکوٰۃ اُسے کھا جائے بلکہ اسے بڑھانے اور افزائش دینے کی سعی کرے اور پھر یہ مال دوگنا اور چوگنا ہو کر اس کے پاس واپس آئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث دوم

زکوٰۃ وصول کنندہ پر زکوٰۃ کا اثر

اگر وصول کنندہ کے لحاظ سے زکوٰۃ کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو گی کہ زکوٰۃ انسانی شرافت کے پامال ہونے سے لوگوں کو محفوظ رکھتی ہے اور کشاکش حیات میں ان کی عملی اور نفسیاتی مدد کرتی ہے کہ زکوٰۃ لینے والے افراد یہ ہوتے ہیں اور زکوٰۃ ان کی معاون بنتی ہے۔

فقیر (تنگ دست) جس کو تنگدستی نے عاجز کر دیا ہو۔

مسکین جس کی مسکنت نے اُسے خاک میں ملا دیا ہو۔

غلام، جسے غلامی نے بے وقعت کر دیا ہو۔

مقروض جس کی قرض نے کمر ہمت توڑ دی ہو۔

مسافر جو اپنے گھر والوں سے اور اپنے مال سے بچھڑ کر مایوس ہو گیا ہو۔

زکوٰۃ وصول کنندہ کو زکوٰۃ حاجتوں سے نجات دلاتی ہے

اسلام چاہتا ہے کہ انسان خوش باش، عمدہ اور مطمئن زندگی گزاریں، اللہ سبحانہ کی نازل کردہ نعمتوں سے لطف اندوز ہوں، اس کا پیدا کیا ہوا رزق کھائیں اور ان کے قلوب سعادت سے، ان کے دل سکون سے ان کے جسم راحت سے اور ان کے شعور نعمت حیات سے بہرہ ور ہوں۔

اسلام کی نظر میں اس سعادتِ انسانی میں مادی ضروریات اور ان کی تکمیل اہمیت رکھتی ہے چنانچہ فرمان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ

"تین امور سعادت (خوش بختی) کے ہیں، تمہاری بیوی کہ جب اسے دیکھو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو دلکش معلوم ہو، اور جب اس سے دور ہو تو وہ تمہارے جان و مال کی محافظ ہو، تمہاری سواری جو تمہاری تابع ہو اور تمہیں ساتھیوں سے ملا دے، اور گھر جو وسیع ہو اور سہولتوں کا حامل ہو۔"

ایک اور حدیث میں ہے۔

"چار امور سعادت کے ہیں: نیک بیوی، بڑا گھر، اچھا پڑوسی، عمدہ سواری اور چار باتیں بدبختی کی ہیں، بُری بیوی، بُرا پڑوسی، بُری سواری اور تنگ مکان۔"

ان احادیث میں زندگی کے حقائق کو بڑی عمدگی اور خوبصورتی سے بیان کر دیا گیا ہے کہ ازدواجی زندگی، ذرائع آمد و رفت آرام دہ گھر اور اچھے پڑوسی انسان کی خوشی و مسرت اور اس کی سعادت پر کس قدر اثر انداز ہوتے ہیں، اور اس حقیقت پر خود انسان کی زندگی شاہد عدل ہے۔

بلاشبہ اسلام یہی چاہتا ہے کہ افراد معاشرہ خوش بختی اور سعادت کی زندگی گزاریں اور فقر و تنگدستی سے محفوظ رہیں اور بالخصوص اسلام اس فقر و محتاجی کو سخت ناپسندیدہ قرار دیتا ہے جس کا سبب غلط اقتصادی تقسیم، افراد معاشرہ کا ایک دوسرے پر ظلم اور ایک دوسرے کے حقوق پر دست درازی ہو۔

اسلامی نظام اقتصاد اور مادی معاشی نظاموں میں فرق یہ ہے کہ مادی نظاموں کا مطمح نظر صرف پیٹ کا بھرنا اور جنسی تسکین ہوتا ہے اور ان کا دائرہ ہدف مادی منفعتوں اور ارضی لذتوں اور دنیاوی آسائشوں تک محدود ہوتا ہے اور اس کے سوا کوئی اور ہدف TARGET ان کے پیش نظر نہیں ہوتا جبکہ انسانوں کو دنیاوی عیش و آرام بہم پہنچانے سے اسلام کے پیش نظر یہ مقصود ہے کہ وہ اپنی رُوح کے ساتھ اپنے رب کی جانب متوجہ رہیں اور کبد عیش اور فکر معاش انھیں اللہ سے اور فکر آخرت سے غافل کرنے والی نہ بن جائے، کیونکہ انسانوں کو اگر کفایت رزق حاصل ہو جائے اور اطمینان حیات نصیب ہو جائے تو وہ اپنے پروردگار کی بندگی کی جانب زیادہ عاجزی سے متوجہ ہوں گے کہ اس رب کریم نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھیں بھوک میں کھلایا اور خوف سے امن دیا۔

اسلام رفاہیت کو پسند کرتا اور فقر کو ناپسند کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ احسان فرمایا کہ

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى (الضحیٰ : ۸)

اور تمھیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔

اور بعد ہجرت مدینہ منورہ مسلمانوں پر احسان کرتے ہوئے فرمایا۔

فَآوٰىكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (الانفال : ۲۶)

پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کر دی، اپنی مدد سے تمھارے ہاتھ مضبوط کیے اور تمھیں اچھا رزق پہنچایا، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى

(مسلم، ترمذی، ابن ماجہ بروایت حضرت ابن مسعودؓ)

(اے اللہ میں تجھ سے ہدایت تقویٰ عفت اور تونگری کا سوال کرتا ہوں)

نیز آپ نے غنی شاکر کی فقیر صابر پر فضیلت بیان فرمائی۔

قرآن کریم نے خوش حالی اور اچھی زندگی کو اللہ سبحانہٗ کا مؤمنین پر انعام قرار دیا اور فقر اور تنگی حیات کو کافروں اور فاسقوں کی سزا اور دنیاوی کے طور پر بیان فرمایا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل : ۹۷)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مؤمن اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف : ۹۶)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق : ۲،۳)

جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کرے گا اور اسے ایسے راستہ سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔

(النحل : ۱۱۲)

اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفراغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا تب اللہ نے اس کے باشندوں کو ان کے کرتوتوں کا یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں ان پر چھا گئیں۔

حضرت آدمؑ اور ان کی اہلیہ کے زمین پر آتے ہی انھیں اس سنتِ الٰہی سے آگاہ کیا گیا۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى

(طٰہٰ : ۱۲۳، ۱۲۴)

تم دونوں (فریق یعنی انسان اور شیطان) یہاں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اب اگر میری طرف سے تمھیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بات کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا اور جو میرے ذکر (درس نصیحت) سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ تصوف کی جولانگاہ میں فقیری کے خوب ہونے اور تونگری کے ناخوب ہونے سے متعلق افکار غیر اسلامی ہیں جو ایران کے مانوی عقائد، ہندوستان کے ترکِ دنیا اور عیسائیت کے رہبانیت کے تصورات سے آئے اور اسلامی تصوف میں داخل ہو گئے[1]

اللہ سبحانہٗ نے مذکورہ بالا مقاصد کے لیے زکوٰۃ فرض فرمائی کہ امیروں سے لی جائے اور غریبوں کو دی جائے، تنگدست اس سے اپنی ضرورتیں پوری کرے، رہائش، کھانے پینے اور ازدواجی ضرورت کی تکمیل کا انتظام کرے کہ یہ اس کی جسمانی اور مادی ضرورتیں ہیں اسی طرح اس کی معنوی فکری ضرورت بھی پوری کی جائے مثلاً اگر اہلِ علم ہے تو اسے کتابیں فراہم کی جائیں۔

جب اس نہج پر معاشرے کے فقیر (نادار) فرد کی ضروریات پوری ہو جائیں گی تو وہ بھی زندگی میں عملاً شریک ہو جائے گا اور معاشرے میں اپنے آپ کو ایک متحرک فرد محسوس کرے گا اور اس کا یہ احساس ختم ہو جائے گا کہ وہ معاشرے کا کوئی ضائع، نکما اور بے کار حصہ ہے بلکہ اسے یہ احساس ہوگا کہ وہ پاکیزہ اور صاف ستھرے انسانی معاشرے میں زندگی گزار رہا ہے جو بڑی خوبصورتی کے ساتھ بغیر جتلائے اور بغیر احسان کیے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے ہے اور اسے سہارا دے رہا ہے اور اس کی عزتِ نفس برقرار ہے، اس کا سر بلند ہے، اس کی شرافت انسانی محفوظ ہے، اس لیے کہ جو کچھ اُسے دیا جا رہا ہے وہ اس کا حق ہے اور حکومت اور معاشرہ اسے اپنی طرف سے بھیک نہیں دے رہا ہے بلکہ اس کا حق اسے ادا کر رہا ہے۔

---

[1] مصنف کی کتاب: مشکلۃ الفقر وکیف عالجہا الاسلام، باب نظرۃ الاسلام الی الفقر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر مسلم معاشرہ ریاست کی صورت میں باقی نہ رہے اور اسلامی ریاست کے بجائے مسلمان افراد ادائے زکوٰۃ کے ذمے دار بن جائیں تو بھی قرآن نے ان کو متنبہ کیا ہے کہ وہ فقیر (تنگدست) کو ذلیل نہ کریں اس پر احسان نہ کریں اور اپنے آپ کو اس سے بلند تر نہ سمجھیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا (البقرہ : ۲۶۴)

اے ایمان لانے والو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔

غرض فقیر اور ضرورتمند کا یہ احساس کہ وہ اس معاشرے میں ضائع اور بے کار نہیں ہے بلکہ معاشرہ اس کا خیال رکھتا ہے اور اس کی جانب توجہ دیتا اور اس کے وجود کو اہمیت دیتا ہے۔ یہ احساس فقیر بے مایہ کی شخصیت کو سنبھالنے اور اس کے نفسیاتی وجود کو سہارا دینے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور اس احساس سے بالآخر تمام قوم مستفید ہوتی ہے۔

اللہ سبحانہ نے انسان کو انسانیت کا جو شرف عطا کیا ہے اور مقام عزت عطا کیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی انسان کو ایسی کس مپرسی میں نہ چھوڑا جائے جو اسے اس کی ذات اور اس کے خدا کو فراموش کرنے کا ذریعہ بن جائے اور اس کی زندگی کا مطمح نظر صرف بھوک کا مٹانا، برہنہ جسم کا ڈھانپنا اور رات گزارنے کا ٹھکانا تلاش کرنا بن جائے۔

سید قطب شہیدؒ اس مفہوم کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

"اسلام تنگدستی اور ضرورتمند ہونے کو ناپسند کرتا ہے کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگ مادی ضرورتوں سے بلند ہوں اور انسانیت اور انسانی عظمتوں کے حامل امور انجام دیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (الاسراء : ۷۰)

یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

اللہ سبحانہٗ نے انسان کو عقل جذبات اور روحانی میلانات عطا فرما کر اسے فضیلت عطا کی ہے اور ان امور کے ذریعے اسے اس کی جسمانی ضروریات سے بلند کر دیا ہے۔ اگر انسان کو ضروریات زندگانی ہی میسر نہ ہوں تو وہ اپنا وقت ان فکری جولان گاہوں اور روحانی میلانات میں صرف نہیں کر سکے گا بلکہ کشاکش حیات اسے مقام انسانیت سے گرا کر مرتبۂ حیوانیت پر لے آئے گی، بلکہ حیوانات تو اپنا رزق حاصل کر ہی لیتے ہیں اور اس کے بعد زندگی سے پوری طرح لطف اندوز بھی ہوتے ہیں کہ جانور اچھلتے کودتے اور پرندے چہچہاتے ہیں۔

اگر انسان کی ضروریات زندگانی اسے اس قابل بھی نہ چھوڑیں کہ وہ حیوانات کی سی یہ خوشی حاصل کرے تو پھر انسان کی کرامت و عظمت کیا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کا اپنے تمام اوقات معاش ہی میں کھپا دینا اور پھر بھی بقدر کفایت حاصل نہ کر سکنا ہی وہ مصیبت عظمیٰ ہے جو انسان کو اللہ کے عطا کردہ مدارج سے گرا دیتی ہے اور بتلاتی ہے کہ جس معاشرے کا وہ فرد ہے وہ ایک پست معاشرہ ہے، کیونکہ ایسا ہونا ارادۂ الٰہی کے خلاف ہے۔

انسان اس روئے زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اسے اللہ نے اس لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلیفہ بنایا ہے کہ وہ زندگی کو پروان چڑھائے اور نشوونما دے اسے ترقتازہ اور دلکش بنائے اور اس کی خوبصورتی اور رعنائی سے لطف اندوز ہو اور پھر اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ اور انسان اس مقام شکر پر اس صورت میں نہیں پہنچ سکتا جبکہ اس کی زندگی ایک لقمۂ خوراک کی تلاش میں ختم ہو جائے۔"

زکوٰۃ حسد اور بغض سے نجات دلاتی ہے

زکوٰۃ، وصول کنندہ کو بھی بغض و حسد کی بیماریوں سے نجات دلاتی ہے کیونکہ جو انسان بھوک کے شکنجے میں کسا ہوا ہو اور اس کے گرد و پیش لوگ زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں لیکن اس کی جانب دست تعاون نہ بڑھا رہے ہوں، اس کا نفس بغض و حسد کی بیماری سے نہیں بچ سکتا کہ بخل اور خود پرستی ہر وہی نعمت کے حق میں حسد پیدا کرتے ہیں۔

اسلام لوگوں کے مابین تعلقات کو اخوت کی اساس پر قائم کرتا ہے کہ انسانیت کا اشتراک بھی ہے اور عقیدے کا اشتراک بھی۔

كُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا

سب مسلمان اللہ کے بندے اور باہم بھائی بھائی ہو جاؤ۔

(صحیح مسلم از ابوہریرہؓ)

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے[1] (صحیح بخاری و مسلم)

یہ بھائی چارہ ایسی صورت میں وجود میں نہیں آسکتا کہ ایک بھائی کا پیٹ بھرا ہو اور دوسرے بھوکے ہوں جو اس کی جانب دیکھ رہے ہوں اور کوئی دست اعانت دراز نہ

---

[1] بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے، مسلمؒ نے عقبۃ بن عامر سے اور ابوداؤد نے عمرو بن الاحوص اور قبیلۃ ابنۃ مخرمہ سے روایت کیا ہے (کشف الخفاء، ج ۲ / ۲۱۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر رہا ہو۔ یہ صورت حال تو اخوت کے روابط کو کاٹ ڈالے گی اور فقیر بے مایہ کے دل میں غنی عیش کوش کے خلاف نفرت کی چنگاریاں اور حسد کی آگ بھر دے گی.... اور یہی وہ چیز ہے جس سے اسلام روکنا چاہتا ہے، کیونکہ بغض و حسد ایسی بیماریاں اور ایسی مہلک آفتیں ہیں جو معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں۔

حسد کی عادت دین کے لحاظ سے بھی نقصان دہ ہے کہ حاسد کا اللہ کی تقسیم رزق کے بارے میں عقیدہ درست نہیں رہتا اور لوگوں کے درمیان اس اجتماعی ظلم کا بوجھ اسے بھی اٹھانا پڑتا ہے قرآن کریم یہود کے بارے میں فرماتا ہے۔

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ

(النساء : ۵۴)

پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انھیں اپنے فضل سے نواز دیا۔

بغض و حسد اور کینہ انسان کے روحانی اور جسمانی وجود کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے اور سماج کے مادی اور معنوی وجود کو کھوکھلا کر دیتا ہے کیونکہ جس انسان کے قلب میں بغض و حسد اور کینہ جاگزیں ہو چکا ہو وہ انسان کامل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ایک ہی قلب میں اللہ پر ایمان اور اللہ کے بندوں پر حسد جمع نہیں ہو سکتے۔

حسد اور نفرت جس طرح نفسیاتی بیماریاں ہیں اسی طرح جسمانی بھی ہیں کہ اس حسد و نفرت کی وجہ سے بڑے مہلک امراض ــــ مثلاً معدے کے زخم اور خون کا دباؤ ــــ پیدا ہو جاتے ہیں۔ نیز حسد اور نفرت معاشرے کی پیداوار اور اس کی اقتصادیات کے لیے بھی نقصان دہ ہوتے ہیں کیونکہ حسد اور نفرت کرنے والے کی کارکردگی گھٹ جاتی ہے کہ اس کی قوت جسمانی کا ایک حصہ بغض و حسد اور کینہ میں ضائع ہو جاتا ہے، اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیماریوں کو داء الامم (قوموں کی بیماری) قرار دیا ہے اور امت مسلمہ کو اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ کہیں یہ زہریلے سانپ بچھو اس امت کو نہ ڈس لیں۔ فرمایا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"بغض وحسد جو پچھلی اقوام کی بیماریاں کہیں رینگ کر تمہارے اندر نہ داخل ہو جائیں، اور بغض تو دین ہی کو مٹا دیتا ہے۔"[1]

اسلام نے ان خطرناک اجتماعی اور نفسیاتی بیماریوں کے خلاف محض فکری جہاد نہیں کیا ہے اور صرف وعظ و تلقین ہی سے کام نہیں لیا ہے بلکہ ان بیماریوں کے اسباب کو ختم کرنے کی تدابیر کی ہیں اور ایسی تدابیر اختیار کی ہیں جن سے یہ بیماریاں معاشرے کی جڑوں سے اکھاڑ کر پھینکی جا سکیں کیونکہ محروم بھوکے ننگے شخص کو محض حسد اور کینہ کی برائی بیان کر دینا کافی نہیں ہے۔ درانحالیکہ اس کے گرد و پیش میں مترفین اور متنعمین اسے دوسرے ہی درس دے رہے ہوں اور اسے بتلا رہے ہوں کہ وہ کس طرح حسد کرے؟ کس طرح بغض اختیار کرے؟ کس طرح کینہ اختیار کرے؟ اور کس طرح دل کی بھٹی میں نفرت عداوت حسد اور کینہ کی آگ بھڑکائے؟

اسلام نے انہی بیماریوں کے خاتمہ کے لیے زکوٰۃ فرض کی ہے تاکہ بے روزگار کو کام میسر آجائے، فرد یا کو اسباب عیش فراہم ہو جائیں، مقروض کا قرض اتر جائے اور مسافر اپنے وطن پہنچ جائے، ہر تنگدست و محتاج کو یہ احساس ہو کہ معاشرے کے افراد اس کے بھائی اور اس کے معاون ہیں اور ضرورت و حاجت کے وقت ان کے مال میں اس کا بھی حصہ ہے اور اگر وہ کمزوری میں ہو تو اس کے (مسلمان) بھائی کی قوت اس کی قوت ہے اور اگر وہ تنگدستی میں گھر جائے تو اس کے (مسلمان) بھائی کا مال اس کی مدد کا ذریعہ ہے۔

اس حُبّ و ایثار اور تعاون و ہمدردی کی فضاء میں اسلام اپنا سایہ افراد معاشرہ پر دراز کرتا ہے۔ کہ فرمان نبوت ہے۔

"اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔"[2]

●

---

[1] بزار، بیہقی (الترغیب والترہیب ج ۳، ص ۱۱)

[2] احمد، بخاری و مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، از حضرت انس رضی (الجامع الصغیر)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصل دوم

اجتماعی زندگی پر زکوٰۃ کے اثرات

مقاصد زکوٰۃ کا اجتماعی پہلو بالکل ظاہر اور نمایاں ہے اور اگر ہم مصارف زکوٰۃ پر نظر ڈال لیں تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ (التوبہ : ۶۰)

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور مسافر نوازی اور راہِ خدا میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مصارف ایسے ہیں جو دینی اور سیاسی پہلو لیے ہوئے ہیں جیسے مؤلفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ۔

ان دونوں مصارف کا تقاضا یہ ہے کہ دین کا ایک اجتماعی نظام اور ریاست ہو جو عاملین علیہا کے توسط سے جملہ زکوٰۃ دہندگان سے زکوٰۃ وصول کرے اور اس حاصل شدہ زکوٰۃ کو دعوتِ اسلام کے فروغ اس کے کلمہ کو بلند کرنے اور اس کی مدافعت کرنے پر صرف کرے یعنی غیر مسلموں کی تالیف قلب کر کے ان کو دعوتِ اسلام دی جائے۔

ہم ان دونوں مصارف کے بارے میں پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں وہاں اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو دیکھا جائے یہاں ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان معاشرے اور اُمتِ مسلمہ کا زکوٰۃ سے رحمانی اور اخلاقی تعلق کیا ہے۔

زکوٰۃ اور اجتماعی ضمانت

ان مقاصد میں بعض ایسے ہیں جن میں اجتماعی رنگ موجود ہے جیسے ذوی الحاجات کی مدد کرنا اور فقراء مساکین، مقروض، مسافروں اور دیگر حاجتمندوں کو مدد بہم پہنچانا، تعاون کی یہ صورت انفرادی بھی ہے کہ ان ضرورتمند افراد کی جداجدا امداد ہوتی ہے اور یہ پورے معاشرے سے بھی تعاون ہے کہ پورے معاشرے کے ایک مشترک وجود کی حیثیت میں اعانت ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ فرد اور معاشرے کی حدود ایک دوسرے میں داخل ہیں اور معاشرہ فی الواقع افراد کے اجتماع ہی کا نام ہے اس لحاظ سے فرد کی تقویت اور اس کی مادی اور معنوی صلاحیتوں میں اضافہ معاشرے کی تقویت اور اس کو فروغ دینا ہے، اور معاشرے پر اثر انداز ہونے والا ہر امر فرد پر بھی اثر انداز ہوتا ہے خواہ افراد کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔

بلاشبہ بے کار آدمی کو کام دلوانا، عاجز کی مدد کرنا، محتاج کی اعانت کرنا اور فقیر و مسکین اور مقروض کی ضرورتیں پوری کرنا اجتماعی مقاصد ہیں اور ان کی تکمیل سے معاشرے میں اجتماعی کفالت کا نظام بحال ہوتا ہے اور اجتماعیت کو فروغ ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان وصول کنندگان کی ضرورتوں کے پورا ہو جانے کے لحاظ سے انفرادی مقاصد بھی بروئے کار آجاتے ہیں۔

زکوٰۃ اسلام کے اجتماعی نظام کفالت کا ایک حصہ ہے، اس کفالت سے عرب بہت ہی محدود سے دائرے میں متعارف تھے یعنی وہ معیشت کے دائرے میں عاجز اور تنگدست لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے لیکن اسلام کی اجتماعی کفالت کا تصور اس سے کہیں زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے اور زندگی کے جملہ مادی اور معنوی پہلوؤں کو محیط ہے کہ اس اجتماعی کفالت میں اخلاقی کفالت، علمی کفالت، سیاسی کفالت، دفاعی کفالت، قضائی کفالت، فنی کفالت، اقتصادی کفالت، عبادتی کفالت، تہذیبی کفالت اور معاشی کفالت غرض کفالت کے تمام پہلو اسلام کے نظام کفالت میں داخل ہیں، جبکہ دور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جدید میں صرف معاشی کفالت کو اجتماعی کفالت کہا گیا ہے جو کہ غلط ہے[1]

غرض اسلام کا نظام کفالت صرف زکوٰۃ میں محدود نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ اس اجتماعی کفالت کا ایک بڑا اور اہم شعبہ ہے جبکہ اجتماعی کفالت کا نظام حیات انسانی کے جملہ پہلوؤں پر مشتمل ہے۔

زکوٰۃ کو ہم جدید مصطلحات کے لحاظ سے اجتماعی تامین اور اجتماعی ضمانت کہہ سکتے ہیں، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تامین (انشورنس) میں تو ہر شخص اپنی آمدنی کا ایک حصہ جمع کراتا ہے اور اس کے بدلے اس کے دائمی طور پر یا وقتی طور پر عاجز ہونے کی صورت میں اس کی کفالت ہوتی ہے جبکہ ضمانت میں معاشرہ کے اپنی آمدنی سے کوئی حصہ دیئے بغیر ہی ریاست عام بجٹ سے افراد کی کفالت کی ضمانت دیتی ہے۔

جو لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں ممکن ہے کہ وہ آئندہ سالوں میں زکوٰۃ نہ دے سکیں اور کچھ مصائب کے آجانے سے ان کی ملکیت ضائع ہو جائے جس سے وہ مقروض ہو جائیں یا اپنے مال اور وطن سے منقطع ہو جائیں یا ان کا مال ان کی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے ناکافی ہو جائے اور اس طرح وہ خود زکوٰۃ کے مستحق بن جائیں، ان لوگوں کے لحاظ سے زکوٰۃ اجتماعی تامین ہے۔

اور وہ لوگ جن پر کبھی زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی اور انھوں نے کبھی زکوٰۃ نہیں دی لیکن وہ اپنے فقر و حاجت کی بنا پر زکوٰۃ کے مستحق ہیں، اس لحاظ سے یہ اجتماعی ضمان ہے[2]

واقعہ یہ ہے کہ زکوٰۃ تامین کی بہ نسبت اجتماعی ضمانت سے زیادہ قریب

---

[1] ملاحظہ کیجیے: الدکتور مصطفیٰ السباعی، اشتراکیۃ الاسلام، ط۔ دمشق۔

[2] سید قطب: فی ظلال القرآن، ج ۱۰، ص ۸۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے سے ضرورتمند فرد کو وہی کچھ نہیں ملتا جو اس نے پہلے دیا ہو بلکہ جس قدر اسے ضرورت ہوتی ہے اتنا ملتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔

اس لحاظ سے اسلام کا نظام زکوٰۃ، اجتماعی ضمانت کے سلسلے کا اوّلین قانون ہے جو محض نفلی صدقات (تبرعات) پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ ہر ضرورتمند کی ضرورت پوری کرنے کا حکومت کی سطح پر ایک نظام قائم کرتا ہے جس کے تحت معاشرے کے ہر فرد کو لباس، غذا، رہائش اور ضروریات فراہم کی جاسکیں اور کوئی فرد اور اس کا خاندان ضروریاتِ زندگانی سے محروم نہ رہے۔

زکوٰۃ انفرادی عجز، اجتماعی اختلال اور حالات و حوادث کے تحت پیدا ہونے والی تمام ضرورتوں کی تکمیل کرتی ہے۔ چنانچہ امام زہریؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنے مکتوب میں بمقتضائے سُنّت زکوٰۃ کے مصارف کو اس طرح بیان فرمایا۔

"زکوٰۃ میں اپاہج اور لاچار لوگوں کا بھی حق ہے۔ ہر اس مسکین کا بھی حق ہے جو ایسی بیماری میں مبتلا ہو جو اسے کسبِ معاش سے عاجز کر دے اور وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے، اس مسکین کا حق ہے جو بقدر کفایت اپنی خوراک کا سوال کرے، ان کا بھی حصّہ ہے جو اہلِ اسلام میں سے سجن میں ہوں اور ان مساکین کا حصّہ ہے جو مساجد میں حاضر ہوں اور ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو اور جو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز نہ کرتے ہوں، ان لوگوں کا بھی حصّہ ہے جو تنگدستی کا شکار ہوں اور ان پر قرض ہو اور انھوں نے کسی کارِ معصیت کے لیے قرض نہ لیا، اور اس مسافر کا حصّہ ہے جس کا کوئی ٹھکانا نہ ہو، ایسے مسافر کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کہ اسے کھانا کھلایا جائے اور اس کی سواری کو چارہ دیا جائے تاآنکہ وہ اپنے گھر پہنچ جائے اور اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔"[1]

---

[1] الاموال، ص ۵۷۸، ۵۸۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض زکوٰۃ ایک مکمل اجتماعی ضمانت کا نظام ہے اور اس کے ذریعہ اہل ضرورت کی تمام جسمانی، نفسیاتی اور عقلی ضرورتیں پوری ہوجاتی ہیں، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ازدواج اور کتب علم کی فراہمی بھی ایسی ضروریات میں جن کی تکمیل زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

مزید برآں اسلام کا نظام زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہود اور نصاریٰ تمام لوگوں کو شامل ہے جو اسلامی ریاست میں رہتے ہوں، جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک یہودی دست سوال دراز کر رہا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کی بیت المال سے کفالت کا حکم دیا اور اس کو ایک قابل تقلید مثال بنا دیا[1] اسی طرح جب حضرت عمرؓ نے اپنے دمشق کے سفر میں نصرانیوں کی ایک جماعت کو دیکھا تو آپ نے ان کے لیے بیت المال سے وظائف مقرر کرنے کا حکم دیا۔[2]

اس طرح کی اجتماعی ضمانت تک فکر مغرب کی رسائی بھی ابھی قریب کے عہد میں ہوئی ہے اور اس جانب مغرب کو خدا ترسی اور کمزوروں کی ہمدردی نے متوجہ نہیں کیا ہے بلکہ خونی انقلابات اور اشتراکیت اور اشتمالیت کی طوفانی موجوں نے کیا ہے۔ نیز مغرب اس جانب دوسری عالمی جنگ کی وجہ سے مائل ہوا ہے کہ اس جنگ نے یوروپ کو مجبور کر دیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے عوام کو راضی رکھے کہ وہ اختتام جنگ تک جان و مال کی قربانی دیتے رہیں۔

اس اجتماعی کفالت کا اولین مظاہرہ انگلستان اور امریکہ کے درمیان ہونے والے میثاق اطلنطی ۱۹۴۱ء میں ہوا جس میں افراد کی اجتماعی کفالت کی ضمانت دی گئی۔[3] مگر اس کے باوجود یوروپ کی رسائی تاہنوز اس قدر جامع نظام ضمانت کی جانب نہیں ہوسکی ہے جس کا تصور اسلام نے دیا ہے کہ ہر شہری اس ضمانت میں شامل ہے،

---

[1] ایضاً، ص ۴۶۔

[2] تاریخ البلاذری، ص ۱۷۷۔

[3] ڈاکٹر صادق مہدی، الضمان الاجتماعی، ص ۱۲۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہر شہری کی اور اس کے اہل خانہ کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ریاست کی ذمے داری ہے اور بقول امام شافعیؒ فقراء (تنگدستوں) کی پوری زندگی کی کفایت کے بقدر فراہم کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ہمیشہ کے لیے زکوٰۃ، امداد اور اعانت سے مستغنی ہو جائیں۔

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اسلام نے موجودہ ترقی یافتہ ممالک سے صدیوں پہلے اجتماعی ضمانت کا نظام قائم کیا، جسے دین نے فرض قرار دیا، ریاست نے اس کا انتظام سنبھالا اور مالداروں کے چنگل سے غریبوں کے حقوق کی بازیابی کے لیے جہاد کیا گیا ——— اس کے باوجود اہل قلم یورپ کے نظام کفالت کے محاسن گناتے نہیں تھکتے۔ اور اسلام کی زریں تاریخ کا انھیں ایک صفحہ بھی یاد نہیں آتا!

چنانچہ عرب یونین (جامعۃ الدول العربیہ) نے ۱۹۵۲ء میں دمشق میں اجتماعی مطالعہ کے اجلاسات میں ایک اجلاس اجتماعی کفالت کے موضوع پر منعقد کیا تو اس میں اس اجلاس کے صدر (مسٹر دانیل ایس جیرج) نے اجتماعی کفالت کے ارتقاء پر اپنے مقالے میں کہا کہ ——— ادوارِ ماضیہ میں ضرورتمندوں کے سامنے ماسوا دست سوال دراز کرنے کے اور کوئی راستہ نہیں تھا اور وہ بھیک مانگ کر اپنی زندگی بچانے پر قادر ہوتے تھے تا آنکہ سترھویں صدی عیسوی میں ضرورتمندوں کی کفالت کے لیے حکومت کی سطح پر تدابیر کا آغاز ہوا اور مقامی تنظیموں کے ذریعے محتاجوں کی اعانت کا سلسلہ شروع ہوا ....؟ [1]

یہ بیان اسلام سے اور اسلام کی تاریخ سے ناواقفیت کا ایک شاہکار ہے کہ اس میں اسلام کے نظام زکوٰۃ کو بالکل نظر انداز کر دیا [2] حالانکہ اسلام کا نظام زکوٰۃ کلیۃً حکومتی

---

[1] حلقۃ الدراسات الاجتماعیہ، الدورۃ الثالثۃ، ص ۲۱۷۔

[2] یوروپ نے ہر علم وفن کی تاریخ میں یہی رویہ اختیار کیا ہے کہ یوروپ کی تاریخ کو پوری دنیا کی تاریخ کے طور پر پیش کیا ہے اور اسلام کے دور کو بالخصوص نظر انداز کر دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم اہل علم ہر فن کی تاریخ اسلام کے نقطۂ نظر سے مرتب کریں اور اس تصور کو فکری میدان میں باطل قرار دیں۔ (س۔ صدیقی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سطح پر وجود میں آتا ہے اور یہ کہ یہ کوئی انفرادی احسان اور تبرعات کا سلسلہ نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ اہلِ ضرورت کا ایک متعین حق ہے جو دولتمندوں کے مال پر بطور ٹیکس عائد ہوتا ہے، اور اسلامی حکومت اس ٹیکس کو وصول کرتی اور تقسیم کرتی ہے۔ لیکن زکوٰۃ ٹیکس سے اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ زکوٰۃ ہر حال میں قائم رہتی ہے اور لازم رہتی ہے یعنی اگر کوئی مسلم حکومت زکوٰۃ کی وصولیابی کی ذمے داری نہ سنبھالے تو بھی ہر مسلمان کے ذمے زکوٰۃ بدستور لازم رہتی ہے اور اس کی ادائیگی کے بغیر اس کا ایمان درست نہیں ہے یعنی اسے اپنے رب کی رضا کے حصول، اپنے نفس کے تزکیہ اور اپنے مال کی تطہیر کے لیے زکوٰۃ دینا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ زکوٰۃ اپنی طیبِ خاطر سے دے اور کسی پر احسان نہ کرے اور جو ضرورتمند اس صورت میں زکوٰۃ لے گا وہ بھی اس علم کے ساتھ لے گا کہ جو مال اللہ نے اپنے بندوں کو دیا ہے اس میں اس کا بھی حق ہے اور یہ کہ پوری اجتماعی زندگی پر لازم ہے کہ وہ ضرورتمندوں کا یہ حق معلوم انھیں دلواتے۔

زکوٰۃ بطور اقتصادی مہمیز جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زکوٰۃ کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ بطور ایک اقتصادی مہمیز کے اثر انداز ہوتی ہے اور جو مال ـــــ صاحبِ ثروت سے ـــــ زکوٰۃ کی حیثیت میں لیا جاتا ہے وہ اس کو اس امر پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ مزید جدوجہد کرے اور اکتسابِ رزق کی سعی کرے۔

نقود (زرِ نقد) کی زکوٰۃ میں یہ حقیقت زیادہ وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ اسلام نے کنز کو حرام قرار دیا ہے اور اس امر کو ناجائز قرار دیا ہے کہ زرِ نقد روک لیا جائے اور اس کو گردش میں نہ آنے دیا جائے، چنانچہ اس کنز بنا لینے پر اللہ سبحانہٗ نے قرآن کریم میں وعید بھی فرمائی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ: ۳۴)

دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کریم نے کنز بنانے پر اس شدید وعید ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ عملی جنگ کا اعلان کیا ہے اور ایسی تدابیر اختیار کی ہیں جن سے تجوریوں اور الماریوں سے سونا چاندی باہر آسکے۔ اسی لیے زرِ نقد پر ڈھائی فی صد (۲.۵) زکوٰۃ فرض قرار دی ہے، خواہ مالک نے ان نقود کو آمدنی کے حصول میں لگایا ہُوا ہو یا نہ لگایا ہُوا ہو۔ گویا زکوٰۃ زرِ نقد کو تجوریوں سے باہر نکال کر لاتی ہے تاکہ وہ اکتساب نشوونما اور افزائش میں کام آتے اور یہ نہ ہو کہ سالہا سال گزرتے جائیں اور وہ سرمایہ یوں ہی پڑا رہے۔ چنانچہ احادیث اور آثار میں ہے کہ

"یتیموں کے مال سے تجارت کرو تاکہ وہ زکوٰۃ ہی میں ختم نہ ہو جائے"

ہم نے زکوٰۃ نقود (زرِ نقد) میں اس موضوع کو بالتفصیل بیان کر دیا ہے اور اس المال پر فرضیت زکوٰۃ کی حکمت بھی بیان کر دی ہے۔

زکوٰۃ اور اُمّت مسلمہ کی روحانی خصوصیات

جن اہم مقاصد اور جن بلند ترین اہداف کے لیے اُمت مسلمہ وجود میں آتی ہے زکوٰۃ ان کی تکمیل میں بھی معاون ہوتی ہے کہ اُمت مسلمہ کی تشکیل اور نشوونما انہی خصوصیات پر ہوتا ہے۔

استاذ الہی الخولی فرماتے ہیں کہ

اُمت مسلمہ کے وجود کی کچھ معنوی اور روحانی خصوصیات ہیں، کیونکہ کوئی بھی قوم جستی خصوصیات کے طفیل وجود میں نہیں آتی بلکہ لامحالہ اس کی کچھ نہ کچھ روحانی اور معنوی خصوصیات ہوتی ہیں، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے ان خصوصیات کی جانب بڑی توجہ کی ہے اور معاشرہ پر لازم کیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے انفاق کرے اور افراد معاشرہ پر صرف کرے کہ یہ امر قوم کی اجتماعی زندگی کیلیے اسی طرح لازمی ہے جس طرح اس کی حیات جستی کے لیے کھانا پینا لازم ہے۔

اسلام نے ان روحانی خصوصیات کے تین اصول بیان کیے ہیں جن کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانب آیت مصارف زکوٰۃ سے اشارہ ملتا ہے۔

پہلا اصول :۔ تمام افراد معاشرہ کو آزادی حاصل ہو، چنانچہ اس آیت میں اُمت مسلمہ پر یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ غلاموں کی گردنیں چھڑائے اور انھیں غلامی کے شکنجے سے آزاد کرائے۔ تاریخ انسانیت میں یہ غلاموں کی آزادی کے بارے میں پہلا قانون ہے جو اسلام نے جاری کیا ہے اور جس کو تمام مسلمانوں پر اس طرح فرض قرار دیا ہے کہ ہر مسلمان اپنے مال میں سے 'غلام کی آزادی' کے فنڈ میں کچھ حصّہ ادا کرے۔

دوسرا اصول :۔ افراد اُمت میں باہمی مروّت کی صفات موجود ہوں اور ان صفات کی بنا پر وہ ایثار اور قربانی سے کام لیں اور معاشرے کی اخلاقی اور حسّی بہبود کے لیے کام کریں اور افراد معاشرہ پر آنے والی تکالیف کو دور کریں۔

انسان بھلائی کو طبعاً پسند کرتا ہے اور اس میں حُبّ خیر کی بے اندازہ صلاحیتیں موجود ہیں اور اجتماعی کاوشوں کی تمنّیں موجود ہیں، جن کو ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے یونہی پیدا نہیں کیا ہے بلکہ جس طرح اللہ سبحانہٗ انسان کو عقلی صلاحیتیں اس لیے عطا فرماتی ہیں کہ وہ ان کی مدد سے اپنی ذات کا اثبات کرے، اور زندگی میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں اپنے قوائے عقلی کو کام میں لائے، اسی طرح اللہ سبحانہٗ نے انسانوں میں فطری مروت پیدا کی ہے جس کا محض یہ مقصد نہیں ہے۔ کہ یہ ایک فرد کی ذات کے حُسن کا ذریعہ بن جائے بلکہ اس کا مقصود یہ ہے کہ ایسے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوں اور ایسے لوگ تیار ہوں جو ان اقدار کے حامل ہوں اور ان بلند اور پاکیزہ نفوس کی سماحت اُمت کو بنیادی ثروت حاصل ہو، کیونکہ خیر کے ساتھ ساتھ وہ شخص بھی خیر ہے جو حسن نیت کے ساتھ کارِ خیر انجام دے۔

جس اُمت میں یہ خوبی موجود ہوگی اس میں قوت کے اور بلندی کے تمام اسباب موجود ہوں گے اور خیر کے عوائم اور فلاح و بہبود کے امور سے اسے عزت حاصل ہوگی اور زندگی کی توانائی بہم پہنچے گی بلکہ یہ نیکی اس کی ذات کے لیے افراد معاشرہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے اور اس کی زندگی کے دوام و بقا کے لیے کافی ہوگی اور اس سے فطرت کے عمدہ خزانے، انسانی جبلّت کی بہترین خوبیاں اور انسانی شرف و کرامت کے بہترین نمونے سامنے آئیں گے۔ اور یہی وہ اعلیٰ تر زندگی ہے جو خدا کے نزدیک انسانیت کے لیے مطلوب ہے۔

غرض معاشرہ کا یہ فرض ہے کہ خیر کی ان صلاحیتوں کو افراد کے نفوس میں ابھارے اور نشوونما دے اور خیر کے چشموں کو سوکھنے کے لیے نہ چھوڑ دے کیونکہ اگر معاشرہ کسی ابتلاء اور آزمائش کے وقت معاشرے کے افراد سے ان کی تمام دولت لے لے اور انھیں تہی دامن چھوڑ دے، تو ان کے نفوس میں بخل اور بغض پیدا ہوگا لیکن اگر ہم اس خیر کو ان کی صوابدید پر چھوڑ دیں کہ وہ از خود اپنی مروّت کا اظہار کریں اور اپنے عمل کا ثمرہ پیش کریں۔ پھر اگر وہ خود کسی وقت ضرورتمند ہو جائے تو اس کا بھی اجتماعی مال میں حصّہ ہو، اور اس طرح تمام افراد اُمت آمادۂ خیر رہیں، ان کی ہمت افزائی ہوتی رہے، فقر ان کو کچل نہ ڈالے، جیسا کہ آیت میں الغارمین کے لفظ سے اشارہ ملتا ہے۔

تیسرا اصول:۔ انسان کے فطری مبادی کے تزکیہ کے لیے نازل ہونے والے عقائد اور تعلیمات کی رعایت اور بالخصوص اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنا اور فرد کی راہنمائی کرنا کہ زندگی کا انجام اور مقصود کیا ہے اور آخرت میں کیا انجام ہونا ہے جس کی جانب لازماً ہر انسان گامزن ہے اور ازل سے انسان اسی انجام کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس مفہوم کو قرآن نے فی سبیل اللہ سے واضح کیا ہے۔

فی سبیل اللہ کے مفہوم میں دفاعی تیاری اور جہاد بھی داخل ہے اس لیے کہ جہاد درحقیقت عقیدہ کا دفاع اور اس کے قائم رکھنے کی جدوجہد ہے۔ محض ایک تہذیبی توسع اور ایک وطنی جنگ نہیں ہے یعنی فی سبیل اللہ کا مفہوم عقیدے کی حفاظت، اس کا تمکن اور اس کے دائرہ اختیار کو بڑھانا ہے۔[1]

---

[1] استاذ البہی الخولی، الاشتراکیۃ فی المجتمع الاسلامی، ص ۱۴۱، ۱۴۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان تینوں اصولوں کو بروئے کار لانے سے زکوٰۃ کا یہ مقصود پورا ہوگا کہ اقدار عالیہ قائم ہوں، حقیقی معنوی خصوصیات بروئے کار آئیں اور مسلمانوں میں وہ خصائص پیدا ہوں جن پر ان کا وجود قائم ہے۔

اسی سے اسلامی طرز زندگی وجود میں آتی ہے اور اسلامی نظام استوار ہوتا ہے اگرچہ زکوٰۃ کا تعلق مالیات سے ہے لیکن اسلام میں یہ عقیدہ سے غیر متعلق، اقدار و اخلاق سے بے گانہ سیاست و جہاد سے جُدا اور فرد اور معاشرے کے مسائل بیان کر رہے ہیں جو آج کل ہمارے معاشرے کا روگ بنے ہوئے ہیں اور مصلحین ان کے علاج کے متلاشی ہیں۔ ان مباحث میں ہم بتائیں گے کہ زکوٰۃ ان مسائل کو کس طرح حل کرتی ہے اور زکوٰۃ سے ان کی شدت میں کس قدر کمی آتی ہے۔

مسئلہ فقر (غربت) کو اور اس کے اسلامی حل کو ہم نے ایک مستقل کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کو ملاحظہ کیا جائے[1]

●

---

[1] اس کتاب کا نام ہے: مشکلۃ الفقر وکیف عالجھا الاسلام۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث اوّل

معاشی ناہمواری اور اس کا اسلامی حل

زکوٰۃ کا مقصود صرف یہ نہیں ہے کہ وقتی اور سال بسال ضرورتمندوں کو امداد بہم پہنچا کر غربت کے مسئلے سے نمٹا جائے بلکہ اصل ہدف زکوٰۃ یہ ہے کہ اصول ملکیت میں توسیع ہو، ملکیت کے حامل افراد کی تعداد زیادہ ہو اور تنگدست محتاجوں کی ایک بڑی تعداد ایسے غنی مالکین میں تبدیل ہوتی چلی جائے جو اپنی پوری زندگی کی ضرورتوں کے بقدر ملکیت کے حامل ہوں۔

زکوٰۃ کا حقیقی مقصود فقیر (تنگدست) کو اتنا دینا ہے جس قدر دینے کی زکوٰۃ کی آمدن میں گنجائش ہو تاکہ وہ ضرورت کے شکنجے سے نکل کر دائمی کفایت کے دائرے میں داخل ہو جائے یعنی اس کو اس قدر مل جائے کہ وہ غنی بھی ہو جائے اور اس کی ضرورت بھی پوری ہو جائے جیسے تاجر کو مال تجارت اور اس کے لوازمات فراہم کر دیئے جائیں، کاشتکار کو زمین اور اس کی ضرورت دے دی جائیں اور دستکار اس کی دستکاری کا سامان دے دیا جائے ——— جیسا کہ ہم مصارف زکوٰۃ میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں[1] ——— اس کے نتیجے میں زکوٰۃ کا ایک بہت ہی اہم مقصود حاصل ہوگا کہ اجرتوں میں کام کرنے والے افراد کم ہوں گے اور مالکین کی تعداد بڑھے گی۔

اسلام چاہتا ہے کہ اقتصادیات اور اجتماعیات کے میدان میں اسے یہ مقصود حاصل ہو کہ اللہ سبحانہٗ نے زمین میں جو منافع اور خیرات رکھے ہیں ان میں تمام افراد کے شریک ہونے کے مواقع موجود ہوں اور یہ منافع محض چند دولتمندوں کے درمیان متداول ہو کر نہ رہ جائیں۔

---

[1] دیکھئے چوتھے باب کی پہلی فصل، فقیر اور مسکین کو زکوٰۃ میں سے کتنا حصہ دیا جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اللہ سبحانہٗ کا فرمان ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ : ۲۹)

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔

آیۂ مبارکہ میں زمین کی جملہ (جَمِیْعًا) اشیاء کو انسانوں کی ملک کہا گیا ہے تاکہ کوئی ایک طبقہ یا گروہ ان اشیاء کو اپنے قبضے میں نہ لے لے، اور دوسرے لوگ اس سے محروم نہ ہو جائیں۔

اسلام نے اسی وجہ سے تقسیم ملک کے عادلانہ طریقے اختیار کیے ہیں اور اس امر کی سعی کی ہے کہ معاشرے میں افراد کی ملکیتیں باہم قریب قریب ہوں اور اس اعتدال اور توازن کو برقرار رکھنے میں زکوٰۃ اور فئے بہت اہم عمل سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ فئے کی تقسیم کے بارے میں اللہ سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ

(الحشر : ۷)

جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

اگرچہ اسلام نے لوگوں کے مابین معیشت اور رزق کے فرق کا اعتراف کیا ہے کیونکہ یہ تفاوت فی الواقع ایک فطری تفاوت ہے جو نتیجہ ہے اس فرق اور تفاوت کا جو انسانوں کی صلاحیتوں، قدرتوں، قوتوں اور ان کے مواہب طبعی میں موجود ہے۔

اس تفاوت اور فرق کو تسلیم کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نے اس امر کی بھی کھلی چھٹی دے دی ہے کہ مالدار اور زیادہ دولتمند ہوتا چلا جائے اور غریب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور زیادہ غریب ہوتا چلا جائے اور ان دونوں کے درمیان یہ خلیج اس قدر بڑھ جائے کہ یہ دونوں معاشرے کے دو علیحدہ علیحدہ طبقے بن کر رہ جائیں اور ان میں سے ایک طبقہ ہمیشہ سنگِ مرمر کی کوٹھیوں میں داد عیش دیتا رہے اور اس کی جنات النعیم کی یہ زندگی وراثت میں اس کی اولاد کو منتقل ہوتی رہے اور دوسرا طبقہ اپنی شقاوت و بدبختی کی جھونپڑیوں میں جان دے دے۔

اسلام ان دونوں طبقوں کے درمیان فرق کو مٹاتا اور ختم کرتا ہے اور دولتمندوں کی سرکشی کو ختم کرتا اور غریبوں کے معیار کو بلند کرتا ہے اور اس عمل کے لیے جہاں قانونی اور تنظیمی اقدامات کرتا ہے وہاں ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہدایات بھی دیتا ہے۔

اس وقت یہ موضوع پیش نظر نہیں ہے کہ اسلام نے غربت و امارت کے فرق کو مٹانے اور اس تفاوت کو کم کرنے کی کیا عملی تدابیر تجویز کی ہیں[1] بلکہ مدِ نظر یہ حقیقت ہے کہ خود زکوٰۃ اس فرق کو ختم کرنے کا ایک بہت بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے کہ زکوٰۃ امیروں سے لی جاتی اور غریبوں کو لوٹائی جاتی ہے؛

ذرا ایک صحیح اسلامی معاشرہ کا تصور کیجیے۔ جس میں تمام افراد معاشرہ اسلام کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے خوبی اور اتقان کے ساتھ مصروف عمل ہوں تلاش رزق میں زمین پر چل پھر رہے ہوں، زراعت، صنعت اور تجارت میں لگے ہوئے ہوں مختلف میدانوں میں متعدد کاموں، حرفتوں اور پیشوں میں لگے ہوئے ہوں، تمام قوتیں اور طاقتیں بروئے کار لا رہے ہوں اور اللہ سبحانہٗ نے زمین و آسمان کی جو اشیاء انسان کے دست قدرت میں دی ہیں ان سے پوری طرح فائدہ اٹھا رہے ہوں..... ایسے معاشرے میں کتنے لوگ ہوں گے جن پر زکوٰۃ فرض ہوگی بلاشبہ زکوٰۃ دہندگان کی ایک بہت بڑی تعداد ہوگی! اور ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی جو عمل سے عاجز ہوں یا کثرت عیال اور قلت آمدن سے وہ زکوٰۃ کے مستحق

---

[1] اس موضوع کو ہم تفصیل سے اپنی کتاب معالم النظام الاقتصادی فی الاسلام میں بیان کریں گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن گئے ہوں۔

اس معاشرے میں زکوٰۃ کی حاصل ہونے والی بہت بڑی مقدار ان تھوڑے سے افراد میں تقسیم کر دی جائے گی جن کی آمدن بے حد کم ہو یا جن کی سرے سے کوئی آمدن نہ ہو اور اس طرح ان کے درمیان اور معاشرے کے دولتمند افراد کے درمیان فاصلہ کم ہو جائے گا۔

کسی معاشرے کی سب سے بڑی آفت جس سے معاشرہ کو گھن لگ جاتا ہے یہ ہوتی ہے کہ اس میں افراد کا ایک طبقہ ایسا ہو جو بے حد دولتمند ہو اور دوسرا طبقہ بے حد غریب ہو، ایک فرد سونے چاندی میں کھیلتا ہو، دوسرا ایک ایک لقمہ کو ترستا ہو، ایک ثقیل اور مرغن غذاؤں سے شکم سیر ہو کر پیٹ پکڑے ہوئے ہو اور دوسرا بھوک کے مڑوڑ دبانے کے لیے پیٹ پکڑے ہوئے ہو، کوئی وسیع و عریض بنگلوں میں رہتا ہو اور کوئی ذرا سی کوٹھڑی میں دس افراد خانہ کے ساتھ شب و روز گزار رہا ہو۔

مقصود زکوٰۃ اسی انتہائی فرق کو مٹانا ہے اور یہ کوشش کرنا ہے کہ غریبی کا یہ انتہائی درجہ باقی نہ رہے بلکہ معاشرے کے ایسے افراد کا معیار بلند ہو کر انھیں بھی انسانیت کے کم سے کم معیار کا لباس کھانا اور مسکن میسر آجائے، اور ان کا معیار اس طرح بلند ہوتا رہے کہ وہ معاشرے کے متنعم افراد کے درجے تک پہنچ جائیں اور خود بھی اغنیاء مالکین کے زمرے میں داخل ہو جائیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث دوم

بھیک کا مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

اسلام دست سوال دراز کرنے سے منع کرتا ہے اور اس کی اخلاقی اور عملی تربیت کرتا ہے

اسلام انسانوں کو بلند ہمتی اور عزت نفس کی تعلیم دیتا ہے، انھیں نیچ باتوں سے احتراز کرنا سکھاتا ہے اور ان کے نفوس میں دست سوال دراز کرنے کی نفرت جاگزیں کرتا ہے۔

عدم سوال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چند بنیادی امور میں رکھا جن پر آپ بیعت لیا کرتے تھے۔ اور ارکان بیعت میں اس کا بطور خاص ذکر فرمایا کرتے تھے چنانچہ

"ابو مسلم الخولانی کی روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے حبیب اور امین عوف بن مالک نے بیان کیا کہ ہم سات یا آٹھ یا نو اشخاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہماری بیعت کی گفتگو چل رہی تھی، میں نے کہا تم سب بیعت کر لو، انھوں نے کہا کہ ہم نے آپ سے بیعت کی تین مرتبہ یہ الفاظ کہے اور سب نے ہاتھ بڑھا کر آپ سے بیعت کی، کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ سے بیعت کی، مگر ہم کن امور پر بیعت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کی بندگی کرو گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، پانچ اوقات کی نمازیں پڑھو گے، سنو گے اور اطاعت کرو گے اور پھر ذرا آہستہ سے فرمایا کہ کسی سے کچھ نہ مانگو گے۔

راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ ان اصحاب میں سے اگر کسی کا کوڑا بھی گر جاتا (سواری پر سے) تو کسی سے اس کو اٹھا کر دینے کے لیے نہ کہتا۔[1]

---

[1] مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، (الترغیب والترہیب، ج ۲، باب الترہیب عن المسئلہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان صحابہ کرام نے بیعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح حرف بحرف نافذ فرمایا اور کبھی کسی سے اپنی گری ہوئی چیز اٹھا کر دینے کے لیے بھی نہیں کہا اور صحابہ کرام کی کامیابی اور فتح و نصرت کا راز یہی تھا کہ انھوں نے ہر فتح سے پہلے خود اپنے نفوس پر فتح پائی تھی، اور صراط مستقیم پر مضبوطی سے قائم ہو گئے تھے۔

وحضرت ثوبان رضی مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو مجھے یہ ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے کچھ نہیں مانگے گا اور میں اسے جنت کی ضمانت دے دوں ثوبان نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ نے فرمایا کہ کسی سے کچھ نہ مانگو، چنانچہ ثوبان نے کسی سے کچھ نہیں مانگا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لینے والے ہاتھ کو الید السفلی (نچلا ہاتھ) فرمایا اور دینے والے ہاتھ کو الید العلیا (اوپر کا ہاتھ) قرار دیا (اور فرمایا کہ اوپر کا ہاتھ بہتر ہے) اور آپ نے صحابہ کرام کو تعلیم دی کہ اپنے آپ کو تربیت دیں اور پاکیزگی عفت اور استغناء اختیار کریں اور یہ کہ جب وہ دوسرے لوگوں سے مستغنی ہو جائیں گے تو اللہ فی الواقع انھیں غنی کر دے گا۔ چنانچہ

وحضرت ابو سعید خدری رضی سے مروی ہے کہ بعض انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا آپ نے دے دیا، پھر مانگا پھر دے دیا، تا آنکہ آپ کے پاس جو کچھ تھا ختم ہو گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جو بھی خیر ہو گی میں تم سے بچا کر اس کا ذخیرہ نہیں کروں گا، حق بات یہ ہے کہ جو سوال سے احتراز کرے گا اللہ اسے بچا لے گا اور جو استغناء اختیار کرے گا اللہ اسے غنی بنا دے گا، جو صبر اختیار کرے گا اللہ اسے صبر دے دے گا اور صبر سے وسیع تر کوئی شئے کسی کو نہیں

---

[1] ابوداؤد بحوالہ مذکور، البیہقی، السنن الکبری، ج ۴، ص ۱۹۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی گئی ہا[1]

عمل ہی اساس ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو دو بنیادی اصولوں کی تعلیم فرمائی۔

پہلا اصول: یہ کہ عمل کسب کی اساس ہے اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ تلاش رزق کے لیے زمین کی پشت پر چلے پھرے اور اللہ کا فضل تلاش کرے اور عمل (ہاتھ سے کام کو) اگرچہ کسی معاشرے میں (اس کے اپنے بگاڑ کی وجہ سے) بُرا سمجھا جائے مگر بہرحال دست سوال دراز کرنے سے بہتر ہے چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

> "کوئی شخص کاندھے پر رسی ڈال کر چلا جائے اور اپنی پشت پر لکڑیاں لاد کر لے آئے اور انھیں فروخت کرے اور اپنے چہرے کی حیا کو محفوظ کرے اس سے بہتر ہے کہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے اور کچھ لوگ دے دیں اور کچھ لوگ نہ دیں"[2]

سوال کی حُرمت

دوسرا اصول: یہ ہے کہ اسلام میں مانگنا، ہاتھ پھیلانا اور دست سوال دراز کرنا حرام ہے کیونکہ اس طرح نفس انسانی کی توہین اور تذلیل ہوتی ہے اور مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ دست سوال دراز کرکے اپنی تذلیل کرے الّا یہ کہ اسے ضرورت سوال پر مجبور کر دے تو مانگ سکتا ہے لیکن اگر اس ضرورت کے بغیر مانگا جبکہ اس کے پاس کچھ نہ کچھ گزران وقت کے لیے موجود ہو تو یہ سوال روز قیامت اس کے چہرے پر داغ بن جائے گا۔

---

[1] ماسوا ابن ماجہ کے جملہ صحاح ستہ کی روایت ہے۔ السنن الکبریٰ، ج ۴، ص ۱۹۷۔

[2] صحیح البخاری، کتاب البیع۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مفہوم کی متعدد احادیث موجود ہیں جن میں سوال کرنے پر ایسی وعیدیں آئی ہیں کہ ان کو پڑھ کر ہی زہرہ گداز ہو جاتا ہے۔

مثلاً بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ

"سوال، سوال کرنے والے سے چمٹا رہے گا اور جب وہ اللہ کے حضور پیش ہوگا تو اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی نہ ہوگی"

اصحاب سنن کی روایت ہے کہ

"جس کے پاس کچھ موجود ہو اور وہ دست سوال دراز کرے تو وہ روز قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ نُچا ہوا کھسٹا ہوا اور خراشیں لگا ہوا ہوگا، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، غنیٰ (مالداری) کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا پچاس درہم یا اس کے بقدر سونا"[1]

یعنی سوال کرنا انسان کے سب سے نمایاں منظر اور اس کی کرامت اور شرافت کے سب سے زیادہ واضح حصہ جسم چہرے پر اثر انداز ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ

"جس کے پاس ایک اوقیہ (چاندی) ہو اور وہ مانگے تو اس نے الحاف کیا"[2]

اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے[2]

ایک اور حدیث ہے کہ

"جس کے پاس کچھ موجود ہو اور وہ سوال کرے تو وہ جہنم کے انگارے جمع کرنے والا ہے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مقدار غنا) اس کے پاس کیا موجود ہو آپؐ نے فرمایا کہ جتنا اس کے صبح و شام کے کھانے کے لیے کافی ہو"[3]

---

[1] بخاری و مسلم، ابوداؤد اور نسائی۔

[2] ابوداؤد، نسائی۔ (الحاف: اصرار۔ قرآن کریم میں ہے۔ لا یسئلون الناس الحافا۔

[3] ابوداؤد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا اس سے مراد ایک دن کا صبح کا کھانا اور اسی دن کا شام کا کھانا ہے یا یہ کہ تمام اوقات کے لیے صبح و شام کے گزارہ کی گنجائش، دوسری صورت زیادہ موزوں ہے کہ اسی طرح آدمی ذلت سوال سے بچ سکتا ہے کہ روزانہ صبح و شام کی گزر اوقات اس کے پاس موجود ہو۔

غنی جس پر سوال کرنا حرام ہے

اب سوال یہ ہے کہ احادیث میں غنا (مالداری) کی جو کئی مقداریں بیان کی گئی ہیں جن کی موجودگی میں سوال کرنا حرام ہو جاتا ہے ان کی کیا توجیہ کی جائے۔ اس سلسلے میں حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ الدھلویؒ اپنی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"ہمارے نزدیک ان احادیث میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ درحقیقت بلحاظ کسب بھی انسانوں کے درجے ہوتے ہیں اور جس کا جو کسب ہو اس کے لیے اس سے ہٹنا ممکن نہیں ہوتا، یعنی جو شخص دست کاری کا کوئی پیشہ رکھتا ہو وہ اس وقت تک معذور ہوگا جب تک اس کے پاس اس کے پیشہ کے آلات نہ ہوں، جو کاشتکار ہو وہ اس وقت تک معذور ہوگا جب تک اس کے پاس کاشتکاری کے آلات نہ ہوں اور جو تاجر ہوگا وہ اس وقت تک معذور ہوگا جب تک اس کے پاس سامان تجارت نہ ہو اور ایسے بھی افراد ہوں جیسا عہد نبوتؐ میں تھے کہ ان کا رزق جہاد میں شرکت کرنے اور غنیمت میں حصہ پانے سے ہوگا، تو ان کا قاعدہ پانچ اوقیہ یا پچاس درہم ہوگا؛ اور جو بازار میں بوجھ اٹھا کر یا لکڑیاں لا کر روزی کماتا ہو اس کے لیے اور اس جیسوں کے لیے ضابطہ صبح و شام کی گزر اوقات کا رزق موجود ہونا ہے۔"[1]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۴۶۔

[2] ابوجعفر الطحاوی مشکل الآثار میں تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس مقدار کے بیان میں جس پر سوال کرنا حرام ہو جاتا ہے شدت برتی پھر بالتدریج اس میں تخفیف کی تا آنکہ پانچ اوقیہ تک مقدار بیان فرمادی، جو کہ چاندی میں زکوٰۃ کا نصاب ہے۔ مگر ان کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ علامہ دہلویؒ کی مذکورہ توجیہ زیادہ صحیح ہے، اور پانچ اوقیہ والی حدیث کی صحت ثابت نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال اصل حقیقت یہ ہے کہ غِنا (مالداری) جس پر سوال کرنا حرام ہے اس غِنا سے خاص ہے جس کی موجودگی میں زکوٰۃ لینا حرام ہے اس لیے کہ شارع نے اس میں سختی برتی ہے کیونکہ سوال کرنے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ بلاضرورت سوال کرنا جائز نہیں ہے اور جس کے پاس اس کی صبح وشام کی گذر اوقات موجود ہو اسے سوال کی ضرورت نہیں ہے۔

امام خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ اسلام کی مسلمانوں کو تربیت اور ان کی راہنمائی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جب تک ان مانگنے والوں کا عملی علاج نہ ہو جو ضرورت شدید کے تحت مانگتے ہیں اس وقت تک محض فکری راہنمائی اور اخلاقی تربیت کافی نہیں ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ بھوک کی چیخ ضمیر کی پکار سے اونچی ہوتی ہے۔

بھیک کا عملی علاج یہ ہے کہ قادر افراد کو کام دیا جائے

اس عملی علاج کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: ہر بے کار اور عمل پر قدرت رکھنے والے شخص کو مناسب عمل (کام) فراہم کیا جائے اور معاشرے کے ہر کام کے لائق شخص کو کام فراہم کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اور ارباب حکومت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کام کی قدرت رکھنے والے شہریوں کو بے کار رہنے دے اور اس حالت میں رہنے دے کہ وہ دست سوال دراز کرتے رہیں اور زکوٰۃ وصدقات سے انھیں کچھ ملتا رہے کیونکہ ہم مصارف زکوٰۃ کے بیان میں یہ فرمان نبوت نقل کر چکے ہیں کہ

"کسی مالدار (غنی) کو زکوٰۃ حلال نہیں ہے اور نہ کسی مضبوط توانا شخص کے لیے حلال ہے"

کیونکہ تندرست وتوانا شخص کو مادی امداد بہم پہنچانا بے کاری کو فروغ دینا ہے اور کمزور، اپاہج اور عاجز افراد کے حقوق کو نقصان پہنچانا ہے۔

مناسب اور موزوں طریقہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا وہ یہ ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے سوال کیا، آپؐ نے استفسار فرمایا تمہارے گھر میں کچھ ہے، انھوں نے عرض کی ایک دری ہے جس کا کچھ حصہ بچھا لیتے ہیں اور کچھ اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ دونوں اشیاء لے آؤ، وہ لے آئے۔ آپؐ نے انھیں لیا اور فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں کون خرید رہا ہے ــــــــــــ ایک شخص نے عرض کی کہ ایک درہم میں میں خریدتا ہوں، آپؐ نے فرمایا کون اس پر اضافہ کرتا ہے (آپؐ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمائی) ایک شخص نے کہا کہ میں دو درہم میں لیتا ہوں آپؐ نے وہ دونوں اشیاء اسے دے دیں اور دو درہم لے لیے اور ان دونوں درہموں کو انصاری صحابی کو دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک درہم کا کھانا لے کر گھر میں ڈال دو اور دوسرے درہم کی کلہاڑی لے آؤ، بعد ازاں آپؐ نے خود کلہاڑی میں لکڑی باندھی اور ان سے فرمایا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرو اور پندرہ دن تک مجھے نظر نہ آنا، چنانچہ یہ انصاری صحابی لکڑیاں کاٹتے رہے اور فروخت کرتے رہے، وہ واپس آئے تو دس درہم لے کر آئے اور کھانا اور کپڑا خریدا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بہتر ہے اس سے کہ روز قیامت سوال تمہارے چہرے کا داغ بن جائے کیونکہ مانگنا صرف تین صورتوں میں جائز ہے، کمر توڑ ڈالنے والے فقر میں، سخت قسم کی دیت میں اور دردناک جانی حادثہ میں جس میں اُسے دیت دینی پڑے۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری صحابی کے

---

[1] ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ ــ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور ہم اس کو صرف بروایت اخضر بن عجلان جانتے ہیں جس کو یحییٰ بن معین نے صالح کہا ہے اور ابو حاتم الرازی نے کہا ہے کہ ان کی حدیث لکھی جاتی ہے (مختصر سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۲۳۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال پر انھیں زکوٰۃ کی مد میں سے کچھ نہیں دیا، کیونکہ زکوٰۃ ان کے لیے اس وقت حلال ہوتی جب تمام راستے ان کے سامنے بند ہو جاتے اور کوئی تدبیر باقی نہ رہتی بلکہ انھیں کسب حلال کا موقع فراہم کیا اور عمل کا راستہ کھولنے میں ان کی مدد کی۔

غرض اس حدیث نبویؐ میں بہت سے ایسے درس موجود ہیں اور انسانیت کی پیش رفت کی ایسی راہیں ہموار ہوتی ہیں کہ انسانیت صدیوں بعد اس پیش رفت تک رسائی حاصل کر سکی ہے۔

آپؐ نے ضرورتمند سائل (مانگنے والے) کی صرف وقتی مادی امداد سے مدد نہیں کی ہے بلکہ اس ضرورتمند کا ہاتھ تھاما ہے اور اس کے مسئلہ کو حل کیا ہے اور اس کا کامیاب علاج کیا ہے۔

آپؐ نے انسان کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور جو تدبیر وہ کر سکے وہ کرتا رہے اور جب تک اس کے پاس معمولی سے معمولی چیز موجود ہے جس سے وہ کوئی کام کر سکے اس وقت تک سوال نہ کرے۔

آپؐ نے یہ درس دیا کہ ہر عمل جس سے رزق حلال حاصل ہوتا ہو معزز پیشہ اور قابل احترام ذریعہ آمدن ہے اگرچہ لکڑیاں کاٹ کر رسّی سے باندھ کر لانے اور انھیں فروخت کرنے کا کام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کام سے انسان اپنے چہرے کو دست سوال دراز کرنے کے داغ سے بچا سکتا ہے۔

آپؐ نے انصاری صحابی کو ان کے حالات ان کی صلاحیت اور قوت کے مطابق کام بتایا اور انھیں آلۂ عمل بھی خود ہی تیار کر کے دیا اور انھیں حیران و سرگشتہ نہیں چھوڑا۔

آپؐ نے انھیں پندرہ یوم کی مہلت دی تاکہ اس عرصہ میں اس کام کی موزونیت کو دیکھا جا سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ اس سے ان صحابی کی ضرورت پوری ہوتی ہے یا ان کے لیے مزید کوئی اور کام تجویز کرنا ہوگا۔

انصاری صحابی کے اس مسئلہ کو آپؐ نے عملاً حل فرما کر انتہائی بلیغ اور موجز طریقہ پر انھیں سوال سے منع فرما دیا اور اس کی حدود بیان فرما دیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اسی طریقۂ نبویؐ کی اتباع کریں اور بھیک کے بارے میں مہم شروع کرنے سے اس مسئلہ کو عملاً حل کریں یعنی ہر بیروزگار کو روزگار فراہم کریں۔[1]

ہم مصارف زکوٰۃ میں بیان کر چکے ہیں کہ زکوٰۃ میں سے صاحب قدرت بے روزگار شخص کو اپنے پیشہ کے انجام دینے کے لیے ضروری آلات اور رأس المال دیا جائے گا، اور زکوٰۃ ہی سے بے روزگار شخص کو ایسا کام سکھایا جائے گا جس سے وہ اپنی روزی کما سکے، اور اس سے اجتماعی منصوبے ــــ مثلاً کارخانے، تجارت گاہیں اور مزارع وغیرہ قائم کیے جائیں گے جس میں بے روزگاروں کو کام بھی ملے گا اور وہ اس کے مالکانہ حقوق کے بھی حاصل ہوں گے۔

ناداراور عاجز افراد کی معیشت کی ضمانت

اسلام کی نظر میں بھیک مانگنے اور دست سوال دراز کرنے کا ایک عملی حل یہ ہے کہ ہر عاجز و نادار شخص کو موزوں معاش مہیا کیا جائے گا تاکہ وہ اپنی روزی حاصل کر سکے۔

ناداری اور عاجز ہونے کے دو اسباب ہیں:۔

(۱) کوئی جسمانی کمزوری اور نقص جو کسب معاش سے مانع ہو، مثلاً کمسن یتیم ہو، یا بعض حواس یا اعضا مفقود ہوں یا کوئی ایسی بیماری ہو جو کسب معاش میں رکاوٹ ہو۔

ایسا شخص جو ان جسمانی موانع میں مبتلا ہونے کی بنا پر کسب معاش سے عاجز ہو اسے زکوٰۃ کی مد سے اس قدر مقدار دی جائے گی جو اسے کافی ہو تاکہ ان کی اس ناداری اور عجز پر ان کے اوپر رحم ہو جائے اور ان کی اس عاجزی کی تلافی ہو جائے اور وہ معاشرے کا داغ نہ بنیں، بالخصوص آج سائنسی ترقیات نے نابینا افراد اور دیگر مصیبت زدہ افراد کی پیشہ ورانہ تربیت کے ایسے ذرائع فراہم کر دیے ہیں جو ان کی جسمانی حالت اور ان کی ضرورت کے مطابق ہیں، مد زکوٰۃ سے ان معذورین کی پیشہ ورانہ تربیت کر کے انھیں ذلت سوال سے محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] مصنف کی کتاب: مشکلة الفقر وکیف عالجها الاسلام۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب) دوسرا سبب ناداری اور عجز کا یہ ہے کہ قدرت رکھنے والے افراد کے سامنے رزق حلال کے دروازے بند ہوں اور باوجود ان کی سعی وکوشش کے انھیں رزق حلال میسر نہ آئے۔ یہ لوگ جسمانی قوت اور قدرت کے باوجود بھی بلاشبہ عاجز اور اپاہج کے حکم میں ہوں گے کیونکہ محض جسمانی قوت سے بغیر رزق حلال کے پیٹ نہیں بھر سکتا۔

امام احمدؒ نے ان دو اشخاص کا واقعہ روایت کیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زکوٰۃ سے کچھ مانگنے آئے آپؐ نے ان پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ توانا اور تنومند ہیں، تو آپؐ نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو میں تمھیں دیتے دیتا ہوں لیکن بہرحال زکوٰۃ میں غنی (مالدار) کا اور تنومند برسر روزگار کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تصور غلط ہے کہ زکوٰۃ میں سے ہر مانگنے والے کو دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس سے مانگنے والوں اور دست سوال دراز کرنے والوں میں اضافہ ہو جاتا ہے! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق وصول اور تقسیم کی جائے تو بھیک کا اور دست سوال دراز کرنے کا سلسلہ بالکلیہ منقطع ہو جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث سوم

عداوتوں اور آپس کی دشمنیوں سے رُونما ہونے والے فساد کا مسئلہ

اِنسانی رشتۂ اخوت کی تاسیس اِسلام کا بُنیادی مقصود ہے

اِسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک عظیم مقصود یہ ہے کہ تمام انسانی برادری میں رشتۂ اخوت قائم ہو اور بالخصوص ایک معاشرے کے افراد میں برادرانہ تعلقات، محبت والفت کے روابط اور باہمی کفالت اور تعاون کے رشتے استوار ہوں، تاکہ امن و سلامتی کا دور دورہ ہو اور چھوٹے چھوٹے معاملات پر بڑے بڑے نزاع اور جھگڑے جنم نہ لیں اور زندگی کے معمولی ساز و سامان کی چھین جھپٹ میں انسانی زندگیاں اجیرن نہ ہو جائیں۔

یہ عظیم مقصود اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ افراد معاشرہ کے دلوں میں اللہ پر ایمان جاگزیں اور آخرت پر ایمان راسخ ہو اور ہر انسان کے سامنے حق کی نصرت اور خیر کی اشاعت کا عظیم مقصود ہو جس کے لیے وہ جد وجہد کرے اور جان کھپائے اور اس کا نفس کمتر اشیاء کی محبت سے بلند تر ہو جائے اس کا مطمح نظر انتہائی اعلیٰ ہو جائے اور وہ اعراض دنیا اور متاع دنیا پر جو کہ ثمن قلیل ہے اپنے آپ کو ضائع نہ کرے حالانکہ آخرت کی زندگی زیادہ باقی رہنے والی اور زیادہ بہتر ہے۔

اِسلامی اخوت کا حامل مثالی مُعاشرہ

مدینۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں انسانیت کی تاریخ میں ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم ہُوا تھا جو آپس میں بھائی بھائی تھے ایک دوسرے کے جان نثار اور باہم محبت کرنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے تھے۔ باوجودیکہ ان میں نسلی تباین موجود تھا کہ مہاجرین جو عدنانی (عرب مستعربہ) تھے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور انصار خود مدینہ منورہ کے باشندے تھے اور خالص عرب (العرب العربا) تھے۔ یعنی قحطانی تھے۔ ان عدنانیوں اور قحطانیوں میں بہت پرانا نزاع اور تفاخر موجود تھا، انصار بھی دو بڑے قبائل اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے جن میں باہم بڑی آویزش، میراث کے اور خون کے جھگڑے اور تہ بہ تہ دبے ہوئے کینے موجود تھے، اور ان میں متعدد خونی جنگیں ہو چکی تھیں۔ انھیں انصار میں حبش کے بلالؓ، ایران کے سلمان اور روم کے صہیب بھی تھے اور انھی میں (حضرت) ابوذرؓ جیسے درشت مزاج بدوی (دیہاتی) اور نعمتوں کی گود میں پلے ہوئے شہری مصعب بن عمیرؓ بھی تھے۔

ان تضادات کے باوجود ایمان کے زیر سایہ ایسا مبنی بر اخوت معاشرہ وجود میں آیا کہ دنیا کی آنکھ نے کبھی ایسا معاشرہ نہیں دیکھا، یہ وہ معاشرہ ہے جس میں ہر فرد اپنے بھائی کے لیے وہی چاہتا ہے جس خیر کا وہ اپنے لیے طالب ہو، اور جس برائی سے وہ خود بچنا چاہتا ہے اس کی خواہش ہے کہ پہلے اپنے بھائی کو اس برائی میں مبتلا ہونے سے بچالے اور وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے بغیر اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ وہ خود بھوکا رہ کر اپنے بھائی کو کھلاتا ہے اور خود پیاسا رہ کر اپنے بھائی کو پانی پلاتا ہے۔

قرآن کریم نے اس معاشرے کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ
اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ
يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ
هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً
مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ
خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
(الحشر : ۸/۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(نیز وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں یہی راستباز لوگ ہیں (اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ مبنی بر حقیقت ہے

یہ ایک مثالی معاشرہ کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے جسے اسلام بنی نوعِ انسان کے پیش نہاد کے طور پر سامنے رکھتا ہے تاکہ لوگ اس اعلیٰ ترین مثالی نمونہ تک پہنچنے کی جدوجہد کریں اور اس کو اپنا مرکزِ نگاہ اور قلوب کی آماجگاہ بنائیں۔

مگر اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اسلام ایک مبنی برحقیقت دین ہے۔ اس کے قوانین محض نادر الوقوعے حالات کے لیے نہیں ہیں جس میں انسانی طبیعت اور مزاج کو یکسر نظرانداز کرکے یہ متصور کرلیا گیا ہو کہ فرشتے زمین پر اُتر آئیں گے۔

جی نہیں بلکہ اسلام انسانوں کو انسان ہی متصور کرتا ہے، ان کی طبیعتوں کو مدِنظر رکھتا ہے، ان کی جبلتوں کو سامنے رکھتا ہے اور اس امر کو مدِنظر رکھتا ہے کہ ان کا نفس انھیں کشاں کشاں کن کن وادیوں کی سیر کراتا ہے، شیاطین الانس والجن انھیں کس قدر حسین و دلکش باتیں سجھاتے ہیں جو سراسر دھوکہ ہوتی ہیں۔ دنیا کی اور دنیا کی آسائشوں کی کشش انھیں کس قدر پرفریب معلوم ہوتی ہے اور انھیں فتنوں کی لہریں کس وادی پرخار میں پھینکتی ہیں اور وہ کس طرح جھگڑوں، نزاع اور قتل و غارت میں الجھ کر دوسروں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مال کے لٹیرے، عزتوں کے راہزن اور جانوں کے دشمن بن جاتے ہیں۔

جُرمِ قتل کا اِرتکاب اِنسانیت کا قدیم جُرم ہے

انسانیت سے جُرمِ قتل اسی وقت سرزد ہو گیا تھا جب ابھی رُوئے زمین پر ایک ماں باپ اور ان کی اولاد پر مشتمل ایک ہی خاندان سکونت پذیر تھا مگر یہ خاندان ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی پرزیادتی سے نہ روک سکا تھا اور ایک نے دوسرے کو از راہِ ظلم و تعدی قتل کر دیا تھا۔ اسی سے ملائکہ کو بھی یہ اشتباہ پیدا ہُوا کہ جس خاکی مخلوق کو منصب خلافت عطا ہو رہا ہے کیا وہ اس کی سزاوار بھی ہے۔ چنانچہ انھوں نے پروردگارِ عالم سے استفسار کیا۔

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (البقرہ : ۳۰)

کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا، آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں۔

قرآن کریم نے قتل کے اس پہلے واقعہ کو بیان کیا ہے اور نشاندہی کی ہے کہ جب انسان جبلتوں کی ہی تکمیل میں لگ جاتے اور داعیۂ ایمان کو بالکل بھلا دے تو وہ ایسے ہی جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْخَاسِرِيْنَ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْاَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْاَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ (المائدہ : ۲۷/۳۲)

اور ذرا انھیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی، اس نے کہا، میں تجھے مار ڈالوں گا، اس نے کہا اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔ آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں، پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اُسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے یہ دیکھ کر وہ بولا، افسوس مجھ پر، میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا، اس کے بعد وہ اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔

غرض انسانی زندگی کے آغاز ہی میں جبکہ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مردہ کو کہاں چھپایا جاتے کہ اس نے ابھی کسی مردے کے دفن کا منظر نہیں دیکھا تھا، انسان اپنے بھائی انسان کے قتل کا مرتکب ہو گیا۔

نزاع اور جھگڑوں کے بارے میں اسلام کا موقف

اب سوال یہ ہے کہ اسلام نے اس انسانی مسئلہ کا کیا حل پیش کیا ہے؟

اگر نزاع، خصومت اور جھگڑے انسانی طبیعت کا خاصہ ہیں اور ان سے کوئی چھٹکارا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممکن نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ شر زیادہ سے زیادہ پھیل جائے اور اس کی خطرناکی بڑھتی چلی جائے۔ نزاع اور جھگڑے کی مثال آگ کی سی ہے لیکن ظاہر ہے کہ کہیں آگ لگ جائے تو اسے بجھایا جاتا ہے اور آگ کو یوں نہیں چھوڑ دیا جاتا کہ جس شئے کو چاہے جلاتی چلی جائے اور پھر جب بجھے خود ہی بجھ جائے اور لوگ کھڑے تماشا دیکھتے رہیں یا چیخ و پکار کرتے رہیں..... آگ لگ جانے کے بعد انسان کا معقول رویہ یہ ہے کہ وہ فوراً آگ بجھانے کی سعی و تدبیر کرے بلکہ ایسے افراد تیار کرے جو آگ لگ جانے کے وقت ضروری ساز و سامان اور تیاری کے ساتھ فوراً آگ بجھانے روانہ ہو جائیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کہیں آگ لگ جائے تو معاشرہ اس کو بجھانے کا ذمے دار ہے اور اس میں ذرا سی بھی کوتاہی اور چوک سب کے لیے نقصان کا باعث بنتی ہے۔

معاشرہ ہر اصلاح کا ذمے دار ہے جھگڑے اور نزاع بھی ایک طرح کی آگ ہے جو قلوب کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، ضمیر کو راکھ بنا دیتی ہے اور محبت اور خیر کے سارے معانی ملیامیٹ کر دیتی ہے۔ اس لیے معاشرہ ذمے دار ہے کہ ایمان و اخلاق کو جلا دینے والی اس معنوی آگ کو بھی بجھائے اور سرد کرے کیونکہ فرمان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ

"آپس کا فساد دین کو تباہ کر دینے والا ہے"[1]

معاشرہ کو ہر نزاع اور جھگڑے کی صلح کے لیے مداخلت کرنی چاہیے اور حتیٰ کہ میاں بیوی کے درمیان اختلاف کو مٹانا چاہیے اور اس صورت میں صلح کرانے والے اور ان کے درمیان آگ کو بجھانے والے میاں بیوی کے خاندان کے افراد ہوں۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ

---

[1] ابوداؤد، ترمذی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا (النساء : ۳۵)

اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا، اللہ سب کچھ جانتا اور باخبر ہے۔

اس آیت میں بیان کیا گیا کہ میاں بیوی کے مابین صلح کرانے والے حکم خود میاں بیوی کے خاندان کے افراد ہوں مگر فَابْعَثُوا کا مخاطب عام مسلمان ہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ یہ ذمے داری معاشرہ کی ہے کہ وہ یہ گھریلو مجلس صلح ترتیب دے اور اگر ایسے حکم موجود نہ ہوں تو یہ پورے معاشرے کی اور ان کے نمائندہ ارباب حل وعقد کی ذمے داری ہوگی کہ ان کے درمیان صلح کرائیں۔

جبکہ معاشرہ خاندانی سطح پر ہونے والے ایک معمولی نزاع میں صلح کرا دینے کا ذمے دار ہے تو جب یہ نزاع بڑی سطح پر ہو، یعنی دو خاندانوں، دو قبیلوں اور دو شہروں (یا ملکوں) کے درمیان ہو تو بدرجہ اولیٰ معاشرہ کی ذمے داری ہوگی کہ اس اختلاف کو ختم کرا کے مسلمانوں کے درمیان باہم صلح کرائے۔ اس صورت میں یقیناً معاشرہ کی ذمے داری بڑھ جائے گی اور زیادہ لازم ہو جائے گی۔

چنانچہ قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ نزاع کو ختم کرانے، جھگڑے کو نمٹانے اور دو گروہوں کے درمیان لڑائی کو ختم کرانے کے لیے معاشرہ قوت کے ساتھ مداخلت کرے اور اگر ضرورت ہو تو اس اصلاح کے لیے ہتھیار بھی استعمال کرے۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللّٰهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

(الحجرات : ۹، ۱۰)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

قرآن کریم نے بیشتر مواقع پر لوگوں کے درمیان صلح کرا دینے پر زور دیا ہے۔ مثلاً فرمایا

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الانفال : ۱)

پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو۔

نیز فرمایا

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء : ۱۱۴)

لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ و خیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا اسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے۔

سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس مفہوم کی تاکید ہے اور بے حد مؤثر دیجے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اصلاح ذات البین (آپس میں صُلح کرا دینے) کی نصیحت کی گئی ہے چنانچہ فرمایا کہ "کیا میں تمھیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے بھی کوئی افضل درجہ بتا دوں، سنو وہ ہے آپس میں صُلح کرا دینا ہے کہ آپس کا فساد دین کو مٹا دیتا ہے۔"

انجمن ہائے صُلح جس طرح جدید معاشروں میں آگ بجھانے کا باقاعدہ عملہ اور تنظیم ہوتی ہے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ مصالحتی انجمنیں CONCILATION BOARDS قائم کی جائیں اور ہر طرح اصلاح احوال کی سعی کریں اور ہر طرح سے جھگڑے کو نمٹانے کی سعی کریں اور اس کے اثرات کو مٹانے کے لیے تمام وسائل استعمال کریں۔

مالی دشواری اصلاح احوال اور نزاع کو ختم کرنے میں ایک بڑی دشواری مالی تاوان کی ادائیگی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جھگڑے کی بنیاد مالی ہو اور کسی ایک فریق کو کوئی روپیہ پیسہ ادا کرنا ہو جو وہ ادا نہ کر سکتا ہو اور فریق مخالف اسے مہلت دینے کے لیے تیار نہ ہو، اور جبراً اس سے واجبات کی ادائیگی کرانا ممکن نہ ہو اور خلاف مصلحت ہو۔

اس دشواری کو دُور کرنے کے لیے اسلام نے بے حد سہل حل پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ اس نے مصارف زکوٰۃ میں ایک مستقل مصرف 'غارمین' کا قائم کیا ہے۔

اسلامی عربی معاشرے میں طریقہ کار یہ تھا کہ معاشرے کے صاحب دِل دردمند افراد دو خاندانوں کے درمیان یا دو قبیلوں کے درمیان صُلح کرا دیتے اور اس صُلح کے سلسلے میں کسی فریق کے جو واجبات اور مالی مطالبات ہوتے وہ ادا کر دیا کرتے تھے اور اس طرح وہ فساد کی آگ کو سرد کر دیا کرتے تھے اور سکون و سلامتی کی فضا از سرِ نو قائم کرا دیا کرتے تھے، اسلام نے اسی بہترین مقصد میں ان غارمین کی اعانت کے لیے زکوٰۃ میں ایک جداگانہ مصرف مقرر کیا ہے۔

ایک صحابی فجارق الہلالی نے اسی قسم کی اصلاح (ذات البین) کے سلسلے میں تلوار کا پرتلا ادا کیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے اعانت طلب کی ——— اور اس معاملے میں اعانت طلب کرنے میں صحابہ کرام کوئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حرج نہیں محسوس کیا کرتے تھے ـــــ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وذرا ٹھیرو ہمارے پاس زکوٰۃ آجائے تو ہم تمھیں اس میں سے دلوا دیں گے۔

اور آپؐ نے ان سے فرمایا کہ اگر کوئی شخص (صلح کرانے میں) تلوار کے پرتلے کا بھی بوجھ اٹھالے تو اس کے لیے (زکوٰۃ میں سے) طلب کرنا حلال ہے کہ اسے اس کی ادا کردہ شے مل جائے۔ (احمد، مسلم)

اسلام کی درگزر اور سماحت کی انتہا یہ ہے کہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ذمیوں کے درمیان یا انصاری اور یہود کے درمیان صلح کرا کے کسی مالی تاوان کو ادا کر دے تو اس کو بھی زکوٰۃ کی مد سے ادائیگی کی جائے گی[1] کیونکہ جو قومیں بھی اسلامی معاشرے میں رہ رہی ہیں ان کے مابین بھی امن و سلامتی کا قیام اسلام کے مقاصد میں سے ہے۔

ایک فقہی استفسار کیا یہ ضروری ہے کہ کوئی شخص پہلے اصلاح ذات البین (باہمی صلح) کے لیے اپنے پاس سے تاوان ادا کرے اور اس کے بعد اسے مال زکوٰۃ میں اس کی دی ہوئی رقم ادا کی جائے تاکہ 'الغارمین' کا حقیقی مفہوم پورا ہو جائے، کیونکہ قرآن کی آیت مصارف زکوٰۃ میں الغارمین کا لفظ آیا ہے اس لیے فقہاء کی تعبیرات اس شرط کی نشاندہی کرتی ہیں۔

لیکن جہاں تک روحِ قرآن اور اسلام کے اعلیٰ تر مقاصد کا تعلق ہے اس سے اس امر کی گنجائش نکلتی ہے کہ ایک اصلاحی انجمن قائم ہو اور اسے زکوٰۃ کی مد میں سے پہلے سے ایک رقم مخصوص کر کے دے دی جائے اور وہ انجمن اسے اس مقصد میں صرف کرے، بشرطیکہ ایسی انجمنوں کا قیام مصلحت کے مطابق ہو اور اسے معاشرے کی تائید و اعتماد حاصل ہو اور وہ الغارمین کی صورت کو اس طرح بروئے کار لائے کہ اس کا کوئی رکن کسی ادارے سے قرض لے کر کسی اصلاحی اقدام میں صرف کرے اور اس کے بعد الغارمین کی مد۔ مصالحاتی فنڈ ـــــ سے اسے یہ رقم ادا کر دی جائے۔

---

[1] مطالب اولی النہیٰ، ج ۲، ص ۱۴۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال یہیں اس امر کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص کسی باہمی صُلح کی خاطر خود اپنے پاس سے کوئی مال ادائیگی کرے اور وہ زکوٰۃ کی مد سے اس کی دستیابی کا طالب نہ ہو تو یہ بلاشبہ ایک بہت بڑا اخلاقی اقدام ہے اور اسلام کی نظر میں اس کا درجہ بہت بلند ہے جیسا کہ ہم خصائص اُمت سے زکوٰۃ کے تعلق کے بیان میں واضح کر چکے ہیں [1]

---

[1] غایۃ المنتہیٰ اور اس کی شرح میں ہے کہ ــــ چھٹا مصرف غارِم ہے یعنی وہ شخص جو باہمی صُلح کرانے کی بنا پر مقروض ہو جائے اگرچہ وہ مالدار ہو مگر اس نے اپنے مال میں سے نہ دیا ہو اس لیے کہ اگر اس نے اپنے مال میں سے دیا تو وہ مقروض نہ ہُوا، اور اگر اس نے قرض لے کر دیا پھر قرض ادا کر دیا تو اس قرض کو وہ زکوٰۃ سے لے سکتا ہے۔ (ج ۲، ص ۱۴۴)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث چہارم

مصائب اور آفات سماویہ کا مسئلہ

کفایت اور امن اسلام چاہتا ہے کہ معاشرے کا ہر فرد زندگی کے کفایت کے درجے میں رہے کہ اسے ضروریاتِ زندگی حاصل ہوں اور اسے کوئی خوف اور اندیشہ لاحق نہ ہو تاکہ وہ عاجزی (خشوع) اور حسن کاری (احسان) کے ساتھ اللہ سبحانہٗ کی عبادت کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش پر ان دو نعمتوں ——— کفایت اور امن ——— پر احسان فرمایا

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (القریش : ۱، ۴)

چونکہ قریش مانوس ہوئے (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس، لہٰذا ان کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔

کسی بستی یا شہر پر جو بڑی سے بڑی مصیبت آسکتی ہے وہ ان دونوں نعمتوں سے محرومی ہے۔ چنانچہ فرمایا

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (النحل : ۱۱۲)

اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفراغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا کفران شروع کر دیا تب اللہ نے اس کے باشندوں کو ان کے کرتوتوں کا یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں ان پر چھا گئیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت نے اسلامی ریاست کے ہر مسلم و غیر مسلم باشندے کو ایک "معیار زندگی" کی ضمانت دی ہے جس میں اُسے لازماً روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کیا جائے گا اور ہر فرد کو علاج اور تعلیم کی سہولتیں اور مواقع میسر ہوں گے۔

زکوٰۃ نے معاشرے سے غربت (فقر) کو ختم کرنے کا عملی اقدام کیا ہے کہ ہر بیروزگار شخص کو روزگار فراہم کیا جائے اور محتاج کو اس کی اور اس کے خاندان کی کفایت۔ بعض فقہاء کے نزدیک پوری زندگی کی کفایت کے بقدر ــــ فراہم کر دیا جائے اور جس کے پاس جزئی کفایت موجود ہو تو اس کی کفایت کی تکمیل کر کے اس کا معیار بلند کیا جائے۔

مصائب زمانہ لیکن یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی کو زندگی کی کافی ضروریات میسر ہوتی ہیں بلکہ وہ آسائش کی زندگی گزار رہا ہوتا ہے کہ اچانک زمانہ کی گردش کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور گردش روزگار اسے فقیر و محتاج اور پریشان و حیران بنا دیتی ہے اور ان مصائب کے روکنے پر انسان قادر بھی نہیں ہوتا۔ کوئی تاجر ہوتا ہے اس کا سامان تجارت سے لدا ہوا جہاز غرق ہو جاتا ہے۔ اس کی دکان میں آگ لگ جاتی ہے یا کسی اور طرح اس کا سرمایا ضائع ہو جاتا ہے۔ کوئی زمین کا یا باغ کا مالک ہوتا ہے آفات سماوی اس کھیت اور باغ کو نیست و نابود کر دیتی ہیں یا ٹڈی دل یا کیڑا کھیت صاف کر ڈالتا ہے یا کاشتکار کے بیل مر جاتے ہیں اور وہ ہل چلانے کے قابل نہیں رہتا۔

یہی مصائب زمانہ مغرب میں انشورنس کا پیش خیمہ بنے ہیں

مصائب زمانہ گھروں کی بربادی اور کھاتے پیتے لوگوں کی فقیری کا باعث بن جاتے ہیں اس لیے لوگوں کو یہ خوف اور اندیشہ پریشان رکھتا ہے کہ کہیں مصیبت نہ آجائے اور ان کی صنعت و تجارت اور سرمایہ ضائع نہ ہو جائے اور ان کو اور ان کی آل اولاد کو پریشانی کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چہرہ نہ دیکھنا پڑے۔ اسی اندیشہ سے تحفظ کے لیے قرونِ اخیرہ میں مغرب میں نظامِ تامین INSURANCE SYSTEM وجود میں آیا ہے جس نے مختلف صورتیں اور شکلیں اختیار کی ہیں۔

اسلام کا نظامِ تامین مغرب میں نظامِ تامین کے وجود میں آنے سے صدیوں قبل اسلام نے افرادِ معاشرہ کو تحفظ عطا کر دیا تھا اور مسلمانوں کے بیت المال میں تمام مسلمانوں کو شریک قرار دے کر ایک ہمہ گیر تامین کا بندوبست کر دیا تھا تاکہ افرادِ معاشرہ مصیبت کے وقت امداد اور تعاون حاصل کر سکیں۔

اسلام نے مصیبت زدگان کو اہلِ خیر کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا ہے کہ ان کا جذبۂ رحمت جوش میں آئے تو وہ انھیں حسبِ توفیق کچھ دے دیں بلکہ اسلام نے اس مصیبت زدہ کی مصیبت رفع کرنے کا قانونی بندوبست کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اہلِ خیر کو بھی یہ ترغیب دی ہے تاکہ انفرادی طور پر بھی جذباتِ رحم اور خیر کے میلانات بروئے کار آتے رہیں۔ چنانچہ جب ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مبتلائے مصیبت ہو جانے کا حال بیان کیا تو آپؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اس کو زکوٰۃ دو، اور اصحابؓ نے اسے زکوٰۃ دی[1]

الغارمین کے مصرف میں مصائبِ ناگہانی کی گنجائش موجود ہے

اسلام مصیبت زدہ افراد کو اہلِ خیر کے حسنِ سلوک پر نہیں چھوڑتا بلکہ بیت المال میں ان کا حصہ مقرر کرتا ہے اور زکوٰۃ میں ایک مستقل مصرف قائم کرتا ہے جس کا وہ حکمراں سے بلا جھجک

---

[1] یہ حدیث صفحہ ۲۲۸ پر گزر چکی ہے، مسند احمد میں (ج ۳، ص ۳۶، ۵۸) بھی مذکور ہے، مسلم نے کتاب المساقاۃ میں روایت کیا ہے ابوداؤد اور نسائی نے بیوع میں، ترمذی نے زکوٰۃ میں اور ابن ماجہ نے الاحکام میں روایت کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور قائل مطالبہ کر سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا ایک فرد ہے اور مسلمانوں کے بیت المال میں اس کا حق ہے۔

قبیصۃ بن المخارق کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"تین صورتوں میں سوال جائز ہے ——— ایک وہ شخص جس پر کوئی افتاد پڑ جائے اور اس کا مال ضائع ہو جائے تو اسے سوال کرنا جائز ہے تا آنکہ اسے زندگی کی لازمی ضرورتیں میسر آجائیں"

بعض سلف مفسرین نے الغارمین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ

"جس کا گھر جل جائے یا پانی میں اس کا مال بہہ جائے اور وہ اپنے گھر والوں کی ضرورت کے لیے قرض لے لے تو وہ الغارم ہے"[1]

ناگہانی مصیبت میں زکوٰۃ کی مد سے کس قدر مدد کی جائے گی

ہم بیان کر چکے ہیں کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیصہ کو اجازت دی کہ وہ زندگی کی ضروریات کی دستیابی کے لیے ارباب حکومت سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔

"زندگی کی ضرورت" کا حساب انسان کے معاشرتی مقام اور مالی حیثیت کے مطابق ہوگا یعنی جس شخص کا گھر جل جائے تو اس کی زندگی کی ضرورت (قوام عیش) یہ ہے کہ اسے گھر بنا کر دیا جائے جو اس کی اور اس کے گھر والوں کی ضرورت کے مطابق ہو اور اس میں اتنا سامان ہو جو اس کی حیثیت کے مطابق ہو، اور تاجر جس کو تجارت میں نقصان ہو گیا ہو اس کو اس قدر سرمایہ فراہم کیا جائے کہ وہ از سر نو اپنا کاروبار چلانے میں کامیاب ہو جائے اگرچہ اسے پہلے جیسی فراخی اور وسعت حاصل نہ ہو۔ غرض اسی طرح ہر انسان کی ضرورت کا حساب کیا جائے گا۔

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مصیبت ناگہانی میں افتاد رسیدہ کو زکوٰۃ سے اس قدر

---

[1] الغارمون کا باب ملاحظہ کیجیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امداد دی جائے گی کہ وہ اپنی سابقہ حالت پر واپس آجائے۔[1]

لیکن میری رائے یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی رائے کا اختیار کرنا مال زکوٰۃ کی قلت اور کثرت پر موقوف ہے اور اس امر پر موقوف ہے کہ باقی سات مصارف کے لحاظ سے کیا ضروریات ہیں۔

کسانوں کے مصائب مصیبت رسیدہ افراد میں سب سے زیادہ شدید مصیبت ان محنت کش کسانوں کی ہوتی ہے جو زمین کا سینہ چیر کر دانہ گندم کاشت کرتے ہیں، اس لیے اس حصہ میں ان کا خاص خیال رکھا جانا چاہیے۔

پہلے یہ ہوا کرتا تھا کہ دیہات کے لوگ خود ایک دوسرے کی کفالت کیا کرتے تھے کہ اگر کسی پر کوئی افتاد پڑ جاتی تو سب مل کر کچھ جمع کرتے اور اسے دے دیتے تاکہ اس کو سہارا مل جائے لیکن لوگوں کے دلوں سے خیر کے سوتے خشک ہو گئے اور مادی تہذیب نے انسانی ہمدردی کا جذبہ ہی مٹا کر رکھ دیا.... اب کسانوں کی کس مپرسی کا یہ عالم ہے کہ ——— اگر کسان کا بیل مر جائے تو وہ اور اس کے گھر والے اس کا اس طرح غم کرتے ہیں جیسے ان کا کوئی عزیز مر گیا ہو اور لوگ کہتے ہیں کہ اس کی تو کمر ہی ٹوٹ گئی۔

غرض آفات سماوی سے جس کے کھیت ضائع ہو جائیں، اس کا گھر جل جائے، اس کی آمدن اور معاش ضائع ہو جائے یہ سب لوگ الغارمین کے مصرف میں سے حصہ پائیں گے بلکہ ان کو الفقراء والمساکین سے بھی حصہ ملے گا تاکہ وہ اس گڑھے سے باہر آئیں اور ان کو سہارا دیا جائے تاکہ وہ زندگی کے سفر میں معاشرتی قافلہ کا ساتھ دے سکیں اور قافلہ سے منقطع ہو کر کسی اندھیری کھائی میں نہ گر پڑیں۔

●

---

[1] یہ رائے الغزالی نے ذکر کی ہے جو ہم پہلے بھی الفقراء والمساکین کے مصرف میں بیان کر چکے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث پنجم

عدم ازدواج کا مسئلہ

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اسلام نے جنس کی جبلت کو آزاد نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس پر کچھ حدود و قیود عائد کی ہیں چنانچہ زنا کو حرام کیا ہے اور زنا کے دواعی کو بھی حرام قرار دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام نے اس امر کی بھی اجازت نہیں دی ہے کہ انسان اس جبلت ہی کو ختم کر ڈالے یا اسے کچل ڈالے اور اپنی صلاحیت کو مٹا دے اور پوری زندگی کے لیے عورت سے علیحدگی اختیار کرے بلکہ اسلام نے نکاح کا حکم دیا ہے۔ اور اس امر کی تاکید کی ہے کہ دنیا سے منہ موڑ کر، رہبانیت اختیار کرے اور اس اللہ کی عبادت کے لیے فارغ ہو جانے کے دعویٰ کے ساتھ قدرت کے باوجود ترکِ زواج نہ اختیار کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بعض صحابہ میں رہبانیت کا رجحان دیکھا تو آپ نے یہی اعلان فرمایا کہ یہ اسلام سے انحراف ہے اور سُنّت سے گریز ہے۔

آپ نے فرمایا کہ

"مجھے اللہ سبحانہ کا علم تم سے زیادہ ہے میں تم سے زیادہ اس کی خشیت رکھتا ہوں، اس کے باوجود میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، یہ میری سُنّت ہے جو اس سے گریز کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔" (بخاری)

حضرت سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کو تبتّل سے منع فرمایا اگر آپ اجازت دے دیتے تو ہم ضرور عورتوں سے علیحدگی اختیار کر لیتے۔" (بخاری)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپؐ نے عام نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

"اے نوجوانو جو تم میں سے ازدواج کی قدرت رکھے وہ شادی کر لے کہ یہ آنکھوں کی حیا اور عفت کے لیے ضروری ہے۔" (بخاری)

انہی احادیث کی بنا پر فقہاء نے نکاح کو فرض کہا ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کے لیے ترک نکاح جائز نہیں ہے۔

مسلمان کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ ذمے داریوں کے بوجھ اور معاش کی کمی کا بہانا کر کے نکاح نہ کرے بلکہ اس کے لیے لازمی ہے کہ کوشش کرے اور جدوجہد کرے اور اللہ کے فضل اور اس کی اعانت کا منتظر رہے کہ اللہ سبحانہٗ نے پاک دامنی اور احصان اختیار کرنے والے زن و شو سے اپنے فضل کا وعدہ فرمایا ہے۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (النور : ۳۲)

تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کر دو، اگر وہ غریب ہوں تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

نیز فرمانِ نبوتؐ ہے۔

"تین افراد کی مدد اللہ پر حق ہے، پاکدامنی کے ارادے سے نکاح کرنے والا، ادائیگی کی نیت سے کتابت کا معاہدہ کرنے والا غلام اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والا۔"[1]

اللہ کا فضل اور اس کی مدد جس کا اللہ نے ہر مؤمن سے وعدہ کیا ہے جو نکاح کا ارادہ رکھتا ہو ایک صورت یہ ہے کہ مسلم معاشرہ ——— اسلامی ریاست اور زکوٰۃ کا ادارہ ——— ضرورت مند شخص کے مہر اور نکاح کے اخراجات میں اس کی مدد کرے تاکہ وہ حیا و عفت کے اسلامی حکم کی تعمیل کر سکے، اسلامی معاشرہ استوار کر سکے اور اللہ کی ان آیات کا ادراک حاصل کر سکے جو حق سبحانہٗ نے بطور احسان بیان فرمائی ہیں۔

---

[1] احمد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، از ابوہریرہ بسند صحیح، جیسا کہ التیسیر (ج ۱، ص ۴۴۴) میں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (الروم : ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

یہ بات میں اپنے اجتہاد کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ فقہاء نے نکاح کو اتمام کفایت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ فقیر (تنگدست) کا اپنے نکاح کے لیے زکوٰۃ سے لینا اس کا اتمام کفایت ہے جیسا کہ ہم مصارف زکوٰۃ میں اس کی تفصیل بیان کر چکے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث ششم

بے گھر ہونے کا مسئلہ

مصارف زکوٰۃ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کریم نے کس طرح ابن السبیل (مسافر) کی طرف توجہ فرمائی ہے اور بیشتر مقامات پر مسافر سے حسن سلوک کرنے اور مال زکوٰۃ میں سے اس کا حق دینے کا حکم فرمایا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں ہر انسان کا گھر ہونا ضروری ہے جو اس کا ٹھکانا بن سکے اور یہ کہ ابن سبیل (مسافر) ہونے کو اسلام نے ناپسند فرمایا ہے غرض اسلام نے مکان اور گھر کو ضروریات حقیقی میں سے قرار دیا ہے۔

امام نوویؒ کفایت جس کے بغیر آدمی فقیر متصور ہوگا کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کفایت (ضروریات زندگی) جس کے بغیر آدمی کو فقیر (حاجتمند) سمجھا جاتا ہے یہ ہے کہ غذا، لباس، رہائش اور تمام ناگزیر ضرورتیں اس شخص کے لیے اور اس کے متعلقین (جو اس کے ذمے ہوں) کے لیے فراہم کی جائیں۔

ابن حزمؒ ان بنیادی اشیاء کا ذکر کرتے ہوئے جو اسلامی ریاست میں ہر فرد کو فراہم کرنا ضروری ہیں فرماتے ہیں کہ

> "اگر نظام زکوٰۃ قائم نہ ہو تو ہر شہر کے اہل ثروت اس امر کے ذمے دار ہوں گے کہ وہ اپنے شہر کے فقیروں (ضرورتمندوں) کی ضرورت پوری کریں، اور انہیں حکومت اس پر مجبور کرے وہ انہیں غذا، لباس سرما و گرما اور ایسی رہائش جس سے وہ دھوپ بارش سے اور گزرنے والوں کی نگاہ سے محفوظ رہ سکیں۔"[1]

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۱۵۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن السبیل کے بیان میں ہم بتا چکے ہیں کہ اس کے مفہوم میں لقیط (افتادہ بچہ) بھی شامل ہے کیونکہ سبیل کا مفہوم اہل خانہ ماں باپ پر مشتمل ہے اور لقیط جرم کا نتیجہ ہوتا ہے جس کا بار دوسروں پر نہیں ڈالا جا سکتا کیونکہ فرمان الٰہی ہے۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ

(الانعام : ۱۶۴)

ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمے دار وہ خود ہے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

اس لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے مال میں سے ان کا بھی حصہ ہو اور وہ اس سے ان کی دیکھ بھال کی جائے، ان کی تربیت کی جائے اور انھیں پاک اور مستقیم مستقبل کے لیے تیار کیا جائے۔

بہرحال جن فقہاء کے نزدیک لقیط ابن السبیل میں داخل نہیں ہے ان کے نزدیک وہ فقراء اور مساکین میں ضرور داخل ہے کہ یہ بھی بلا اختلاف مصارف زکوٰۃ ہیں۔

تنبیہ

زکوٰۃ اسلامی نظام حیات کا ایک حصہ ہے اور یہ حصہ تنہا معاشرہ کی تمام مشکلات و مسائل کا حل فراہم نہیں کر سکتا کہ محض نظام زکوٰۃ کو جاری کر دیا جائے اور باقی تمام نظام زندگی جاہلی رہے کہ اس میں اسلام کہیں کارفرما نہ ہو، اسلامی قانون جاری، اسلامی اخلاق اور اسلامی آداب کی کوئی رعایت نہ ہو۔

اسلام مکمل جامع اور مربوط نظام ہے اس کے تمام اجزاء ایک دوسرے سے پیوست ہیں اس نظام میں یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کا ایک حصہ لے کر جاہلی نظام میں جاری کر دیا جائے، یا کوئی غیر اسلامی نظام درآمد کر لیا جائے اور اس میں اسلام کے کچھ پیوند لگا دیئے جائیں، کہ اس آمیزش سے نہ تو ایسا کوئی فائدہ حاصل ہو گا جس کی اسلام نے ضمانت دی ہو اور نہ جاہلی معاشرے کی پیدا کردہ کوئی خرابی دور ہو گی ــــ بلکہ اسلام کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقی فوائد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ پورا اور مکمل اسلام جاری اور نافذ ہو۔ یہود کو اللہ سبحانہٗ نے اسی بات پر سرزنش فرمائی ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ

(البقرہ : ۸۵)

تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو۔

اور اللہ سبحانہٗ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے بعد آنے والے تمام حکمرانوں کو تنبیہ فرمایا کہ

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ

(المائدہ : ۴۹)

پس اے نبی، تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتواں باب

زکوٰۃ الفطر (فطرہ)

۱) اس کا مفہوم، حکمت اور حکم۔
۲) کس پر واجب ہے اور کس کی جانب سے واجب ہے۔
۳) مقدار واجب کیا ہے اور یہ کہ کس شئے پر واجب ہے۔
۴) وجوب کا وقت اور دینے کا وقت کیا ہے۔
۵) زکوٰۃ الفطر کس کو دی جائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔

پہلی فصل: زکوٰۃ الفطر کا مفہوم اس کا حکم اور اس کا مشروعیت ہونا۔
دوسری فصل: کس پر واجب ہے اور کس کی جانب سے واجب ہے۔
تیسری فصل: مقدار فطر، کس شئے پر واجب ہے اور کیا اس کی قیمت دینا جائز ہے
چوتھی فصل: وجوب اور ادائیگی کا وقت۔
پانچویں فصل: کس پر زکوٰۃ الفطر صرف کی جائے گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی فصل

زکوٰۃ الفطر کا مفہوم اس کا حکم اور اس کی حکمت

زکوٰۃ الفطر کا مفہوم زکوٰۃ الفطر (فطرہ) کے معنی ہیں وہ زکوٰۃ جو رمضان المبارک کے روزے ختم ہو جانے (افطار) سے واجب ہوتی ہے اسے صدقۃ الفطر بھی کہتے ہیں کہ از روئے شریعت صدقہ کے لفظ کا اطلاق فرض زکوٰۃ پر بھی ہوتا ہے جو کہ قرآن و سنت میں بیشتر مقامات پر آیا ہے۔ اسے زکوٰۃ الفطرۃ بھی کہتے ہیں یعنی یہ فطرتِ انسانی (تخلیق انسانی) کی زکوٰۃ ہے اور تزکیۂ نفس کے طور پر واجب ہوئی ہے۔ زکوٰۃ الفطر میں جو شئے (یا رقم) ادا کی جاتی ہے اسے فِطْرَہ کہتے ہیں مگر یہ لفظ عربی یا معرب نہیں ہے بلکہ مُوَلَّد ہے اور ایک فقہی اصطلاح کے طور پر مستعمل ہے۔[1]

---

[1] ابن عابدین شامی اپنے حاشیہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں کہ فقہاء کے یہاں جو لفظ و فطرہ استعمال ہوتا ہے مُوَلَّد ہے بلکہ بعض ماہرین لغت نے اسے لَحْن عوام (غلط العوام) قرار دیا ہے۔ بہرحال فطرہ سے مراد صدقہ ہے اور بلحاظ لغت درست نہیں ہے اس لیے کہ لغت میں اس معنی میں نہیں ہے۔ چنانچہ القاموس میں ہے کہ فطرہ سے مراد صدقۃ الفطر اور طبیعت اور ساخت ہے، جس کے بارے میں محققین نے کہا ہے کہ پہلا مفہوم غلط ہے کیونکہ صدقہ کا مفہوم فقہی اصطلاح کے طور پر ہے لغوی معنی کے لحاظ سے نہیں ہے۔ بہرحال اس لفظ کے یہ معنی القاموس کے اغلاط میں سے ایک ہیں اور صاحب القاموس نے متعدد مقامات پر شرعی مفاہیم کو لغوی معنی کے ساتھ غلط کر دیا ہے۔

المغرب میں ہے کہ فطرہ صدقہ کے مفہوم میں امام شافعیؒ نے کئی مقامات پر استعمال

(بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ الفطر ۲ھ میں فرض ہوئی ہے اور اسی سال رمضان کے روزے فرض ہوئے ہیں ـــــ اور زکوٰۃ الفطر کی فرضیت کا مقصود یہ ہے کہ روزہ دار لغو اور رفث سے پاک ہو جائے (اور اس کا کفارہ ہو جائے) اور مساکین کے لیے کھانا فراہم ہو جائے اور وہ عید کے روز حاجتمندی سے اور ذلت سوال سے محفوظ ہو جائیں۔

اس زکوٰۃ میں اور زکوٰۃ کی دیگر انواع میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ الفطر (فطرہ) اشخاص پر عائد ہوتی ہے جبکہ دیگر انواع زکوٰۃ مال پر عائد ہوتی ہیں اسی لیے فطرہ میں ملکیت نصاب

(بقیہ آگے) کیا ہے جو بلحاظ لغت درست ہے لیکن مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔

النووی کہتے ہیں کہ یہ لفظ مولّد ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ فطرۃ بمعنی فطرت ہی مستعمل ہوا ہو۔

ابو محمد بن الاہبری کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم زکوٰۃ الخلقۃ (فطرت کی زکوٰۃ یا تخلیق کی زکوٰۃ) ہے یعنی یہ کہ یہ جسم انسانی کی زکوٰۃ ہے۔

المصباح میں ہے کہ فطرہ کا مفہوم ہے زکوٰۃ الفطرہ یعنی جسم انسانی پر عائد ہونے والی زکوٰۃ۔ اس میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائمقام کر دیا اور صرف مضاف الیہ کا استعمال ہونے لگا کہ اسی سے ذہن مفہوم کی جانب مبادر ہو جاتا ہے۔ یہی رائے القہستانی کی ہے کہ یہ انسان کے سر کا صدقہ اور اس کے جسم کی زکوٰۃ ہے۔

حاصل یہ کہ فطرۃ کا لفظ بلحاظ لغت خلقت اور ساخت کے معنی میں ہے اور اسے زکوٰۃ الفطر کے مفہوم میں استعمال کرنا ایک فقہی اصطلاح ہے اور اس لحاظ سے یہ لفظ مولّد ہے جبکہ اگر اسے مضاف (زکوٰۃ) کے لفظ کو متصور کر کے استعمال کیا جائے (یعنی زکوٰۃ الفطرۃ) تو یہ بلحاظ لغت بھی درست ہے اور یہی لغوی درستگی کی وہ صورت ہے جو المغرب نے بیان کی ہے۔

ردالمحتار، ج ۲، ص ۷۸۔

لہ المرقاۃ، ج ۴، ص ۱۵۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ کی شرائط نہیں ہیں، اسی لیے فقہاء نے اسے "اجسام کی زکوٰۃ" یا "شخص کی زکوٰۃ" کہا ہے۔

زکوٰۃ الفطر کی فرضیت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ الفطر کی فرضیت کا اعلان رمضان میں فرمایا کہ ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جو ہر مسلمان آزاد اور غلام مرد اور عورت پر فرض ہے۔"[1]

جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ یہاں پر فرضیت کے معنی وجوب کے ہیں یعنی زکوٰۃ الفطر واجب ہے اور اس فرمانِ الٰہی کے عموم میں داخل ہے۔

وَآتُوا الزَّكٰوةَ

(البقرہ: ۱۱۰، النساء: ۷۷، النور: ۵۶)

اور زکوٰۃ ادا کرو۔

خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرہ کو زکوٰۃ فرمایا اس لیے لامحالہ اس حکمِ قرآنی میں داخل ہے اور آپؐ نے اسے فرض فرمایا جو کہ شریعت میں وجوب اور لزوم کے معنی میں مستعمل ہے۔

اس امر کی تائید کہ فرض وجوب اور لزوم کے معنی میں ہے اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث مذکورہ میں فرض کے ساتھ "علیٰ" استعمال ہوا ہے جو کہ وجوب کی نشاندہی کرتا ہے۔ مزید یہ کہ صحیح روایات میں "امر" کا لفظ آیا ہے یعنی آپؐ نے حکم فرمایا اور امر کا لفظ بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے۔[2]

---

[1] منتقی الاخبار، نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۷۹۔ ط العثمانیہ۔

[2] النووی علی مسلم، ج ۷، ص ۵۸، المحلی، ج ۶، ص ۱۱۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوالعالیہ، عطاء اور ابن سیرین نے اس کے فرض ہونے کی وضاحت کی ہے جیسا کہ بخاری میں ہے[1] اور یہی امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک ہے۔

فقہائے احناف فرض اور واجب میں فرق کرتے ہیں اور ان کے نزدیک فطرہ واجب ہے فرض نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک فرض وہ ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو، اس فرق کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ فرض کا منکر کافر ہے لیکن واجب کا منکر کافر نہیں ہے اس لیے فقہاء احناف واجب کو فرض عملی کہتے ہیں جو فرض اعتقادی کے بالمقابل ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ) کے نزدیک فرض ان دونوں اقسام پر مشتمل ہے یعنی جو قطعی دلیل سے ثابت ہو یا ظنی دلیل سے ثابت ہو۔ بہرحال احکام میں احناف کی رائے فقہائے ثلاثہ سے مختلف نہیں ہے[2] بلکہ یہ محض اصطلاحی اختلاف ہے جس میں کوئی نزاع نہیں ہے۔

---

[1] البخاریؒ نے اس قول کو تعلیق کے ساتھ ذکر کیا ہے اور الحافظ (ابن حجرؒ) نے فتح الباری میں کہا ہے کہ عبدالرزاق نے اس قول کو بروایت ابن جریج از عطاء متصل روایت کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے بروایت عاصم الاحول متصل روایت کیا ہے۔ بخاریؒ نے ان فقہاء کا نام اس لیے لیا ہے کہ انھوں نے زکوٰۃ الفطر کی فرضیت کی تصریح کی ہے ورنہ ابن المنذرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

[2] ابن الہمام کہتے ہیں کہ معنی میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ائمہ ثلاثہ بھی جس طرح اس کی فرضیت ثابت کرتے ہیں اس سے اس کا منکر کافر نہیں ہوگا یعنی فقہائے احناف کے نزدیک فرض ہمارے واجب سے عام ہے اور ہم نے اس کے ایک جزء پر اس کا اطلاق کر لیا ہے۔ اور احناف نے فطرہ کو فرض کے بجائے واجب اس لیے کہا ہے کہ اس سلسلے میں وارد احادیث قطعی الدلالت اور قطعی الثبوت نہیں ہیں — دیکھئے المرقاۃ علی المشکوٰۃ، ج ۴، ص ۱۶۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالکی فقہاء نے اشہب کی یہ رائے نقل کی ہے کہ یہ سنّت مؤکدہ ہے[1] مسلک ظاہر کے بعض فقہاء کی بھی یہی رائے ہے۔ مسلک شافعیؒ کے ابن اللبان کا یہی قول ہے۔ ان فقہاء نے سنّت میں وارد فرض کے لفظ کو تقدیر (اندازے) کے معنی میں لیا ہے لیکن جو دلائل ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان سے اس رائے کی تردید ہو جاتی ہے۔

ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ از روئے لغت فرض کے معنی قدر (مقرر کرنے اور اندازہ کرنے) کے ہیں جس کے شریعت میں وجوب کے معنی ہیں اور اسی معنی پر محمول کرنا بہتر ہے۔

ابن الہمام فرماتے ہیں کہ جو لفظ شارع کے کلام میں مستعمل ہُوا ہو اسے شرعی مفہوم میں استعمال کرنا متعین اور لازمی ہے جب تک کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو جو اس معنی کے علاوہ کسی اور مفہوم کی نشاندہی کرتی ہو۔ فرض کے لفظ میں حقیقت شرعیہ محض تقدیر نہیں ہے خصوصاً جبکہ بخاری اور مسلم کی احادیث میں اَمر (حکم) کا لفظ آیا ہے اس لیے فرض کے معنی اَمر کے ہوں گے۔

وجوب کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ فطرہ کو زکوٰۃ کہا گیا ہے اس لیے یہ زکوٰۃ کے عمومی حکم میں داخل ہوگا جس کا اللہ سبحانہٗ نے حکم فرمایا ہے اور جس کے مانعین پر شدید وعید فرمائی ہے۔

---

[1] ابن حزمؒ نے المحلی (ج ۶، ص ۱۱۸) میں امام مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ فطرہ فرض نہیں ہے۔ اس پر شیخ شاکر فرماتے ہیں کہ یہ ابن حزمؒ کا وہم ہے کیونکہ امام مالکؒ المؤطا میں فرماتے ہیں کہ اہل بادیہ پر بھی زکوٰۃ الفطر اسی طرح واجب ہے جس طرح اہل شہر پر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان سے افطار کی زکوٰۃ مقرر فرمائی۔ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں (ج ۱، ص ۲۶۹) میں بعض مالکی اصحاب سے یہی قول نقل کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام نوویؒ نے ابن اللبان کا یہ قول نقل کر کے کہ زکوٰۃ الفطر سنت ہے کہا ہے کہ یہ قول شاذ اور منکر ہے بلکہ صریحاً غلط ہے۔

اسحٰق بن راہویہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ الفطر کا وجوب اجماع کے درجے میں ہے بلکہ ابن المنذر نے اس پر اجماع ہونا نقل کیا ہے۔

اسحٰق بن راہویہ کا قول زیادہ دقیق ہے کیونکہ اس میں کم ہی اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور اس لیے کہ ابراہیم بن علیہ اور ابوبکر بن الاعلم نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ الفطر کا وجوب زکوٰۃ کی فرضیت سے منسوخ ہو گیا ہے۔ ان حضرات کی دلیل قیس بن سعد بن عبادہ کی یہ حدیث ہے جو احمد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے قبل ہمیں صدقۂ فطر کا حکم دیا تھا اور جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہو گیا تو آپؐ نے نہ حکم فرمایا اور نہ منع کیا، اور ہم فطرہ ادا کرتے رہے۔"

مگر اس حدیث کی سند میں کلام ہے اور بقول حافظ[1] اس میں ایک راوی مجہول ہے لیکن اگر ہم اس کو صحیح تسلیم کر لیں تو بھی اس میں فطرہ کے نسخ پر کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ حکم اوّل ہی کافی ہے کیونکہ کسی فرض کے حکم کے نزول سے دوسرے فرض کا سقوط لازم نہیں آتا[2] جبکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں اصل یہی ہے کہ

---

[1] السیوطی نے شرح النسائی میں اور الشوکانی نے نیل الاوطار (ج ۴، ص ۱۸۰۔ ط۔ العثمانیہ) میں حافظ ابن حجرؒ کے اس قول کی اتباع کی ہے مگر احمد شاکر نے ابن حجرؒ کے اس قول پر اظہار تعجب کیا ہے اور نسائی کی روایت کردہ دونوں سندوں کے ساتھ (ج ۵، ص ۴۹) اس حدیث کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ ہر دو سند صحیح ہیں، ان کے راوی ثقہ ہیں اور ان میں مطلقاً کوئی راوی مجہول نہیں ہے ——— حاشیۃ المحلی، ج ۶، ص ۱۱۹۔

[2] فتح الباری، ج ۴، ص ۱۱۰، ۱۱۱، ط۔ الحلبی۔ الرقاۃ، ج ۴، ص ۱۵۹، ۱۶۰، المحلی، ج ۶، ص ۱۱۸، ۱۱۹۔ الروضۃ للنووی، ج ۲، ص ۲۹۱، شرح مسلم للنووی، ج ۷، ص ۵۸، نیل الاوطار ج ۴، ص ۱۸۰۔ ط۔ العثمانیہ۔ الفتح الربانی وشرحہ، ج ۹، ص ۲۳۴، ۲۳۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ احکام محکم ہیں اور باقی رہتے ہیں اور محض احتمالِ نسخ سے نسخ ثابت نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں ہمیشہ زکوٰۃ الفطر کے وجوب کا قول رہا ہے اور اس قول سے گریز کرنے والوں کی جانب کوئی توجہ نہیں دی گئی، کیونکہ یہ اقوال شاذ اور اجماع کے خلاف ہیں[1] اور اس موضوع پر شاخت (SCHA) نے جو کچھ کہا ہے وہ محض خلط بحث ہے[2]

---

[1] البحر الزخار، ج ۲، ص ۱۹۵۔

[2] شاخت نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں اپنے آرٹیکل میں لکھا ہے کہ زکوٰۃ الفطر کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے یعنی جو رائے بعد میں عام ہوئی وہ فطرہ کے وجوب کی ہے جبکہ فقہائے مالکیہ کے نزدیک سنّت ہے۔

شاخت کی اس رائے میں بڑا خلط بحث ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ زکوٰۃ الفطر کے وجوب پر فقہاء کا تقریباً اجماع ہے اور ابن المنذر نے تو اجماع ہی نقل کیا ہے اگر ایک یا دو فقہاء نے مختلف ادوار میں اس اجماعی رائے سے اختلاف کیا بھی ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ نیز مسلک مالک کے فقہاء کے نزدیک بھی زکوٰۃ الفطر واجب ہے جیسا کہ مسلک مالک کی کتب میں مذکور ہے۔ (دیکھیے: بلغۃ السالک علی الشرح الصغیر للدردیر ج ۱، ص ۲۳۰۔ الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ج ۱، ص ۵۰۴۔) رہ گیا اشہب کا قول تو مسلک مالک میں ان کی رائے پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔

دراصل شاخت کو ابن ابی زید کے "الرسالۃ" میں مذکور اس قول سے التباس ہوا ہے کہ زکوٰۃ الفطر سنّت واجبہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چھوٹے بڑے پر فرض قرار دیا۔ حالانکہ اس قول میں صرف سنّت نہیں ہے بلکہ واجب اور فرض کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (دیکھیے شرح الرسالۃ للزرقانی ج ۱ ص ۳۴۱)

امام مالکؒ نے الموطا میں اس کے وجوب کی تصریح کی ہے اور اس پر حدیث سے استدلال کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس لیے زکوٰۃ الفطر کی فرضیت کی رائے بعد میں عام نہیں ہوئی، جیسا کہ شاخت نے دعویٰ کیا بلکہ عہدِ نبوتؐ ہی سے اس کی فرضیت متعارف ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ الفطر کی حکمت زکوٰۃ الفطر کے وجوب کی حکمت حضرت ابن عباسؓ سے مروی اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ

> ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ اس لیے فرض فرمائی کہ روزہ دار لغو سے اور رفث سے پاک ہوجائے اور مساکین کو کھانا میسر آجائے ؛ [1]

اس حکمت کے دو پہلو ہیں :-

پہلا پہلو ماہِ رمضان کے روزے داروں سے متعلق ہے۔ یعنی ممکن ہے کہ روزے داروں کے روزوں میں کچھ نامناسب افعال سرزد ہوگئے ہوں اور کوئی ناشائستہ بات زبان سے نکل گئی ہو کہ صوم کامل (مکمل روزہ) تمام اعضاء کا روزہ ہوتا ہے اور روزہ دار کے کان، ناک، آنکھ، زبان، پیٹ، ہاتھ اور پیر تمام کے تمام ہر اس فعل سے باز رہتے ہیں جس سے اللہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہو اور کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ روزہ دار ان تمام ممنوعات سے اجتناب کرسکے اس لیے کہ انسان کمزور مخلوق ہے۔

---

[1] اس حدیث کو ابوداؤد نے باب زکوٰۃ الفطر میں روایت کیا ہے اور انھوں نے اور المنذری نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے جو بمنزلہ تحسین کے ہے۔ الحاکم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے (ج ۱، ص ۴۰۹) اور کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری کی شرائط کے مطابق صحیح ہے اور الذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ ابن ماجہ نے باب زکوٰۃ الفطر میں اور الدارقطنی (ص ۲۱۹) نے بھی روایت کیا ہے اور دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کے راوی مجروح نہیں ہیں نیز بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے (ص ۱۶۳)۔ دیکھیے المرقاۃ ج ۴، ص ۱۷۳۔ نصب الرایہ، ج ۲، ص ۴۱۱۔

زیرِ بحث حدیث کا مکمل متن یہ ہے۔

فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر طھرۃ للصائم من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین من اداھا قبل الصلوٰۃ فھی زکوٰۃ مقبولۃ ومن اداھا بعد الصلوٰۃ فھی صدقۃ من الصدقات۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزہ میں سرزد ہوجانے والی اس ممکنہ کوتاہی کے پیشِ نظر زکوٰۃ الفطر فرض کی گئی ہے تاکہ روزہ دار اس کوتاہی سے پاک وصاف ہوجائے، اس کے روزے میں جو آمیزش ہوئی ہے وہ دھل کر زائل ہوجائے اور جو نقص رہ گیا ہے اس کی تلافی ہوجائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ حسنات سے سیئات دور ہوجاتی ہیں۔

نماز پنجگانہ کے ساتھ سنتوں اور نفلوں کا حکم شرعی بھی اسی حکمت پر مبنی ہے کہ اگر نماز میں کوئی غفلت ہوجائے یا اس کے کسی ادب کی تکمیل میں کوتاہی ہوجائے تو سنتوں سے اس کی تلافی ہوجائے گی بعض ائمہ نے زکوٰۃ الفطر کو سجدۂ سہو سے تشبیہ دی ہے چنانچہ وکیع بن الجراح فرماتے ہیں کہ ماہِ رمضان کے بعد زکوٰۃ الفطر نماز کے سجدۂ سہو کی طرح سجدۂ سہو سے نماز کے نقصان کی تلافی ہوجاتی ہے اسی طرح زکوٰۃ الفطر سے روزے کے نقصان کی تلافی ہوجاتی ہے[1]

دوسرا پہلو معاشرے سے متعلق ہے کہ زکوٰۃ الفطر کے ذریعے محبتوں کی فراوانی اور مسرتوں کی ارزانی کو معاشرے کے تمام افراد بالخصوص مساکین اور ضرورتمندوں تک پہنچایا جائے۔ کیونکہ عید کا دن عام خوشی اور مسرت کا دن ہوتا ہے اور اس خوشی کو مسلم معاشرے کے تمام افراد کے درمیان عام کرنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایک غریب مسکین اس صورت حال میں خوش نہیں ہوسکتا کہ معاشرے کے خوش حال افراد خوش ذائقہ غذائیں کھا رہے ہوں اور وہ اس عام خوشی کے دن بھی ایک وقت کی روٹی سے محروم ہو۔

اس لیے حکمت شارع اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس روز خوش حال افراد پر کچھ ایسی ذمے داری عائد کردی جائے جو معاشرے کے نادار افراد کو ضرورت کے چنگل سے نکال دے اور سوال کی ذلت سے نجات دے دے، اور انھیں یہ احساس ہوجائے کہ معاشرے نے انھیں نظر انداز نہیں کیا ہے اور اس خوشی کے موقع پر انھیں فراموش نہیں کیا ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ

---

[1] نہایۃ المحتاج، ج ۲، ص ۱۰۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"آج کے دن انھیں (اہل ضرورت کو) غنی کر دو۔"[1]

زکوٰۃ الفطر میں یہ مصلحت بھی ملحوظ رکھی گئی کہ اس کی شرح کم ہو تاکہ لوگوں کو دینا آسان ہو اور وہ اپنی خوراک میں سے زائد حصہ اہل ضرورت کو دے سکیں اور معاشرے کے افراد کی کثیر تعداد اس مبارک موقع پر اس حسن سلوک میں شریک ہو جائے۔



---

[1] نیل الاوطار میں امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو بیہقی اور دار قطنی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ اور بیہقی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "آج کے روز کے چکر سے انھیں مستغنی کر دو"۔ ابن سعد نے الطبقات (ج ۴، ص ۱۸۶) میں حضرت عائشہؓ اور ابو سعید سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ مزید دیکھیے نصب الرایہ: ج ۲، ص ۴۳۲، حاشیۃ المحلی، ج ۶، ص ۱۲۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری فصل

زکوٰۃ الفطر کس پر واجب ہے اور کس کی جانب سے واجب ہے

زکوٰۃ الفطر کس پر واجب ہے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اور جسے متعدد راویوں نے روایت کیا ہے یہ ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی زکوٰۃ الفطر مسلمانوں کے ہر آزاد غلام مرد و عورت پر فرض فرمائی۔"

بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ الفطر فرض فرمائی ایک صاع کھجور ایک صاع جَو، مسلمانوں کے ہر آزاد، غلام، مرد و عورت اور بچے بڑے پر۔"

جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ

"زکوٰۃ الفطر ہر آزاد غلام، مرد و عورت، بچے بڑے، مالدار اور فقیر پر فرض ہے۔"[1]

بہرحال یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے اور اس معاملہ میں رائے قابلِ قبول نہیں ہے (یعنی فقیر کے بارے میں)۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ مسلمانوں کے افراد اور اشخاص پر فرض ہے اور اس میں آزاد یا غلام مرد یا عورت، بچے یا بڑے بلکہ فقیر یا غنی میں اور شہری اور دیہاتی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

---

[1] احمد، بخاری، مسلم، نسائی، الفتح الربانی، ج ۹، ص ۱۳۹، کتاب الزکوٰۃ حدیث نمبر ۱۸۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام زہری ربیعۃ اور لیث کہتے ہیں کہ زکوٰۃ الفطر شہریوں کے ساتھ خاص ہے اور (اہل البادیہ) جنگل میں رہنے والوں پر واجب نہیں ہے۔ لیکن احادیث اس کی تردید کرتی ہیں اور اس مسئلہ میں جمہور ہی کی رائے درست ہے [1]

ابن حزمؒ نے عطاء سے یہ قول نقل کر کے اس کی تردید کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اعرابی یا بدوی کی تخصیص نہیں فرمائی اس لیے جائز نہیں ہے [2]

بیوی اور بچے پر زکوٰۃ الفطر کا وجوب

مذکورہ بالا احادیث میں ذکر و انثی (مرد و عورت پر) کے الفاظ اس رائے کی تائید کرتے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ نے اختیار فرمائی ہے کہ زکوٰۃ الفطر عورت پر بھی فرض ہے خواہ اس کا شوہر ہو یا نہ ہو اور یہ کہ یہ بیوی پر خود اس کے مال پر عائد ہوتی ہے۔ اور یہی ظاہریہ کا مسلک ہے [3]

ائمہ ثلاثہ اور لیث اور اسحاق کے نزدیک شوہر پر اپنی بیوی کی زکوٰۃ الفطر دینا لازم ہے کیونکہ نفقہ میں وہ اسی کی تابع ہے۔ مگر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس رائے میں تامل یہ ہے کہ انہی فقہاء کے نزدیک اگر شوہر تنگدست ہو جائے اور بیوی باندی ہو تو اس کی زکوٰۃ الفطر اس کے مالک کے ذمے ہوگی، جبکہ نفقہ میں ایسا نہیں ہے (یعنی نفقہ میں شوہر کے تنگدست ہو جانے پر باندی بیوی کا نفقہ اس کے مالک کے ذمے نہیں آتا) اس لیے ان دونوں (نفقہ اور زکوٰۃ الفطر) میں فرق ہے۔ (اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا) نیز انہی فقہاء کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ مسلم اپنی کافر بیوی کی طرف سے زکوٰۃ الفطر ادا نہیں کرے گا باوجودیکہ مسلمان شوہر پر کافر بیوی کا نفقہ لازم ہے۔

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۸۱۔

[2] المحلی، ج ۶، ص ۱۳۱۔

[3] الفتح الربانی و شرحہ، ج ۹، ص ۱۴۰، حدیث نمبر ۱۸۷۔ کتاب الزکوٰۃ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دراصل امام شافعیؒ نے محمد بن علی الباقر کے اس مرسل کو دلیل بنایا ہے کہ وہ زکوٰۃ الفطر ان تمام لوگوں کی طرف سے ادا کرو جن کی تم کفالت کرتے ہو۔[1]

لیکن اس جیسی ضعیف حدیث کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ مگر امام شافعیؒ اور ان کی رائے کے قائل فقہاء ــــــ بقول ابن الترکمانی[2] ــــــ مستاجر پر اس کے مزدور کی اور مالک پر اس کے کافر غلام کی زکوٰۃ الفطر لازم قرار دیتے تھے، کیونکہ اجیر مستاجر اور غلام مالک کی زیرِ کفالت ہوتا ہے۔[3]

امامیہ مسلک کے فقہاء کہتے ہیں کہ ہر شخص پر اس کی اور اس کے زیرِ کفالت افراد کی زکوٰۃ الفطر لازم ہے۔

لیث کہتے ہیں مستاجر اس اجیر کی طرف سے زکوٰۃ الفطر ادا کرے گا جس کی اُجرت

---

[1] البیہقی (ص ۱۶۱، ج ۴) نے اس حدیث کو اس سند سے روایت کیا ہے اور اپنی سند میں ذکرِ علی کا اضافہ کیا ہے جو کہ منقطع ہے۔ ابن حزمؒ نے اس مقام پر بڑی عجیب بات کہی ہے کہ امام شافعیؒ مرسل کے قائل نہیں ہیں لیکن یہاں پر انھوں نے سب سے کم تر درجے کے مرسل کو دلیل بنا لیا ہے یعنی جو ابن ابی یحییٰ کی روایت سے ہے (المحلی، ج ۶، ص ۱۳۷) البیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے ممن تمونون کے الفاظ بھی روایت کیے ہیں جس کی سند قوی نہیں ہے (ج ۴، ص ۱۶۱) دارقطنی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے (نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۸۱) البیہقی نے اس حدیث کو حضرت علیؓ سے بھی روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ

"جس کا نفقہ تمھارے ذمے ہو تو تم اس کی جانب سے کھلاؤ"

اس میں عبدالاعلیٰ راوی ہے جو کہ قوی نہیں ہے جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے لیکن ماقبل کی روایات سے اس کی تقویت ہو جاتی ہے۔

البحر میں ہے کہ یہ توقیف ہے (ج ۲، ص ۱۹۹) دیکھیے نصب الرایہ، ج ۲، ص ۴۱۳)

[2] البحر الزخار، مع السنن الکبریٰ، ج ۴، ص ۱۶۰۔

[3] فقہ الامام جعفر، ج ۲، ص ۱۰۳/۱۰۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقرر نہ ہو۔ لیکن اگر اس کی اجرت معلوم ہو تو اس کے ذمے زکوٰۃ الفطر کی ادائیگی نہیں ہے[1]

زیدیہ مسلک کے فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ الفطر کسی شخص پر اس فرد کا لازم ہے جس کا نفقہ رشتہ داری یا زوجیت یا غلامی کی بنا پر اس کے ذمے ہو[2]

حدیث میں صغیر اور کبیر کے الفاظ آتے ہیں جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ بچہ پر اس کے مال میں زکوٰۃ الفطر واجب ہے، اور اس کا ولی جس طرح اس کے مال کی زکوٰۃ دیتا ہے اسی طرح اس کی زکوٰۃ الفطر بھی ادا کرے گا اور اگر بچہ کے پاس مال نہ ہو تو جس کے ذمے اس کا نفقہ ہو وہ اس کی زکوٰۃ الفطر ادا کرے گا ——— جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے۔

محمد بن الحسنؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ الفطر صرف باپ پر لازم ہے اور جس بچہ کا باپ نہ ہو اس پر کچھ لازم نہیں ہے[3]

سعید بن المسیب اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ صرف روزے دار پر واجب ہے اس لیے کہ روزہ دار کی تطہیر کے لیے ہی زکوٰۃ الفطر واجب ہوئی ہے اور چونکہ بچہ گنہگار نہیں ہوتا اس لیے وہ اس تطہیر کا محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ الفطر روزے دار کی لغو اور رفث سے تطہیر کے لیے فرض فرمائی۔

[illegible] کا جواب یہ ہے کہ تطہیر کا ذکر اس حدیث میں اس کی اغلب حکمت کے[4] ذکر کے طور پر ہے کیونکہ دیگر احادیث میں زکوٰۃ الفطر کی یہ حکمت بھی بیان کی ہے کہ

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۱۲۷۔

[2] البحر، ج ۲، ص ۱۹۹۔

[3] بحوالہ مذکور، ص ۱۳۵۔ نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۸۰، ۱۸۱۔ المحلی، ج ۶، ص ۱۲۷۔

[4] بحوالہ ہائے مذکور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے مساکین کو غذا میسر آجاتی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ

"آج کے دن ان کو مستغنی بنا دو"

یعنی زکوٰۃ الفطر اگر ایک پہلو سے روزے دار کی تطہیر ہے تو اس میں دوسرا پہلو مسکین کو غذا فراہم کرنا اور اس کو غنی کر دینا بھی ہے، اور یہ ایسی حکمت ہے کہ جس طرح یہ بڑوں پر منطبق ہوتی ہے اسی طرح چھوٹوں پر بھی منطبق ہوتی ہے۔

جنین پر زکوٰۃ الفطر کا جواب

جمہور فقہاء کے نزدیک جنین (پیٹ کے بچے) پر زکوٰۃ الفطر واجب نہیں ہے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر لیلۃ الفطر کی صبح ہونے سے پہلے رحم مادر میں بچہ کو ایک سو بیس دن پورے ہو گئے ہوں تو اس کی جانب سے زکوٰۃ الفطر واجب ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ اس وقت بچہ میں روح پھونکی جاتی ہے۔

ابن حزمؒ نے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ الفطر بچے بڑے سب پر لازم کیا ہے اور جنین (صغیر) بچہ کے ضمن میں آتا ہے اس لیے اس پر صغیر کے احکام عائد ہوں گے کیونکہ روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان صغیر و کبیر اور حمل کا بھی فطرہ ادا فرمایا کرتے تھے۔

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام ہر صغیر و کبیر کی جانب سے زکوٰۃ الفطر ادا فرماتے اور حتیٰ کہ حمل کی جانب سے بھی فطرہ دیتے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ابو قلابہ نے صحابہؓ کا زمانہ پایا ہے اور ان کی صحبت میں رہے ہیں۔

سلیمان بن یسار سے پوچھا گیا کہ کیا حمل کی جانب سے بھی فطرہ دیا جائے تو انھوں نے فرمایا کہ جی ہاں۔

اس بیان کے بعد ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے کوئی حضرت عثمانؓ کی اس رائے کا مخالف نہیں تھا۔[1]

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۱۳۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حق یہ ہے کہ علامہ ابن حزمؒ نے جو آثار نقل کیے ہیں ان میں حمل کی طرف سے فطرہ کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ کہنا زیادتی ہوگی حدیث میں وارد صغیر کا لفظ حمل کو بھی شامل ہے جیسا کہ حضرت عثمان وغیرہ سے مروی آثار محض استحباب پر دلالت کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو استحباب پر عمل کرے اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ ابن المنذر نے اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ جنین پر زکوٰۃ الفطر واجب نہیں ہے۔ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حنبین کی طرف سے زکوٰۃ الفطر کی ادائیگی واجب نہیں ہے البتہ مستحب ہے۔[1]

زکوٰۃ الفطر میں نصاب کی شرط حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہر آزاد اور غلام غنی اور فقیر دونوں پر مشتمل ہیں اور یہاں فقیر کا مفہوم یہ ہے کہ جو نصاب زکوٰۃ کا مالک نہ ہو، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں یہ وضاحت موجود ہے کہ غنی ہو یا فقیر سب پر زکوٰۃ الفطر واجب ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ اور جمہور کی رائے ہے۔

ان ائمہ کے نزدیک زکوٰۃ الفطر کے وجوب کی شرط صرف اسلام ہے اور یہ کہ یہ زکوٰۃ جو واجب ہوتی ہے اس کی روزانہ کی خوراک سے زائد ہو۔ یعنی شب عید جس کے پاس اس کی اور اس کے اہل وعیال کی خوراک سے مستزاد خوراک موجود ہو تو وہ زکوٰۃ الفطر ادا کرے گا، بشرطیکہ یہ خوراک اس کی رہائش، سامان اور اصلی ضرورتوں سے فارغ ہو۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ

> یہی مسلک درست ہے اس لیے کہ زکوٰۃ الفطر کے سلسلے میں وارد ہونے والی احادیث مطلق ہیں اور ان میں غنی اور فقیر کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور تعین مقدار میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس مقدار کا فطرہ ادا کرنے والا مالک ہو اور بالخصوص جب کہ فطرہ کے وجوب کی وجہ یعنی رفث (آلودگی)

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۸۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نفع سے تطہیر غنی اور فقیر دونوں میں موجود ہے۔ اور اس کے بارے میں یہ اعتبار کرنا کہ وہ ایک شب و روز کی خوراک کا مالک ہو ایک ضروری امر ہے اس لیے کہ مقصود شریعت یہ ہے کہ روز عید فطرہ کے ذریعے ہر ضرورتمند کو کچھ نہ کچھ میسر آجائے اب اگر فطرہ دینے والے کے بارے میں اس شرط کا اعتبار نہ کیا جائے کہ اس کے پاس ایک شب و روز کی خوراک موجود ہو تو دہندہ بھی وہی بن جائے گا جس کو دینے کا آج کے دن حکم دیا گیا ہے اور وہ ان امورین میں سے نہیں رہے گا جنھیں زکوٰۃ الفطر ادا کر کے فقیر کو غنی بنانے کا حکم دیا گیا ہے [1]

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی رائے اس سے مختلف ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ الفطر صرف اس شخص پر واجب ہے جو مالک نصاب ہو اس لیے کہ بخاری اور نسائی کی حدیث ہے کہ [2]

لا صدقة الا عن ظهر غنى

(زکوٰۃ صرف غنی کی طرف سے ہوتی ہے)

اور ان کے نزدیک غنیٰ (مالداری) مالک نصاب زکوٰۃ ہونا ہے اور فقیر غنی نہیں ہوتا اس لیے اس پر زکوٰۃ الفطر واجب بھی نہیں ہے کیونکہ اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اور وہ ایسا ہے جیسے وہ ادائے زکوٰۃ پر قادر نہ ہو۔ نیز فقہائے احناف نے زکوٰۃ الفطر کے وجوب میں نصاب کی شرط کو زکوٰۃ مال پر بھی قیاس کیا ہے۔

شوکانی اور دیگر فقہاء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فقہائے احناف کی ذکر کردہ حدیث سے استدلال درست نہیں ہے اس لیے کہ اس حدیث کو ابوداؤد نے ان الفاظ

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۸۶۔

[2] امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الوصایا میں اس حدیث کو معلق روایت کیا ہے جو کہ جمہور کے نزدیک صحت کے حکم میں ہے مگر ابن حزم کی رائے اس سے مختلف ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ذکر کیا ہے [1]

خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنیً

(سب سے اچھی زکوٰۃ وہ ہے جو بحالت تونگری دی جائے۔)

نیز مذکورہ حدیث ابوداؤد اور حاکم کی مروی حضرت ابوہریرہ کی اس مرفوع حدیث کے بھی معارض ہے کہ

افضل الصدقة جهد المقل

(سب سے بہتر زکوٰۃ کم یافت آدمی کی زکوٰۃ ہے)

اور طبرانی میں ابوامامہ کی یہ مرفوع حدیث ہے کہ

سب سے اچھی زکوٰۃ وہ ہے جو کم یافت آدمی چپکے سے کسی فقیر کو دے دے۔

اور طبرانی نے النہایہ میں اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جو قلیل المال برداشت کر سکے۔

نیز یہ حدیث ابوہریرہ کی اس حدیث کے معارض ہے جو نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور جسے حاکم نے روایت کیا ہے اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک درہم ایک لاکھ درہم پر فوقیت حاصل کر گیا، کسی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص ہے جس کے پاس بہت مال ہے اس نے اپنے مال میں سے ایک لاکھ درہم زکوٰۃ دے دی اور دوسرا شخص ہے جس کے پاس

---

[1] اسی طرح الشوکانی نے صرف ابوداؤد پر اقتصار کیا ہے اور البخاری نے اس حدیث کو کتاب النفقات میں اور النسائی نے کتاب الزکوٰۃ میں، احمد نے مسند (ج ۲ ص ۲۷۸) نے روایت کی ہے اور مسلم نے کتاب الزکوٰۃ میں ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

افضل الصدقة او خير الصدقة عن ظهر غنى

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو درہم ہیں اس نے ان میں سے ایک درہم زکوٰۃ دے دی اور اس طرح اپنا نصف مال صدقہ کر دیا؟

بقول امام شوکانی حنفی مسلک کے فقہاء کا مال کی زکوٰۃ سے استدلال صحیح نہیں ہے اس لیے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ زکوٰۃ الفطر کا تعلق اشخاص اور ذوات سے ہے اور مال کی زکوٰۃ کے وجوب کا تعلق مال سے ہے۔ اس بنا پر ہر دو زکوٰۃ جدا جدا ہیں [1]

فقہائے احناف کا یہ کہنا کہ غنیٰ (مالدار سی) نصاب زکوٰۃ کا مالک ہونا ہے اور فقیر غنی نہیں ہوتا اس لیے اس پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جا چکا ہے کہ صحیح احادیث موجود ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ الفطر غنی اور فقیر ہر مسلمان پر واجب ہے اور اس کی تصریح حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اور احمد اور ابوداؤد نے ثعلبۃ بن ابی صغیر از والد خود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"ایک صاع گیہوں صدقۃ الفطر ہر چھوٹے بڑے آزاد و غلام غنی و فقیر، مذکر و مؤنث کی جانب سے ادا کرو۔ غنی اگر دے تو اللہ اس کو پاک کرے فقیر اگر دے تو اللہ اسے اس سے زیادہ عطا کرے جتنا اس نے دیا ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ

"ہر دو افراد کی جانب سے ایک صاع گندم"

مزید یہ کہ جیسا کہ ابن قدامہ فرماتے ہیں زکوٰۃ الفطر کی نوعیت یہ ہے کہ یہ مال کی زیادتی سے بڑھتی نہیں ہے (بلکہ ہر حالت میں اس کی شرح یکساں ہے) اس لیے اس کے وجوب میں نصاب کی شرط نہیں ہونی چاہیے جیسا کہ کفارہ میں نہیں ہے۔ یعنی نصاب زکوٰۃ الفطر کے دینے اور لینے میں مانع نہیں ہے، جیسے کسی کی پیداوار پر عشر لے لیا جائے حالانکہ

---

[1] نیل الاوطار، ج ۳، ص ۱۸۵، ۱۸۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کا محتاج ہو۔ جبکہ یہ حدیث کہ

لا صدقة الا عن ظهر غنیً

(صدقہ صرف مالدار کی جانب سے ہوتا ہے)

مال کی زکوٰۃ پر محمول ہے اور زکوٰۃ الفطر جسم اور وجود انسانی کی مخصوص زکوٰۃ ہے۔[1] میری رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ الفطر ہر مسلمان (غنی ہو یا فقیر سب) پر واجب ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ چاہتی ہے کہ اس زکوٰۃ کی فرضیت کو ہر مسلمان کی تربیت کا ذریعہ بنایا جائے یعنی یہ کہ ہر مسلمان غنی ہو یا فقیر آسانی اور سختی ہر دو حالتوں میں انفاق کرے چنانچہ قرآن کریم نے متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ (آل عمران : ۱۳۴)

شریعت اسلامیہ کی اس تربیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان خواہ فقیر ہو اور اس کی معاشی حالت کمزور ہو مگر اس کا ہاتھ بہر حال اوپر کا ہاتھ رہے اور وہ دوسروں کو دینے اور ان پر فضل کرنے کی لذت سے آشنا رہے خواہ اُسے دینے کا موقع سال میں ایک ہی مرتبہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ میں جمہور فقہاء کے مسلک کو ترجیح دیتا ہوں جنھوں نے وجوب زکوٰۃ الفطر میں نصاب کی شرط نہیں لگائی ہے۔

اسی طرح میں امام ابوحنیفہؒ کی اس رائے کو ترجیح دیتا ہوں کہ بیوی پر اس کے اپنے مال پر زکوٰۃ الفطر واجب ہے کیونکہ اس سے مسلمان عورت کو اپنے سالانہ اسلامی فریضہ کا احساس ہوگا اور اسے اپنے مال میں سے خرچ کرنے کی عادت ہوگی۔ لیکن اگر شوہر از خود اس کی طرف سے زکوٰۃ الفطر ادا کر دے تو درست ہے۔

فقیر پر فطرہ کے وجوب کی شرط فقیر (تنگدست) پر فطرہ کے وجوب کی جمہور فقہاء کے نزدیک شرط یہ ہے کہ اس کے پاس

---

[1] المغنی، ج ۳، ص ۷۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شب عید اور روز عید کی اس کی اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضرورتوں سے اور اس کی رہائش گھریلو سامان اور اصلی ضرورتوں سے زائد موجود ہو۔

مثلاً کسی کے پاس گھر ہو جس میں وہ رہتا ہو یا اس کے کرایہ سے اخراجات پورے کرتا ہو، اس کے اور اس کے زیر کفالت افراد کے پہننے کے کپڑے ہوں، یا جانور ہوں جو اس کی سواری کے کام آتے ہوں یا ان سے حوائج اصلی پوری کی جاتی ہوں، یا مویشی ہوں جن کی افزائش اس کے لیے ضروری ہو یا تجارتی سامان ہو جس میں سے زکوٰۃ دے کر اس کا نفع متاثر ہوتا ہو اور اسے اس منافع کی احتیاج ہو تو اس پر فطرہ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اشیاء اس کی حقیقی ضروریات سے متعلق ہیں اس لیے اس پر لازم نہیں ہے کہ وہ ان اشیاء کو فروخت کر کے فطرہ ادا کرے۔

اگر کوئی صاحب علم ہو اور اس کے پاس اس کے مطالعہ کی کتابیں ہوں تو اس پر بھی یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ان کتابوں کو فروخت کر کے فطرہ ادا کرے، اسی طرح عورت جس کے پاس پہننے کے کپڑے ہوں تو اس پر بھی یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ان کو فروخت کر کے فطرہ ادا کرے۔

بہرحال جو اشیاء ان جملہ حقیقی ضروریات سے زائد ہوں اور ان کو فروخت کرنے کا ممکن ہو تو فطرہ واجب ہوگا کیونکہ یہ ادائیگی بغیر کسی حقیقی ضرر کے ہوگی اور یہ ایسا ہوگا جیسے اس کے پاس فاضل طعام (غذائی اجناس) موجود ہو اور وہ اس میں فطرہ ادا کرے۔[1]

دین مؤجل (مقررہ مدت کا قرض) ادائے فطرہ میں مانع نہیں ہے

اگر کسی شخص کے پاس اتنا کچھ موجود ہو کہ وہ اس سے فطرہ ادا کر سکتا ہو اور اتنا ہی اس پر قرض بھی ہو تو اس پر زکوٰۃ الفطر دینا لازم ہے۔ الّا یہ کہ اس وقت اس پر ادائے قرض کا مطالبہ ہو تو وہ قرض ادا کر دے اور اس پر زکوٰۃ الفطر لازم نہیں ہے۔

---

[1] المغنی، ج ۳، ص ۷۶، الروضہ، ج ۲، ص ۲۹۹، ۲۰۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ قرض فطرہ سے مانع نہیں ہے جس طرح کہ زکوٰۃ سے مانع ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ الفطر کے وجوب کا حکم زیادہ متوکد ہے کیونکہ یہ فقیر پر بھی واجب ہے اور مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی جانب سے اور اپنے زیر کفالت افراد کی طرف سے ادا کرے اور یہ کہ اس کا تعلق مال کی مقدار سے نہیں ہے بلکہ نفقہ کی طرح ہے، اور اس لیے کہ زکوٰۃ مال پر واجب ہوتی ہے اور قرض ملکیت پر اثرانداز ہوتا ہے اس لیے اس کی زکوٰۃ پر بھی اثرانداز ہوتا ہے۔ جبکہ زکوٰۃ الفطر جسم (بدن) پر واجب ہوتی ہے اور قرض انسان کے وجود پر اثرانداز نہیں ہوتا اس لیے اس کے وجود کی زکوٰۃ پر اثرانداز نہیں ہوگا۔ البتہ قرض کے مطالبہ کی صورت میں زکوٰۃ الفطر ساقط ہو جائے گی کیونکہ مطالبہ سے قرض کی ادائیگی لازم آگئی اور ایک شخص متعین کا حق مؤکد ہو گیا جو کہ تنگدستی سے ساقط نہیں ہوتا، نیز یہ کہ قرض کا سبب وجوب پہلے لازم آیا ہے اور اس کی تاخیر سے وہ گنہگار ہوگا۔ اسی لیے علاوہ فطرہ کے اس قرض کی بنا پر بغیر مطالبہ کے بھی ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ مطالبہ کی تاثیر یہی ہے کہ ادائیگی لازم ہو جائے اور تاخیر ناجائز قرار پائے۔[1]

[1] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری فصل

زکوٰۃ الفطر کی مقدار اور یہ کہ یہ کس کی جانب سے فرض ہے

ہر طعام کا ایک صاع فرض ہونے کے قائل فقہاء کا مسلک

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے بعد زکوٰۃ الفطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ـــــ مقرر فرمائی۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے تو ہم غذا کا ایک صاع یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر زکوٰۃ الفطر دیا کرتے تھے۔ ہمارا یہی طرز عمل رہا تا آنکہ حضرت معاویہؓ ہمارے پاس مدینہ منورہ آئے تو انھوں نے فرمایا کہ میری رائے میں دو مُدّ شامی گندم ایک صاع کھجور کے برابر ہیں، چنانچہ لوگوں نے اس پر عمل شروع کر دیا۔"

اس روایت کو متعدد راویوں نے نقل کیا ہے اور ماسوا بخاری کے دیگر رواۃ نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ حضرت ابو سعیدؓ نے کہا کہ ـــ "میں اسی طرح زکوٰۃ دیتا رہا جیسا کہ پہلے دیا کرتا تھا۔"

غرض ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی جانب سے ایک صاع زکوٰۃ الفطر فرض ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صاع کی مقدار اس لیے متعین فرمائی کہ اس سے ایک کنبہ کا پیٹ بھر سکتا ہے اور بالعموم یہ مقدار دینے والے پر بار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں بنتی۔[1]

گندم اور کشمش میں مقدار صاع بالاجماع واجب ہے اور ان دونوں اشیاء کے علاوہ میں بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے اور یہی قول حضرت ابوسعید خدریؓ، ابوالعالیہ، ابوالشعثاء، حسن بصری، جابر بن زید، اسحاق، ہادی، الناصر اور المؤید باللہ کا ہے۔ جیسا کہ امام شوکانیؒ نے ذکر کیا ہے۔

نصف صاع گندم کے قائل فقہاء کا مسلک

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے نزدیک ایک شخص کی جانب

نصف صاع گندم زکوٰۃ الفطر درست ہے البتہ کشمش کے بارے میں ان کا قول مختلف ہے[3] جو کہ امام شوکانیؒ کے بیان کے مطابق زید بن علی اور امام یحییٰ کا مسلک ہے[4]

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہی مسلک بروایت صحیح ان اصحاب کا ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ، طاؤس، مجاہد، سعید بن المسیب، عروۃ بن الزبیر، ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف، سعید بن جبیر، اوزاعی، لیث اور سفیان ثوری۔

علامہ ابن حزمؒ نے ان صحابہ کے بارے میں متعدد روایات نقل کی ہیں کہ ان صحابہ کرام

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ص ۵۰۹۔

[2] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۸۳، المغنی، ج ۳، ص ۵۷۔
نیل الاوطار میں ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباس اور شعبی سے صاع اور نصف صاع ہر دو روایات مروی ہیں اور ابن حزمؒ نے ابوسعید سے وجوب صاع کی روایت نقل کی ہے حالانکہ ان کی معروف روایت اس کے برعکس ہے اور یہ عجیب ہے۔ المحلی، ج ۶، ص ۱۳۔

[3] امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک کشمش کا حکم بھی وہی ہے جو کھجور کا ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ سے بھی مروی ہے اور بعض حنفی فقہاء نے اسی کو صحیح کہا ہے اور ابن الہمام نے فتح القدیر میں دلائل اسی کو راجح قرار دیا ہے اور الدر المختار میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ (الدر المختار وحاشیۃ: ج ۲، ص ۸۳)

[4] نیل الاوطار، بحوالہ مذکور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا یہی مسلک تھا اور بیان کیا ہے کہ ماسوا حضرت ابوبکرہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی روایات کے یہ تمام روایات صحیح ہیں۔

حضرت ابوبکرہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن الزبیرؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ [1]

وجوب صاع کے قائل فقہاء کی دلیل

جمہور فقہاء کی دلیل حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ "غذا کا ایک صاع، یا کھجور کا ایک صاع، یا جَو کا ایک صاع، یا کشمش کا ایک صاع یا پنیر کا ایک صاع"

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ کہ اہل حجاز کی بول چال میں طعام (غذا) کا لفظ خاص طور پر گندم کے لیے استعمال اسی لیے حدیث میں طعام دوسری اشیاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری صورت یہ کہ اس حدیث میں کئی اشیاء ذکر کی گئی ہیں جن کی قیمتیں مختلف ہوتی ہیں چونکہ ہر نوع میں ایک صاع مقرر کیا گیا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ مقصود صاع ہے اور قیمت مدنظر نہیں ہے [2]

نصف صاع کے قائل فقہاء کی دلیل صرف حضرت معاویہ کی حدیث اور کچھ اور احادیث ہیں جنھیں محدثین نے ضعیف کہا ہے اور ان کا ضعیف ہونا ظاہر ہے [3]

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۱۲۸، ۱۳۱۔ نصب الرایہ مع بغیۃ الاعمی، ج ۲، ص ۴۲۷، ۴۲۶۔

[2] شرح النووی علی مسلم: ج ۷، ص ۶۰۔

[3] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جمہور فقہاء حضرت معاویہؓ کی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ قول صحابی ہے اور ان کے اس قول کے برخلاف حضرت ابوسعید خدریؓ کا قول موجود ہے جن کی صحابیت کا زمانہ حضرت معاویہؓ سے زیادہ طویل ہے اور وہ احادیث نبویؐ سے زیادہ واقف ہیں اور اصول یہ ہے کہ صحابہ کے اقوال میں اختلاف کی صورت میں کسی اور دلیل کی جانب رجوع کیا جاتا ہے اور کسی ایک صحابی کے قول کو دوسرے صحابی کے قول پر ترجیح نہیں دی جاتی اور مزید دلیل یہ موجود ہے کہ ظاہر احادیث اور قیاس گندم اور دیگر اجناس کے فطرہ میں صاع کی شرط کی مؤید ہیں، اس لیے ان احادیث پر اعتماد کیا جائے گا جبکہ حضرت معاویہؓ نے اپنے قول کے بارے میں خود ہی تصریح کی ہے کہ یہ ان کی اپنی رائے ہے۔ اور یہ کہ یہ قول انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا ہے اور جس وقت حضرت معاویہؓ نے یہ بات بیان فرمائی بہت سے صحابہ موجود تھے اگر ان کے اس قول کی تائید میں کوئی فرمان نبوت ؐ موجود ہوتا تو صحابہ سنا دیتے، جیسا کہ دیگر مواقع پر ایسا ہوا ہے[1]

اگرچہ رائے اور قیاس کو شرعی حیثیت حاصل ہے جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی رائے کا اظہار فرمایا اور بعض صحابہ نے اس سے اتفاق کیا، لیکن بہرحال نص کی موجودگی میں رائے اور قیاس کا اعتبار نہیں ہے[2]

نصف صاع کی مقدار کے بارے میں امام ابوحنیفہ رح کے دلائل

امام ابوحنیفہ رح کے مسلک کے دلائل یہ ہیں:

اوّل:

ابوداؤد کی یہ بات جو انھوں نے عبداللہ بن ثعلبہ یا ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صُعیر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

---

[1] ایضاً، ص ۶۱، ۶۲۔

[2] فتح الباری: ج ۳، ۴، ۳۷، ط۔ السلفیہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"صدقۃ الفطر ایک صاع گندم ہر دو کی جانب سے"[1]

حاکم نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ

"صدقۃ الفطر دو مد گندم ہے"

دو مُدّ جیسا کہ ہمیں علم ہے نصف صاع کے برابر ہوتے ہیں۔

ترمذی نے بروایت عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود (عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ) مرفوعاً یہی حدیث نقل کی ہے۔

ابوداؤد اور نسائی نے حسن سے مرسلاً یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقۃ (فطر) ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو یا نصف صاع گندم مقرر فرمائی"[2]

اس کے علاوہ دیگر احادیث جو احادیث صاع کی تخصیص کے لیے پیش کی جا سکتی ہیں اور یہ جن میں یہ تسلیم کر لیا جائے کہ لفظ بُرّ (گندم) لفظ طعام (غذا) میں داخل ہے جو کہ صحیح روایات میں آیا ہے۔ جیسا کہ شوکانی نے فرمایا ہے[3]

دوم :

صحابۂ کرام سے جو صحیح آثار منقول ہیں کہ انھوں نے گندم کے نصف صاع کی رائے اختیار کی چنانچہ سفیان ثوری نے حضرت علیؓ سے یہ موقوف اثر روایت کیا ہے کہ "گندم کا نصف صاع" اور یہی رائے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ سے منقول ہے[4]

---

[1] اس حدیث کے الفاظ اور اس کے طُرق روایات ملاحظہ کیجیے۔ ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ۔ الدارقطنی، ص ۲۲۳/۲۲۴۔ اس پر المحلی میں ابن حزمؒ کا کلام، ج ۶، ص ۱۲۱۔ البیہقی، السنن الکبریٰ، ج ۴، ص ۱۶۷/۱۶۸۔ الزیلعی۔ نصب الرایہ، ج ۲، ص ۴۰۶۔ ۴۱۰۔

[2] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۸۳۔ المحلی، ج ۶، ص ۱۲۲/۱۲۳۔ نصب الرایہ، ج ۲، ص ۴۱۸، ۴۲۳۔

[3] نیل الاوطار۔ بحوالہ مذکور۔

[4] بحوالہ مذکور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابۂ کرام کے ان اقوال پر اعتماد کرتے ہوئے ابن المنذر فرماتے ہیں کہ گندم کے بارے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی کسی ایسی مستند حدیث کا علم نہیں ہے۔ جس پر اعتماد کیا جا سکے۔[1] حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مدینہ میں گندم بہت

---

[1] المنذری کا کہنا درست نہیں ہے اس لیے کہ حاکم نے (ج ۱، ص ۴۱۰، ۴۱۱) متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں گندم کا ایک صاع بیان کیا گیا ہے اور حاکم نے انھیں صحیح کہا ہے اور الذہبی نے بھی ان میں سے دو کو تسلیم کیا ہے جن میں سے ایک بروایت سعید المجمی از ابن عمرؓ ہے، جس کے بارے میں بیہقی کہتے ہیں کہ اس میں بُر (گندم) کا لفظ محفوظ نہیں ہے (ج ۴، ص ۱۶۶) اس لیے دلیل نہیں بن سکتا۔

اور دوسری حدیث جسے حاکم نے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے یہ ہے کہ

"ابن اسحاق از عبداللہ بن عبداللہ بن عثمان بن حکیم از عیاض بن عبداللہ ــــ

وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو سعید نے بیان کیا کہ میں زکوٰۃ الفطر وہی ادا کرتا ہوں جو میں عہد نبوتؐ میں ادا کیا کرتا تھا یعنی ایک صاع کھجور یا ایک صاع گندم یا ایک صاع پنیر۔ کسی نے کہا یا دو مُد گندم؟ انھوں نے کہا نہیں یہ حضرت معاویہؓ کی مقرر کردہ قیمت ہے نہ میں اسے قبول کرتا ہوں اور نہ اس پر عمل کرتا ہوں۔"

مگر ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ ابو سعید کی حدیث میں گندم کا لفظ محفوظ نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ کس راوی کو یہ وہم ہوا ہے۔ فقال رجل (کسی نے کہا) کے الفاظ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ روایت کے آغاز میں گندم کا لفظ غلط ہے کیونکہ اگر ابو سعید یہ کہتے ہیں کہ ہم عہد نبوتؐ میں گندم کا ایک صاع دیا کرتے تھے تو کوئی یہ نہ کہتا کہ ــــ "یا دو مُد گندم؟" ابو داؤد نے بھی ابن اسحاق کی اس روایت کی جانب اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں گندم کا لفظ محفوظ نہیں ہے (فتح الباری: ج ۲، ص ۳۷۳) اس حدیث کو ابن حزم نے المحلی میں بھی ذکر کیا ہے (ج ۶، ص ۱۳۰) مگر اس میں صاع البہر (گندم) کا

(بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کم ہوتا تھا، جب صحابہ کرام کے زمانے میں اس کی قدر سے زیادتی ہوئی تو ان کی یہ رائے

(بقیہ آگے) لفظ نہیں ہے اور اس سے انھوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت ابو سعید مطلقاً گندم سے زکوٰۃ الفطر ادا کرنے کے قائل نہیں تھے۔ لیکن علامہ شیخ احمد شاکر نے اس پر دار قطنی کی روایت (۲۲۲) اور المستدرک (ج ۱، ص ۴۱۱) میں حاکم کی روایت سے اس پر گرفت کی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ صاعًا من حنطة (گندم کا ایک صاع) اور اس میں راویوں کا اختلاف ہے کہ کوئی ایک نوع ذکر کرتا اور دوسرا دوسری نوع ذکر کرتا ہے اور سب صحیح ہیں اور ثقہ راویوں کا اضافہ بھی حجت ہوتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیخ احمد شاکر اس زیادتی کے بارے میں ابن خزیمہ اور ابو داؤد کے قول سے واقف نہیں ہیں، جو کہ حافظ ابن حجر نے نقل کیے ہیں۔ ثقہ راویوں کی زیادتی وہاں مقبول ہوتی ہے جہاں وہ اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف نہ ہو یا روایت میں ایسا اشارہ نہ ملتا ہو جو راوی کے وہم پر دلالت کرتا ہو حالانکہ حضرت ابو سعید اور دیگر صحابہ سے ایسی متعدد روایات مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت گندم (بُرّ) ان کی غذا میں شامل نہیں تھا، جو ہم عنقریب بیان کریں گے۔

مزید یہ کہ یہ روایت ابن اسحاق سے مروی ہے، اور انھوں نے اس کے حدیث ہونے کی صراحت نہیں کی اور عَنْعَنَہ کیا اور ناقدین حدیث نے کہا ہے کہ اس روایت میں تدلیس ہے (المستدرک) اس سے معلوم ہوا کہ حاکم سے اس حدیث کو صحیح قرار دینے اور ذہبی کے اس کی صحت کو تسلیم کرنے میں تساہل ہوا ہے۔

نتیجہ بحث یہ ہے کہ حافظ ابن المنذرؒ کا یہ کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی قابل اعتماد مستند حدیث گندم کے بارے میں مروی نہیں ہے صحیح ہے اور اس میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہے چنانچہ البیہقی اپنی سنن (ج ۴، ص ۱۷۰) میں لکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ سے صَاعٌ مِنْ بُرٍّ بھی مروی ہے اور نصف صاع کی روایات بھی ہیں مگر ان میں سے کوئی حدیث نہیں ہے اور الخلافیات میں میں نے ان سب کی وجوہ بیان کی ہیں جبکہ حضرت ابو سعید

(بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی کہ گندم کا نصف صاع جو کے صاع کے برابر ہے اس لیے ان کے قول سے گریز درست نہیں ہے۔

بعدازاں ابن المنذر نے صحیح اسانید کے ساتھ ـــــــ حافظ ابن حجر کے بقول ـ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن الزبیرؓ اور ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکرؓ کی یہی رائے نقل کی کہ زکوٰۃ الفطر نصف صاع گندم ہے۔

یہ وہ دلائل ہیں جن کی بنیاد پر فقہاء احناف نے یہ مسلک اختیار کیا ہے۔

مگر حضرت ابوسعید کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے بھی اتفاق نہیں کیا اور اس طرح امام طحاوی کی رائے کے برعکس اس مسئلہ میں اجماع ثابت نہیں ہوا۔[1]

فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید سے مروی حدیث وجوب کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس سے صرف ان کے اپنے عمل کا علم ہوتا ہے جو کہ جواز پر دلالت کرتا ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں اس لیے لازم تو نصف صاع ہوگا لیکن اس سے زائد تطوع (نفلی) ہوگا۔[2]

حضرت ابوسعید کی حدیث میں طعام کی گندم سے وضاحت قابل تسلیم نہیں ہے چنانچہ ابن المنذر کہتے ہیں کہ ہمارے بعض فقہاء کی یہ رائے کہ حضرت ابوسعید کی روایت میں ایک صاع طعام کے الفاظ ایک صاع گندم کے قائلین کی دلیل ہیں، غلط ہے کیونکہ

(بقیہ آگے) سے مروی حدیث اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی حدیث سے ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ دو مُدّ گندم یعنی نصف صاع کو ایک صاع جَو کے برابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرار دیا گیا تھا۔

[1] فتح الباری، ج ۳، ص ۳۷۴۔ ط۔ السلفیہ۔ المحلی، ج ۶، ص ۱۲۸ - ۱۳۱۔

[2] بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۷۲۔ نصب الرایہ، ج ۲، ص ۴۱۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوسعید نے خود طعام کی وضاحت کی ہے یعنی بخاری وغیرہ میں حفص بن میسرہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوسعید نے فرمایا کہ

"ہم عہدِ نبوت میں یوم الفطر کے موقع پر ایک صاع طعام زکوٰۃ دیتے تھے اور اس وقت ہمارا طعام جو، کشمش، پنیر اور کھجور ہوتا تھا"

یہ روایت طعام کے مفہوم کو واضح کرتی ہے اور الطحاوی نے اسی مفہوم کی روایت ایک اور سند سے نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ——— "ہم اس کے علاوہ اور کچھ زکوٰۃ الفطر میں نہ دیتے"[1]

بلکہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت کیا ہے کہ عہدِ نبوت میں زکوٰۃ (الفطر) صرف جَو، کھجور اور کشمش سے ادا کی جاتی تھی اور گندم نہیں تھی۔

مُسلم کی ایک روایت حضرت ابوسعید سے اس طرح منقول ہے کہ

"ہم تین اصناف میں سے ادائیگی کرتے تھے، صاع کھجور، یا صاع پنیر یا صاع جَو"

گویا اس روایت میں کشمش کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان تین کھانوں کے لحاظ سے وہ کم مقدار میں ہُوا کرتی تھی۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات سے معلوم ہُوا کہ حضرت ابوسعید کی حدیث میں طعام سے مراد محض گندم نہیں ہے بلکہ اس کے مفہوم میں مکئی بھی داخل ہو سکتی ہے کہ وہ اس زمانے میں عربوں کی غالب خوراک تھی۔ چنانچہ جوزقی نے بروایت ابن عجلان از عیاض ابوسعید یہ روایت نقل کی ہے کہ

"صاع کھجور، صاع جوار، صاع مکئی"[2]

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۹۲، ۱۹۳ - فتح الباری۔

[2] فتح الباری، ج ۳، ص ۳۷۳ - السلفیہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موازنہ اور ترجیح

مجموعی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوتؐ میں گندم عربوں کی عمومی غذا نہیں تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صاع مقرر نہیں فرمایا تھا، جیسا کہ آپؐ نے جَو، کھجور، کشمش اور پنیر کا صاع مقرر فرمایا تھا۔ اسی کی تائید بخاری اور مسلم کی حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی اس روایت سے ہوتی ہے، کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زکوٰۃ الفطر کا حکم فرمایا، ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جَو بعد ازاں دو مُد گندم کو اس کے مساوی قرار دے دیا گیا"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

"بعد میں لوگوں نے اس کو نصف صاع گندم کے مساوی قرار دے دیا"[1]

ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ معروف یہ ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے نصف صاع گندم کو ان اشیاء کے صاع کے مساوی قرار دیا ——— اس روایت کو ابوداؤد نے ذکر کیا ہے[2] اور بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ قیمت مقرر فرمائی، اور اس

---

[1] صحیح مسلم بشرح النووی، ج ۷، ص ۶۰ - فتح الباری، ج ۳، ص ۲۷۱/۲۷۲ - السلفیہ۔

[2] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے حضرت ابن عمرؓ کی مراد حضرت معاویہؓ ہیں جس کی وضاحت حدیث ایوب از نافع میں موجود ہے جسے حمیدی نے اپنی مسند میں سفیان بن عُیینہ سے نقل کیا ہے اور اس میں ہے کہ

"حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جب معاویہؓ کا زمانہ آیا تو لوگوں نے نصف صاع گندم کو صاع جَو کے مساوی قرار دے دیا"

ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں یہ قول سفیان سے ایک اور سند سے نقل کیا ہے جو کہ قابلِ اعتماد ہے اور جو کہ ابوسعید کے قول کے موافق ہے، بلکہ اس سے زیادہ واضح ہے۔

ابوداؤد کی روایت جس کی جانب ابن القیم نے اشارہ کیا ہے اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلم نے کتاب التمییز میں اس کے ایک راوی کے بارے میں کہا ہے کہ اسے وہم ہوا ہے اور اس تردید کی توضیح کی ہے۔ فتح الباری، ج ۳، ص ۳۷۲ - السلفیہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مستند احادیث منقول ہیں جو ایک دوسری تقویت پہنچاتی ہیں[1]

ابن القیم نے ابن ابی صُعیر وغیرہ سے مروی روایت کو نقل کیا ہے اور حسن بصری سے مروی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ

"حضرت ابن عباسؓ نے آخر رمضان میں بصرہ میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ اپنے روزوں کا صدقہ ادا کرو۔ آپ نے محسوس کیا کہ لوگ ناواقف ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اہل مدینہ اپنے بھائیوں کو سکھلائیں کہ یہ نہیں جانتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صدقہ ایک صاع کھجور، یا جَو یا نصف صاع گندم مقرر فرمایا ہر آزاد، غلام، مرد و عورت اور بچے اور بڑے پر۔ جب حضرت علیؓ تشریف لائے اور انھوں نے ارزانی دیکھی تو فرمایا کہ اللہ نے تمہیں وسعت دی ہے اب تم ہر شئے پر ایک صاع ادا کرو"[2]

یہ روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے اور الفاظ روایت بھی انہی کے ہیں اور نسائیؒ

---

[1] زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۱۳، ۳۱۴۔

[2] امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ حسن کا حضرت ابن عباسؓ سے سماع ثابت نہیں ہے اور یہی احمد اور ابن المدینی وغیرہ نے کہا ہے، اس لیے اس حدیث میں انقطاع ہے اور یہ رائے ان ائمہ نے اس لیے اختیار کی ہے کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں حضرت ابن عباسؓ بصرہ میں تھے اور حسن حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد میں مدینہ میں رہے ہیں۔ شیخ احمد شاکر فرماتے ہیں کہ یہ سب وہم ہے کیونکہ حسن یقیناً حضرت ابن عباسؓ کے معاصر ہیں اور حضرت ابن عباسؓ کے بصرہ کے والی ہونے کے دوران حضرت حسن کا مدینہ میں ہونا ان کے سماع سے مانع نہیں ہے جبکہ محدثین کے نزدیک ثبوت سماع کے لیے صرف معاصرت کافی ہے۔ اور جس امر سے ان کا سماع اور ملاقات ثابت ہوتی ہے وہ ہے جو امام احمدؒ نے مسند احمد میں صحیح مسند سے (۳۱۲۶) ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ حضرت

(بقیہ اگلے صفحے پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

"جب اللہ نے تمھیں وسعت دے دی ہے تو تم بھی وسعت اختیار کرو اور ایک صاع گندم مقرر کر لو"

ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن تیمیہؒ اس مسلک کی تائید میں فرماتے تھے کہ کفاروں میں امام احمدؒ کے قول کا قیاس یہی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ فطرہ میں گندم دوسری اجناس کا نصف ہوگا۔[1]

(بقیہ آگے) حسن اور حضرت ابن عباسؓ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، جس پر حسن کھڑے ہو گئے مگر ابن عباسؓ کھڑے نہیں ہوئے۔ حسن نے ابن عباسؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ جی ہاں کھڑے بھی ہوئے ہیں اور بیٹھے بھی رہے ہیں۔ اور اس کے بعد سماع اور ملاقات کا کوئی اور بیان درکار نہیں ہے۔ (مختصر المنذری مع معالم السنن وحواشیہ، ج ۲/ص ۲۲۲۔)

میں کہتا ہوں کہ محض معاصرت شہر بصرہ سے سنے جانے والے ایک خطبہ کی سماع کے لیے کافی نہیں ہے بالخصوص جبکہ معلوم ہو کہ اس وقت حضرت حسن بصرہ میں نہیں تھے، ظاہر ہے کہ اسے انھوں نے کسی واسطہ سے سُنکر نقل کیا ہوگا۔ محض معاصرت ان احادیث میں کافی ہوتی ہے جن میں وقت اور زمانہ کی تحدید نہ ہو۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خطبہ اہلِ بصرہ کے نزدیک متعارف تھا اور یہ لازم نہیں ہے کہ اسے حسن نے (براہِ راست) ابن عباسؓ ہی سے سُنا ہو۔ جیسا کہ طاؤس کے حضرت معاذ سے سماع کی یہی صورت ہے، ظاہر ہے کہ طاؤس کی حضرت معاذ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے مگر وہ ان کی مرویات کے عالم متصور ہوتے ہیں، لیکن اس خطبہ (زیرِ بحث میں) حضرت ابن عباسؓ سے صاع من طعام ہی مروی ہے۔ السنن الکبریٰ، الجوہر النقی، ج ۴، ص ۱۶۷، ۱۶۹۔ نصب الرایہ، ج ۲/ص ۴۱۸، ۴۱۹۔

[1] زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۱۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بیان سے معلوم ہوا کہ نصف صاع گندم کے بارے میں احادیث اس قدر ضعیف نہیں ہیں کہ انھیں فی الجملہ رد کر دیا جائے بالخصوص جبکہ حضرت حسن کی حضرت ابن عباسؓ سے مرسل روایت صحیح ہو لیکن بہرحال یہ احادیث صحابہ کے مابین صحت و شہرت کے اس درجے کی حامل نہیں ہیں کہ ان کے ثبوت کا اسی طرح یقین ہو جس طرح کھجور، جَو، پنیر اور کشمش کے صاع کی روایات صحیح ہیں، اور اگر یہ احادیث صحت کے اس معیار پر ہوتیں تو ابن عمرؓ، ابو سعیدؓ، معاویہؓ اور دیگر صحابہؓ سے مخفی نہ رہتیں۔

حضرت معاویہؓ کا عمل ظاہر ہے کہ انھوں نے نصف صاع گندم کو صاع کھجور کے مساوی قرار دیا یعنی بلحاظ برابری اور قیمت، اسی لیے حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ نہ میں اسے قبول کرتا ہوں اور نہ میں اس پر عمل کروں گا۔[1]

اسی طرح بقول ابن المنذر دیگر صحابہؓ نے بھی گندم کی فراوانی ہو جانے کے بعد یہی رائے اختیار کی کہ نصف صاع گندم صاع جَو کے مساوی ہے۔

غرض ان روایات میں جس بات پر اطمینان قلب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نص سے چار غذائی اشیاء (کھجور، جَو، کشمش اور پنیر) میں ایک صاع (فطرہ) ہونا ثابت ہے لیکن صاع گندم کا ہونا ثابت نہیں ہے اور نصف صاع گندم کی روایات صحت کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ اور جن صحابہ کرام نے ــــ مثلاً حضرت معاویہؓ نے ــــ نصف صاع گندم کو صاع جو اور کھجور کے مساوی قرار دیا ہے تو انھوں نے ایسا بربنائے اجتہاد کیا ہے کیونکہ اس وقت (عہد نبوت میں) گندم کی قیمت زیادہ تھی اور علاوہ گندم کے دیگر اشیاء کی قیمتیں قریب قریب تھیں۔ لیکن صحابہ کرام کے اس اجتہاد کے اختیار کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر مقام پر اور ہر زمانے میں قیمت کا لحاظ کیا جائے جو کہ منضبط نہیں ہو سکتی اور

---

[1] ابن خزیمہ اور حاکم نے اپنی صحیح میں ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ فتح الباری: ج ۳، ص ۳۷۳۔ المستدرک: ج ۱، ص ۴۱۱۔ المحلی: ج ۶، ص ۱۳۰۔ نصب الرایہ، ج ۲، ص ۴۱۷، ۴۱۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرح شرح فطرہ مختلف ہوتی رہے گی، اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت نصف صاع کے بجائے کئی صاع گندم ہو جائیں۔[1]

میں جب پاکستان گیا تو مجھے وہاں کے متعدد علما نے بتایا کہ پاکستان میں گندم کی قیمت کھجور سے بہت کم ہے اس لیے کھجور کے صاع کا نصف گندم کیوں کر مقرر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کشمش کی قیمت گندم اور کھجور سے زیادہ ہوتی ہے!

ان اشکالات سے ہم اسی وقت بچ سکتے ہیں کہ ہم صاع ہی کو اساس قرار دیں۔

قیمت کے اعتبار میں صحابہ کرامؓ نے بھی اس امر کو ملحوظ رکھا ہے جیسا کہ حضرت علی کی جانب سے بیان کیا ہے جبکہ بصرہ میں قیمتوں میں ارزانی پیدا ہو گئی تھی تو انھوں نے فرمایا تھا کہ گندم کا بھی ایک صاع ادا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے پیش نظر قیمت تھی، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے۔[2]

مناسب یہی ہے کہ کسی ملک کی غالب غذا ہو اور اس کے نصف صاع کی قیمت دیگر اغذیہ کے مساوی ہو تو نصف صاع بھی دینا جائز ہے تاکہ صحابۂ کرام کے اجتہاد پر عمل ہو سکے۔ البتہ زیادہ احتیاط کا طریقہ یہی ہے کہ صاع ادا کیا جائے کہ اس طرح اختلاف سے بچا جا سکتا ہے۔ اور یقینی اور ثابت شدہ نفل پر عمل ہو سکتا ہے اور شک سے تحفظ مل سکتا ہے اور بقول حضرت علیؓ جو وسعت اختیار کرے گا اللہ بھی اس کے مال میں فراخی عطا کرے گا۔

کیا صاع پر اضافہ درست ہے؟

عجیب بات ہے کہ مسلک مالک کی بعض کتب میں کہ زکوٰۃ الفطر ادا کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ صاع کی مقدار میں اضافہ نہ کرے بلکہ یہ زیادتی مکروہ ہے کیونکہ صاع کی مقدار شارع کی مقرر کردہ ہے جس پر زیادتی بدعت و مکروہ ہے جیسے ۳۳ کی تسبیح کی تعداد پر اضافہ، لیکن شرط یہ ہے کہ اضافہ معلوم ہو شک کی صورت میں کوئی حرج

---

[1] فتح الباری: ج ۳، ص ۴۷۴۔

[2] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے[1]

میری رائے میں یہ تشبیہ مسلم نہیں ہے اس لیے کہ زکوٰۃ نماز اور ذکر و تسبیح جیسے متعلقات نماز کی طرح تعبدی امر نہیں ہے اس لیے اس میں زیادتی میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے اس لیے کہ فدیہ صیام جو کہ مسکین کو کھانا کھلانا ہے کے بارے میں فرمان الٰہی ہے۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ (البقرہ : ۱۸۴)

جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اسی کے لیے بہتر ہے۔

امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کے مال پر ایک بنت مخاض زکوٰۃ واجب ہوئی اور اس کے پاس جو بنت مخاض اونٹنی تھی اس کے نہ دودھ تھا اور نہ وہ سواری یا بار برداری کے قابل تھی اس لیے زکوٰۃ دہندہ خود اُسے زکوٰۃ میں دینے پر رضامند نہ ہوا اور اس نے چاہا کہ بلند کوہان والی اونٹنی زکوٰۃ میں دے مگر ابی بن کعبؓ نے لینے سے انکار کیا کیونکہ یہ اصل فرض سے زائد تھی، یہ فیصلہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہی اونٹنی تم پر لازم ہے لیکن اگر تم اس سے بہتر دو تو اللہ تمہیں اجر دے گا اور ہم قبول کریں گے۔ اور آپؐ نے اس سے یہ اُونٹنی لے لینے کا حکم فرمایا اور اس کے مال میں برکت کی دُعا فرمائی[2]

یہ حدیث اس باب میں نص ہے کہ زکوٰۃ سے زائد مقدار قابل قبول ہے اور اس میں زیادتی اجر کا وعدہ بھی ہے اور بلا کراہت ہے اور حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جب اللہ نے تمہیں وسعت دی ہے تم بھی وسعت اختیار کرو۔

اور اگر زکوٰۃ میں زیادتی کے بدعت ہونے کی صحت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کو حرام

---

[1] الشرح الکبیر، للدردیر، ج ۱، ص ۵۰۸۔

[2] احمد، ابوداؤد، حاکم، حاکم نے صحیح کہا ہے اور الذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے، یہ حدیث مکمل صورت میں نویں باب کی چھٹی فصل میں آئے گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینا ہوگا صرف مکروہ نہ ہوگا اس لیے ہر بدعت گمراہی ہے۔

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص غلو اور تقشف سے صاع کی مقدار پر اضافہ کرے اور اس کا ارادہ سخاوت اور تطوع کا نہ ہو تو اس کے عمل کو بدعت اور مکروہ کہا جاسکتا ہے کیونکہ صحیح حدیث ہے۔ ھلك المتنطعون[1] (غلو کرنے والے ہلاک ہو جائیں۔)

صاع کی مقدار ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صَاعُ = ۵ کلو مصری کے مساوی ہے یعنی ۵ اقدح مصری کے برابر ہے۔ جیسا کہ شرح الدردیر میں ہے، جو گندم کے وزن سے ۲۱۷۶ گرام بنتا ہے۔

یہ گندم کے حساب سے وزن ہے اگر کوئی جنس گندم سے ہلکی ہو تو اس کی مقدار اس سے زیادہ ہوگی، اگر مثلاً بعض لوگ گندم سے زیادہ وزنی جنس بالعموم استعمال کرتے ہوں جیسے چاول تو اس وزن مذکور میں جو زیادتی ہوگی وہی لازم ہوگی۔ اسی لیے فقہاء نے کَیل (پیمائش) پر اعتماد کیا ہے اور وزن پر اعتماد نہیں کیا ہے کیونکہ بعض غلے ہلکے ہوتے ہیں اور کچھ حُبُوب (دانے) بھاری ہوتے ہیں۔

چنانچہ امام نووی الروضہ میں فرماتے ہیں۔

"صاع کو رطل سے منضبط کرنا دشوار ہے، کیونکہ عہدِ نبوت میں صَاع ایک معروف پیمانہ تھا اور بلحاظ اجناس مکئی دال وغیرہ اس کا وزن مختلف ہوتا تھا، اور اس موضوع پر طویل گفتگو ہے اور جو شخص تحقیق کا ارادہ رکھتا ہو وہ شرح المہذب اور اس کی مختصر سے رجوع کرے کہ ہمارے فقہاء میں امام ابوالفرج الدارمی نے درست کہا ہے کہ اس سلسلے میں اعتماد کَیل پر ہے وزن پر نہیں ہے اور یہ کہ لازمی یہ ہے کہ صدقۃ الفطر کی ادائیگی اس صاع سے ہو جو عہدِ نبوت کے صاع کے مساوی ہو جو کہ اس وقت موجود ہے اور اگر کسی کو یہ صاع میسر نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اتنی مقدار دے دے جس کے بارے

---

[1] احمد، مسلم، ابوداؤد از ابن مسعود۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اسے یقین ہو کہ اس نے کوئی کمی نہیں کی ہے یعنی تقریباً پانچ رطل اور ایک تہائی اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ صاع ایک درمیانی ہاتھ والے شخص کے چار لپ کے برابر ہوتا ہے۔ [1]

بہرحال یہ امام نوویؒ کا قول ہے لیکن ہمارے زمانے میں جبکہ ہر شئے وزن کی جاتی ہے صاع کی مقدار کا تعین دشوار نہیں ہے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ دو صحابہ کے مابین بھی اس امر میں اختلاف نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُدّ جس سے آپ صدقات ادا فرماتے ایک رطل اور نصف سے زائد نہیں تھا اور ایک رطل اور ثلث سے کم نہیں تھا اور بعض کی یہ رائے بھی ہے کہ ایک رطل اور تہائی کے برابر تھا۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ گندم، کھجور اور جَو کی پیمائش کے اعتبار سے وزن کا فرق ہے۔ [2]

المغنی میں امام احمدؒ سے یہ قول منقول ہے کہ ابن ابی ذئب کا صاع پانچ رطل اور ایک تہائی کا تھا اور ابو داؤد کہتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کا یہی وزن تھا اور فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ بھاری وزن کی شئے فطرہ میں دیتے وقت احتیاطاً کچھ اضافہ کر دیا جائے۔ [3]

فقہائے احناف کے نزدیک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے جیسا کہ ہم زرعی پیداوار کی زکوٰۃ میں بیان کر چکے ہیں، یہ مقدار جمہور فقہاء کی بیان کردہ مقدار کے لحاظ سے ایک صاع اور نصف صاع کے برابر ہے یعنی ان کا نصف صاع دوسرے فقہاء کے بیان کردہ دو تہائی صاع کے برابر ہوا جس کی مقدار بعض حنفی فقہاء نے ایک مصری پیالہ

---

[1] الروضۃ، ج ۲، ص ۳۰۱، ۳۰۲۔
[2] المحلی، ج ۵، ص ۲۴۵۔
[3] المغنی، ج ۳، ص ۵۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(قَدَح) اور اس کا چھٹا حصہ قرار دیا ہے اور بعض دیگر نے ایک پیالہ اور ایک تہائی بتایا ہے[1]

اس لحاظ سے گندم کی واجب مقدار اتنے بڑے اختلاف کے باوجود ہر دو فریق کے نزدیک ایک ہی ہوتی البتہ گندم کے علاوہ دیگر اشیاء میں رائے کا فرق زیادہ نمایاں ہوگا کہ اس مقدار کے مطابق حنفی فقہ کے مطابق زکوٰۃ الفطر دیگر مسالک کی مقررہ مقدار سے دوگنی ہوگی۔

جس کے پاس مکیال اور میزان موجود نہ ہو وہ چار مُدّ ادا کرے اور مُدّ کے بارے میں فقہاء نے کہا ہے کہ یہ ایک معتدل انسان کے ایک لپ کے برابر ہوتا ہے اور چار لپ ایک صاع کے مساوی ہوتے ہیں اور جو حصول ثواب کی نیت سے اس سے زائد ادا کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے۔

زکوٰۃ الفطر کون سی اجناس سے ادا کی جائے گی

زکوٰۃ الفطر کے بارے میں وارد شدہ احادیث نے طعام (غذائی اجناس) کی کچھ اصناف متعین کی ہیں جو یہ ہیں، کھجور، جَو، کشمش اور پنیر (سوکھا ہوا دودھ جس میں سے مکھن نہ نکالا گیا ہو) اور بعض روایات میں گندم کا لفظ بھی آیا ہے، نیز بعض روایات میں باجرہ اور مکئی کی اصناف بھی ذکر ہوئی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ اصناف تعبدی ہیں اور مقصود بالذات ہیں اور ان میں ردوبدل نہیں ہو سکتا اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان اصناف کو چھوڑ کر کچھ اور غذائی اشیاء سے صدقۃ الفطر ادا کرے۔

فقہائے مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ اصناف تعبدی نہیں ہیں اور نہ مقصود بالذات ہیں بلکہ مسلمان اپنے ملک یا شہر کی غالب غذائی جنس کی صورت میں زکوٰۃ الفطر ادا کر سکتا ہے بلکہ ایک قول کے مطابق اپنی غالب غذائی شئے کی صورت میں صدقۃ الفطر ادا

---

[1] ردالمحتار، ج ۲، ص ۸۳، ۸۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرسکتا ہے۔

اس کے بعد فقہائے مالکیہ نے یہ احتمالات بھی ذکر کیے ہیں کہ یہ مطلوبہ قوتِ غالب (اکثری خوراک) سارا سال غالب غذائی جنس کی صورت میں استعمال ہوتی رہی ہو، یا صرف رمضان میں رہی ہو یا ادائیگی کے دن رہی ہو، یا وجوب کے دن رہی ہو۔ چنانچہ کچھ فقہاء نے ادائیگی کے دن کا اعتبار کیا ہے جبکہ بعض دیگر نے اس غذائی شئے کے رمضان میں غالب خوراک ہونے کی رائے کو ترجیح دی ہے۔[1]

مسلک شافعیؒ کے لحاظ الغزالی الوسیط میں فرماتے ہیں کہ فطرہ کے وجوب کے وقت شہر کی اکثریتی غذائی جنس کا اعتبار ہے اور تمام سال کی غذائی جنس ہونا شرط نہیں ہے اور الوجیز میں وہ کہتے ہیں کہ یوم الفطر کے دن کی شہر کی غالب غذائی جنس کا اعتبار ہے۔[2]

مالکیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ شہر کی اکثریتی جنس ان نو اجناس میں محدود ہونی چاہیے ——— جَو، کھجور، کشمش، گندم، مکئی، باجرہ، چاول، بے چھلکا جَو، اور پنیر۔ اگر یہ نو غذائی اشیاء ملتی ہوں یا ان میں سے بعض ملتی ہوں اور ان کی غذائی استعمال یکساں ہو تو اختیار ہوگا کہ جس شئے سے چاہے صدقۃ الفطر ادا کرے، اور اگر کسی ایک جنس کا استعمال زیادہ ہو تو اسی سے زکوٰۃ الفطر ادا کرنا متعین ہو جائے گا۔

مجھے ان تفریعات کی کوئی دلیل نہیں ملی اسی لیے مسلک کے بعض محققین نے کہا ہے کہ اگر ان نو غذائی اشیاء کے علاوہ کوئی اور شئے بطور غذا استعمال ہوتی ہو تو وہی زکوٰۃ الفطر میں ادا کی جائے گی، اگرچہ یہ نو اشیاء بھی پائی جاتی ہوں یا ان میں سے بعض پائی جاتی ہوں۔

اقتیات (غذائی خوراک) ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شئے آسانی اور سہولت کے ہر دور میں بطور خوراک استعمال ہوتی ہے۔

---

[1] حاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۵۔

[2] الروضۃ، ج ۲، ص ۳۰۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی بنا پر فقہا نے گوشت، دودھ وغیرہ اشیاء (جو قوت بن سکتی ہوں) کے فطرہ میں دینے کو جائز کہا ہے اور یہ اشیاء بلحاظ وزن دی جائیں گی جب کہ آٹے کے بارے میں اختلاف ہے۔

فقہائے مالکیہ نے یہ مسئلہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے شہر کی کمتر خوراک (قوت) استعمال کرتا ہو اور اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ شہر کی غالب غذا کے استعمال سے عاجز ہو تو جو خوراک وہ استعمال کرتا ہے اسی سے فطرہ دینا جائز ہے لیکن اگر وہ یہ کمتر غذا بخل اور کنجوسی کی وجہ سے استعمال کرتا ہو تو بالاتفاق اس سے فطرہ کی ادائیگی جائز نہیں ہے اور اگر زود ہضم ہونے یا اس غذا کی عادت ہونے کی وجہ سے استعمال کرتا ہو، مثلاً کوئی دیہاتی شہری آبادی میں رہتا ہو اور اسے جَو کے استعمال کی عادت ہو (جبکہ شہری آبادی گندم استعمال کرتی ہو) تو اس مستعمل شئے کے فطرہ میں دینے کے بارے میں اختلاف ہے اور فتویٰ اس امر پر ہے کہ جائز ہے۔

فقہائے شافعیہ فرماتے ہیں کہ غلے اور پھل جن پر عُشر عائد ہوتا اور جو بحالت اختیار بطور غذا مستعمل ہوں تو ان سے فطرہ ادا کرنا جائز ہے اور امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ مونگ اور مسور سے فطرہ دینا جائز نہیں ہے لیکن پہلا قول مشہور مسلک ہے۔

پنیر کے بارے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کے بارے میں صحیح حدیث موجود ہے اس لیے اس کا جواز قطعی ہے۔

جبکہ صحیح قول یہ ہے کہ پنیر اور دودھ ہم معنی ہیں۔ مگر ان فقہا نے یہ بھی کہا ہے کہ اس پنیر سے فطرہ دینا جائز نہیں ہے جس سے کھن نکال لیا گیا ہو اور اسی طرح وہ پنیر جس میں نمک اس قدر ہو کہ اس کا اصلی جوہر ختم ہو گیا ہو اسی طرح وہ غلے جو عیب دار ہوں اور ان میں کرم پڑ گیا ہو۔

اگر غلہ پرانا ہو لیکن اس کے رنگ اور ذائقہ میں فرق نہ آیا ہو اگرچہ اس کی قیمت میں کمی واقع ہو گئی ہو تو اس کا فطرہ میں دینا جائز ہے لیکن آٹا، ستو اور روٹی دینا جائز نہیں ہے جس طرح کہ قیمت دینا جائز نہیں ہے لیکن بعض فقہا نے کہا ہے کہ جائز ہے کیونکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقصود مساکین کا پیٹ بھرنا ہے۔

غرض جن اجناس سے فطرہ دینا جائز ہے ان کے بارے میں تین آرا ہیں، جمہور فقہاء کے نزدیک صحیح رائے یہ ہے کہ قوت بلد (شہر کی عمومی غذا) ہو، دوسری رائے یہ ہے کہ فطرہ دہندہ کی اپنی غذا ہو اور تیسری رائے یہ ہے کہ دہندہ کو اختیار ہے (کہ جن اجناس سے چاہے فطرہ ادا کردے)۔

اس سلسلے میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر ہم شہر کی غذا یا اس کی اپنی غذا کے وجوب کی رائے دیں اور دہندہ اس سے تجاوز کرکے کوئی اور غذا فطرہ میں دے دے تو جائز نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ اعلیٰ کی جانب تجاوز کرے تو بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر ہم دہندہ کی غذا کا لحاظ کریں اور وہ اس حالت میں ہو کہ گندم استعمال کرسکتا ہو لیکن بربنائے بخل جو استعمال کرتا ہو تو اس پر گندم دینا ہی لازم ہوگا، لیکن اگر اس کے حالات جَو کے ہوں اور وہ بہ آسانش زندگی کی خاطر گندم استعمال کرتا ہو تو صحیح رائے یہ ہے کہ اس کا جو دینا جائز ہے جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ لازماً گندم ہی دے گا۔ اور اگر ہم قوت بلد کو لازم قرار دیں اور اس شہر کے لوگ مختلف اجناس استعمال کرتے ہوں اور ان میں غالب غذا کوئی بھی نہ ہو تو دہندہ جو جنس چاہے فطرہ میں دے سکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ ان میں سے افضل جنس دے دے[1]

مسلک احمد میں ظاہر قول یہ ہے کہ نص میں جو پانچ اصناف مروی ہیں ان سے تجاوز درست نہیں ہے، درانحالیکہ وہ ان سے فطرہ کی ادائیگی پر قادر ہو خواہ جس غذا کی طرف تجاوز کیا ہے وہ اس کے شہر کی غذا ہو یا نہ ہو۔[2]

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سَتُّو اور آٹے سے بھی فطرہ دینا جائز ہے کیونکہ یہ اشیاء وزن کی جاتی ہیں اور فقیر (محتاج) ان سے منتفع ہوسکتا ہے بلکہ اس طرح وہ پسوانے کی کلفت سے بھی بچ جائے گا۔[3]

---

[1] ایضاً، ص ۳۰۵۔

[2] المغنی، ج ۳، ص ۶۲۔

[3] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرہ کی ادائیگی کے لیے ان اصناف کی تحدید اس لیے فرمائی تھی کہ اس وقت عرب کے معاشرے میں یہی غذائیں رائج تھیں، اس لحاظ سے اگر کوئی قوم چاول استعمال کرتی ہو یا مکئی ان کی غالب غذا ہو تو وہ انہی غذاؤں سے فطرہ ادا کریں گے غرض ہر شخص اپنے شہر (یا ملک) کی غالب غذا سے فطرہ ادا کرے گا اور اگر خود اس کی اپنی غذا ملکی غذا سے افضل ہو تو اس سے فطرہ ادا کرے گا۔

علامہ ابن حزمؒ کے نزدیک ماسوا کھجور اور جو کے کوئی شئے فطرہ میں دینا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ کشمش، گندم، آٹا اور پنیر بھی دینا جائز نہیں ہے اور اس رائے کے حق میں طویل دلائل دیئے ہیں اور اس کے برعکس تمام احادیث کو رد کر دیا ہے اور حسب عادت اپنی رائے کے مخالفین کی سختی سے گرفت کی ہے۔[1]

انھوں نے ابو مجلز کی یہ روایت میں اپنے استدلال میں نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے عرض کیا کہ اب اللہ نے ہمیں فراخی عطا کر دی ہے اور اب فطرہ میں گندم دینا کھجور دینے سے افضل ہے، اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو اسی طریقہ پر چلنا پسند کرتا ہوں جس پر صحابہؓ چلتے رہے ہیں۔[2]

زکوٰۃ الفطر کے ضمن میں وارد احادیث کے طرق روایات پر غور اور ان کے مفاہیم پر تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور اور جو کے اندر فطرہ کو منحصر کر دینے کی درحقیقت علامہ ابن حزم کے پاس کوئی دلیل نہیں، چنانچہ حضرت معاویہؓ نے صحابہ کی موجودگی شام کے گندم کے دو مُدّ کو جو کے ایک صاع کے برابر قرار دیا اور کسی صحابی نے جو کے بدلے گندم فطرہ میں دینے پر اعتراض نہیں کیا اور جہاں تک ابو سعید کے اعتراض کا تعلق ہے تو وہ مقدار سے متعلق ہے کہ ان کے نزدیک گندم کا بھی ایک صاع دینا چاہیے۔ اور ابن عمرؓ

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۱۱۸۔ ببعد۔

[2] ایضاً، ص ۱۲۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قول کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسی طرح ادائیگی فرماتے رہے جس طرح عہدِ نبوتؐ میں فرمایا کرتے تھے لیکن اس کے علاوہ اجناس سے فطرہ کی ادائیگی پر انھیں اعتراض نہیں تھا، اگر آپ کے نزدیک اس وقت کے لوگوں ۔ جو کہ صحابہ تھے ـــــ کا عمل باطل ہوتا تو آپ زیادہ سختی سے اعتراض کرتے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ بعض امور پر محض اتباعِ سنّت کی خاطر تشدّد فرمایا کرتے تھے چنانچہ آپ سواری سے وہاں اُترتے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُترا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ عمل کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں تھا۔ زکوٰۃ الفطر کا مقصود عید کے دن محتاج (فقیر) کو گھروں کا طواف کرنے سے محفوظ کرنا ہے کہ روزِ عید مالدار اور صاحب حیثیت عید کی خوشیوں سے متمتع ہوتے اور اپنے مال و اولاد سے لطف ہوتے ہیں تو کیا قاہرہ جیسے شہر میں اگر وہ کسی فقیر کو ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو دے دیں تو کیا وہ سمجھتے ہیں کہ فقیر مستغنی ہو جائے گا اور صاع کھجور یا جَو کو لے کر فروخت کرنے نہیں نکلے گا کہ اسے معمولی قیمت پر فروخت کر کے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے وہ غذا خرید سے جو وہ استعمال کرتا ہے۔[1]

قیمت کی ادائیگی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فطرہ میں اور ہر طرح کی زکوٰۃ میں قیمت زکوٰۃ کا ادا کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت امام احمدؒ سے صدقۂ فطر کی دراہم سے ادائیگی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ خلافِ سنّت جائز نہیں ہے اور جب ان کے سامنے یہ بیان کیا گیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فطرہ میں قیمت وصول کیا کرتے تھے تو انھوں نے فرمایا کہ قولِ رسولؐ کو ترک کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے کہا، پھر انھوں نے حضرت ابن عمرؓ

---

[1] ہاش المحلی، ج ۶، ص ۳۳۱، ۳۳۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مروی حدیث سنائی اور یہ آیت پڑھی۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء : ۵۹)

حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا،

گویا حضرت امام احمدؒ کے نزدیک فطرہ کی قیمت دینا خلاف سنت ہے۔

اور یہی رائے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی بھی ہے[1]

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ قیمت سے فطرہ کی ادائیگی بالکل جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرہ میں ادائے قیمت فرض نہیں فرمائی اور حقوق الناس میں قیمت اسی وقت جائز ہے جب صاحب حق راضی ہو اور زکوٰۃ کا کوئی متعین مالک نہیں ہے جس کے راضی کرنے سے جائز ہو جائے۔[2]

امام ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ قیمت کا دینا جائز ہے اور یہی رائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت حسن بصری کی ہے[3]

ابن ابی شیبہ نے عون سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خط بنام عدی والی بصرہ سنا جس میں انھوں نے تحریر کیا تھا کہ سرکاری ملازمین (اہل الدیوان) کے عطیات میں سے ہر شخص سے نصف درہم (فطرہ) لیا جائے[4]

حسن سے مروی ہے کہ دراہم کے فطرہ میں دینے میں کوئی حرج نہیں ہے[5]

ابواسحٰق سے مروی ہے کہ لوگ (صحابہ و تابعین) صدقۂ فطر کھانے کی قیمت سے ادا کیا کرتے تھے[6]

---

[1] المغنی، ج ۳، ص ۶۰۔

[2] المحلی، ج ۶، ص ۱۳۷۔

[3] المغنی، ج ۳، ص ۶۵/ المحلی، ج ۶، ص ۱۳۰۔

[4] مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۴، ص ۳۷، ۳۸۔

[5] ایضاً

[6] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عطاؒ سے مروی ہے کہ وہ چاندی کے دراہم سے صدقۂ فطر دیا کرتے تھے۔[1]

الف) فرمانِ نبوتؐ ہے کہ اس روز مساکین کو غنی کر دو اور غنی کرنا قیمت سے متحقق ہوتا ہے، جیسا کہ کھانا دے کر بھی ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ بذریعہ قیمت (طعام) زیادہ بہتر طریقہ پر ہو اس لیے کہ فقیر کے پاس طعام بکثرت ہو تو وہ اس کی بیع کا محتاج ہوگا اور قیمت کے ذریعے وہ مزید طعام ملابس اور دیگر ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔

ب) ابن المنذر کا یہ قول بھی قیمت کے جواز پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہؓ نے گندم کا نصف صاع دینا جائز قرار دیا تھا کیونکہ ان کے نزدیک اس وقت نصف صاع گندم ایک صاع کھجور یا جَو کے مساوی تھا، اسی وجہ سے حضرت معاویہؓ نے فرمایا تھا کہ میرے نزدیک شامی گندم کے دو مُدّ ایک صاع کھجور کے مساوی ہیں۔

ج) ہمارے اس دور میں بذریعہ رقم فطرہ کی ادائیگی زیادہ موزوں ہے بالخصوص ان صنعتی ممالک میں جہاں تمام لین دین نقود کے ذریعے ہوتا ہے بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک میں یہی طریقہ رائج ہے اور مزید یہ کہ فقراء کو بھی اسی طرح فائدہ ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ الفطر کو طعام سے دو وجوہ سے متعین کیا تھا۔

پہلی وجہ یہ کہ اہل عرب میں اس وقت نقود (سکے) بہت کم تھے اور لوگوں کو غذائی اشیاء دے دینا آسان تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نقود (سکوں) کی قیمتیں کم و بیش ہوتی رہتی ہیں جبکہ صاعِ طعام دینا دہندہ کے لیے باعثِ سہولت اور لینے والے کے لیے زیادہ فائدہ مند تھا۔

واللہ اعلم بالصواب

ادائے قیمت کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہم ادائے زکوٰۃ کے بیان میں کر چکے ہیں، وہاں پر ملاحظہ کر لیا جائے۔

---

[1] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادائے قیمت سے متعلق مسائل

اب ادائے قیمت سے متعلق کئی مسائل باقی ہیں جنھیں فقہائے احناف نے ذکر کیا ہے۔

پہلا مسئلہ: ادائے قیمت سے مراد گندم یا کھجور کی قیمت دینا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان میں سے کسی شئے کی بھی قیمت دینا درست ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ گندم کی قیمت ہی ادا کی جائے گی۔[1]

میری رائے یہ ہے کہ جو بھی ملک کی غالب غذا ہو، اس کی درمیانی قسم کے لحاظ سے قیمت ادا کی جائے گی اور اگر اس کی اچھی قسم کی قیمت کے اعتبار سے ادائیگی کی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

دوسرا مسئلہ: جن اجناس کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے ان کا بلحاظ قیمت ایک دوسرے سے بدل کر دینا جائز نہیں ہے یعنی جس طرح قیمت کے اعتبار سے گندم کے بدلے گندم دینا درست نہیں ہے کہ درمیانی گندم کے ایک صاع کے بدلے اچھے گندم کا نصف صاع دے دیا جائے اسی طرح گندم کی قیمت کا لحاظ کر کے جَو یا کھجور دینا درست نہیں ہے کہ گندم کے نصف صاع کی قیمت کے بدلے نصف صاع کھجور دے دی جائے بلکہ یہ منصوص اشیاء نص میں بیان کردہ مقدار کے مطابق دی جائیں گی اور قیمت کا اعتبار ان اشیاء میں ہوگا جن میں نص وارد نہیں ہے۔[2]

تیسرا مسئلہ: فقہائے احناف کے مابین اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا اصل منصوص شئے دینا افضل ہے یا ادائے قیمت افضل ہے، چنانچہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ہر حالت میں، خواہ شدت کا زمانہ ہو یا نہ ہو، گندم کا دینا افضل ہے اس لیے کہ اس میں سنت کی اتباع ہے جبکہ بعض دیگر فقہاء نے کہا ہے کہ اگر زمانہ شدت ہو اور قحط سالی کا دور ہو تو اجناس سے ادائیگی زیادہ افضل ہے جبکہ وسعت و فراخی کے دور میں قیمت دینا افضل

---

[1] الدر المختار و حاشیۃ رد المحتار، ج ۲، ص ۸۰۔

[2] رد المحتار، ج ۲، ص ۸۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ اس سے فقیر (محتاج) کی ضرورت زیادہ عمدہ طریقہ پر پوری ہوتی ہے[1]

اس سے معلوم ہوا کہ افضل ہونے کا مدار ضرورتمند کی ضرورت کے عمدہ طریقہ پر پورے ہو جانے پر ہے یعنی اگر وہ طعام سے بہتر طور پر منتفع ہو سکتا ہو تو اسے طعام دینا افضل ہے مثلاً قحط سالی کے دور میں اگر اسے نقد ادائیگی سے زیادہ فائدہ ہو تو نقد ادائیگی بہتر ہے۔

یہاں صرف محتاج کی ضرورت کو مدِ نظر رکھنے کے بجائے اس کے خاندان کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی کنبہ والا شخص لے کر اپنی ضرورت پوری کر لے اور اس کے بچے غذا کے محتاج ہوں، ایسی صورت میں غذا دینا افضل ہے۔

---

[1] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھی فصل

فطرہ کے واجب ہونے کا وقت اور اس کے ادا کرنے کا وقت

زکوٰۃ الفطر کب واجب ہوتی ہے؟

اُمّت اسلامیہ کے فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رمضان المبارک کے افطار کے وقت صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے اختتام پر صدقۂ فطر واجب فرمایا۔ البتہ وقت کی تحدید میں اختلاف ہے کہ امام شافعیؒ، احمدؒ، اسحٰقؒ، ثوریؒ اور امام مالکؒ کے رمضان المبارک کے آخری دن کے غروب کے وقت واجب ہوتا ہے اس لیے کہ صدقۂ فطر روزہ دار کی پاکیزگی کے لیے مقرر ہوا ہے اور روزہ چونکہ غروب آفتاب کے وقت ختم ہوتا ہے اس لیے اسی وقت زکوٰۃ بھی لازم ہے۔

امام ابوحنیفہؒ ان کے اصحاب، لیثؒ، ابوثورؒ اور امالکؒ (ان کے ایک قول کے مطابق) فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر یوم العید کی فجر کے وقت واجب ہوتا ہے اس لیے کہ اس عبادت کا تعلق یوم عید سے ہے اور اسے یوم عید پر متقدم نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ یوم الاضحیٰ کی قربانی یوم الاضحیٰ پر متقدم نہیں ہوتی۔[1]

بہرحال یہ ایک معمولی اختلاف ہے جس کا اثر اس صورت میں ظاہر ہوگا جبکہ کوئی بچہ غروب شمس اور فجر کے طلوع سے پہلے پیدا ہو کہ کیا اس کا صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں ہے اور اس صورت میں ظاہر ہوگا جبکہ کوئی مکلف شخص اس وقت کہ درمیان مر

---

[1] المغنی، ج ۳، ص ۶۷، ۶۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے کہ کیا اس کا فطرہ دیا جائے گا یا نہیں [1]

زکوٰۃ الفطر کب ادا کرے

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ الفطر کے بارے میں حکم دیا کہ لوگوں کے نماز کے لیے روانہ ہونے سے قبل دیا جائے اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا ہے کہ فطرہ نماز عید سے فوراً پہلے دیا جائے اس لیے کہ فرمانِ الٰہی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

(الاعلیٰ : ۱۴، ۱۵)

بامراد ہوا وہ جو پاک ہو گیا اور اپنے پروردگار کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا۔

ابن خزیمہ نے بروایت کثیر بن عبداللہ از والد خود از جد خود روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یہ آیت کب نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ زکوٰۃ الفطر کے بارے میں نازل ہوئی۔ [2]

مگر یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے کہ اس میں کثیر موجود ہے جو ائمہ حدیث کے نزدیک بے حد ضعیف ہے اور مزید ضعف اس حدیث میں اس سے پیدا ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکی ہے اور صدقۃ فطر کا حکم صیام کی فرضیت اور عیدین کی مشروعیت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ——— اور اس کی تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ آیت عبارت النص اور اشارۃ النص کے لحاظ سے صدقۃ الفطر پر بھی دلالت کرتی ہے اگرچہ اصطلاحی معنوں میں خاص صدقۃ فطر کے بارے میں نازل نہیں ہوئی ہے [3]

---

[1] بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۲۷۳۔

[2] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۹۵۔

[3] امام شافعیؒ اور ابوداؤد کثیر کو جھوٹا قرار دیتے ہیں، ابن صیان کہتے ہیں کہ بے حد منکر الحدیث اور اس کی اس سند کا تعلق (عن ابیہ عن جدہ) ایک موضوع نسخہ سے ہے جس کا ذکر بھی مناسب نہیں ہے ماسوا مقام استعجاب کے۔ مگر امام ترمذیؒ نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے

(بقیہ اگلے صفحے پر دیکھئے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری اور مسلم نے حضرت ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ
"ہم عہدِ نبوت میں یوم الفطر کو ایک صاع طعام دیا کرتے تھے"
اس حدیث کے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ یوم الفطر کا سارا دن مراد ہے مگر شارحینِ حدیث نے اوّل یوم مراد لیا ہے یعنی صبح کی نماز سے نماز عید تک جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔
امام شافعیؒ کے نزدیک ادائے فطرہ کی نماز عید سے پہلے کی قید استحباب پر محمول ہے کیونکہ فرمانِ نبوت ہے کہ
"انھیں آج کے روز غنی کر دو"
اور یوم کے لفظ کا پورے دن پر اطلاق ہوتا ہے[1]
جمہور فقہاء کے نزدیک فطرہ کا نماز عید کے بعد تک مؤخر کرنا مکروہ ہے کیونکہ فطرہ کا مقصود یہ ہے کہ عید کے دن فقیر کو طلب اور سوال سے مستغنی کر دیا جائے اور تاخیر سے دن کا یہ حصہ بغیر اغناء کے اس حکم کی تعمیل کے گزر جائے گا[2]
ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ سورج کے روشن ہو جانے اور نماز عید کا وقت آجانے پر فطرہ دینے کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور اس وقت کے بعد تاخیر حرام ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے فطرہ ادا

(بقیہ آگے) لیکن امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ محدثین نے امام ترمذیؒ کی کثیر کی حدیث کو صحیح قرار دینے پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ دیکھیے۔
میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۴۰۶، ۴۰۷۔
تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۴۲۱، ۴۲۳۔
التاریخ الکبیر للبخاری، ۴، ۱، ۲۱۷۔
الجرح والتعدیل، ۲-۲-۱۵۴۔
المستدرک للحاکم، ۱، ۱۲۸۔

[1] فتح الباری، ج ۳، ص ۳۷۵۔
[2] المغنی، ج ۳، ص ۶۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیا اور وقت نکل گیا تو اس پر اور اس کے مال پر یہ فطرہ بطور قرض واجب ہوگا کہ یہ مساکین کا حق ہے۔ اور اب اس کا اپنے مال میں اس حق کو روکنا حرام ہو جائے گا اور اس کی ادائیگی لازم رہے گی اور جب ادا کر دے گا تو مساکین کا یہ حق تو ساقط ہو جائے گا لیکن وقت ضائع کر دینے کی بنا پر حق اللہ باقی رہے گا اور استغفار اور ندامت کے بغیر اس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔[1]

امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ صدقۂ فطر کی نماز عید سے قبل ادائیگی واجب ہے اس لیے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ

"جس نے صدقہ نماز عید سے قبل ادا کیا تو یہ مقبول زکوٰۃ ہے اور جس نے بعد نماز ادا کیا تو یہ ایک صدقہ ہے"

اس حدیث میں کہا گیا کہ نماز کے بعد فطرہ دینا ایک صدقہ ہے جس کا یہ مفہوم ہوا کہ اس کا ثواب نہیں ہے جو زکوٰۃ الفطر کا ہے جس کا ایک وقت متعین ہے۔[2]

ابن ارسلان کہتے ہیں کہ عید الفطر سے فطرہ کا مؤخر کر دینا بالاتفاق حرام ہے اس لیے کہ یہ زکوٰۃ واجب ہے اس لیے اس کی تاخیر میں گناہ ہوگا جیسا کہ نماز کا اس کے وقت سے مؤخر کر دینا گناہ ہے۔[3]

المغنی میں ہے کہ اگر یوم عید سے مؤخر کر دیا تو گنہگار ہوگا اور قضا لازم ہوگی،[4] جبکہ ابن سیرینؒ اور نخعیؒ سے یوم عید سے مؤخر کر دینے کی رخصت بھی مروی ہے اور ابن المنذر نے امام احمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اتباع سنت اولیٰ ہے۔[5]

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۱۴۳۔

[2] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۹۵۔

[3] ایضاً۔

[4] الدردیر فی الشرح الکبیر میں ہے کہ مدت گزرنے سے فطرہ فوت سے ساقط نہیں ہوگا (ج ۱، ص ۵۰۳)

[5] المغنی، ج ۳، ص ۶۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حزم کے نزدیک فطرہ کی ادائیگی میں تقدیم وتاخیر جائز نہیں ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ طلوع فجر یوم عید سے پہلے فطرہ کی ادائیگی جائز نہیں ہے بلکہ بالکلیہ تقدیم جائز نہیں ہے[1] کیونکہ ان کے نزدیک تعجیل زکوٰۃ جائز نہیں ہے حالانکہ صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ انھوں نے زکوٰۃ میں تعجیل بھی کی ہے۔ (یعنی زکوٰۃ کے وجوب کا وقت آنے سے پہلے بھی زکوٰۃ دی ہے۔)

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ صحابۂ کرام رضی یوم الفطر سے ایک دو روز قبل بھی فطرہ ادا کر دیا کرتے تھے یہی رائے امام احمدؒ کی بھی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ ایک دو روز سے زیادہ قبل جائز نہیں ہے۔

یہی مسلک امام مالکؒ ہے اور بعض مالکی مسلک کے فقہاء کے نزدیک تین روز پہلے تک دینا جائز ہے۔[2] اور بعض حنابلہ کے نزدیک نصف ماہ تک تقدیم جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اوّل شہر رمضان سے فطرہ کی ادائیگی جائز ہے کیونکہ صدقہ کا سبب روزہ اور روزہ سے افطار ہے ان میں سے جو بھی سبب موجود ہوگا تو اس کے اعتبار سے تعجیل جائز ہوگی جیسا کہ نصاب کا مالک ہونے کے بعد مال کی زکوٰۃ واجب ہو۔[3] اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فطرہ کی ادائیگی اوّل سال سے جائز ہے جیسا کہ مال کی زکوٰۃ کی تعجیل جائز ہے اور زیدیہ مسلک میں مال کی زکوٰۃ کی طرح فطرہ کی ادائیگی دو سال پہلے تک جائز ہے۔[4]

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۱۴۳۔ ابن حزمؒ کا مسلک ہی امامیہ کا بھی مسلک ہے۔ (فقہ الامام جعفر، ج ۲، ص ۱۰۶)

[2] الشرح الکبیر بحاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۸۔

[3] المغنی، ج ۳، ص ۶۸، ۶۹۔

[4] البحر، ج ۲، ص ۱۹۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک احتیاط کے زیادہ قریب اور مقصد سے زیادہ مربوط ہے کہ خاص عید کے روز اہل احتیاج کی ضرورت پوری کی جائے۔ اور نصف ماہ سے ادائیگی باعث سہولت ہے بالخصوص جب کہ ریاست فطرہ کی وصولی کی ذمے داری سنبھالے کہ حکومت کو اتنے وقت کی ضرورت ہوگی کہ اس میں فطرہ جمع کر کے لوگوں تک پہنچا دے اور اہل احتیاج روز عید اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شریک ہوں اور یہی صورت اس وقت ہوگی جبکہ فطرہ کی وصولیابی جمعیات یا ادارے کر رہے ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچویں فصل

فطرہ کے مستحقین

بالاجماع زکوٰۃ الفطر فقراء المسلمین پر صرف کی جائے گی ابن رشدؒ فرماتے ہیں کہ اس امر پر اجماع ہے کہ فرمانِ نبوتؐ کے مطابق فطرہ مسلمان فقراء پر تقسیم کیا جائے گا۔[1]

ذمّی فقراء کے بارے میں اختلافِ رائے جمہور فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر ذمی (غیر مسلم) ضرورتمندوں کو دینا جائز نہیں ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ وجہ اختلاف یہ ہے کہ کیا اوائے فطر کا سبب جواز صرف فقر (محتاجی) ہے یا فقر اور اسلام دونوں ہیں، جن کے نزدیک فقر اور اسلام دونوں سبب ہیں ان کے نزدیک ذمیوں کو فطرہ دینا جائز نہیں ہے اور جن کے نزدیک صرف فقر سبب ہے ان کے نزدیک جائز ہے اور بعض فقہاء نے ذمیوں کے بارے میں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اگر وہ راہب ہوں تو انھیں صدقۂ فطر دیا جا سکتا ہے۔[2] چنانچہ ابومیسرہؒ، عمرو بن میمون، عمرو بن شرحبیل اور مرۃ الہمدانی وغیرہ سے مروی ہے کہ وہ راہبوں کو صدقۂ فطر دیا کرتے تھے۔[3]

اس سے روحِ اسلام کا پتہ چلتا ہے کہ اسلام انسانیت پر مہربان ہے اور وہ

---

[1] بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۲۷۳۔
[2] المصنف، ج ۴، ص ۳۹۔
[3] المغنی، ج ۳، ص ۷۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے ماننے والوں کو ان مخالفین کی مدد و اعانت سے منع نہیں کرتا جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہ ہوں تاکہ وہ بھی مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے مسلمانوں کی خوشی میں شریک ہوں، لیکن یہ جب ہے پہلے فقراء مسلمین پہلے مستغنی ہو جائیں جیسا کہ ہم مصارف زکوٰۃ کے بارے میں پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔

کیا صدقۂ فطر زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ میں تقسیم کیا جائے گا

اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ صدقۂ فطر انہی آٹھ اصناف پر سادات کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا جن میں زکوٰۃ تقسیم کی جاتی ہے[1] اور یہی علامہ ابن حزمؒ کا مسلک ہے اور جب فطرہ دینے والا خود ہی رہا ہو تو عاملین علیہا کی صنف ساقط ہو جائے گی اور اسی طرح مؤلفۃ القلوب کی صنف ساقط ہو جائے گی کہ انھیں دینا ریاست (امام) کا فریضہ ہے[2]

امام ابن القیمؒ نے اس رائے کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقۂ فطر مساکین کو دیتے اور آٹھوں اصناف پر تقسیم نہ فرماتے اور نہ آپؐ نے اس کا حکم دیا اور نہ ہی صحابہ میں کسی نے یہ عمل کیا بلکہ ہمارا تو ایک قول یہ ہے کہ صدقۂ فطر مساکین کے سوا دینا جائز ہی نہیں ہے اور میرے نزدیک آٹھ اصناف پر تقسیم کو لازم قرار دینے کی رائے سے یہ رائے بہتر ہے[3]

مسلک مالکؒ کے فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر مساکین اور فقراء کو دیا جائے گا اور عاملین علیہا، مؤلفۃ القلوب، فی الرقاب، اور فی سبیل اللہ کے مصارف میں صرف نہیں کیا جائے گا یعنی صرف فقر ہونے کی بنا پر دیا جائے گا اور اگر صدقۂ فطر دینے

---

[1] المجموع، ج ۶، ص ۱۴۴۔

[2] المحلی، ج ۶، ص ۱۴۳، ۱۴۵۔

[3] زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۱۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے کے شہر میں کوئی فقیر نہ ہو تو اس کے شہر سے قریب ترین شہر میں اسی کے خرچ سے بھیجا جائے گا تاکہ صدقۂ فطر کے صاع میں کمی نہ آئے۔[1]

بہرحال اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:۔

۱) ایک رائے یہ ہے کہ صدقۂ فطر آٹھوں اصناف، یا جس قدر اصناف موجود ہوں تمام پر برابر تقسیم کیا جائے اور یہ فقہائے شافعیہ کا مشہور مسلک ہے۔

۲) دوسری رائے یہ ہے کہ صدقۂ فطر دیگر اصناف کو دینا بھی جائز ہے اور اس کو فقراء کے ساتھ مخصوص کر دینا بھی جائز ہے اور یہ جمہور کی رائے ہے کیونکہ یہ صدقہ ہے اور اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔ (انما الصدقات للفقراء)

۳) تیسری رائے یہ ہے کہ صدقۂ فطر خاص طور پر فقراء ہی کو دینا چاہیے، یہ مالکی فقہاء کا مسلک ہے، امام احمدؒ کا ایک قول ہے اور ابن القیمؒ اور ان کے شیخ ابن تیمیہؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ یہی رائے الہادی، القاسم اور ابو طالب نے اختیار کیا ہے کہ صدقۂ فطر صرف مساکین اور فقراء کو دیا جائے گا کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ فطرۂ طعمۃً للمساکین ہے اور حدیث ہے کہ آج کے روز انھیں غنی کر دو۔[2]

میرے نزدیک اگرچہ یہی آخری رائے درست، صدقۂ فطر کی روح کے قریب اور اس کے مقصد کی تکمیل کرنے والی ہے لیکن اس کے باوجود دوسرے مصارف میں، بوقت ضرورت صرف کرنے کی ممانعت نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عید کے دن بطور خاص فقراء کی حاجت روائی لازمی ہے اس لیے دیگر مصارف میں صرف کرنا ممنوع نہیں ہے جیسا کہ زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد نبوت ہے کہ "زکوٰۃ اغنیاء سے لے کر فقراء کو لوٹائی جاتی ہے"

اس حدیث کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ دیگر مصارف میں جو کہ آیت میں بیان ہوئے

---

[1] الشرح الکبیر بحاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۸، ۵۰۹۔

[2] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۹۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر صرف کرنا ممنوع ہے۔

غرض ہماری رائے یہ ہے کہ فطرہ فقراء کو دیا جائے اور اگر کوئی مصلحت وضرورت درپیش ہو تو دیگر مصارف میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ ایک شخص اپنا فطرہ ایک مسکین یا متعدد مساکین کو دے سکتا ہے جیسا کہ متعدد افراد اپنا فطرہ ایک ہی مسکین کو دے سکتے ہیں[1] البتہ بعض فقہاء کے نزدیک ایک شخص کا اپنا فطرہ متعدد مساکین کو دینا مکروہ ہے کیونکہ اس سے استغناء متحقق نہیں ہوگا اور اسی طرح متعدد افراد کا ایک ہی شخص کو فطرہ دینا حامل کراہت ہے کیونکہ جب اور بھی حاجتمند موجود ہوں تو صرف ایک ہی فقیر (حاجتمند) کو ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔[2]

جس شخص کو زکوٰۃ الفطر نہیں دی جاتے گی

درانحالیکہ صدقہ فطر بھی زکوٰۃ ہی ہے اس لیے فطرہ بھی اس شخص کو دینا جائز نہیں ہے جس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے یعنی دشمن اسلام کافر کو، یا مرتد کو یا فاسق کو جو اپنے فسق کو مسلمانوں کو چیلنج کرنے کا ذریعہ بناتا ہو، یا مالدار کو یا اس بے کار شخص کو جو کسب کی قدرت رکھتا ہو مگر کسب نہ کرے۔ یا باپ کو یا بیٹے کو یا بیوی کو کیونکہ ان قریبی رشتہ داروں کو دینا خود اپنے آپ کو دینا ہے جیسا کہ ہم نے مصارف زکوٰۃ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

شہر کے فقراء مقدم ہیں

جس شہر میں صدقہ فطر دینے والا موجود ہو اسی کے فقراء کو صدقہ فطر دیا جانا چاہیے، ان وجوہات کی بنا پر جو ہم نے زکوٰۃ کے ضمن میں بیان کی ہیں اور اس وجہ سے کہ فطرہ کا تعلق عید سے ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ فوری طور پر فقراء کو مل جائے اس لیے دہندہ کے پڑوسی اور اہل شہر مقدم ہیں۔ لیکن اگر اس شہر میں فقراء موجود نہ ہوں تو پھر قریبی بستی میں بھیجا جا سکتا ہے جیسا کہ مسلک مالکؒ کے فقہاء سے منقول ہے اور البحر میں ہے کہ جب تک کوئی اعلیٰ مقصد موجود نہ ہو شہر کے فقراء کے علاوہ کسی اور کو دینا مکروہ ہے۔[3]

---

[1] البحر، ج ۲، ص ۱۹۷۔

[2] الدر المختار وحاشیہ، ج ۲، ص ۸۵، الشرح الکبیر بحاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۵۰۸۔

[3] البحر الزخار، ج ۲، ص ۲۰۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھواں باب

زکوٰۃ کے علاوہ مال پر حق

۱۔ ان فقہاء کی رائے جن کے نزدیک زکوٰۃ کے علاوہ مال پر حق عائد نہیں ہوتا ہے۔
۲۔ ان فقہاء کی رائے جن کے نزدیک زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال پر حق عائد ہوتا ہے۔
۳۔ ان اقوال کے درمیان ترجیح۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ کے علاوہ مال پر حق

بعض مسائل میں کوئی ایک رائے زیادہ شہرت اختیار کر جاتی ہے اور اس سے لوگوں کو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ یہی واحد رائے ہے۔ اسی طرح کی ایک رائے فقہاء متاخرین میں یہ شائع ہو گئی ہے کہ ماسوا زکوٰۃ کے مال پر اور کوئی حق عائد نہیں ہوتا اور دینی علوم کے حاملین کے درمیان یہ ایک مسلمہ امر بن گیا ہے۔ اس باب میں ہم اسی مسئلہ کو نصوص اور قواعد شریعت کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل: ان فقہاء کی رائے جن کے نزدیک مال پر علاوہ زکوٰۃ کے کوئی حق عائد نہیں ہوتا۔

دوسری فصل: ان فقہاء کی رائے جن کے نزدیک زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال پر حق عائد ہوتا ہے۔

تیسری فصل: ان اقوال کے درمیان ترجیح۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی فصل

اِن فقہا کی رائے جن کے نزدیک مال پر علاوہ زکوٰۃ کے کوئی حق عائد نہیں ہوتا

بیشتر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ از روئے شریعت مال پر لازم ہونے والا واحد حق زکوٰۃ ہے۔ جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ دے دے اس کا مال پاک ہو گیا صاحب مال بری الذمہ ہو گیا اور اس کے اوپر کوئی اور مطالبہ باقی نہیں رہا الّا یہ کہ وہ بطور تطوع (نفل) کچھ دے، یہی مسلک متأخرین فقہاء میں مشہور رہے اور اس قدر مشہور ہے اس کے علاوہ اس بارے میں کوئی اور رائے ہی نہ ہو۔

اس رائے کے حق میں دلائل

۱) بخاری و مسلم نے حضرت طلحہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجد کا ایک شخص آیا، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آواز تو سنائی دیتی تھی، یہاں تک کہ وہ آپؐ کے قریب آگیا اور اس نے اسلام کے بارے میں استفسار کیا، آپؐ نے فرمایا شب و روز میں پانچ نمازیں، اس نے پوچھا کہ اس کے علاوہ کچھ آپؐ نے فرمایا، اس کے علاوہ نفل۔ آپؐ نے فرمایا رمضان کے روزے، اس نے کہا کہ اس کے علاوہ آپؐ نے فرمایا، اس کے علاوہ نفل، ..... بعد ازاں آپؐ نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا تو اس نے کہا کہ اس کے علاوہ اور کچھ، آپؐ نے فرمایا اس کے علاوہ نفل۔ وہ شخص جانے لگا تو اُس نے کہا کہ اس پر میں نہ اضافہ کروں گا اور نہ کمی کروں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سچا ہے تو کامیاب ہو گیا، یا آپؐ نے فرمایا کہ سچا ہے تو جنتی ہو گیا۔[1]

---

[1] البحر، ج ۲، ص ۱۳۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲) بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ مجھے ایسا عمل بتلائیے جس کو میں کروں تو جنت میں چلا جاؤں، آپؐ نے فرمایا خدائے واحد کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز پڑھو اور فرض زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو، اس نے کہا قسم بخدا میں اس میں کوئی اضافہ نہیں کروں گا جب وہ جانے لگا تو آپؐ نے فرمایا اگر کسی کے لیے جنتی شخص کو دیکھنا خوشگوار ہو تو وہ اس شخص کو دیکھ لے [1]

پہلی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو بتایا کہ اس پر اور کچھ لازم نہیں ہے۔ ماسوا اس کے کہ وہ کوئی نفلی صدقہ کرے اور دونوں حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائلوں کے اس کہنے پر رضامندی ظاہر فرمائی کہ وہ فرض زکوٰۃ پر کوئی اضافہ نہیں کریں گے بلکہ انھیں جنت کی خوش خبری دی، اگر مال پر علاوہ زکوٰۃ کے کوئی اور حق بھی لازم ہوتا تو یہ دونوں سائل اس کے ترک کے باوجود جنت کے مستحق نہ ہوتے۔

۳) ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دو تو تم نے اپنے اوپر عائد حق ادا کر دیا [2]

جو شخص اپنے مال پر عائد ہونے والے حق کو ادا کر دے تو اس پر اب کوئی حق نہیں رہا اور لازمی طور پر اب کسی اور ادائیگی کا اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

۴) حاکم نے حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اگر تم نے اپنے مال کی

---

[1] ماسوا ترمذی کے باقی پانچ نے روایت کیا ہے۔ جمع الفوائد، ج ۱، ص ۱۱۔

[2] ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، ج ۳، ص ۹۷، ۹۸۔ الترمذی مع شرح ابن العربی، انھوں نے حسن غریب کہا ہے اور الحاکم نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اور الذہبی نے تائید کی ہے، ج ۱، ص ۳۹۰، مگر حافظ ابن حجر نے التلخیص (ص ۱۷۷) میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ دے دی تو تم سے اس کا شر دُور ہو گیا [1]

اِنسان سے مال کا دنیا اور آخرت کا شر اس وقت دُور ہوتا ہے جب وہ مال پر عائد تمام حقوق ادا کر دے۔

۵) حاکم نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے پاس سونے کے زیورات تھے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار فرمایا کہ کیا یہ بھی کنز ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر ان کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو یہ کنز نہیں ہیں [2]

اور بعض روایات میں ہے کہ

"جو شئے حد زکوٰۃ کو پہنچ جائے اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے" [3]

اس سے معلوم ہُوا کہ کنز جمع کرنے والوں کے بارے میں جو وعید آئی ہے اس میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہوں اگر مال میں کوئی اور بھی حق لازم ہوتا تو وعید سے محفوظ نہ رہتا۔

---

[1] ابن خزیمہ نے صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم نے روایت کیا ہے کہ (ج ۱، ص ۳۹۰) مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی تائید کی ہے اور الحافظ نے فتح میں (ج ۳، ص ۱۷۵) میں کہا ہے کہ ابوزرعہ اور بیہقی نے اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے، جیسا کہ البزار کے نزدیک موقوف ہے ——— اس حدیث میں شر کے لفظ سے مراد دنیا میں اس کا ضائع ہو جانا ہے اور آخرت میں اللہ کے حقوق کو ضائع کرنے والوں کے لیے عذاب ہے۔

[2] الحاکم (ج ۱، ص ۳۹۰) نے کہا ہے کہ یہ حدیث بشرطیکہ بخاری صحیح ہے۔ الذہبی نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے مگر اس کی سند میں کلام ہے جس کی تفصیل ہم تیسرے باب (زیورات پر زکوٰۃ) میں بیان کر چکے ہیں۔

[3] ابوداؤد۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز اس رائے کے حامل حضرات نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"ماسوا زکوٰۃ کے مال میں اور کوئی حق نہیں ہے"

بہرحال یہ وہ احادیث ہیں جن کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے سوا کوئی اور حق لازم نہیں ہے اور پہلی دونوں حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث ہیں اور ان کے ثبوت میں کوئی طعن نہیں ہے، تیسری حدیث کی سند ضعیف ہے اور چوتھی حدیث کا موقوف ہونا راجح ہے اور پانچویں حدیث کی سند میں کلام ہے۔

جبکہ یہ حدیث کہ ——— ماسوا زکوٰۃ کے مال میں اور کوئی حق نہیں ہے ——— بہت ضعیف ہے اور بلاشبہ مردود ہے بلکہ خطا اور تحریف ہے[1] اور دراصل صحیحین کی احادیث ہی قابل اعتماد ہیں۔

معارض نصوص کے بارے میں ان حضرات کا موقف

علاوہ زکوٰۃ کے مال پر دیگر حقوق کے لازم ہونے کے بارے میں جو نصوص وارد ہوئی ہیں ان کے بارے میں یہ فقہاء فرماتے

---

[1] اس حدیث کی روایت ابن ماجہ کی جانب منسوب ہے۔ مگر امام نوویؒ المجموع (ج ۵، ص ۳۴۲) میں اسے بے حد ضعیف کہہ چکے ہیں اور البیہقی نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب نے اس حدیث کو حواشی میں درج کیا ہے مگر مجھے اس کی سند معلوم نہیں ہے (السنن الکبریٰ، ج ۴، ص ۸۴) الحافظ العراقی نے ابن ماجہ کے اپنی سنن میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کرنے پر اعتراض کیا ہے اور ان کے فرزند الحافظ ابوزرعہ نے کہا ہے کہ دراصل ابن ماجہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں ——— فی المال حق سوی الزکوٰۃ ——— (مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے) طرح التثریب، ج ۴، ص ۱۸ جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے شروع میں لیس کا لفظ ناسخین (ناقلین) کی جانب سے بڑھایا گیا اور یہ غلطی بعد میں عام ہوگئی، اسی بات کو علامہ شیخ احمد شاکر نے تفسیر طبری (ص ۳۴۳، ۳۴۴) (بقیہ اگلے صفحے پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ یہ بر سبیل استحباب ہیں بر سبیل لزوم نہیں ہیں جیسا کہ حق حنیف کے بارے میں وارد نص بھی استحباب ہے۔ یا یہ کہ یہ حقوق زکوٰۃ کے وجوب سے پہلے لازم تھے اور فرضیت زکوٰۃ کے بعد ان واجبات کی فرضیت منسوخ ہوگئی، جیسا کہ اس فرمان الٰہی کے بارے میں انھوں نے یہی فرمایا ہے۔

وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام : ۱۴۲)

(بقیہ آگے) میں اثر ۲۵۳۰ کے حاشیہ میں بیان کیا ہے اور ابن ماجہ میں اس غلطی کے واقع ہونے پر درج ذیل امور سے استدلال کیا ہے۔

الف) طبری میں یہ اثر (۲۵۲۷) جو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے یحییٰ بن آدم کی سند سے ان الفاظ میں مروی ہے۔

ان فی المال حق سوی الزکوٰۃ

ب) اس حدیث کو ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ترمذی اور ابن ماجہ دونوں کی جانب منسوب کیا ہے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے اور اسی طرح النابلسی نے (ذخائر المواریث ۱۱۶۹۹) اس کو ایک حدیث کے طور پر ترمذی اور ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

ج) البیہقی کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ مجھے اس حدیث کی سند نہیں معلوم، اور جن الفاظ میں ابن ماجہ میں مذکور ہوئی ہے وہ بلاشبہ ابن ماجہ کے الفاظ نہیں ہیں اور یہی النووی نے کہا ہے کہ وہ اس کی سند سے واقف نہیں ہیں۔

البتہ شیخ شاکر نے ابوزرعہ کے الفاظ نقل نہیں کیے ہیں، شاید وہ ان الفاظ پر مطلع نہ ہو سکے ہوں۔

بہرحال یہی تحقیق مناسب ہے کہ ناسخین کی غلطی سے ابن ماجہ کی روایت میں لَیْسَ کے لفظ کا اضافہ ہوگیا ہے کیونکہ دوسرے مقام پر یہی روایت بغیر لَیْسَ کے مذکور ہے، غرض سند کے اضطراب کے بیان کرنے سے یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور دو اس کا حق جس دن کٹے۔

ایک تاویل ان فقہاء نے یہ بھی کی ہے کہ یہ حقوق ضرورت کے وقت لازم ہیں جیسا کہ 'الماعون' کے بارے میں ان کی یہی رائے ہے اور ان میں سے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ 'الماعون' سے مراد زکوٰۃ ہے جیسا کہ بعض صحابہ کرام سے یہی تفسیر مروی ہے غرض یہ علاوہ زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں ہے۔

اور وہ حدیث جو فاطمہ بنت قیس سے مرفوعاً مروی ہے کہ

'مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حق ہے'[1]

تو اسے امام ترمذیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے کہ یہ حدیث ابوحمزہ میمون الاعور القصاب[2] سے مروی ہے جو کہ ائمہ حدیث کے نزدیک بے حد ضعیف ہے اور اس کی روایت قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

---

[1] اس حدیث کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند اس طرح نہیں ہے اور میمون الاعور ضعیف ہے الطبری نے (ج ۳، ص ۱۷۶، ۱۷۷) اس روایت کو (اثر ۲۵۲۷، و ۲۵۳۰) نقل کیا ہے اور الدارمی (ج ۱، ص ۳۸۵) اور ابن ماجہ (۱۷۸۹) نے بھی اس روایت کو بسند یحییٰ بن آدم نقل کیا ہے اور البیہقی نے السنن الکبریٰ (ج ۴، ص ۸۴) میں نقل کیا ہے۔

[2] ترجمہ دیکھئے۔ ابن حجر: التہذیب، البخاری: التاریخ الکبیر ۴-۱-۳۴۳ - ابن ابی حاتم: الجرح والتعدیل، ۴-۱-۲۳۵ — ۲۳۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری فصل

ان فقہا کی آرا جن کے نزدیک مال پر علاوہ زکوٰۃ کے بھی حق ہے

صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، ابوذرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت حسن بن علیؓ اور فاطمہ بنت قیسؓ اور تابعین میں سے شعبی، مجاہد، طاؤس اور عطاء کی رائے یہ ہے کہ مال پر علاوہ زکوٰۃ کے بھی حق ہے۔

دلائل

ان حضرات کی ایک دلیل یہ فرمانِ الٰہی ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ (البقرہ : ۱۷۷)

نیکی یہی نہیں کہ منہ کرو اپنے مشرق کی طرف یا مغرب کی (طرف) لیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دیوے مال اس کی محبت پر ناتے والوں کو اور یتیموں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔ اور کھڑی رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب قول کریں اور ٹھیرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے۔ وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے۔

امام ترمذیؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت قیسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے بارے میں استفسار کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حق ہے اور آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (مذکورہ بالا)۔

امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث (کی سند میں) ضعف ہے لیکن مذکورہ آیت البرّ سے اس کی تائید اور توثیق ہو جاتی ہے کہ آیت میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو مال دینا بھی عناصر برّ قرار دیا گیا ہے اور پھر اس پر نماز اور زکوٰۃ کا عطف کیا گیا ہے، اور عطف مغایرت کے لیے ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں جو رشتہ داروں وغیرہ کو دینا بیان ہوا ہے یہ علاوہ زکوٰۃ کے ہے چنانچہ قرطبیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہر چند کہ اس کی سند پر گفتگو ہے مگر اس حدیث کی صحت پر معنوی دلیل یہ ہے کہ آیت برّ میں رشتہ داروں وغیرہ کو دینے کے حکم کے بعد ایتائے زکوٰۃ اور اقامت صلوٰۃ کا ذکر کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ رشتہ داروں وغیرہ کو دینا زکوٰۃ کے علاوہ ہے ورنہ اگر دونوں مقامات پر زکوٰۃ ہی مراد ہو تو تکرار واقع ہو جائے گی[1]

---

[1] امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں کہ علاوہ زکوٰۃ کے بھی کوئی حق مال پر فرض ہے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے پہلے رشتہ داروں وغیرہ کو دینے کا حکم فرمایا، بعد ازاں یہ بیان فرمایا کہ مؤمنین زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے جس حق کا بیان ہوا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے ورنہ اس تکرار کا کوئی مفہوم نہ ہوگا اور اللہ سبحانہٗ کی ذات سے بعید ہے کہ وہ قرآن میں ایسی بات ارشاد فرمائیں جس کا مفہوم نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ پہلے مذکور حق، بعد میں بیان کردہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ اور بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ

(بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیت بِرّ میں واردمال دینے کے حکم کو تطوع اور نفل پر محمول کرنا درست نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے رد میں نازل ہوئی ہے جو مظاہر پرستی میں مبتلا تھے اور ظاہری صورتوں کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ ان کی تردید کرتے ہوئے بیان کیا گیا کہ حقیقی نیکی کیا ہے اور سچا دین کیا ہے، یعنی یہ ارکان کا بیان ہے ارکان کے تکمیلی اجزاء کا بیان نہیں ہے اور فرائض اور واجبات کا بیان ہے مستحبات اور نوافل کا بیان نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ آیت میں مذکور دیگر تمام امور اسی قبیل کے ہیں، یعنی اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، وفائے عہد، اور سختی اور تنگی میں صبر جیسے اساسی امور جن کے بغیر عقیدۃً اخلاق اور عبادت کی نیکیاں متحقق نہیں ہوسکتیں۔ تو جب آیت میں یہ تمام امور لازمی واجبات کے سلسلے کے بیان ہوئے ہیں تو صرف إیتاء المال علی حبہ (رشتہ داروں وغیرہ کو دینے کے حکم) کو کیوں نفل اور مندوب قرار دیا جائے؟

ابوعبید بیان کرتے ہیں کہ بعض فقہاء نے اس آیت کو منسوخ کہا ہے جیسا کہ ضحاک کہتے ہیں کہ

وزکوٰۃ سے قرآن میں بیان کردہ صدقات منسوخ ہوگئے ہیں۔[1]

مگر اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور بلا دلیل قرآن کے نسخ کا دعویٰ مناسب نہیں ہے اور اگر ضحاک کی اس رائے کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو صورت یہ ہوگی کہ ایک ہی آیت کے ایک جزء (آتی المال علی حبہ) سے ایک حکم ثابت ہوگا اور اسی آیت کے دوسرے جزء (وآتی الزکوٰۃ) سے منسوخ ہو جائے گا جو کہ ایک غیر معقول بات ہے۔ مزید برآں یہ کہ آیت ایسی خبر پر مشتمل ہے جس میں اہل بِرّ اور تقویٰ کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں، اور خبر

(بقیہ آگے) پہلے مذکور رشتہ داروں وغیرہ کو دینا وہی زکوٰۃ ہے۔

اس بیان سے امام طبریؒ کا رجحان معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ پہلی رائے کے قائل ہیں۔

الطبری، ج ۳، ص ۴۴۸۔ ط۔ المعارف۔ تفسیر القرطبی ج ۳، ص ۴۲۔

[1] الاموال، ص ۳۵۷، ۳۵۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نسخ نہیں ہوتا کہ خبر کے نسخ سے قائل کی تکذیب لازم آتی ہے جو یہاں پر اللہ سبحانہٗ ہے۔

ابو عبید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں فرائض کے نازل ہونے اور حدود کے لازم ہو جانے کے وقت نازل ہوئی[1] جس سے معلوم ہوا کہ آیت محکمہ ہے۔

دوسری دلیل: کٹائی کے وقت فصل کا حق

ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے مختلف النوع پھلوں کی تخلیق پر اپنے بندوں پر احسان فرماتے ہوئے ارشاد کیا

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام: ۱۴۲)

اور دو اس کا حق جس دن کاٹے۔

اس آیت میں جس حق کا ذکر کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے، جس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:۔

۱) یہ آیت مکی ہے اور مدینہ منورہ میں عشر کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی کیونکہ مشہور روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پوری سورۃ الانعام مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس آیت کو مدنی قرار دینا بلا دلیل ہوگا۔

۲) آیت کا مطلوب وقتِ حصاد (کٹائی) حق ثمر ادا کرنا ہے جو کہ عشر سے پورا نہیں ہوتا کیونکہ عشر تو صفائی وغیرہ کے بعد جب حاصل شدہ مقدار معلوم ہو جائے تب ادا کیا جاتا ہے۔

۳) آیت: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ کے فوراً بعد فرمایا گیا ہے۔ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی ایک مقدار متعین ہے جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی[2] اس لیے اس میں اسراف نہیں ہو سکتا۔

---

[1] ایضاً، ص ۳۵۸۔

[2] ابن حزم، المحلی: ج ۵، ص ۲۱۶، ۲۱۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن حضرات کی یہ رائے ہے کہ آیت بالا میں جس حق کا وقتِ حصاد پہلے دینا لازم تھا وہ بعد میں منسوخ ہو گیا تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نسخ محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتا چنانچہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نسخ ایسی نص سے ثابت ہوتا ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سند متصل ہو کیونکہ اس کے بغیر ہر آیت اور ہر حدیث کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یہ منسوخ ہے کہ نسخ کا مطلب حکم الٰہی کو ساقط کرنا ہے جس کے لیے ظاہر ہے سند صحیح کی حامل نص کی ضرورت ہے[1] اور یہ حق واجب زکوٰۃ کے علاوہ ہے اور وہ یہ ہے کہ فصل کاٹنے والا غیر معین طریقہ پر جو چاہے فصل کاٹنے کے وقت دے دے۔ یہی ظاہر آیت ہے اور یہی سلف کی رائے ہے۔[2] چنانچہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ صحابہؓ علاوہ زکوٰۃ کے یہ حق دیا کرتے تھے۔ عطاء کہتے ہیں کہ اس روز حسب سہولت جو بھی لینے والا موجود ہو اُسے علاوہ زکوٰۃ کے دے دیا جائے، مجاہد فرماتے ہیں کہ جب مسکین آئیں تو ان کو کچھ نہ کچھ دے دیا جائے اور فرمایا کہ جب فصل کاٹنے لگے جب مساکین کو ایک مٹھی دے دے پھر کاٹتے وقت انھیں مٹھی دے دے اور انھیں کٹائی کے پیچھے پیچھے آنے دے اور کچھ نہ کچھ دیتا جائے۔ ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ ایک گٹھڑی دے دے[3]

ابو العالیہ، سعید بن جبیر، علی بن الحسین، اور ربیع بن انس سے بھی[4] اسی طرح کا قول منقول ہے اور ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ نے ان لوگوں کی برائی بیان فرمائی ہے جو کہ فصل کاٹتے وقت صدقہ نہ کریں جیسا کہ سورۂ ن میں باغ والوں کے ذکر میں آیا ہے۔[5]

اس آیت میں حق کے لفظ کی مراد اور اس کا زکوٰۃ سے منسوخ ہونا اور اس مقام

---

[1] ایضاً
[2] ایضاً
[3] ایضاً
[4] ایضاً
[5] ابن کثیر، ج ۲، ص ۱۸۱، ۱۸۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر نسخ کے معنی پہلے گزر چکے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جیسے صحابی اور عطاء، مجاہد، نخعی جیسے فقہائے تابعین کی رائے یہی تھی کہ اس آیت میں حق سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ حق ہے۔

تیسری دلیل: مویشی اور گھوڑوں کے حقوق

صحیح احادیث میں اونٹوں اور گھوڑوں کے حقوق وارد ہوئے ہیں، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اونٹ اپنے مالک کے پاس پہلے سے زیادہ موٹے تازہ ہو کر آئیں گے جب کہ اس کا حق ادا نہ کیا ہو تو وہ اپنے پیروں سے اپنے مالک کو روندیں گے اور بکریاں اپنے مالک کے پاس پہلے سے بہتر حالت میں آئیں گی جبکہ اس نے ان کا حق نہ دیا ہو تو وہ اپنے کھروں سے روندیں گی اور سینگوں سے ماریں گی اور ان کا حق یہ ہے کہ جب وہ پانی پینے آئیں تو وہاں ان کا دودھ دوہا جائے (اور تقسیم کیا جائے)"[1]

بظاہر یہ الفاظ کہ "اس کا حق یہ ہے کہ پانی چھڑک کر دوہا جائے" بکریوں اور اونٹوں دونوں کو شامل ہے جبکہ مسلم اور ابوداؤد کی حدیث میں واضح الفاظ ہیں کہ ——— "جو اونٹ کا مالک اونٹ کا حق ادا نہ کرے جو حق یہ ہے کہ اسے اس وقت دوہا جائے جب وہ پانی پینے آئے"[2]

اس جملہ کے بارے میں یہ تاثر غلط ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ کے الفاظ ہیں جو شامل حدیث ہو گئے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ حدیث ہی ہیں جیسا کہ بخاری کی روایت میں یہ الفاظ نبیؐ تک مرفوع ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ

"اونٹ کا حق یہ ہے کہ جب وہ پانی پر آئے اس وقت دودھ نکالا جائے اور تقسیم کیا جائے"[3]

---

[1] البخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب اثم مانع الزکوٰۃ، فتح الباری، ج ۳، ص ۱۷۲، ۱۷۳۔

[2] مختصر سنن ابی داؤد، المنذری، ج ۲، ص ۲۴۸۔

[3] صحیح بخاری بحاشیۃ السندی، ج ۲، ص ۳۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسائی نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "ہر اونٹ لگائے، بکری والا جس نے ان جانوروں کا حق ادا نہ کیا ہو روز قیامت ایک چٹیل میدان میں کھڑا ہوگا اور جانور اسے کھروں سے روندیں گے اور سینگوں سے ماریں گے اور کوئی جانور اس دن ٹوٹے ہوئے سینگ والا نہ ہوگا ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کا حق کیا ہے کہ ان کے نر (بغیر معاوضہ کے) دے دینا اور ان کو پانی کے لیے عاریتاً دے دینا اور راہِ خدا میں ان پر سواری کرنا۔"[1]

اسی طرح مسلم نے بھی حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے۔[2]

"حضرت جابرؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ کا حق یہ ہے کہ موٹے اونٹ کو نحر کیا جائے، نر عاریتاً دیا جائے اور اسے اس وقت دوہا جائے جب وہ پانی پر آئے۔"[3]

الشرید سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اونٹ کے بارے میں استفسار کیا آپؐ نے فرمایا کہ ـــــ موٹے اونٹ نحر کرو، اچھے اونٹ پر سواری کرو اور جب وہ پانی پر آئے اس وقت اسے دوہا جائے۔"[4]

یہ تمام روایات اس بارے میں واضح ہیں کہ مذکورہ جملہ مرفوع ہے اور اس میں اِدراج کا احتمال نہیں ہے۔ اس سے حافظ عراقی کی تردید ہو جاتی ہے جنھوں نے ان الفاظ کو حضرت

---

[1] سنن النسائی مع شرح السیوطی وحاشیۃ السندی، ج ۵، ص ۲۷۔

[2] طرح التثریب، ج ۴، ص ۱۱، ۱۲۔

[3] مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۱۰۷، طبرانی نے اس روایت کو الاوسط میں نقل کیا ہے اور اس کے رجال، رجال صحیح ہیں، ماسوا شیخ طبرانی کے، مگر ابن ابی حاتم نے اس سے روایت کی ہے اور کسی نے ضعیف نہیں کہا ہے۔

[4] الطبرانی، الکبیر، بسند حسن، بحوالہ مذکور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوہریرہؓ کا کلام قرار دیا ہے۔

ان احادیث میں جو حقوق بیان ہوئے ہیں ان کے پورا نہ کرنے پر وعید وارد ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حقوق لازم ہیں اور یہ حقوق زکوٰۃ کے علاوہ ہیں۔ اسی لیے حضرت امام ابن حزمؒ نے فرمایا ہے کہ[1] یہ لازم ہے کہ اونٹ، بکری اور گائے کے دودھ دوہنے پر اس کا دودھ صدقہ کیا جائے۔ نیز ابن حزمؒ نے بخاری میں وارد حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی حق نہیں ہے وہ غلط کہتا ہے اور نص یا اجماع سے اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال پر جو کچھ لازم کیا ہے وہ فرض ہے جبکہ اونٹ کا پانی کے لیے عاریتاً دینا اور نر اونٹ کو (بلا معاوضہ) استفحال کے لیے دے دینا الماعون میں داخل ہے کہ قرآن نے الماعون کے نہ دینے کی برائی بیان فرمائی ہے۔

گھوڑوں کے حقوق کے بیان میں صحیح احادیث وارد ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ گھوڑا کسی کے لیے باعثِ اجر ہے کسی کے لیے باعثِ ستر ہے اور کسی کے لیے باعثِ گناہ ہے، جس کے لیے باعثِ اجر ہے وہ وہ ہے جو گھوڑا جہاد کے لیے باندھتا ہے اور کوئی شخص بطور مالداری اور آسائش کے لیے رکھتا ہے مگر اس میں حق اللہ کو فراموش نہیں کرتا، اس شخص کے لیے گھوڑا ستر ہے اور وہ شخص جو گھوڑے کو فخر و ریا اور اسلام دشمنی کے لیے باندھتا ہے تو وہ اس کے لیے باعثِ گناہ ہے[2]۔

چوتھی دلیل: مہمان کا حق مہمان کا حق بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے چنانچہ خویلد بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۵۰۔

[2] البخاری مع حاشیۃ السندی، ج ۲، ص ۳۳، کتاب المساقاۃ، باب شرب الناس والدواب من الانہار۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ضیف (مہمان) کی تکریم کرے یہ ضیافت ایک شب و روز عطیہ دینا ہے اور تین روز ضیافت ہے اور اس کے بعد صدقہ ہے"[1]

اکرام ضیف کا یہ حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ایمان کی دلیل قرار دیا گیا ہے اور سہ روز کے بعد مہمان نوازی کو صدقہ کہا گیا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو سے فرمایا کہ

"تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے"[2]

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو مہمان لوگوں میں جائے اور وہ اس کی مہمان نوازی نہ کریں تو وہ بلا حرج اپنی مہمان نوازی کے بقدر ان سے لے سکتا ہے"[3]

مقدام بن معدیکرب الکندی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جو مہمان کسی جگہ مہمان نوازی سے محروم رہے تو اس کی نصرت ہر مسلمان پر فرض ہے یہاں تک کہ مہمان ان کی کھیتی اور مال سے ایک رات کی مہمان نوازی کے بقدر لے سکتا ہے"[4]

مقدام بن معدیکرب ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"ایک شب مہمان ہر مسلمان کے ذمے ہے اور اگر مہمان کی صبح کسی کے گھر میں (بغیر مہمان نوازی کے) ہوگئی تو وہ اس پر قرض ہے"[5]

---

[1] موطا مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔ الترغیب، ج ۳، ص ۲۴۱۔

[2] بخاری، مسلم۔

[3] احمد، راوی ثقہ ہیں۔ حاکم، سند صحیح ہے۔ المنذری: الترغیب۔

[4] ابوداؤد، الحاکم۔ سند صحیح ہے۔ بحوالہ مذکور۔

[5] ابوداؤد، ابن ماجہ۔ الترغیب والترہیب، ج ۳، ص ۲۴۱/۲۴۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ

"ہم نے آپؐ سے پوچھا کہ ہمیں آپؐ کہیں بھیجتے ہیں اور بسا اوقات وہاں کے لوگ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے، آپؐ نے فرمایا، کہ جہاں جاؤ وہ جو کچھ مہمان نوازی کریں اسے قبول کر لو اور اگر نہ کریں تو ان سے مناسب حق مہمان نوازی لے لو۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ

"اصحاب صُفّہ فقراء تھے ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہو وہ ان میں سے تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار افراد کا کھانا ہو وہ ان میں سے پانچویں کو لے جائے اور جس کے پاس پانچ افراد کا کھانا ہو وہ چھٹے کو لے جائے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ تین افراد کو لے گئے اور آپؐ دس کو لے گئے۔"

یہ تمام احادیث اس امر پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ مہمان کا اپنے بھائی کے مال میں حق ہے اور اس کی نصرت اور مدد ہر مسلمان کا فرض ہے نیز یہ کہ یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے کیونکہ زکوٰۃ ایک وقت مقررہ پر لازم ہوتی ہے یعنی سال گزرنے کے بعد یا فصل کی کٹائی کے وقت، جبکہ مہمان کسی بھی وقت آسکتا ہے اسی لیے علامہ ابن حزمؒ نے کہا ہے کہ ضیافت شہری، دیہاتی، عالم اور جاہل ہر ایک پر فرض ہے، جس میں سے ایک شب و روز کی مہمان نوازی اس سے خوب نیکی کرنا اور مہربانی کرنا ہے پھر تین دن ضیافت ہے۔ تین روز سے زائد کی ضیافت لازم نہیں ہے لیکن اگر صاحبِ خانہ تین روز کے بعد بھی مہمان نوازی جاری رکھے تو بہت بہتر ہے اور اگر صاحبِ خانہ لازمی سہ روزہ ضیافت بھی نہ کرے تو مہمان اس سے بزور حاصل کرے (اور اگر وہ عدالت میں جائے) تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔[1]

---

[1] المحلی، ج ۹، ص ۱۷۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ

مہمان کے حق کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ فرض ہے یا مستحب ہے جمہور کی رائے یہ ہے کہ بلاشبہ ضیافت مکارم اخلاق اور محاسن دین میں سے ہے مگر واجب نہیں ہے جب کہ لیث بن سعد کے نزدیک ایک شب و روز کی ضیافت واجب ہے۔

جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ

"جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کی مہمان نوازی کرے، آپؐ نے فرمایا کہ ایک شب و روز اس کو جائزہ دینا ہے یعنی اچھی طرح مہمان نوازی کرنا ہے اور تین دن عام ضیافت کرنا ہے اور اس سے زائد صدقہ ہے۔"

اس حدیث میں جائزہ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں عطیہ اور صلہ جو کہ مستحب ہے اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شب و روز مہمان کی خصوصی مہمان نوازی کرنی چاہیے اور اسے ہدیہ دینا چاہیے اور ہر ممکن حسن سلوک کرنا چاہیے۔[1]

مزید یہ کہ وہ احادیث بھی ہیں جن سے مال مسلم کی حرمت ثابت ہوتی ہے الا یہ کہ وہ اپنی خوشی سے دے اور وہ احادیث ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال میں ماسوا زکوٰۃ کے اور کوئی حق نہیں ہے۔

بہرحال مہمان کے بارے میں وارد احادیث کے بارے میں فقہاء کے کئی مؤقف ہیں چنانچہ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مہمان نوازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اس وقت لازم تھی جبکہ بیت المال نہیں تھا لیکن جب بیت المال قائم ہو گیا تو تمام مسلمانوں کے حقوق بیت المال سے متعلق ہو گئے اور مہمانوں کا مسلمانوں کے مال میں حق نہیں رہا۔ بعض دیگر فقہاء نے کہا ہے کہ مہمانوں کا یہ حق آغاز اسلام میں لازم تھا کیونکہ

---

[1] نیل الاوطار، ج ۸، ص ۱۶۲، ۱۶۳۔ ط۔ الحلبی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس وقت مواسات (ہمدردی) لازم تھی لیکن جب اسلام نے وسعت اختیار کر لی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔[1]

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ

حق یہ ہے کہ ضیافت واجب ہے اور اس کی درج ذیل وجوہ ہیں۔

۱) جو شخص مہمان نوازی نہ کرے اس کا مال لے لینے کی سزا درست ہے، اور سزا غیر واجب امر میں نہیں ہوتی۔

۲) اس مہمان نوازی کی اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ اسے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا حصہ بنا دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ جو شخص مہمان نوازی نہ کرے تو اس کا عمل اس شخص کا سا ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ یہ بھی واضح ہے کہ فروع ایمان بھی لازم ہیں مزید یہ کہ مہمان نوازی کو اکرام کہا گیا جو کہ مزید اختصاص کا حامل ہے اور واجب ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔

۳) حدیث میں وارد ہے کہ تین روز سے زائد مہمان نوازی صدقہ ہے یعنی پہلے تین روز کی مہمان نوازی صدقہ نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔

۴) فرمایا کہ ایک شب مہمان واجب ہے، اور یہ الفاظ صریحاً وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

۵) فرمایا کہ ۔۔ مہمان کی مدد ہر مسلمان پر ایک حق ہے؛ اس سے بھی معلوم ہو کہ نصرت جو کہ ضیافت ہی کا ایک حصہ ہے واجب ہے۔

ان امور کی روشنی میں جمہور کی رائے کا ضعیف ہونا معلوم ہو گیا اور یہ کہ ضیافت کی احادیث سے حرمت اموال، اور مال میں ماسوا زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں ہے، کی تخصیص ہو گئی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ احادیث ضیافت ستر رمق پر محمول ہیں تو اس پر کوئی دلیل قائم نہیں اور نہ کوئی حاجت اس کی داعی ہے، اسی طرح اس تخصیص کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ ضیافت نہیں ہے کہ ضیافت شہروں کے رہنے والوں پر واجب نہیں ہے

---

[1] نیل الاوطار، ج ۸، ص ۱۶۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بستیوں میں رہنے والوں پر لازم ہے [1]

پانچویں دلیل بخل الماعون

قرآن کریم میں الماعون نہ دینے والوں کے بارے میں وعید آئی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝
الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝

(الماعون : ۴، ۷)

پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔ وہ جو کچھ دکھاوا کرتے ہیں۔ اور مانگے نہ دیں برتنے کی چیز۔

ابوداؤد میں کتاب الزکوٰۃ کے باب حقوق المال میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ

"عہد نبوت میں ڈول اور ہانڈی عاریتاً دینے کو الماعون شمار کیا کرتے تھے"[2]

اس سے معلوم ہوا کہ ان چھوٹی چھوٹی اشیاء کا عاریتاً دینا جن کی پڑوسیوں کو ضرورت پیش آتی ہے لازم ہے کیونکہ ان اشیاء کا نہ دینا مذموم ہے اور ایسا شخص نماز سے غفلت برتنے والے اور دکھاوے کے طور پر پڑھنے والے کی طرح مستحق ویل ہے اور ظاہر ہے کہ مکلف ویل کا مستحق ترک واجب پر ہوتا ہے۔ جب ان اشیاء کا عاریتاً دینا واجب ہے جو کہ زکوٰۃ نہیں ہے تو معلوم ہو گیا کہ مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حق ہے۔

ابن ہبیرہؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ الماعون وہ اشیاء ہیں جو لوگ آپس میں عاریتاً دیتے ہوں جیسے کلہاڑی اور ہانڈی وغیرہ [3] حضرت ابن عباسؓ سے مروی

[1] ایضاً، ص ۱۶۳۔

[2] ابوداؤد نے اور المنذری نے اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے (مختصر السنن، ج ۲، ص ۲۴) البیہقی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (ج ۴، ص ۱۸۳)

[3] المحلی، ج ۹، ص ۱۶۸۔ بروایت ابن ابی شیبہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ الماعون سے مراد گھریلو ضرورت کی اشیاء ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ[1] اور حضرت علیؓ[2] سے مروی ہے کہ ان اشیاء کو عاریتاً دینا مراد ہے اور ام عطیہ سے مروی ہے کہ باہم دوسرے کا کام بانٹ لینا الماعون ہے[3]

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ الماعون وہ مال ہے جس کا حق ادا نہ کیا گیا ہو اور یہی عکرمہ اور ابراہیم وغیرہ کا قول ہے اور صحابہ میں سے کسی سے اس کے خلاف مروی نہیں ہے[4]

یہ تمام اصحاب بقول ابن حزمؒ لغت قرآنی میں مستند ہیں اور الماعون کی تشریح میں ان کے اقوال متفق ہیں۔

امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے اگرچہ یہ بھی مروی ہے کہ الماعون زکوٰۃ ہے مگر انھوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ عاریت نہیں ہے جبکہ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ الماعون اشیائے عاریت ہیں اس لیے ان دونوں اقوال کو جمع کرنا ضروری ہے[5]

جبکہ ابوداؤد کی حضرت ابن مسعودؓ سے مروی حدیث، محدثین کے نزدیک مرفوع کے حکم میں ہے کہ انھوں نے الماعون کی تفسیر عہد نبوتؐ سے کی ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ کے اس فہم میں غلطی ہوتی تو وحی سے اس کی اصلاح کی جاتی۔

چھٹی دلیل: مسلمانوں کے درمیان تکافل کی فرضیت

قرآن و سنت نے مسلمانوں کے مابین باہمی کفالت اور تعاون فرض قرار دیا ہے اور مساکین کو کھانا کھلانا واجب

---

[1] ایضاً۔ البیہقی، ج ۴، ص ۱۸۳، ۱۸۴۔
[2] ایضاً۔
[3] ایضاً۔
[4] ایضاً۔
[5] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے اور ان اعمال کو ایمان اور اسلام کا مقتضا قرار دیا ہے۔
چنانچہ فرمایا کہ

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ : ۲)

اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور زیادتی پر۔

فرمایا

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح : ۲۹)

نرم دل ہیں آپس میں۔

فرمایا

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (البلد : ۱۱، ۱۸)

سو نہ بھگ سکا گھاٹی پر اور تو کیسا بوجھا کیا ہے وہ گھاٹی۔ چھڑانا گردن کا، یا کھلانا بھوک کے دن میں بن باپ کے لڑکے کو جو ناتے دار ہے۔ یا محتاج کو جو خاک میں رُلتا ہے۔ پھر ہوا ایمان والوں میں جو تاکید کرتے ہیں سہارنے کا اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کا۔ وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے۔

فرمایا

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ (الاسراء : ۲۶)

اور دے ناتے والوں کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید فرمایا

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء : ۳۶)

اور ماں باپ سے نیکی اور قرابت والے سے اور یتیموں سے اور فقیروں سے اور ہمسایہ قریب سے اور ہمسایہ اجنبی سے اور برابر کے رفیق سے اور راہ کے مسافر سے اور اپنے ہاتھ کے مال سے۔

ہم اس سے قبل ذکر کر چکے ہیں کہ قرآن حکیم کی متعدد آیات اطعام مسکین کی تاکید کرتی ہیں اور اس کو ایمان کی علامت قرار دیتی ہیں اور اطعام مسکین کے ترک کو لوازم کفر اور آخرت کی تکذیب قرار دیتی ہیں، مثلاً اللہ سبحانہ کا یہ فرمان۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (الماعون: ۳۰۱)

تُو نے دیکھا؟ وہ جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونا۔ سو وہی ہے جو دھکیلتا ہے یتیم کو۔ اور نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر۔

مجرمین کے جہنم میں جانے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بیان ہوا۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (المدثر : ۴۳، ۴۴)

وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے۔ اور نہ تھے کھلاتے محتاج کو۔

اس شخص کے بارے میں جسے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا اور وہ عذاب جہنم میں جلے گا یہ فرمایا۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الحاقہ : ۳۳، ۳۴)

وہ تھا یقین نہ لاتا اللہ پر جو سب سے بڑا۔ اور تاکید نہ کرتا فقیر کے کھانے پر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرہ کی حقیقی صورت بیان کی ہے اور اس کے تکافل باہمی ارتباط اور تعلق باہمی کو ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے کہ

"مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے اساس کی طرح ہے جو ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

یعنی مسلم معاشرے کے افراد علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں کہ ہر ایک جدا زندگی گزار رہا ہو بلکہ سب باہم مربوط ہیں اور باہمدگر ان کی محنت و عطف اور اخوت کی مثال ایسی ہے جیسے جسد واحد کہ اس کے کسی بھی حصہ میں تکلیف ہو، سارا جسم تکلیف اور درد سے پکار اٹھتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اتحاد و یگانگت کی اس سے زیادہ بلیغ تعبیر اور کیا ہو سکتی ہے کہ جسم کے تمام اعضاء ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور جسم کے ایک حصہ میں تکلیف سے سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے اسی لیے ارشاد فرمایا کہ

"وہ شخص مؤمن نہیں ہے جو پیٹ بھرے ہوئے رات گزارے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔" (طبرانی، بیہقی)

حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ نے مسلمان اغنیاء کے مال پر اتنا حصہ (دینا) فرض کیا ہے جو ان کے فقراء کو کافی ہو سکے اور فقراء کے بھوکے ننگے ہونے کی جفاکشی ان کے ساتھ اغنیاء کے سلوک ہی کی وجہ سے ہے اور اللہ اغنیاء سے شدید حساب کرے گا اور دردناک عذاب دے گا۔"[1]

---

[1] المنذری الترغیب میں فرماتے ہیں کہ طبرانی نے اس حدیث کو الاوسط اور الصغیر میں روایت کیا ہے اور طبرانی نے کہا ہے کہ اس روایت میں ثابت بن محمد الزاہد منفرد ہے، المنذری کہتے ہیں کہ ثابت صدوق ہے اس سے بخاری وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس حدیث کے باقی راوی لا باس بہم ہیں، مزید یہ کہ یہ حدیث حضرت علیؓ پر موقوف بھی مروی ہے جو کہ زیادہ موزوں (اشبہ) ہے (الترغیب ج ۱، الزکوٰۃ) ابن حزمؒ نے المحلی میں سعید بن منصور کی روایت سے اس حدیث کو حضرت علیؓ پر موقوف روایت کیا ہے۔ (ج ۶، ص ۱۵۸)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حزمؒ کی جانب سے اس مسلک کا دفاع

علامہ ابن حزمؒ نے اس مسلک کا بہت خوب دفاع کیا ہے اور قرآن وسنت اقوال صحابہ اور تابعین سے عمدہ دلائل فراہم کیے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے ہر مقام کے اغنیاء پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے فقراء کی کفالت کریں حتیٰ کہ اقتدار وقت (سلطان) بھی انھیں اس پر مجبور کرے گا یعنی اگر زکوٰۃ اور فئے وغیرہ فقراء کے لیے کافی نہ ہو سکیں تو ہر جگہ کے اغنیاء فقراء کو غذا، سردی گرمی کا لباس اور موسم کی سختی سے بچانے والی رہائش فراہم کریں گے۔[1]

دلیل قرآنی

قرآن کریم سے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ۔

(الاسراء : ۲۶)

اور دے نا تے والوں کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو۔

اور یہ آیت

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء : ۳۶)

اور ماں باپ سے نیکی اور قرابت والے سے اور یتیموں سے اور فقیروں سے اور ہمسایہ قریب سے اور ہمسایہ اجنبی سے اور برابر کے رفیق سے اور راہ کے مسافر سے اور اپنے ہاتھ کے مال سے۔

غرض اللہ سبحانہ نے مساکین اور مسافروں کے حقوق رشتہ داروں کے حقوق

---

[1] المحلی : ج ۶، ص ۱۵۶، ۱۵۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ فرض فرماتے ہیں اور جہاں ماں باپ سے حسن سلوک فرض فرمایا وہاں رشتہ داروں، مساکین اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کی تاکید فرمائی اور ان سے بُرے سلوک سے منع فرمایا اور اطعام مسکین کو نماز کے ساتھ بیان فرمایا۔

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ (المدثر : ۴۲، ۴۴)

تم کاہے سے پڑے دوزخ میں وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے اور نہ تھے کھلاتے محتاج کو۔

دلیل سُنّت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔[1]

جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد مال موجود ہو اور وہ اپنے مسلمان بھائی کو بھوکا ننگا اور بے کس دیکھ کر اس کی مدد نہ کرے تو ظاہر ہے کہ اس نے اس پر رحم نہیں کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ

"اصحاب صفہ فقرائے تھے ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہو وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے کو لے جائے۔"[2]

---

[1] احمد، بخاری، مسلم۔ ترمذی نے جریر بن عبداللہ سے اور احمد اور ترمذی نے ابوسعید سے روایت کیا ہے۔ بہرحال یہ مفہوم مختلف الفاظ اور متعدد طریقوں سے جو تواتر کے درجے کو پہنچے ہوئے ہیں مروی ہیں (المناوی : التیسیر ج ۲، ص ۴۴۷)

[2] احمد، ج ۱، ص ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹۔ بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح کی المواقیت اور المناقب میں روایت کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر خود ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے ظالم کے سپرد کرتا ہے۔"[1]

ظاہر ہے کہ مسلمان بھائی کو بھوکا ننگا چھوڑ دینا اس کے اس پر ظلم ہونے دینا ہے اور اسے رسوائی کے سپرد کر دینا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جس کے پاس سواری زائد ہو وہ اس پر اس کو سوار کرا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زادِ راہ زائد ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو ــــ اسی طرح آپؐ نے مال کی دیگر اصناف ذکر فرمائیں یہاں تک کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی کا اس کے زائد مال میں کوئی حق نہیں ہے۔"[2]

درحقیقت حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس موضوع پر اجماع صحابہ نقل کیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کو آزاد کراؤ۔"[3]

بہرحال اس موضوع سے متعلق قرآنی آیات اور متعدد صحیح احادیث موجود ہیں۔

آثار

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ

---

[1] مسند احمد، ج ۲، ص ۹۱ - ج ۴، ص ۱۰۴۔ بخاری، المظالم، الاکراہ۔ مسلم، البر، ابوداؤد، الادب، الترمذی، صفۃ القیامہ از ابن عمرؓ۔

[2] مسلم، نکاح، لقطہ، ابوداؤد، الزکوٰۃ، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۴۔

[3] بخاری ــــ یہ الفاظ بھی ہیں کہ مریض کی عیادت کرو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جو معاملہ بعد میں سامنے آیا ہے اگر وہ پہلے آتا تو میں اغنیاء کے فضول اموال لے لیتا اور ان کو فقراء مہاجرین پر تقسیم کر دیتا ہے۔" [1]

حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ

"اللہ سبحانہ نے اغنیاء کے مال پر اتنا فرض کیا ہے جو فقراء کو کافی ہو سکے اگر وہ بھوکے ننگے اور جفاکشی میں ہوں گے تو اس وجہ سے ہوں گے کہ امراء نے انھیں ان کا حق نہیں دیا اور اللہ روزِ قیامت ان کا حساب کرے گا اور انھیں عذاب دے گا۔"

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ

"مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حق ہے۔"

حضرت عائشہؓ، حسن بن علیؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ان صحابہ نے ارشاد فرمایا کہ

"اگر کوئی شخص کسی مقتول کے لیے یا ادائے قرض کے لیے یا فقر کی وجہ سے مانگے تو اسے دینا واجب ہے۔"

صحیح روایت میں ہے کہ حضرت ابو عبیدۃ اور تین سو صحابہ کرام کا (کسی غزوہ میں) زادِ راہ ختم ہو گیا تو آپ نے جس کے پاس جو کچھ تھا سب یکجا جمع کر لیا اور سب کو برابر کھانے کے لیے تقسیم فرماتے رہے۔

یہ اجماعِ قطعی ہے اور اس کا کوئی مخالف نہیں ہے۔

شعبی مجاہد اور طاؤس وغیرہ سے صحیح روایت ہے کہ ان سب نے فرمایا کہ

"مال میں علاوہ زکوٰۃ کے حق ہے۔"

مخالفین کے اقوال پر ابن حزمؒ کی تنقید

ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ماسوا ضحاک ابن مزاحم کے کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہے، ضحاک نے فرمایا ہے کہ حکم زکوٰۃ سے ہر حق منسوخ ہو گیا ہے مگر اصل بات یہ

---

[1] ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند بے حد صحیح اور بلند ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ضحاک کی قوردایت بھی حجت نہیں ہے تو ان کا قول کیسے دلیل بن سکتا ہے؟[1]

مزید برآں یہ کہ جو حضرات ضحاک کے اس قول کو دلیل قرار دیتے ہیں خود ان کا مسلک اس قول کے برخلاف ہے کہ ان کے نزدیک بھی مال پر علاوہ زکوٰۃ کے بہت سے حقوق عائد ہیں، مثلاً محتاج ماں باپ پر خرچ کرنا، بیوی کا نفقہ، غلام پر خرچ کرنا، (پالتو) جانوروں پر خرچ کرنا، اور (ادائے) قرض و دیت پر صرف کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ ان فقہا کی رائے متناقض ہے۔ چنانچہ انہی فقہا کا یہ قول بھی ہے کہ اگر کوئی شخص پیاسا ہو اور اس سے جان کا خطرہ ہو جائے تو وہ جہاں سے اسے پانی ملے لے سکتا ہے اور اس کے لیے قتال بھی کر سکتا ہے۔

ان فقہا کے نزدیک اس میں کیا فرق ہے کہ پیاسا اپنی جان کی مدافعت کرے اور اس کے لیے قتال بھی کرے لیکن بھوکا ننگا اپنی جان کی مدافعت نہ کرے ——— بلاشبہ یہ بات قرآن و سنت، قیاس اور اجماع کے خلاف ہے۔

کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حالت اضطرار میں میتہ یا خنزیر کھائے (اگر) لیکن کسی مسلمان یا ذمی کے پاس زائد از ضرورت طعام موجود ہو کہ اس صاحب طعام پر بھوکے کو کھلانا فرض ہے اور اس صورت میں وہ مضطر، مضطر نہیں رہتا۔ اور اس کے لیے وہ قتال بھی کر سکتا ہے اگر خود مارا گیا تو صاحب طعام پر قصاص لازم ہوگا اور اگر اس نے صاحب طعام کو مار ڈالا تو قصاص نہیں ہے، کیونکہ اس نے کھانے سے روکا اور اس

[1] ضحاک کو یحییٰ بن سعید کے علاوہ کسی نے ضعیف نہیں کہا ہے بلکہ احمد، ابن معین، ابن مدینی، عجلی اور دارقطنی نے ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ حافظ نے تقریب میں کہا ہے کہ ثقہ ہے اور مرسل زیادہ ہیں (میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵) مزید یہ کہ ضعف روایت سے ضعف رائے لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ ابن حزم نے دعویٰ کیا ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک ابن ابی لیلیٰ ضعیف ہیں مگر وہ فقہ میں امام ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمل سے طائفہ بغیہ کے حکم میں آگیا۔

فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ (الحجرات : ۹)

پھر اگر چڑھا جاوے ایک ان میں سے دوسرے پر تو سب لڑو اس چڑھائی والے سے جب تک پھر آوے اللہ کے حکم پر۔

حق سے روکنے والا اس شخص پر بغاوت کرنے والا ہے جس کا حق ہے اور اسی اصول کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کیا۔[1]

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۱۵۹۔

علامہ ابن حزمؒ کے اس کلام پر شیخ احمد شاکر نے بڑی عمدہ بات کہی ہے جس کو اگر ہم یہاں درج کر دیں تو مناسب ہوگا، وہ فرماتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کے احکام عدل و انصاف اور عقل و حکمت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچے ہوتے ہیں۔ ہمارے جو مسلمان بھائی مغربی قوانین اور تہذیب کے سحر میں گرفتار ہیں وہ اسلامی شریعت کے ان احکام کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں تو انھیں معلوم ہو جائے کہ اسلامی نظام دنیا کا ارفع ترین نظامِ حیات ہے، جس میں جسم اور روح دونوں کی مکمل رعایت موجود ہے اور ہر زمان اور ہر مکان کے لیے موزوں ہے۔ اگر مسلمان قرآن و سنت کے احکام پر عمل کریں اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں مکمل اسلامی نظام جاری کر لیں تو وہ ایک مرتبہ پھر عالمی قیادت کے منصب پر سرفراز ہو جائیں، غور فرمائیے دنیا کے اکثر تباہ کن انقلابات اسی وجہ سے آئے ہیں کہ مالداروں نے ناداروں پر ظلم کیا اور اغنیاء دنیا کی خیرات خود سمیٹ کر بیٹھ گئے اور ان کے پڑوس میں بھوکے دم توڑتے رہے۔۔۔۔ اسلام یہ نکتہ بتاتا ہے کہ اغنیاء کے مال کا تحفظ ہی اس میں ہے کہ وہ ناداروں سے حسنِ سلوک کرتے رہیں اور اللہ نے ان کے جو حقوق ان پر عائد کیے ہیں وہ ادا کرتے رہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری فصل

ان اقوال کے درمیان تطبیق

فریقین کے اقوال میں محل اختلاف ہم نے فریقین کی جو آرا اور ان کے دلائل پیش کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ محل اختلاف زیادہ وسیع نہیں ہے بلکہ ہر دو فریق کے مابین مقاماتِ اتفاق بھی ہیں۔

ا) والدین اگر ضرورتمند ہوں اور اولاد کے پاس فراخی ہو تو اولاد پر والدین کا نفقہ واجب ہے۔

ب) اصولاً رشتہ دار کے حق میں بھی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اس قدر اختلاف ہے کہ کس درجے کی قرابت نفقہ لازم کرتی ہے۔

ج) مضطر (مجبور) کو غذا، کپڑا اور ٹھکانا دینے میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ الجصاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ بلاشبہ زکوٰۃ فرض ہے مگر زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ ایسے مواقع جہاں دینا فرض ہے مثلاً جائع مضطر (بھوکے مضطر) کو، برہنہ شخص کو اور ایسی میت کے لیے جس کے تکفین اور تدفین کا کوئی انتظام نہ ہو[1] اور اسی کے مثل وہ شخص ہے جو عاریتاً الماعون یعنی کلہاڑی، ڈول اور گھریلو اشیا لینے پر مجبور ہو کہ مسلمان کی تکلیف دور کرنا بالاجماع فرض کفایہ ہے۔

د) مسلمانوں پر نازل ہونے والے عام مصائب کا دور کرنا بھی فرض ہے، مثلاً دشمن کا خطرہ دور کرنا، مسلمان قیدیوں کو کافروں کی قید سے چھڑانا اور قحط اور افلاس

---

[1] احکام القرآن، ج ۳، ص ۱۳۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مقابلہ کرنا۔ اس بارے میں کسی فقیہ کا اختلاف نہیں ہے کہ فرد کے حق پر اجتماع کا حق مقدم ہے، اور بالاجماع ان عام مصائب کو مسلمانوں سے دور کرنا واجب ہے۔

الرملی شرح المنہاج میں فرماتے ہیں۔

مسلمانوں کی مضرت کو دور کرنا فرض کفایہ ہے یعنی اگر بھوکے ننگے کی ضرورت زکوٰۃ سے اور بیت المال سے پوری نہ ہو سکے تو غنی مسلمان پر اپنے لواحقین کی ضروریات پورا کرنے کے بعد ان کے لباس و غذا کا انتظام فرض ہے اور اس میں بھی زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ محض دفع مضرت ہی نہ ہو بلکہ اہل ضرورت کو بقدر کفایت دیا جائے یعنی گرمی سردی کے لحاظ سے موزوں لباس ہو اور غذا اور لباس کے ساتھ اس کے لوازم بھی ہوں یعنی اُجرتِ طبیب، دوا کی قیمت اور ضروری خدمت [1]

نیز ہم زکوٰۃ کے فی سبیل اللہ کے مصرف میں امام نوویؒ اور فقہائے شافعیہ کی یہ رائے ذکر کر چکے ہیں کہ اگر باقاعدہ لشکروں کی کفالت بیت المال سے نہ ہو سکے تو اغنیاء پر علاوہ زکوٰۃ کے بھی ان کی کفالت لازم اور فرض ہے۔

ابوبکر بن العربی احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ اگرچہ مال پر ماسوا زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں ہے لیکن اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد کوئی ضرورت پیش آجائے تو بالاتفاق اس ضرورت کے پورا کرنے کے لیے صرف کرنا لازم ہے۔

[illegible] ہیں کہ تمام مسلمان قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ دینا واجب ہے خواہ اس میں مسلمان اغنیاء کا سارا مال کھپ جائے،

اسی طرح اگر والی زکوٰۃ ضرورتمندوں پر تقسیم نہ کرے تو بھی اغنیاء پر لازم ہے کہ وہ علاوہ زکوٰۃ کے فقراء کو مستغنی کریں اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کرنا فرض ہے [2]

القرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

---

[1] نہایۃ المحتاج، ج ۷، ص ۱۹۴۔

[2] احکام القرآن، ص ۵۹، ۶۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر زکوٰۃ کی وصولیابی کے بعد مسلمانوں کی کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس ضرورت کے پورا کرنے کے لیے مال خرچ کرنا ضروری ہے۔ اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ مسلمانوں پر اپنے قیدیوں کا رہا کرانا واجب ہے اگرچہ تمام مال بھی صرف کرنا پڑے۔ اور اس پر اجماع ہے نیز اس سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے۔[1]

الشاطبی اپنی تصنیف الاعتصام میں فرماتے ہیں کہ

اگر بیت المال خالی ہو جائے اور اہل لشکر کی ضروریات باقی ہوں تو امام (حکومت) بتقاضائے انصاف اغنیاء پر بقدر ضرورت ٹیکس لگا سکتا ہے تاآنکہ بیت المال میں کسی مد سے سرمایہ آجائے۔[2]

ان اقوال کے پیش نظر ان فقہاء کی رائے کا جو یہ کہتے ہیں کہ مال میں ماسوا زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں ہے یہ مطلب ہوا کہ ان کے نزدیک بھی امراء اور حکمرانوں کے وہ ظالمانہ ٹیکس درست نہیں ہیں جو حکمران محض اپنی وسعت کے لیے لگاتے ہیں اور جن سے عامۃ المسلمین تنگ ہوتے ہیں، گویا ان فقہاء نے اس خطرے کے پیش نظر یہ رائے اختیار کی ہے کہ کہیں حکمران اس کو ناحق ٹیکس لگانے کا ذریعہ نہ بنالیں، اس لیے اصولی نے حکمرانوں کے اس ظالمانہ رویہ کے سدباب کے لیے فرمایا کہ

"مال میں ماسوا زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں ہے"[3]

بہرحال ہر دو آراء کے حامل فقہاء کے مابین بعض امور میں حقیقی اختلاف رائے بھی موجود ہے۔

ا) فصل اور پھلوں کی کٹائی کا حق (حق الحصاد)۔

ب) مویشی (اونٹ، بیل اور گھوڑوں) کے حقوق۔

---

[1] تفسیر القرطبی، ج ۲، ص ۲۲۳۔

[2] الاعتصام، ص ۱۰۳۔

[3] "زکوٰۃ اور ٹیکس" کے بیان میں مزید تفصیل آئے گی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ج) حق ضیافت۔

د) حق الماعون (روزمرہ کی ضروریات عاریتاً لینے کا حق)

یہ تمام مذکورہ حقوق ان فقہاء کے نزدیک جو فرماتے ہیں کہ مال میں ماسوا زکوٰۃ کے بھی حق ہے۔ فرض ہیں اور جو مسلمان ان کے پورا کرنے میں کوتاہی کرے گا وہ گنہگار ہوگا اور اللہ سبحانہٗ کے یہاں سزا کا مستحق ہوگا۔ جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک یہ حقوق مستحب ہیں جو ان کو پورا کرے گا ثواب کا مستحق ہوگا اور جو کوتاہی کرے گا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے الا یہ کہ ضرورت موجود ہو تو یہ واجب ہو جائیں گے جیسا کہ الجصاص نے ڈول، کلہاڑی، ہانڈی وغیرہ کے عاریتاً دینے کے بارے میں کہا ہے[1] کہ ان اشیاء کا بوقت ضرورت عاریتاً دینا واجب ہے اور نہ دینے والا مستحق مذمت ہے اور اس کا یہ رویہ مسلمانوں کے اخلاق سے ہم آہنگ نہیں ہے درانحالیکہ فرمان نبوتؐ ہے کہ

"میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں"[2]

ہ) ان جزئی حقوق میں سب سے زیادہ اہم حق فقراء کا ہے جو ان فقہاء کے نزدیک جن کی رائے یہ ہے کہ مال میں علاوہ زکوٰۃ کے بھی حق ہے، اغنیاء کے مال پر واجب ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے علاقے کے فقراء کے لباس، طعام اور مسکن کی ضروریات پوری کریں اور حکومت ان کو اس امر پر مجبور کرے یعنی جبکہ زکوٰۃ اور موارد ریاست فقراء کی ضروریات پوری کرنے میں ناکافی ثابت ہوں۔

موازنہ و ترجیح

۱) پھلوں اور فصلوں کی کٹائی کے وقت کے حق (حصاد) کے بارے میں ہم نے

---

[1] الجصاص: احکام القرآن، ج ۳، ص ۵۸۴۔

[2] البخاری: ادب المفرد، ابن سعد: الطبقات، الحاکم: المستدرک، البیہقی: الشعب، از ابوہریرہؓ بسند صحیح، (التیسیر ج ۱ ص ۳۶۲)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فصلوں اور پھلوں پر زکوٰۃ کے بیان میں کہا ہے کہ حق حصاد سے مراد عشر اور نصف عشر ہے، جیسا کہ سلف کی ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور اس آیت کا مکی ہونا اس امر میں مانع نہیں ہے کیونکہ اس کی توضیح یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ نے مکہ مکرمہ میں (عشر کا) صحابی حکم دیا اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی، یعنی آیت حصاد مجمل تھی سنت نے اس کی تفصیل بیان کی اور اس کی وضاحت بیان کی اور سلف کے نزدیک نسخ کے یہی معنی ہیں۔

۲) حق ضیافت کے بارے میں احادیث سے وضاحت ہوتی ہے کہ اس سے مراد وہ مہمان ہے جو ایک شہر سے دوسرے شہر جائے گویا وہ ابن السبیل (مسافر) کے مترادف ہے اسی لیے حضرت ابن عباسؓ اور تابعین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ابن السبیل ہی ضعیف ہے[1] اور احادیث میں وضاحت ہے کہ یہ حق ضیافت یہ ہے کہ جب مہمان (یا ابن السبیل) آئے تو اس کی مہمان نوازی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ مہمان نوازی زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔

۳) حق ماعون واجب ہے کیونکہ اگر واجب نہ ہوتا تو اس کے نہ دینے والے کے بارے میں قرآن میں وعید بیان نہ ہوتی اور جن فقہاء نے کہا ہے کہ الماعون زکوٰۃ ہے انھوں نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ الماعون کی تفسیر گھریلو اشیاء اور دیگر ضروریات کے عاریتاً دینے سے نہیں ہو سکتی۔

۴) اغنیاء کے مال میں فقراء کا حق ہونا اور ان کی ضروریات لباس و طعام کے پورا کرنے کا واجب ہونا متعدد قرآنی آیات اور احادیث سے ظاہر ہے۔ لیکن فقہاء نے بیشتر مواقع پر آیت بِرّ (لَيْسَ الْبِرَّ) کو محل استدلال میں پیش کیا ہے۔ اور اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ ——— "مال میں ماسوا زکوٰۃ کے بھی حق ہے"؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے آیت بِرّ اور اس حدیث کو ایک واضح اصول کے طور پر بیان کیا ہے۔ لیکن

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۰۸۔ تفسیر آیۃ البر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک اس سے متعلق دلائل کا تعلق ہے تو وہ روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہیں کہ اسلامی نظام کی طبیعت کا مقتضا بھی یہی ہے اور قرآن سنت سے بھی یہی ہویدا ہے کہ تکافل اجتماعی ایک فریضہ لازمہ ہے اور باہمی تعاون اور مساوات لازمی ہے یعنی یہ کہ ہر قوی کمزور کا بوجھ اٹھائے اور ہر غنی فقیر کی دست گیری کرے، ہر رشتہ دار اپنے عزیز قریب کی دیکھ بھال کرے، پڑوسی اپنے پڑوسی سے حسن سلوک کرے ـــــ جو شخص ان حقوق و واجبات کو ادا نہیں کرتا اس کا نہ تو اسلام سے کوئی تعلق ہے اور نہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا کوئی حصہ ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو تمیم کا ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میرے پاس بہت مال ہے اور اہل خانہ اور متعلقین ہیں، میں کس طرح خرچ کروں، آپ نے فرمایا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ دو وہ تمہیں پاک کر دے گی، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو اور سائل پڑوسی اور مسکین کا حق ادا کرو[1]

اس حدیث میں آپ نے زکوٰۃ کے بعد سائل، پڑوسی اور مسکین کا حق رکھا اور اقارب سے صلہ رحمی کا زکوٰۃ پر عطف فرمایا، خود قرآن میں آیا ہے کہ

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (الاسراء: ۲۶)

اور دے ناتے والوں کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ مانگنے والے کا بہرحال حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر آئے[2]

---

[1] احمد نے حضرت انس رضی سے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں (الترغیب الترہیب، ج ۱، ص ۲۶۳) ابو عبید اور ابن المنذر نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے (الدر المنثور، ج ۱، ص ۲۹)

[2] احمد نے مسند الحسین بن علی میں اور ابو داؤد نے کتاب الزکوٰۃ ـــــ باب حق السائل ـــــ میں روایت کیا ہے حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے اور رجال ثقہ ہیں، (السیوطی: اللآلی ج ۲، ص ۱۴۰) شیخ احمد شاکر نے اپنی تعلیق مسند میں (ج ۳، ص ۱۷۳) اسے صحیح کہا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا کہ "جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا"۔[1]
مزید فرمایا کہ
"تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں رحم نہ کرو، صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہم سب رحم کرنے والے ہیں، آپؐ نے فرمایا، صرف یہی نہیں کہ اپنے ساتھی پر رحم کرو بلکہ عام رحم کرو"۔[2]
غرض اس موضوع پر بے شمار احادیث موجود ہیں۔

اسلام ایسا ضابطۂ حیات ہے جو افراد معاشرہ میں باہمی رحم، تعاون، کفالت اور احسان کی تعلیم دیتا ہے اور اس کا کم سے کم درجہ یہ قرار دیتا ہے کہ کوئی فرد بھی زندگی کے ایسے معیار سے محروم نہ رہے جس میں اس کی اور اس کے عیال کی لباس، رہائش اور طعام کی ضروریات پوری ہو رہی ہوں، علاج اور تعلیم میسر ہو اور زندگی کی لازمی ضروریات فراہم ہوں۔

اگر معاشرے کے ہر فرد کو زندگی کا یہ معیار زکوٰۃ سے اور موارد ریاست سے حاصل ہو جائے تو بہت خوب، لیکن اگر ان ذرائع سے فقر کا خاتمہ نہ ہو اور فقیر کی جگہ غنا نہ لے تو اغنیاء اپنا فرض ادا کریں اور فقراء کی کفالت کریں کہ ہر غنی اپنے عزیز و قریب اپنے پڑوسیوں اور اپنے متعلقین کی کفالت کرے، اگر بعض اغنیاء جذبۂ ایمانی سے یہ فرض ادا کریں اور اہل احتیاج کی احتیاج رفع ہو جائے تو تمام اغنیاء کا فرض ساقط ہو جائے گا اور ان پر کوئی گناہ نہیں رہے گا لیکن اگر اغنیاء از خود اس فرض کو انجام نہ دیں تو ریاست ان پر ایسے ٹیکس عائد کر سکتی ہے جس سے ضعفاء اور فقراء کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

عدل اجتماعی کی یہ وہ بے مثال تعلیمات ہیں جو اسلام نے پندرہ سو برس پہلے دی ہیں اور جن کی جانب مغرب کی آج رسائی ہوئی ہے اور وہ بھی بے حد جزئی اور ناکافی ہے۔

---

[1] بخاری و مسلم، ترمذی از جریر بن عبداللہ۔
[2] الطبرانی، از ابو موسیٰ، اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں، جیسا کہ المنذری نے کہا ہے (الترغیب ج ۳، القضاء)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُن احادیث کی توجیہ جن سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مال میں سوا زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان احادیث کی کیا توجیہ کی جائے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے زکوٰۃ ادا کر دی اس پر کوئی حق لازم نہیں رہا اور مال میں ماسوا زکوٰۃ کے اور کوئی حق نہیں ہے؟!

حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ مال کا ایک دورانی محدود اور لازمی حق ہے جو ہر صاحب نصاب پر ہمیشہ لازم رہتا ہے تاکہ نعمتِ الٰہی کا شکر ادا ہو جان و مال کا تزکیہ ہو اگرچہ کوئی مستحق اور فقیر موجود نہ ہو، یعنی صاحبِ نصاب مسلمان شخص سے عام حالات میں ماسوا زکوٰۃ بطور فرض کوئی مطالبہ نہیں ہے، اس نے زکوٰۃ ادا کر کے اپنے مال کا شر دور کر دیا ہے، اب اگر وہ کچھ دینا چاہے تو وہ نفلی ہے اور تطوّع ہے جبکہ دیگر حقوق وقتی طور پر عائد ہونے والے حقوق ہیں اور ان کا وجوب زکوٰۃ کے وجوب کی طرح نہیں ہے اور نہ ان کی مقدار زکوٰۃ کی مقدار کی طرح متعین و مقرر ہے بلکہ ان میں بلحاظ احوال و ضروریات فرق ہو سکتا ہے اور حالات و زمانے کے اعتبار سے ان کی مقداریں تبدیل ہو سکتی ہیں مزید یہ کہ یہ حقوق اشخاص پر فرض نہیں ہیں بلکہ فرض علی الکفایہ ہیں، یعنی اگر کچھ افراد ان حقوق کو ادا کر دیں تو سب کی جانب سے ادا ہو جائیں گے۔ کبھی یہ حقوق متعین بھی ہو جاتے ہیں مثلاً کوئی شخص کسی مضطر کو دیکھے تو اس پر اس کی ضرورت پورا کرنا لازم ہے، یا کسی شخص کا کوئی بھوکا ننگا پڑوسی ہو تو اس پر اس کی مدد فرض ہے۔

یہ حقوق افراد کے ایمان اور ان کے ضمیر پر موقوف ہیں اور ریاست کا اصولاً دخل نہیں ہے لیکن بہت سے حاجتمند افراد موجود ہوں اور ان کے لیے وسائل دولت ناکافی ہوں تو ریاست بذریعہ قانون ان پر لازمی ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔

ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کی کہ ——— مال میں زکوٰۃ کے سوا کوئی حق نہیں ہے ——— یہ تعبیر کی ہے کہ مال میں بسبب مال زکوٰۃ کے سوا کوئی حق نہیں ہے البتہ مال کے سبب کے علاوہ دیگر اسباب کی بنا پر مال پر واجبات عائد ہوتے ہیں، مثلاً رشتہ داروں اور بیوی کا نفقہ اور غلام اور (پالتو) جانوروں کے اخراجات، اور دیت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عاقلہ، اور قضائے دَین (قرض کی ادائیگی) اور اسی طرح مصائب کے وقت دینا فرض ہے اور بھوکے کو کھلانا اور ننگے کو پہنانا فرض کفایہ ہے، اس کے علاوہ بھی دیگر مالی واجبات ہیں جو کسی عارضی سبب کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں لیکن مال ان کے وجوب کی شرط ہوتا ہے جیسے حج کہ سبب وجوب تو خود انسانی وجود ہے لیکن مال شرط وجوب ہے جبکہ زکوٰۃ میں مال ہی سبب ہے اور مال ہی کے ساتھ زکوٰۃ فرض ہے یہاں تک کہ اگر مستحق زکوٰۃ موجود نہ ہو تو دوسرے مقام پر زکوٰۃ بھیجے کیونکہ یہ حق اللہ ہے [1]

[1] کتاب الایمان الکبیر، ج ۷، ص ۳۱۶ (مجموع الفتاوی)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواں باب

زکوٰۃ اور ٹیکس

۱) ٹیکس کی حقیقت اور زکوٰۃ کی حقیقت۔
۲) ٹیکس کے عائد کرنے اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اساسی تصور۔
۳) ٹیکس کا ظرف اور زکوٰۃ کا ظرف۔
۴) ٹیکس اور زکوٰۃ کے اصول ہائے انصاف۔
۵) ٹیکس اور زکوٰۃ کے مابین تناسب اور ارتفاع۔
۶) ٹیکس کی ضمانتیں اور زکوٰۃ کی ضمانتیں۔
۷) کیا زکوٰۃ کے ساتھ دیگر ٹیکس لگائے جا سکتے ہیں؟
۸) کیا موجودہ ٹیکس فریضۂ زکوٰۃ سے مستغنی کرتے ہیں؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ اور ٹیکس

اس باب میں ہم اسلام کے فریضۂ زکوٰۃ کا جدید ترین نظام ٹیکس سے موازنہ کریں گے یعنی ٹیکس کا وہ نظام جس کی تاسیس بہترین عقول اور جدید ترین مالی نظام نے کی ہے۔ ہم زکوٰۃ کا موازنہ اس نظام ٹیکس سے نہیں کریں گے جو رومی عہد اور ایرانی دور میں موجود تھا اور جو قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں جاری تھا بلکہ ہم زکوٰۃ کا موازنہ جدید ترین نظامِ ضرائب سے کریں گے جو بہت سے ارتقائی مراحل سے گزرتا ہوا اب اپنی ترقی یافتہ صورت میں موجود ہے اور جس میں مسلسل ترمیمات کے ذریعے حسن و عمدگی پیدا کی گئی ہے، جسے تجربات انسانی نے نکھار دیا ہے اور جسے عقل انسانی نے سنوار دیا ہے۔

ہم اس باب کی فصلوں میں زکوٰۃ اور ٹیکس کے امتیازات اور خصائص پر روشنی ڈالیں گے اور بتائیں گے کہ ان دونوں میں کون سے امور امتیاز کے حامل ہیں اور کون سے پہلو باہم مشابہ ہیں اور یہ کہ زکوٰۃ ایک خصوصیت کا حامل ایک ایسا مالی فریضہ ہے جس کا اپنا جدا فلسفہ ہے اور جو اپنی طبیعت اور اساس کے لحاظ سے اپنے موارد اور مصادر کے اعتبار سے اور اپنے نصاب اور مقادیر (QUANTITIES) کے پہلو سے اور اپنے اہداف و مقاصد اور اپنی ضمانتوں کے اعتبار سے ہر ٹیکس سے ممتاز اور جدا ہے ہم بتائیں گے کہ "نظامِ زکوٰۃ" آج کے ترقی یافتہ نظام سے ہر پہلو سے بلند تر ہے اور فکرِ انسانی کی آج تک جس نظریہ مالیات تک رسائی ہوئی ہے اسلام کا نظامِ زکوٰۃ اس پر رفعت و تقدم رکھتا ہے اور ایسی لاتعداد خوبیوں کا حامل ہے جس سے آج کا ترقی یافتہ نظامِ ٹیکس تہی دامن ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس باب میں آٹھ فصلیں ہیں

پہلی فصل: ٹیکس کی حقیقت اور زکوٰۃ کی حقیقت

دوسری فصل: ٹیکس کے لزوم اور فرضیت زکوٰۃ کا اساسی تصور

تیسری فصل: ٹیکس کا ظرف اور زکوٰۃ کا ظرف

چوتھی فصل: ٹیکس اور زکوٰۃ کے اصول ہائے انصاف

پانچویں فصل: ٹیکس کی ضمانتیں اور زکوٰۃ کی ضمانتیں

چھٹی فصل:

ساتویں فصل: زکوٰۃ کی موجودگی ٹیکس کا جواز

آٹھویں فصل: ٹیکس زکوٰۃ سے مستغنی نہیں کرتے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی فصل

ٹیکس کی حقیقت اور زکوٰۃ کی حقیقت

ماہرین مالیات کے نزدیک حکومت کو ٹیکس کی ادائیگی بشرط قدرت مالداروں پر لازمی ہے، اس سے قطع نظر کہ ان ٹیکسوں کے بالعوض پبلک اداروں سے ٹیکس دہندہ کو کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور خود حکومت ان ٹیکسوں سے کس طرح پبلک اخراجات پورے کرتی ہے اور کس طرح اقتصادی اجتماعی اور سیاسی مقاصد پورے کرتی ہے[1]

جبکہ زکوٰۃ مسلمانوں کے مال میں اللہ کا مقرر کردہ حق ہے اور یہ حق فقراء، مساکین اور دیگر مستحقین کو ادا کیا جائے گا اور اس زکوٰۃ کا مقصود اللہ کی نعمت پر شکر ادا کرنا، ثواب حاصل کرنا اور مال و جان کا تزکیہ ہے۔

زکوٰۃ اور ٹیکس کے درمیان موافقت کے پہلو مندرجہ بالا تعریفات سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ اور ٹیکس کے مابین کچھ پہلو موافقت کے ہیں اور کچھ فرق کے ہم ان میں سے پہلے موافقت کے پہلو بیان کرتے ہیں۔

(۱) جبر اور لزوم کا عنصر جو ٹیکس میں موجود ہے اور جس کے بغیر ٹیکس کا وجود ہی متحقق نہیں ہوتا زکوٰۃ میں بھی موجود ہے کہ اگر مسلم اپنے جذبہ ایمانی سے زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس سے جبراً لی جائے گی، اور نہ دینے والے اور انکار کرنے والے سے بذریعہ طاقت لی جائے گی اور اگر نہ دینے والے خود طاقتور ہوں تو ان سے جنگ کی جائے گی۔

---

[1] الدکتور محمد فؤاد ابراہیم، مبادئ علم المالیہ، ج ۱ ص ۲۶۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب) ٹیکس مقامی اداروں[1] اور حکومت کے اداروں اور با اختیار ہستیوں کو ادا کیا جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی دراصل اس نظام کے توسط سے جسے قرآن نے عاملین علیہا کہا ہے حکومت کو ہی دی جاتی ہے جیسا کہ ہم اپنے مقام پر اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

ج) ٹیکس دہندہ (TAX GIVER) کو اپنے ٹیکس کے بالمقابل کوئی منفعت حاصل نہیں ہوتی بلکہ ٹیکس دہندہ معاشرہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت میں ٹیکس دیتا ہے کیونکہ وہ اس معاشرے کے متعدد فوائد سے مستفید ہو رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ دینے والا مسلم بھی کسی منفعت کے بالمقابل زکوٰۃ نہیں دیتا بلکہ وہ اس معاشرے میں رہنے کے عوض زکوٰۃ دیتا ہے جس کی حمایت کفالت اور اخوت سے وہ مستفید ہو رہا ہے، اس استفادہ کی بنا پر اس پر لازم ہوا کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی اعانت کرے اور فقر، عجز اور مصائب حیات میں انھیں ضمانت فراہم کرے اور امت مسلمہ کی مصالح عامہ کے بروئے کار لانے، اور دعوت حق کے فروغ میں اپنی ذمے داریاں پوری کرے صرف نظر اس امر کے کہ 'ادائے زکوٰۃ' سے خود اسے کیا فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔

د) ٹیکس کے بھی موجودہ نظام میں کچھ اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی اہداف TARGETS بیان کیے جاتے ہیں اسی طرح زکوٰۃ کے بھی اعلیٰ ترین اور وسیع ترین مقاصد ہیں، جو ان مذکورہ پہلوؤں کو بھی مشتمل ہیں اور ان کے علاوہ انسان زندگی کے دیگر پہلوؤں کو بھی محیط ہیں، اور بڑی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ انسان کی اجتماعی اور انفرادی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں[2]

زکوٰۃ اور ٹیکس کے مابین فرق کے پہلو متعدد پہلوؤں سے زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق ہے ہم چند اہم امور کا ذکر کرتے ہیں۔

---

[1] قرون وسطیٰ کے یورپ میں مالکان زمین کسانوں سے ٹیکس لیا کرتے تھے۔

[2] اس کتاب میں 'مقاصد زکوٰۃ' ملاحظہ کیجیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب سے پہلا فرق زکوٰۃ اور ٹیکس کے مابین ان کے ناموں سے

۱۔ نام اور عنوان نمایاں ہے کہ زکوٰۃ کے معنی پاکی، نشوونما اور برکت کے ہیں شریعت اسلامیہ نے مال کے اس حصہ کو جو زکوٰۃ دہندہ فقراء کو دیتا ہے زکوٰۃ کہا ہے اور اس سے دہندہ کے نفس میں یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ اس کا یہ عمل سراسر خیر و برکت کا حامل، اس کے مال کو نشوونما دینے والا اور اس کو پاک کر دینے والا ہے۔

جبکہ ٹیکس (ضریبہ) کا لفظ محض جبر و الزام کا مفہوم ادا کرتا ہے یعنی یہ ایک تاوان ہے جو زبردستی اور بالجبر مالدار شخص پر لاد دیا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ لوگ ٹیکس کو ایک بے حد ناگوار بوجھ اور ان کے مال پر پڑ جانے والا ڈنڈ سمجھتے ہیں۔

زکوٰۃ کا لفظ اپنے پاکیزگی برکت اور نشوونما کے مفاہیم کے ساتھ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ صاحب مال جس مال کو اللہ کا حق ادا کیے بغیر کنز کرتا ہے وہ نجس و ناپاک رہتا ہے اور زکوٰۃ ہی ہے جو اس مال کو پاک کرتی ہے اور صاحب مال کو بخل اور حرص سے پاک کرتی ہے۔

زکوٰۃ کا لفظ بتلاتا ہے کہ جو مال بظاہر ادائے زکوٰۃ سے کم ہوتا نظر آتا ہے درحقیقت وہ نشوونما پا رہا ہے اور اس میں افزودگی ہو رہی ہے چنانچہ اللہ سبحانہ نے ارشاد فرمایا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرہ: ۲۷۶)

مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات۔

اور فرمایا

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ (سباء: ۳۹)

اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اس کا عوض دیتا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا" (ترمذی)

زکوٰۃ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکی، نماء اور برکت صرف مال ہی میں نہیں ہوتی بلکہ خود زکوٰۃ دہندہ بھی پاکیزگی اور تزکیہ حاصل کرتا ہے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا نفس بھی حسد سے اور نفرت سے پاک ہو جاتا ہے کہ اسے مالِ زکوٰۃ سے اپنی معیشت کو استوار کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور اس کی اور اس کے بچوں کی کفالت ہو جاتی ہے جبکہ زکوٰۃ دہندہ کو بخل و حرص سے نجات مل جاتی ہے اور اس کی جان و مال اور اولاد میں برکت ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا

(التوبہ : ۱۰۳)

لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ ان کو پاک کرے اس سے اور تربیت۔

۲۔ ماہیت و کیفیت ٹیکس محض ایک تمدنی پابندی ہے جبکہ زکوٰۃ عبادت، ذریعہ ثواب، شکر الٰہی اور فریضہ دینی ہے اسی لیے اس کی ادائیگی میں نیت شرط ہے کیونکہ نیت کے بغیر کوئی عبادت متحقق نہیں ہوتی، چنانچہ فرمایا کہ

"اعمال کا مدار نیتوں پر ہے"

اور حق سبحانہٗ کا فرمان ہے۔

وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

(البینہ : ۵)

انسان کو حکم یہی ہوا کہ عبادت کریں اللہ کی۔ نری کر اس کے واسطے بندگی۔

یہی وجہ ہے کہ ہماری کتب فقہ میں زکوٰۃ کو عبادات کے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم نے بیس سے زائد مقامات پر زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ بیان کیا ہے اور سنت میں لاتعداد مقامات پر زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کیونکہ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن اور عبادات چہارگانہ میں سے ایک عبادت ہے۔

چونکہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اس لیے صرف مسلمانوں ہی پر فرض ہے اور شریعت اسلامیہ کی سماحت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اس مالی ذمہ داری کو جو عبادت اور شعار دینی کی خصوصیت رکھتی ہے غیر مسلموں پر بھی لازم کیا جائے بخلاف ٹیکس کے کہ اس میں مذہب کی کوئی قید نہیں ہوتی بلکہ صرف قدرت ادائیگی مدنظر ہوتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ نصاب اور مقدار کی تحدید زکوٰۃ ایک مقررہ حق ہے جسے شارع نے مقرر کر دیا ہے اور ہر مال کے نصاب کا تعین کر دیا ہے اور اس مقررہ نصاب سے کم مقدار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور زکوٰۃ کی مقداریں خُمس (۱/۵) عُشر (۱/۱۰) نصف عُشر (۱/۲۰) اور ربع عُشر (۱/۴۰) متعین کر دی ہیں، یہ سب امور طے شدہ ہیں اور کسی کو ان میں ردوبدل اور کمی بیشی کا اختیار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو برسرِ غلط قرار دیا ہے جو عصرِ جدید کے اقتصادی اور اجتماعی حالات کے پیشِ نظر زکوٰۃ کی مقادیر میں اضافہ کے قائل ہیں۔

جبکہ ٹیکس بلحاظ ظرف، مقدار اور نصاب اقتدارِ وقت کی صوابدید پر موقوف ہے بلکہ ٹیکس کا وجود یا عدم وجود یا عتبارِ ضرورت صاحبِ اختیار افراد کے ہاتھ میں ہے۔

۴۔ ثبات و دوام زکوٰۃ دائمی اور ثابت شدہ فریضہ ہے اور جب تک دنیا میں مسلمان موجود ہیں اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا اور کوئی شخص اس میں ردوبدل نہیں کر سکتا کیونکہ اسلام میں زکوٰۃ نماز کی طرح ہے، جبکہ ٹیکس میں دوام اور بقاء کی یہ صفت موجود نہیں ہے بلکہ اس کی نوعیت، صفت اور مقدار ہمہ وقت تغیر پذیر ہے اور حکومتِ وقت جب چاہے اس میں ردوبدل کر سکتی اور حسبِ ضرورت بعض ٹیکسوں کو بالکل ختم کر سکتی ہے اور دیگر نئے ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔

۵۔ مصارف زکوٰۃ کے مصارف بھی خاص ہیں جنھیں اللہ سبحانہٗ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سُنّت میں ان کی توضیح اور تشریح فرما دی ہے جنھیں ہر مسلمان جان سکتا ہے اور ان کے مطابق از خود بھی اپنی زکوٰۃ تقسیم کر سکتا ہے، جبکہ ٹیکس کو حکومتِ ریاست کے عام اخراجات میں اپنی صوابدید کے مطابق صرف کرتی ہے۔ یعنی زکوٰۃ کا بجٹ حکومت کے بجٹ کے علاوہ ہے جو اللہ سبحانہٗ کے مقرر کردہ خاص مصارف میں صرف کی جاتی ہے۔

۶۔ حکومت سے تعلق ٹیکس کی ادائیگی کا تعلق مالدار اور اقتدارِ وقت سے ہے کہ حکومت ہی اس پر ٹیکس عائد کرتی ہے، وہی اس کی شرح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متعین کرتی ہے اور وہی وصول کرتی ہے اور اگر حکومت چاہے تو اس مقدار کو کم کر دے یا کسی خاص سبب سے اس کا کچھ حصہ معاف کر دے یا سرے سے کوئی ٹیکس یا تمام ٹیکس منسوخ کر دے۔ اور اگر حکومت ٹیکس میں چھوٹ دے دے یا ٹیکس دہندہ سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ نہ کرے تو اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ جبکہ زکوٰۃ ہر لحاظ سے خدا اور بندے کے درمیان ایک تعلق ہے کہ خدا ہی نے مال دیا ہے اسی نے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور اسی نے اس کی مقداریں اور نصاب متعین کیے ہیں۔ اس لیے اگر اسلامی ریاست موجود نہ ہو اور وہ مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین کو تقسیم نہ کرے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ از خود اپنی زکوٰۃ مستحقین کو پہنچائیں۔ جیسے اگر کوئی مسلمان ایسی جگہ ہو جہاں نہ مسجد ہو اور نہ امام ہو تو وہ خود اپنی نماز ادا کرے گا اور ہرگز نماز ترک نہیں کرے گا۔

اسی لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ بخوشی ادا کرے اور اللہ سے اس کی قبولیت کا خواستگار رہے، اس سے فرار حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے جیسا کہ ٹیکس دہندگان ٹیکس سے بچنے کے طریقے ایجاد کرتے ہیں اور جبراً ہی ٹیکس ادا کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ادائے زکوٰۃ ایک فریضۂ الٰہی ہے جسے وہ حصول ثواب اور رضائے حق کے لیے ادا کرتے ہیں۔

۷۔ اہداف و مقاصد زکوٰۃ کے روحانی اور اخلاقی فوائد اس قدر کثیر اور رفیع ہیں کہ نظام ٹیکس کی تو وہاں تک رسائی ہی نہیں ہو سکتی جن کو ہم پہلے ہی مقاصد زکوٰۃ میں بیان کر چکے ہیں۔ ان میں سے سب سے عظیم مقصد اور سب سے رفیع ہدف وہی ہے جسے قرآن کریم نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ

(التوبہ : ۱۰۳)

لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کہ ان کو پاک کرے اس سے اور تربیت اور دعا دے ان کو، البتہ تیری دعا ان کو آسودگی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر زکوٰۃ دہندہ کو دعا دیتے کہ اس کے مال اور اس کے نفس میں برکت ہو اور مستحب یہ ہے کہ ہر وصول کنندہ زکوٰۃ یہی دعا دے بلکہ بعض فقہاء نے اس دعا کو واجب کہا ہے کہ آیت لفظ امر پر مشتمل ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

ٹیکس اس قسم کے روحانی مقاصد اور اخلاقی اہداف سے یکسر خالی ہے، یہاں تک کہ ایک عرصے تک یہی تصور رہا کہ ٹیکس کا خزانہ سرکار میں مال جمع کرنے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے لیکن اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی تغیرات سے یہ تصور ابھرا کہ ٹیکس کے بہرحال کچھ اقتصادی اور اجتماعی مقاصد بھی ہیں، مثلاً یہ کہ افراد معاشرہ کو خرچ کرنے یا پس انداز کرنے یا آسائشات پر کم خرچ کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ بہرحال ٹیکس کے یہ مادی فوائد ہیں اور تا ہنوز ماہرین مالیات ٹیکس کے ان مادی مقاصد سے بلند تر اخلاقی اور روحانی فوائد و اہداف دریافت نہیں کر سکے۔

۸۔ زکوٰۃ اور ٹیکس کا اساسی تصور ٹیکس کا کوئی اساسی تصور موجود نہیں ہے بلکہ یہ متضاد قانونی اور نظریاتی بنیادوں پر قائم ہے، درانحالیکہ زکوٰۃ کی اساس واضح ہے جس کو ہم علیحدہ فصل میں بیان کریں گے۔

زکوٰۃ عبادت بھی ہے اور ٹیکس بھی ہے زکوٰۃ چونکہ ایک الٰہی حق ہے جو ریاست وصول کرتی ہے اور اگر دہندگان رضامندی سے نہ دیں تو ریاست جبراً لے سکتی ہے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی معاشرے کے مصالح پر صرف ہوتی ہے اس لحاظ سے زکوٰۃ ٹیکس ہے۔ مگر زکوٰۃ عبادت بھی ہے اور شعار اسلام بھی ہے اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بھی ہے اور ایمان کا ایک حصہ ہے اس لیے اس کی ادائیگی اطاعت اور صلاح (نیکی) ہے، اس کا نہ دینا فسق ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور یہ حق دہندہ کی تاخیر سے، حکومت کے تساہل سے اور وقت گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

ہمارے فقہائے کرام نے بھی اس امر پر تنبیہ کیا ہے کہ زکوٰۃ ٹیکس بھی ہے اور عبادت بھی، اگرچہ فقہاء نے ٹیکس کا لفظ استعمال نہیں کیا کہ یہ بعد کی اصطلاح ہے البتہ اس کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفہوم کو لفظ "حق" سے ادا کیا ہے کہ فقراء اور مساکین کا یہ حق اغنیاء کے مال میں واجب ہے[1] اور یہ کہ زکوٰۃ صلہ رحمی ہے۔

الروض النضیر کے مصنف تحریر فرماتے ہیں کہ

"اللہ سبحانہٗ نے فقراء کے لیے مال اغنیاء میں زکوٰۃ فرض کی ہے تاکہ ان کا حق اخوت ادا ہو ان سے ہمدردی اور الفت کا اظہار ہو اور ان سے سلوک اور اعانت کا اللہ کا حکم پورا ہو، اور ان کے مالی حقوق ادا ہوں جس طرح کہ وہ جسمانی حقوق عبادات کے ذریعے ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ صلہ رحمی بھی ہے اور عبادت بھی ہے اور عبادت ہونے کے لحاظ سے نیت فرض ہے اور چونکہ صلہ رحمی ہے اس لیے اس میں نائب بنایا جا سکتا ہے اور نادہندہ پر جبر کیا جا سکتا ہے اور امام اگر جبراً وصول کرے تو دہندہ کی جانب سے نیت میں اس کا نائب ہوگا۔ نیز مرنے والے کے مال میں سے زکوٰۃ لی جائے گی اگرچہ اس نے وصیت نہ کی ہو اور چونکہ زکوٰۃ صلہ رحمی ہے اس میں فقراء کی زیادہ سود مند مصلحت کو مدنظر رکھا جائے گا اور بچہ کے مال پر بھی واجب ہوگی اور چونکہ مقصود مواسات ہے اس لیے قابل لحاظ مال پر فرض ہے اور اموال نامیہ یعنی نقود، مال تجارت، ارضی پیداوار اور مویشی پر فرض ہے۔ اور جس جنس سے مواسات ہو سکتی ہے اس میں نصاب بھی متعین کر دیا گیا ہے اور تعب اور محنت کے لحاظ سے مقدار کا تعین کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بارانی زمین کی پیداوار پر عشر ہے اور انسانی محنت سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں نصف عشر ہے"[2]

---

[1] بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۲۳۷۔

[2] الروض النضیر، ج ۲، ص ۳۸۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری فصل

لزوم ٹیکس اور فرضیت زکوٰۃ کا اساسی تصوّر

ماہرین مالیات نے ٹیکس کی کیفیت کے بارے میں جو اظہار خیال کیا ہے اس کے بیان سے اور اس کی اس اساس کی توضیح سے جو اس کے لزوم میں قرآن کے پیش نظر ہے واضح ہوگا کہ زکوٰۃ ایک مستقل فلسفہ اور ایک مخصوص تصور کا حامل فریضۂ الٰہی ہے۔

ٹیکس کے لزوم کی قانونی اساس ٹیکس کے لزوم کی قانونی اساس کی تعبیر میں مفکرین اور ماہرین مالیات کا اختلاف ہے۔

تعاقدی تصوّر اٹھارہویں صدی عیسوی کے فلاسفر اس امر کے قائل رہے ہیں کہ دراصل ٹیکس کے لزوم کی قانونی اساس فرد اور ریاست کا باہمی تعاقد (معاملہ) ہے کہ مالدار ریاست کو ٹیکس دیتا ہے اور اس کے بدلے مرافق عامّہ PUBLIC FACILITIES حاصل کرتا ہے اور اس طرح ریاست اور شہریوں کے درمیان عقد اجتماعی منعقد ہوتا ہے چنانچہ جان جاک روسو نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔

اس عقد اجتماعی کی کیفیت کی تعبیر بھی مختلف الفاظ میں کی گئی ہے۔

میرابو کہتا ہے کہ یہ معاملہ بیع (خرید و فروخت) کا معاملہ ہے اور اس میں ٹیکس فرد INDIVIDUAL کی فوری قیمت ہے جس کے بدلے وہ معاشرے کی حمایت حاصل کرتا ہے۔

آدم سمتھ (ADAM SMITH) کہتا ہے کہ یہ اجرت پر کام کرانے کا معاملہ ہے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاست شہریوں کی خدمات انجام دیتی ہے اور شہری اس کے بدلے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ مونٹیسکو اور ہوبز اس کو معاملۂ تامین INSURANCE قرار دیتے ہیں کہ مالدار جزو باقیماندہ پر اپنی قسط ٹیکس کی صورت میں ادا کرتا ہے۔

لیکن اہل نقد نے کہا ہے کہ ٹیکس میں اور ٹیکس دہندہ کو حاصل ہونے والے فوائد میں کوئی تناسب نہیں ہوتا کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہر شہری کو امن عامہ، انصاف، تعلیم اور دفاع وطن کے جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں ان کی ہر ہر شہری کے لحاظ سے مقدار کا تناسب ہو سکے (کہ جو شہری جس قدر ٹیکس ادا کر رہا ہے اسی قدر اسے فوائد بھی حاصل ہو رہے ہیں) بالفرض اگر یہ ممکن بھی ہو تو بھی یہ ایک ظالمانہ تصور ہے کیونکہ فقراء (اہل احتیاج) مالدار طبقوں کی ریاستی اعانت کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں اور اس تبادلہ اور اُجرت کے تصور کے تحت انھیں زیادہ ٹیکس ادا کرنے چاہئیں۔

تامین کے تصور میں دو خرابیاں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ریاست کے فرائض امن SECURITY فراہم کرنے تک محدود ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ عقد تامین کا مطلب یہ ہوگا کہ ریاست خساروں کا عوض بھی دے حالانکہ ریاست ایسا نہیں کرتی۔

اقتدار ریاست کا تصور اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ٹیکس کا تعاقدی تصور درست نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی جگہ یہ دوسرا تصور پیش کیا گیا کہ دراصل ریاست اجتماعی ضروریات پوری کرتی ہے اور حکومت کے پیش نظر خاص افراد کی مصالح نہیں ہوتیں بلکہ عام مصالح اور قومی یکجہتی ہوتی ہے چونکہ ان خدمات کی انجام دہی کے لیے اخراجات کی ضرورت ہے اس لیے ریاست اپنے اقتدار کی مدد سے شہریوں پر یہ لازم کرتی ہے کہ وہ ان اخراجات میں اس کی مدد کریں اور اس بوجھ کو اٹھائیں بعد ازاں ریاست از خود ذمے داری کے اس بوجھ کو شہریوں کی مالی حالت کے اعتبار سے ان پر تقسیم کر دیتی ہے کہ اس سے اجتماعی یکجہتی کا وہ تقاضا بھی پورا ہو جاتا ہے جس کی اساس پر جدید سیاسی حقیقتیں قائم ہیں۔[1]

---

[1] الدکتور محمد حلمی مراد: میزانیۃ الدولۃ، ص ۷۳، ۷۵، مصر ۱۹۵۵ء

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرضیت زکوٰۃ کی اساس

فرضیت زکوٰۃ اور دیگر مالی حقوق کی فرضیت کی اساس حسب ذیل تصورات پر ہے۔

تکلیف کا تصور عام پہلا تصور انسان کے مکلف ہونے کا عام تصور ہے یعنی خالق مُنعم کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے بندوں پر جو چاہے مالی اور جسمانی حقوق فرائض عائد کر دے تاکہ بندے اپنے مولیٰ کا حق ادا کریں، اس کی نعمت پر شکر کریں اور اللہ ان کا امتحان لے کہ کون ان میں اچھے عمل کرتا ہے اور کون اللہ کے ہادی پیغمبروں کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے۔

انسان اس دنیا میں ایک ذمے دار و جواب دہ وجود بنا کر بھیجا گیا اور اس کی تخلیق یونہی عبث نہیں ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (المومنون : ۱۱۵)

سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر نہ آؤ گے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى (القیامہ : ۳۶)

کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ چھوڑا ہے گا بے قید۔

بلاشبہ انسان یونہی بے کار نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ اس کا ایک مقصد تخلیق ہے جس کی توضیح کے لیے انبیاء اور رسول آئے جنھوں نے خدا کے اوامر و نواہی بیان کیے اور حق سبحانہٗ کے فرائض اور واجبات بیان کیے تاکہ نیکو کاروں کو ان کے اعمال حسنہ کا صلہ ملے اور بُرے اعمال کی سزا دی جائے۔

اللہ سبحانہٗ نے مُسلم پر نماز فرض کی کہ وہ دن میں پانچ مرتبہ ہوائے نفس دواعی غفلت اور جذبات تساہل پر قابو پا کر نماز ادا کرے، سال بھر میں ایک مرتبہ مُسلم کو ایک ماہ کے روزوں کا مکلف قرار دیا کہ بندہ اپنے مولیٰ کی رضا کے حصول کے لیے کھانا پینا اور لذتیں ترک کر دے،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور پوری عمر میں ایک مرتبہ حج کا مکلف قرار دیا تاکہ بندہ رضائے الٰہی کے لیے اپنا گھر اور وطن چھوڑ کر وادیٔ غیر ذی زرع پہنچے بیت اللہ کا طواف کرے اور شعائر حج ادا کرے۔

جس طرح اللہ سبحانہٗ نے خالص بدنی عبادت نماز روزہ فرض کیں، بدنی اور مالی عبادت حج فرض کی اسی طرح خالص مالی عبادت زکوٰۃ فرض فرمائی تاکہ بندہ رضائے رب کی خاطر زندگی کا سرمایہ اور فقتہ دنیا صرف کرے تاکہ معلوم ہو کہ کون اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اس کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اور کون مال دنیا ہی کی پرستش کر کے ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(الحشر : ۹)

اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔

تصورِ استخلاف

حقیقت یہ ہے کہ مال اللہ کی ملکیت ہے اور انسان کو بطور نیابت اس میں فرائض متعلقہ کی انجام دہی سپرد کی گئی ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (النجم : ۳۱)

اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى (طٰہٰ : ۵)

اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں اور ان دونوں کے بیچ میں اور نیچے سیلی زمین کے۔

غرض دنیا کی ہر شئے خالصتاً اللہ سبحانہٗ کی ملک ہے اور کوئی بھی اس کے ایک ذرے میں بھی اس کا شریک نہیں ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ (سبا : ۲۲)

تو کہہ پکار دان کو جن کو دعویٰ کرتے ہو سوا اللہ کے۔ وہ نہیں مالک ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں نہ زمین میں۔ اور نہ اُن کا ان دونوں میں ساجھا۔ اور نہ ان میں کوئی اس کا مددگار۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ

(الزمر : ۶۲)

اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ہر چیز کا ذمہ لیتا ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان : ۲)

اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ (الحج : ۷۳)

جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ہرگز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں۔

تمام اموال اللہ کی ملک ہیں وہی دینے والا ہے اور وہی منعم ہے اور وہی اکیلا ہر شئے کا خالق ہے اور جو پیداوار انسان حاصل کرتا ہے وہ اللہ کی مخلوقات ہی سے حاصل کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ماہرین اقتصادیات کہتے ہیں کہ انسان کی پیداوار PRODUCTION دراصل منفعت کی تخلیق ہے مادہ کی تخلیق نہیں ہے یعنی انسان مادہ میں حسب منشا ردوبدل کر کے اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔ مگر اس تغیر سے ان اشیاء کی ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی بلکہ ہوتا یہ ہے کہ انسان بعض اشیاء کو اصل جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیتا ہے اور ایسے مقام پر لے جاتا ہے جہاں ان کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے یا ان کا ذخیرہ کر لیتا ہے تاکہ مستقبل میں کام آسکیں یا ان میں آمیزش سے پکا کر، پیس کر نقش کر کے کوئی نئی شئے وجود میں لے آتا ہے بہرحال یہ جملہ صورتیں تغیر و تبدل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہیں تخلیق مادہ کی نہیں ہیں[1]

ماہرین معاشیات بھی اسی حقیقت پر متفق ہیں کہ انسان کا کام محض تغیر و تبدل کے ذریعے موجود اشیاء کو اپنی ضرورت کے مطابق بنانا ہے جبکہ موجد اصلی اللہ ہے۔

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ: ۵۰)

کہا صاحب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سوجھائی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم: ۳۲، ۳۴)

اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے۔ اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی۔ اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو۔

بلکہ تغیر و تبدل کے طریقے بھی انسان کو اللہ ہی نے بتائے ہیں اسی نے انسان کو یہ قدرت عطا کی ہے اور اسی نے انسان کو علم عطا کیا ہے انسان جب زمین میں کاشت کرتا

---

[1] الدکتور رفعت المحجوب: الاقتصاد السیاسی، ج ۱، ص ۱۹۱، ۱۹۲۔
الدکتور علی عبدالواحد وافی: الاقتصاد السیاسی، ص ۴۷، ۷۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس میں بیج ڈالتا ہے تو ذرا غور فرمایئے کہ فصل کی تیاری تک انسان کا عمل کس قدر ہے اور حق سبحانہٗ کی قدرت کا اظہار کتنا ہے کہ اللہ نے زمین کو زراعت کے قابل بنایا، ہوائیں چلائیں، پانی برسایا، گرمی اور روشنی فراہم کی، مٹی میں چھپے ہوئے بیج کو مٹی ہی سے غذا فراہم کی اور ننھے سے بیج کو حکم دیا کہ وہ ہرا بھرا پھل دار درخت بن جائے۔

انسان کے تمام اعمال عقل، تدابیر اور قدرت کے محتاج ہیں اور یہ صلاحیتیں اللہ نے اسے عطا کی ہیں۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ ۝ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝ (الواقعہ : ۶۳ ، ۷۰)

بھلا دیکھو تو! جو بوتے ہو۔ کیا تم اس کو کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کھیتی کرنے والے۔ اگر ہم چاہیں کر ڈالیں اس کو روندن پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے۔ ہم قرضدار رہ گئے۔ بلکہ ہم بے نصیب ہوئے۔ بھلا دیکھو تو! پانی جو تم پیتے ہو۔ کیا تم نے اتارا اُس کو بادل سے۔ یا ہم ہیں اتارنے والے۔ اگر ہم چاہیں اُس کو کر دیں کھارا، پھر کیوں نہیں حق مانتے؟

فَلْيَنظُرِ ٱلْإِنسَٰنُ إِلَىٰ طَعَامِهِۦٓ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا ٱلْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا ٱلْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنۢبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ (عبس : ۲۱ ، ۲۸)

اب نگاہ کرے آدمی اپنے کھانے کو کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے۔ پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر پھر اگایا اس میں اناج اور انگور اور ترکاری۔

وَءَايَةٌ لَّهُمُ ٱلْأَرْضُ ٱلْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَٰهَا وَأَخْرَجْنَا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝

(یٰسٓ : ۳۳، ۳۵)

اور ایک نشانی ہے ان کو زمین مردہ۔ اس کو ہم نے جلایا اور نکالا اس میں سے اناج، سو اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور بنائے ہم نے اس میں باغ کھجور کے اور انگور کے اور بنائے اس میں بعضے چشمے کہ کھاویں اس کے میووں سے اور وہ بنایا نہیں ان کے ہاتھوں نے۔ پھر کیوں شکر نہیں کرتے۔

بندے اپنے رب کا کیوں شکر ادا نہیں کرتے حالانکہ جو پھل اور جو رزق وہ کھا رہے ہیں وہ مردہ زمین سے اللہ نے پیدا کیا ہے اور ارضی پیداوار ہی نہیں بلکہ ہر پیداوار اللہ کے حکم سے ہوتی ہے اور ہر شئے میں جو مادہ استعمال ہوتا ہے وہ اللہ ہی کی تخلیق ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے فرمایا کہ لوہے جیسی سخت شئے جو بے حد مفید ہے ہم نے نازل کی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے اتارا لوہا، اس میں سخت لڑائی ہے۔ اور لوگوں کے کام چلتے ہیں۔

اَنْزَلْنَا کا لفظ بتلا رہا ہے کہ لوہے کا زمین پر اتارا جانا حکمتِ رب اور تدبیر الٰہی ہے جس میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ ہر جلنے والا مادہ اور حرکت دینے والی قوت اللہ کی پیدا کردہ ہے خواہ کوئلہ ہو، پٹرول ہو یا بجلی ہو، انسان کا کام صرف یہ ہے کہ اس نے یہ دریافت کر لیا ہے کہ یہ ایک قوت ہے جو اس کے لیے مفید ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ راہنمائی بھی اللہ ہی نے فرمائی ہے کہ اے انسان، تیرے لیے زمین کے پرتوں میں فلاں شئے مخفی ہے تو اسے اس طرح دریافت کر اور اس طرح اپنے کام میں لا۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَنتُمْ شَاكِرُونَ (الانبیاء : ۸۰)

اور اس کو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمھارا پہناوا، کہ بچاؤ ہو تم کو تمھاری لڑائی سے سو کچھ تم شکر کرتے ہو۔

مختصر یہ کہ مال سارا کا سارا اللہ ہی کا ہے اور انسان جس قدر عمل اور جد و جہد کرتا ہے وہ اسی وقت بار آور ہوتی ہے جب اس میں اللہ کی مشیت اور اس کی امداد شامل ہوتی ہے۔

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ (النحل : ۵۳)

اور جو تمھارے پاس ہے کوئی نعمت، سو اللہ کی طرف سے۔

جب ہر شئے اللہ کی ملک ہے اور اس ملکیت میں انسان اللہ کا نائب ہے تو اسے اللہ کے بندوں پر اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے پر اس مال کا کچھ حصہ خرچ کرنا چاہیے تاکہ واہب نعمت کا شکر ادا ہو۔ اسی لیے فرمایا

أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم (البقرہ : ۲۵۴)

خرچ کرو کچھ ہمارا دیا۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (البقرہ : ۳)

اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ (النور : ۳۳)

دو ان کو اللہ کے مال سے جو تم کو دیا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ (آل عمران : ۱۸۰)

اور نہ سمجھیں جو لوگ بخل کرتے ہیں ایک چیز پر کہ اللہ نے اُن کو دی ہے اپنے فضل سے، کہ یہ بہتر ہے اُن کے حق میں، بلکہ یہ بُرا ہے ان کے واسطے آگے طوق پڑے گا جس پر بخل کیا تھا، دن قیامت کے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ (الحدید : ۷)

اور خرچ کرو جو کچھ تمھارے ہاتھ میں دیا اپنا نائب کر کر۔

مالکِ حقیقی ہر مال کا اللہ ہے اور انسان کو اللہ نے بطور نیابت اس میں تصرف کا اختیار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تصرف اجازت دینے والے کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے، جیسے کوئی شخص کسی کو اپنا نائب اور وکیل بنا دے تو وکیل اور نائب اپنے مؤکل کی مرضی کے مطابق اس کے مال میں تصرف کرے گا اور اس کی اجازت سے کرے گا اور اپنی مرضی سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

الامام الرازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

"فقراء عیال خدا ہیں اور اغنیاء اللہ کی جانب سے مال کے رکھوالے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ مالک کا حکم ہے کہ اس کے خزانے کے رکھوالے اس مال کو محتاجوں میں تقسیم کریں۔"[1]

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ

"اللہ سبحانہٗ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے اپنی نعمت کے طور پر اپنے بندوں کو مال عطا فرمایا اور اس کے شکر کا یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ صاحبِ مال، مال میں سے کچھ حصہ اللہ سبحانہٗ کی نیابت کے طور پر ان لوگوں کو دے جن کے پاس مال نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے تمام انسانوں سے رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔"[2]

اگر غنی بخل اختیار کرے اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کے بندوں کو نہ دے تو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوگا چنانچہ حدیث قدسی ہے کہ

"مال میرا مال ہے، فقراء میری عیال ہیں، اغنیاء میرے وکلاء ہیں، اگر میرے وکلاء میرے عیال کو دینے میں بخل کریں گے تو میں انھیں وبال

---

[1] التفسیر الکبیر، ج ۱۶، ص ۱۰۳۔

[2] احکام القرآن، ص ۹۴۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مزا چکھاؤں گا۔"[1]

اگرچہ حدیث کی سند مستند نہیں ہے لیکن معناً حدیث صحیح ہے اور کتاب و سنت کی روح کے مطابق ہے۔

مال کے اللہ کی ملکیت ہونے کا تصور مسلمانوں میں خوب اچھی طرح راسخ رہا ہے اور اس تصور کو تواتر کا درجہ حاصل ہے یہاں تک مانگنے والے فقراء بھی "اللہ کا مال" کہہ کر مانگتے ہیں۔

ایک اور حدیث ہے۔

"روز قیامت اغنیاء پر فقراء کی جانب سے بربادی ہوگی کہ وہ کہیں گے کہ اے خدا انھوں نے ہمیں ان حقوق سے محروم رکھا ہے جو تو نے ان پر فرض کیے تھے، اللہ سبحانہ فرمائے گا کہ میری عزت و جلال کی قسم میں تمہیں اپنے سے قریب کرتا ہوں اور انھیں دور کرتا ہوں۔"[2]

افراد اور معاشرے کے درمیان کفالت باہمی

قدیم فلاسفہ اجتماع کہتے ہیں کہ انسان مدنی الطبع ہے اور جدید ماہرین اجتماعیات نے کہا ہے کہ انسان حیوان اجتماع ہے یعنی انسان بغیر اجتماع کے حقیقی زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ ہر فرد معاشرے کا مقروض ہوتا ہے یہاں تک کہ انسان پیدائش کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا جب تک اسے معاشرہ کی اعانت اور تعاون حاصل نہ ہو، معاشرے سے انسان کو بے حساب فوائد، فضائل اور معارف حاصل ہوتے ہیں، انسان گفتگو معاشرے سے سیکھتا ہے، عادات، رسم و رواج سماج سے حاصل کرتا ہے اور تہذیب و ثقافت، تمدن و حضارت اور قواعد مذہب اور اصول ہائے معاملات معاشرے سے سیکھتا ہے۔

---

[1] یہ حدیث مجھے نہیں ملی اور نہ اس پر کوئی نقد ملا۔

[2] الطبرانی، بروایت حضرت انس بسند ضعیف (جمع الفوائد، ج ۱، ص ۱۴۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر معاشرہ نہ ہوتا تو فرد گونگا بہرہ جانور ہوتا اور اسے دنیا کے امور کی کوئی واقفیت نہ ہوتی، وہ اس بچّہ کی طرح ہوتا جسے اچھے بُرے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ یہ معاشرہ ہے جو ہر فرد کے وجود کو سنوارتا اور اسے زندگی کی کیفیات سے ہم آہنگ کرتا ہے، اور اسے عقائد و روایات اور لغت و ثقافت کی میراث سے روشناس کراتا ہے[1]

فرد کو جہاں معاشرے سے معنوی فوائد اور تہذیبی منافع حاصل ہوتے ہیں وہاں اسے مادی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں بلکہ فرد جو بھی مکاسب حاصل کرتا ہے اس میں معاشرے کے دیگر افراد اس کے شریک ہوتے ہیں اور پورے معاشرے کے تعاون سے فرد کی معاشی جدوجہد بارآور ہوتی ہے۔

ایک کسان جب اپنے کھیت سے غلّہ حاصل کرتا ہے تو پورے معاشرے کا تعاون حاصل ہوتا ہے، معاشرے نے اس کے کھیت کے لیے نہریں نکالیں، پانی کے راستے بنائے، پانی کی بہم رسانی کا بندوبست کیا، اس کے لیے آلات زراعت ایجاد کیا اور اس کے لیے لباس و غذا اور رہائش فراہم کی اور اسے امن کا وہ ماحول دیا جس میں وہ اپنی توجہات اپنی کشادروزی پر مرکوز کر سکے۔

تاجر کا مال جمع کرنا اور تجارت کرنا سراسر معاشرے پر موقوف ہے اور بغیر اس سماجی تعاون کے وہ تجارت نہیں کر سکتا غرض کسی بھی پیشہ سے منسلک فرد ہو اور کسی بھی ذریعہ سے روزی کمانے والا انسان ہو اس کو سماجی تعاون لامحالہ درکار ہے اور جس قدر مالکِ مال کا مال زیادہ ہوگا، سماجی تعاون میں اسی مقدار سے اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور اسی مقدار سے فرد کی جدوجہد اور اس کی کوششوں کا دائرہ محدود ہوتا جائے گا۔ ایک بہت وسیع و عریض فارم ہو، ایک بڑا کارخانہ ہو اور ایک بہت بڑا ادارہ ہو، اس میں بہت سے افراد شریک ہوتے ہیں اور سیکڑوں اور ہزاروں افراد اس میں اپنی جسمانی محنتیں، اپنی فکری صلاحیتیں اپنی ذہنی قوتیں کھپاتے ہیں۔

---

[1] احمد الخشاب : علم الاجتماع، ص ۳۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سے معلوم ہوا کہ جو مال فرد کو ملتا ہے اور جسے وہ اپنی تجوریوں میں جمع کرتا ہے وہ دراصل جماعت کا مال ہے کہ اجتماعی جد وجہد ہی نے اس مال کو وجود بخشا ہے اسی لیے قرآن کریم نے جماعت مسلمین کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا (النساء : ۵)

اور مت پکڑاؤ دو بے عقلوں کو اپنے مال، جو بنائے اللہ نے تمہاری گزران۔

اس آیت سے فقہا نے سفہا پر اور مُبذرین اور مال کے تلف کرنے والوں پر حجر (پابندی) لگانے کا حکم مستنبط کیا ہے حالانکہ بظاہر مال کے مالک وہی ہیں لیکن چونکہ درحقیقت مال جماعت کا ہے اگر مال کا مالک اس مال کو نشوونما دیتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے تو اس کے فوائد معاشرے کو پہنچیں گے اور اگر مال تلف کرتا ہے اور ضائع کرتا ہے تو اس کے نقصانات بھی معاشرے کو پہنچیں گے، چنانچہ آیت میں "ان کے مال" نہیں بلکہ "تمہارے مال" کہا، اور اسی طرح لھم قیاما نہیں، بلکہ لکم قیاما کہا ہے کہ مال سے قیام فرد مالک کا نہیں بلکہ پوری جماعت کا قیام ہے۔

اسی طرح فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (النساء : ۲۹)

اے ایمان والو! نہ کھلاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق، مگر یہ کہ سودا ہو آپس کی خوشی سے، اور نہ خون کرو آپس میں، اللہ کو تم پر رحم ہے۔

اس آیت میں مومنون کو ممانعت کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مال کھائیں جس طرح انھیں ممانعت کی گئی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں اور دونوں مقامات پر "اموالکم" اور "انفسکم" کی تعبیر اختیار کی گئی تاکہ معلوم ہو کہ مال سب کا ہے اور اسی طرح

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک کی جان سب کی جانوں کے مساوی ہے۔

یعنی اُمّتِ مسلمہ جان اور مال دونوں میں متکافل اور متضامن ہے اور اس اُمّت کے افراد حقوق و مصالح اور جان و مال میں ایک دوسرے کی کفالت کرتے اور باہمدگر معاون بنتے ہیں، جس نے کسی کا مال کھایا اس نے گویا پورے معاشرے کا مال کھایا اور جس نے کسی نفس پر تعدی کی اس نے گویا پوری جماعت کے نفوس پر تعدی کی۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ

(المائدہ : ۳۲)

جو کوئی مار ڈالے ایک جان، سوائے بدلے جان کے، یا فساد کرنے پر ملک میں، تو گویا مار ڈالا سب لوگوں کو، اور جس نے جلایا ایک جان کو گویا جلایا سب لوگوں کو۔

قرآن کریم کا اعجاز دیکھیے کس قدر مختصر الفاظ میں کتنی بڑی حقیقت آشکارا کر دی ہے اور کتنے بڑے اصول کو مختصر سی تعبیر کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ جس طرح کہ سورۃ نساء میں فرمایا ہے کہ ـــــ تم سب اپنے مال کو باطل طریقوں سے نہ کھاؤ ـــــ کہ ایک فرد کا مال، پورے معاشرے کا مال ہے اور پورا مسلم معاشرہ باہم پیوست اور متضامن مبنی بر اخوت معاشرہ ہے۔

سید رشید رضا فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں مال کی اضافت پورے معاشرے کی جانب کر کے مالکم کہا گیا ہے اور یہ وہ اصول ہے جس کی جانب رسائی حاصل کرنے کی اشتراکیوں نے سعی کی ہے مگر انھیں مبنی بر انصاف راہ نہ مل سکی، اگر وہ اسلام کو اختیار کرتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ اسلام نے فرد کی ملکیت اور اس کے مال کو اپنی تحویل میں رکھنے کے حق کا احترام بھی کیا ہے اور ہر فرد کے مال کو اُمّت کا مال بھی قرار دیا ہے۔ اور اس طرح کہ اسلام نے مال کثیر رکھنے والے افراد پر مصالح عامہ کے حامل بہت سے حقوق عائد کیے ہیں اور مال قلیل رکھنے والوں پر بھی کچھ حقوق عائد کیے ہیں تاکہ اُمّت اور تمام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانیت اضطراری حالات سے نکل سکے اور ان حقوق کے علاوہ اسلام نے ہر مالدار شخص کو بڑا احسان، صدقات اور خیرات پر آمادہ کیا ہے۔[1]

بہرحال فرد کے مال میں اجتماعی حق لازم ہے مگر اس حق سے اس کی ملکیت ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کا کچھ حصہ مصالح عامہ کے لیے لیا جاتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو مقررہ حقوق سے بھی زیادہ لے لیا جاتا ہے۔ معاشرے کی نائب ریاست یہ حق لے کر معاشرے کے مستحق افراد پر صرف کرتی ہے معاشرے کی حفاظت کرتی ہے اور اس سے بغی اور عدوان کو دور کرتی ہے۔

اگر کسی مسلم معاشرے میں مستحق افراد ـــــ فقراء ـــــ نہ ہوں تب بھی مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں تاکہ ان کی یہ زکوٰۃ ذخیرہ ہوتی جائے اور فی سبیل اللہ کی مد میں صرف ہوتی رہے۔ کیونکہ جب تک مسلمان موجود ہیں یہ مصرف لامحالہ باقی رہے گا۔

اخوت باہم اخوت کے معنی بڑے گہرے اور وسیع ہیں اور کفالت باہم کے مفہوم سے زیادہ وسعت رکھتے ہیں کہ اخوت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ منفعتوں کا تبادلہ ہو اور کچھ لے کر کچھ دیا جائے بلکہ جذبۂ اخوت خالص انسانی اور روحانی جذبہ ہے جو انسان کے اندر سے ابھرتا ہے اور انسان اپنے بھائی کے لیے وہ پسند کرتا ہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے بلکہ اپنے بھائی کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے۔

اسلام میں اخوت کی دو بنیادیں ہیں ـــــ ایک اشتراکِ انسانیت اور دوسری اشتراکِ عقیدہ۔

انسانوں کی زبانوں کے اختلاف کے باوجود ان کے رنگ و نسل کے باوجود تمام انسان ایک ہیں اور ایک باپ کی اولاد ہیں، اسی لیے قرآن نے کہا یا بنی آدم[2] اور اسی

---

[1] تفسیر المنار، ج ۵، ص ۳۹۔

[2] قرآن کریم میں یہ الفاظ پانچ مرتبہ آئے ہیں، چار مقامات سورۃ الاعراف میں اور ایک مرتبہ سورۃ یٰسین میں، اسی طرح یا ایہا الناس کے الفاظ بھی متعدد مقامات پر آیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح فرمایا یا ایھا الناس۔ اور ارشاد فرمایا کہ

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ۝ (النساء : ۱)

لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے، جس نے بنایا تم کو ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا اور پھیرے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے، جس کا واسطہ دیتے ہو آپس میں، اور خبردار رہو ناتوں سے، اللہ ہے تم پر مطلع۔

یا ایھا الناس کے بعد الارحام کا لفظ بڑی معنویت کا حامل ہے یعنی یہاں پر یہ یاد دلانا ہے کہ بنی نوع انسان تمام ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور ان سب کے درمیان انسانیت کی عمومی قرابت موجود ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اخوت کی تائید و توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ ——— "سب اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ"

(احمد، ابوداؤد)

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی اخوت کے تصور کو عقیدۂ ایمانی کے طور پر بیان فرمایا کہ

"اے اللہ اے ہر شے کے رب و مالک میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں" (احمد و ابوداؤد)

اس عالمگیر انسانی اخوت کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسانوں کو محروم کر کے خیر و نعمت کو صرف اپنے قبضہ میں نہ کر رکھے بلکہ ہر نعمت الٰہی میں اللہ کے بندوں کو شریک کرے۔

عالمگیر انسانی سے زیادہ مضبوط اور زیادہ گہری تاثیر کی حامل اخوت عقیدۂ اسلامی کی اخوت ہے جو نسب اور خون کے رشتوں سے زیادہ مضبوط تعلق ہے اور اس سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فکر و روح کا تعلق قائم ہوتا ہے اسی لیے فرمایا کہ

"مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں" (الحجرات : ۱۰)

اس اسلامی اخوت اور رشتۂ ایمان کا بھی تقاضا یہی ہے کہ مسلمان باہم اجتماعی معاشی کفالت کریں اور عملی طور پر آپس میں تعاون کریں اور تمام مؤمنین ایک ہی دارالاسلام میں رہیں کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں پورا دارالاسلام ان کا وطن ہے اور اس دارالاسلام کے تمام باشندے ایک معاشرہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اس اخوت کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ

"مؤمن آپس میں بنیاد کی طرح ہیں جس کا ہر پتھر دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہے" (بخاری و مسلم)

"باہمی محبت اور مودت میں مؤمنوں کی مثال جسد واحد کی طرح ہے کہ اگر جسم کے کسی حصے میں کوئی تکلیف ہو تو جسم کے تمام اعضاء درد اور تکلیف محسوس کرتے ہیں" (بخاری و مسلم)

"مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم ہونے دیتا ہے" (بخاری)

"وہ شخص مؤمن نہیں ہے جس کا پیٹ بھرا ہوا ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اسے معلوم ہو کہ وہ بھوکا ہے" (الطبرانی)

مسلم معاشرہ ایک مُبنیان مرصوص ہے، ایک خاندان ہے بلکہ ایک جسم کی طرح ہے جس کے ایک حصہ کی تکلیف سے پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے، اس مسلم معاشرہ میں اگر کوئی فرد قدرت عمل نہ رکھے یا اپنی ضرورت کے بقدر نہ کما سکے یا وہ آفات زمانہ کا شکار ہو جائے، یا کسی بھی طرح محتاج اور ضرورتمند ہو جائے تو پورے معاشرے پر اس کی اعانت اور مدد فرض ہے اور اس کو سہارا دے کر اس قابل بنانا لازم ہے کہ وہ معاشرے میں سر اٹھا کر چلے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر باعزت طریقے پر رہے۔

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ فرضیت زکوٰۃ کی نظری اساس ٹیکس کے تصور سے بہت وسیع بے حد جامع اور زیادہ دائمی ہے۔ اگرچہ باہمی کفالت کے تصور میں زکوٰۃ اور ٹیکس میں قدر مشترک موجود ہے لیکن بعد میں بیان کردہ ہر سہ تصورات میں زکوٰۃ منفرد اور ٹیکس سے ممتاز ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری فصل

ٹیکس کا ظرف اور زکوٰۃ کا ظرف

ماہرین مالیات کے نزدیک ٹیکس کی بلحاظ ظرف درج ذیل چار اقسام ہیں۔

۱) رأس المال پر ٹیکس
۲) آمدنی پر ٹیکس
۳) اشخاص پر ٹیکس
۴) مصارف پر ٹیکس

زکوٰۃ میں مصارف ٹیکس کی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے کہ حقیقت زکوٰۃ تو یہ ہے کہ اغنیا سے لے کر فقرا پر تقسیم کی جاتی ہے اور دین وملت کے مصالح پر صرف کی جاتی ہے کیونکہ خرچ کرنے والا جس طرح غنی ہو سکتا ہے اسی طرح فقیر بھی ہو سکتا ہے۔ نظام ٹیکس میں مصارف و اخراجات پر ٹیکس اس لیے لگایا جاتا ہے تاکہ زیادہ آمدنی حاصل ہو جبکہ اسلام کی نظر میں یہ بات اہمیت کی حامل نہیں ہے البتہ اسلام میں باقی تین طرح کے ٹیکس موجود ہیں، یعنی رأس المال پر ٹیکس، آمدنی پر ٹیکس اور اشخاص پر ٹیکس۔

ہم اس فصل میں زکوٰۃ کے یہ سہ پہلو بیان کرتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی بحث

رأس المال پر ٹیکس

اموالِ زکوٰۃ اور ان کی مقادیر کا بغور مطالعہ کرنے سے واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ شریعت نے ایک ٹیکس کا نظام نہیں اختیار کیا ہے بلکہ زکوٰۃ میں متعدد ٹیکس کا نظام اختیار کیا ہے۔

چنانچہ زکوٰۃ رأس المال پر بھی عائد ہوتی ہے، مویشی پر بھی عائد ہوتی ہے، سونے اور چاندی پر بھی ہوتی ہے اور تجارتی سامان پر بھی عائد ہوتی ہے، اور آمدنی پر بھی عائد ہوتی ہے اور اس کے بہت سے فروع پر بھی عائد ہوتی ہے یعنی زرعی پیداوار پر، معدنی پیداوار پر، ان عمارات پر جو کرایہ پر دی گئی ہوں، کارخانوں اور آلات کی آمدنی پر، ہر آمدنی دینے والے مال پر، عمل اور کسب کی آمدنی پر، تنخواہوں اور اُجرتوں پر، اور آزاد پیشوں سے حاصل ہونے والی آمدنی پر، جیسا کہ ہم اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔

رأس المال پر ٹیکس کی تمام خوبیاں زکوٰۃ میں موجود ہیں شریعت اسلامیہ نے مویشی، تجارت اور نقود کے رأس المال پر زکوٰۃ عائد کی ہے اور اب اشتراکی نقطۂ نظر یہی ہے کہ ٹیکس صرف رأس المال پر عائد ہونا چاہیے اور اسی پر مالی نظام استوار ہونا چاہیے[1]

---

[1] الدکتور رشید الدقر، علم المالیۃ، ص ۳۵۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رأس المال پر ٹیکس کے محاسن

رأس المال پر ٹیکس کے مؤیدین اس کے حق میں یہ دلائل دیتے ہیں۔

۱) رأس المال کی ملکیت سے اصحاب مال کو متعدد اجتماعی اور اقتصادی فوائد حاصل ہوتے ہیں اور صاحب مال کو کسب کے مواقع میسر آجاتے ہیں، دولت کی موجودگی سے اطمینان حاصل ہوجاتا ہے اور مسلسل آمدنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۲) رأس المال پر ٹیکس تمام افراد کی دولتوں کو شامل ہوتا ہے یہاں تک ان دولتوں کو بھی شامل ہوجاتا ہے جو بطور آمدنی نہیں دی جاتیں اور اس بنا پر آمدنی پر ٹیکس کے ذیل میں بھی نہیں آتیں۔ جیسے قیمتی تحائف، زیورات اور جواہرات اور نقد اموال۔

۳) اس ٹیکس کے ذریعے معطل پڑے ہوئے مال پر بھی ٹیکس عائد ہوجاتا ہے اور اس کو فائدہ بخش کاموں میں لگانے کی تحریک پیدا ہوتی ہے تاکہ بار بار کے ٹیکس سے وہ مال ختم نہ ہوجائے جبکہ آمدن پر ٹیکس عام زیر گردش مال ہی پر عائد ہوتا ہے اور بڑے بڑے رأس المال (CAPITAL) اس سے بچ جاتے ہیں۔

۴) رأس المال پر ٹیکس سے ارباب مال اس امر پر آمادہ ہوتے ہیں کہ سرمایہ کو پیداواری امور میں لگائیں، خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ۔

۵) اس ٹیکس سے آمدنی پر ٹیکس کی مقداروں اور اس کی بڑھتی ہوئی شرحوں میں تخفیف کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اور حکومتیں زیادہ آمدنی کے پیش نظر آمدنی ٹیکس کی شرح میں چھوٹ دے دیتی ہیں۔

۶) رأس المال پر ٹیکس کی زد ان غیر مالک (NOT HAVES) طبقوں پر نہیں پڑتی جو صرف اپنے عمل سے روزی حاصل کرتے ہیں اور اسی بنا پر اس ٹیکس کو اشتراکی نقطۂ نظر سے ایک اصلاحی ٹیکس تصور کیا جاتا ہے۔[1]

---

[1] الدکتور رشید الدقر: علم المالیۃ، ص ۳۴۷، الدکتور سعد ماہر حمزہ: ہوامش الدولۃ، ص ۱۶۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر رأس المال پر ٹیکس کے مؤیدین بالخصوص اشتراکی میلان رکھنے والے حضرات اس ٹیکس کے حق میں ہیں۔

رأس المال پر ٹیکس کے مخالفین رأس المال پر ٹیکس کے مخالفین ان دلائل کو غلط بتاتے ہیں اور سرمایہ دارانہ اقتصادیات کی حمایت کرتے ہیں۔

۱) رأس المال (سرمایہ) پر ٹیکس عائد کرنے سے بہت سی صورتوں میں بچت کی دلچسپی کم ہو جاتی ہے اور سرمایہ کو پیداواری کاموں میں لگانے کی دلچسپی بھی کم ہو جاتی ہے بالخصوص جائیداد اور کارخانوں جیسی غیر منقولہ اشیاء پر ٹیکس عائد کرنے سے بچت کرنے والوں کی ہمتیں پست ہوتی ہیں اور لوگ اپنی آمدنی کو اثاثوں میں تبدیل کرنے کے بجائے انھیں خرچ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

۲) قابل ٹیکس رأس المال کی تحدید ہی دشوار ہے اس لیے کہ رأس المال اور اس کی طبیعت کے بارے میں نظریات مختلف ہیں اور پوری دقت کے ساتھ شخصی ملکیتوں کی تقدیر بہت دشوار ہے۔ اس سلسلے میں ٹیکس دہندگان کے بیانات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے بیانات درست نہیں ہوتے اور یہ کہ وہ نقود کو چھپا بھی سکتے ہیں۔

۳) رأس المال پر سالانہ ٹیکس لگنے سے آمدنی کا یہ اہم ذریعہ ختم ہو سکتا ہے کہ رأس المال آمدنی کی طرح نو بہ نو افزائش نہیں پاتا بلکہ اس میں سے جس قدر سرمایہ لے لیا جائے گا وہ اس میں سے ختم ہو جائے گا۔ اس طرح کے مسلسل ٹیکس سے انفرادی دلچسپی کم ہو جائے گی اور پھر بالآخر ٹیکس کی آمدن بھی گھٹ جائے گی[1]

رأس المال پر ٹیکس کے لزوم کی مراعات اسی وجہ سے بعض ماہرین کی رائے ہے کہ رأس المال پر ٹیکس کی صورت

---

[1] موارد الدولۃ، ص ۱۶۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں درج ذیل امور ملحوظ رکھے جائیں۔

۱) ٹیکس کی شرح ایسی نہ ہو کہ اصل سرمایہ کا ایک بڑا حصہ اس میں نکل جائے بلکہ ایسی مناسب شرح ہو جو اس کی آمدنی سے پوری ہو سکے اور اصل سرمایہ پر ٹیکس نہ پڑے۔

۲) صرف رأس المال پر ہی ٹیکس نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ دیگر ٹیکس بھی ہوں بالخصوص آمدنی پر ٹیکس [1]

۳) ایک مخصوص حد تک سرمایہ اور ایک مخصوص حد تک آمدنی ٹیکس سے مستثنیٰ ہو۔

۴) قرض اور رہن وغیرہ مستثنیٰ کر کے ٹیکس عائد کیا جائے [2]

زکوٰۃ میں امور مذکورہ کی رعایت اسلام میں زکوٰۃ رأس المال پر عائد ہوتی ہے اور اس میں وہ تمام محاسن موجود ہیں جو اوپر بیان کیے گئے ہیں اور ان تمام نقائص سے محفوظ ہے جن پر تنقید کی گئی ہے۔ چنانچہ

۱) ہر رأس المال پر زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ مال نامی (GROWING WEALTH) پر زکوٰۃ ہے اور نما کی شرط کا مقصود یہی ہے کہ زکوٰۃ فضل اور اضافہ پر لی جائے اور اصل سرمایہ باقی رہے کیونکہ خود زکوٰۃ کے معنی نما (افزائش) کے ہیں [3] اسی لیے ہم نے ان فقہا کی رائے کو ترجیح دی ہے جن کے نزدیک مباح اور مستعمل زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ ان میں نما نہیں ہوتا، بخلاف اس صورت کے جبکہ یہ زیورات کنز ہوں اور عام حالات سے زیادہ مقدار میں ہوں اور اسی طرح میں جبکہ زیورات مرد استعمال کریں یا سونے کے برتن وغیرہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے، کیونکہ اس طرح بلا ضرورت دولت غیر مفید طور پر معطل ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہا اس امر پر متفق ہیں کہ رہائشی گھروں، استعمال کے کپڑوں،

---

[1] علم المالیہ، ص ۳۵۵۔

[2] موارد الدولۃ، ص ۱۷۶۔

[3] فتح الباری، ج ۳، ص ۱۶۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گھریلو سامان، سواری کے جانوروں، ہتھیاروں، آلاتِ حرفت، اور کتابوں پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ یہ اشیاء نامی نہیں ہیں اور مالک کے زیرِ استعمال ہیں[1]

جبکہ نظامِ ٹیکس میں رہائشی گھر بھی ٹیکس سے مستثنیٰ نہیں ہے اور سوئٹزرلینڈ کی بعض ولایات میں مختلف آمدنیوں کے علاوہ تمام منقولہ اشیاء اور قابلِ تقسیم اشیاء پر ٹیکس عائد ہوتا ہے[2]

۲) شریعت اسلامیہ نے غیر منقول رأس المال جیسے کارخانے وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں کی ہے بلکہ زیرِ گردش رأس المال پر زکوٰۃ عائد کی ہے یا اصل سرمایہ کی آمدنی پر زکوٰۃ عائد کی ہے جیسا کہ زرعی زمین پر زکوٰۃ ہے اور اسی طرح ان عمارات وغیرہ پر زکوٰۃ ہے جو کرایہ پر دی گئی ہوں۔ اس طرح زکوٰۃ بچت کرنے والوں کی ہمتیں پست نہیں کرتی اور انھیں اپنی آمدنی کے خرچ پر آمادہ نہیں کرتی۔ جیسا کہ بعض ٹیکسوں کے نتیجے میں یہ صورت پیدا ہوتی ہے۔

۳) شریعت نے ہر کم وبیش رأس المال پر زکوٰۃ عائد نہیں کی ہے بلکہ ایک نصاب متعین کیا ہے جو کہ غنا کی کم سے کم مقدار ہے جو کہ نقود اور تجارتی اموال میں ۸۵ گرام سونا ہے، اس مقدار پر سال گزرنے کے بعد جبکہ مالک کی ضروریات سے زائد ہو زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔

۴) زکوٰۃ کی مقدار اتنی زائد نہیں ہے کہ اس سے اصل سرمایہ کا ایک حصہ ہی جاتا رہے بلکہ نقود اور تجارتی سامان میں ۲.۵ (ڈھائی فیصد) کی ایک مدت ہی معتاد شرح مقرر کی ہے اسی طرح مویشی میں انتہائی مناسب مقدار مقرر کی ہے اور یہ زکوٰۃ بھی دراصل رأس المال پر نہیں بلکہ اس کی آمدنی پر ہی ہے۔

ابن قدامہ، المغنی میں فرماتے ہیں کہ

---

[1] فتح القدیر شرح العنایہ علی الہدایہ، ج ۱، ص ۴۸۶، ۴۸۹۔

[2] علم المالیۃ، ص ۳۵۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ میں جن اشیاء میں سال کے گزرنے کی شرط ہے وہ وہ ہیں جن میں نماء موجود ہے تاکہ زکوٰۃ حاصل شدہ منافع سے اور نماء سے لی جائے اور بار بار وجوب زکوٰۃ سے مال ختم نہ ہو جائے۔[1]

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

سال کی مدت اس لیے ضروری ہے تاکہ افزائش متحقق ہو جائے کہ سال بھر میں مختلف فصلیں بھی تیار ہو جاتی ہیں اور تجارت میں بازار کا اتار چڑھاؤ بھی ہو جاتا ہے۔

ابن الہمام فتح القدیر میں سال گزرنے کی شرط کی حکمت میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا اصلی مقصود مواسات فقراء ہے کہ اپنے فضل مال میں اسے دے دے۔ زکوٰۃ کا وجوب اس مال میں جس میں نماء نہ ہو فضل مال کے برخلاف ہو بالخصوص جبکہ اس کو خرچ کرنے کی ضرورت بھی ہو، بہرحال نامی مال میں سال گزرنے کی شرط کا مقصود یہ ہے کہ فی الواقع نماء متحقق ہو جائے۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت زکوٰۃ رأس المال پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اس کے نماء پر ہوتی ہے لیکن چونکہ اس افزائش کا تعین دشوار ہے اس لیے اساس یہ ہے کہ جس مال میں افزائش کا گمان ہو اس پر زکوٰۃ ہے[3] کیونکہ احکام شرعی کی اساس اسباب وعلل ہوتے ہیں حکم نہیں ہوتے۔[4]

---

[1] المغنی، ج ۲، ص ۲۷۵، ۱۶۲۔

[2] فتح القدیر، ج ۱، ص ۴۸۲۔

[3] المغنی، ج ۲، ۶۲۵ ص۔

[4] اس کی مثال یہ ہے کہ مسافر کو رمضان کے روزوں کی رخصت اور نماز کے قصر کا حکم ہے جس کی علت مشقت ہے خواہ فی الواقع مشقت ہو یا نہ ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری بحث

آمدنی پر زکوٰۃ

دورِ جدید میں آمدنی ٹیکس کا ایک اہم محل ہے۔ قدیم ادوار میں جائیداد آمدنی کا اہم ذریعہ رہی ہے تو آج کل محنت وعمل سے یا سرمایہ سے یا دونوں کے اشتراک سے حصولِ آمدن کے بہت سے ذرائع پیدا ہو چکے ہیں صنعتی ارتقاء کے ساتھ ملکی اور غیر ملکی تبادلِ اشیاء کی رفتار بڑھ گئی اور محنت اور سرمایہ سے وجود میں آنے والی اشیاء عام ہوگئیں اور اس سے تجارتی اور صنعتی منافع بڑھ گئے، منقولہ مالیتیں، سرٹیفکیٹ اور حصص کی صورت میں ظاہر ہوئیں اور اس کے ساتھ ہی کارخانوں اور بڑی بڑی تنصیبات میں ملازموں اور مزدوروں کو تنخواہ کی صورت میں اور مزدوری کی صورت میں آمدنیاں ہونے لگیں۔

ایک جدید ریاست کے وسیع اختیارات کے پیشِ نظر اور بیان کردہ آمدنیوں کے مدِ نظر آمدنیوں پر براہِ راست ٹیکس عائد کیے گئے اور اس طرح چنگی اور صرف پر بالواسطہ ٹیکسوں کی اہمیت کم ہوگئی اور ماہرین مالیات نے یہ رائے اختیار کی کہ حالاتِ جدیدہ کے تناظر میں کہ عام خدمات کا بوجھ اُٹھانے میں بغیر جائیداد کے آمدنی حاصل کرنے والے افراد کی، جائیداد کے ذریعے آمدن حاصل کرنے والے افراد کے ساتھ شرکت ضروری ہوگئی ہے آمدنی پر ٹیکس عائد کرنا زیادہ قرینِ انصاف ہے [1]

آمدن کا مفہوم آمدن کا مفہوم یہ ہے کہ باقی رہنے کے قابل متعین ذریعہ سے حاصل ہونے والی ثروت؛

---

[1] سعد ماہر: موارد الدولۃ، ص ۱۱۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱) یعنی آمدن کا ایک ذریعہ ہونا ضروری ہے خواہ وہ ذریعہ آمدن INCOME جائیداد ہو یا منقولہ شئے ہو یا زر نقد ہو، یا معنوی ہو جیسے عمل و محنت (جس کی زرِ نقد سے قیمت متعین کی جا سکے) یا ذریعہ آمدن مادی و معنوی دونوں کا مجموعہ ہو، گویا ذریعۂ آمدن یا تو رأس المال ہوگا یا عمل ہوگا یا دونوں کا مجموعہ ہوگا، چونکہ رأس المال کی دو صورتیں ہیں ایک جائیداد کی اور ایک منقولہ اشیاء کی تو ان سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی منقولہ دولت سے حاصل ہونے والی اور غیر منقولہ دولت سے حاصل ہونے والی ہوگی۔ بلا اشتراکِ غیر ذہنی کاوش سے یا ہاتھ سے عمل کر کے حاصل ہونے والی آمدن پیشہ ورانہ آمدن ہے جبکہ عقد اجارہ کے ساتھ اشتراکِ غیر کی صورت میں حاصل ہونے والی آمدن اجرت، تنخواہ اور معاوضہ کی مشکل ہے۔ اور چونکہ تیسرا ذریعہ مال اور عمل دونوں کو جمع کرتا ہے اس لیے اس سے حاصل شدہ آمدن منافع کی صورت ہے۔[1]

غرض ذریعۂ آمدن کی اس تفریق کی بنا پر آمدن فائدہ، منافع اور اجرت کہلاتی ہے۔

۲) ان تمام مصادر اور ذریعہ ہائے آمدن میں اصل شئے بقاء اور ثبات ہے جو ایک تناسبی امر ہے کہ ان ذریعوں کے احتمال بقاء میں فرق ہے اور رأس المال بہ نسبت عمل کے زیادہ باقی رہنے والا ہے[2] اور تناسب بقاء کے لحاظ سے ٹیکس بھی مختلف ہوتا ہے کہ اگر ذریعۂ آمدن صرف عمل ہو تو یہ شرح کم ہو جاتی ہے اور دونوں کے امتزاج کی صورت میں یہ شرح درمیانی رہتی ہے۔ بلکہ سرمایہ کی نوعیت کے لحاظ سے بھی شرح ٹیکس مختلف ہوتی ہے کہ زرعی زمین کی آمدنی پر ٹیکس زیادہ ہوتا ہے جبکہ عمارتوں کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی پر ٹیکس کم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ بعد عمارتیں قابلِ مرمت ہو جاتی ہیں یا منہدم ہو جاتی ہیں[3]

---

[1] محمد فؤاد ابراہیم: علم المالیۃ العامہ، ج ۱، ص ۳۲۲۔

[2] ایضاً

[3] موارد الدولۃ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریعت اسلامیہ میں آمدنی پر زکوٰۃ

اسلام نے جس طرح مویشی اور تجارتی سرمایہ اور زرِ نقد پر زکوٰۃ عائد کی ہے اسی طرح اسلام نے آمدن پر بھی زکوٰۃ عائد کی ہے جس کی واضح مثال زرعی پیداوار پر عائد ہونے والا عُشر اور نصف عُشر ہے۔ اور اس تفریق کے ذریعے بھی اسلام نے ہمیں ٹیکس کا ایک زریں اصول عطا کر دیا ہے کہ ٹیکس کی شرح محنت سے متوازن ہونی چاہیے کہ اگر محنت کم ہو تو شرحِ ٹیکس زیادہ ہو اور اگر محنت زیادہ ہو تو شرح ٹیکس کم ہو۔

اسی اصول کے تحت اسلام نے مدفون خزائن سے حاصل ہونے والی دولت پر خُمس (۲۰٪) بارانی زمین کی پیداوار پر عُشر (۱۰٪) اس زمین کی پیداوار پر جسے بذریعہ آلات سیراب کیا ہو (جس کی سیرابی میں کسی بھی طرح کی انسانی کاوش کا دخل ہو یعنی غیر بارانی) پر نصف عُشر (۵٪) اور محنت و عمل سے حاصل ہونے والی آمدن پر ۲٫۵٪ (رُبع عُشر) زکوٰۃ عائد کی ہے۔

اسی بنا پر بعض فقہاء نے کہا ہے کہ محنت و مشقت کے لحاظ سے کانوں سے نکلنے والی اشیاء پر خُمس سے لے کر رُبع عُشر تک زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔[1]

اسلام میں آمدن پر زکوٰۃ کی ایک اور صورت شہد پر عُشر کا ہونا ہے اور ہم نے اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ تمام حیوانی پیداواروں پر عُشر ہے۔ اسی طرح معدنی ثروت کی پیداوار سے حاصل ہونے والی آمدن پر بھی زکوٰۃ ہے چنانچہ لولو، عنبر اور مچھلی سے حاصل ہونے والی آمدن پر زکوٰۃ ہے۔ اُجرت پر دی جانے والی زمین کی اُجرت پر زکوٰۃ ہے اور مالک اجرت پر زکوٰۃ ادا کرے گا جبکہ زارع حاصل شدہ پیداوار پر زکوٰۃ دے گا۔ عمارتوں اور گاڑیوں کی اُجرت اور کرایوں سے حاصل شدہ آمدنی پر زکوٰۃ ہے اور اسی طرح آزاد پیشوں اور کسب و عمل سے حاصل ہونے والی آمدنیوں اور اجرتوں، تنخواہوں، معاوضوں اور مختلف پیشوں سے حاصل ہونے والی آمدنیوں پر زکوٰۃ ہے۔

---

[1] کتاب ہذا، تیسرا باب، ساتویں فصل۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسری بحث

اشخاص پر عائد ہونے والی زکوٰۃ

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ماہرین مالیات نے بلحاظ محل ٹیکس کی تین قسمیں کی ہیں۔

سرمایہ پر عائد ہونے والے ٹیکس
آمدنی پر عائد ہونے والے ٹیکس
اشخاص پر عائد ہونے والے ٹیکس

پہلے دو ٹیکسوں کے بارے میں ہم گفتگو کر چکے ہیں، اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کی کون سی قسم تیسری صورت کے ضمن میں آتی ہے۔

اشخاص پر ٹیکس بلا امتیاز ٹیکس دہندہ کی مالی حالت کے ہر فرد پر عائد ہوتا ہے اور اس میں مرد و عورت اور بچے سب شامل ہوتے ہیں اور بسا اوقات کچھ شرائط ہوتی ہیں جو جن افراد میں موجود ہوں ان پر ٹیکس عائد ہوتا ہے، جیسے سیاسی اہلیت کی شرط یا اقلیت کا فرد ہونا وغیرہ۔

اس ٹیکس کے محاسن و معائب

اس ٹیکس کی خوبی یہ ہے کہ مالیاتی ادارے کو اس تشخیص کی ضرورت نہیں رہتی کہ اس ٹیکس کے دہندگان کتنے ہیں کہ سب ہی اس ٹیکس کے دہندگان قرار پاتے ہیں اور محصول میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں، البتہ اس ٹیکس کے خلاف یہ بات جاتی ہے کہ یہ "اصول مقدرت" کے خلاف ہے اور اس میں دہندہ کی اہلیت ادائیگی ملحوظ نہیں ہے۔ مگر اس خامی کے باوجود بعض جدید ریاستوں میں بھی کچھ خاص مقاصد کے حصول کے لیے یہ ٹیکس عائد کیا جاتا ہے مثلاً یہ مقصود ہوتا ہے کہ قوم میں ایک اجتماعی شعور بیدار ہو اور انھیں یہ احساس دلایا جائے کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشرے کی ذمے داریوں میں سب برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ بعض امریکی ریاستوں میں یہ ٹیکس عائد ہے اور اس کی آمدنی تعلیم اور سڑکوں وغیرہ پر صرف کی جاتی ہے اور فرانس میں بھی یہ ٹیکس موجود ہے اور جو شہری اس سے بچنا چاہے اُسے تین دن راستوں کی مرمت کی خدمت انجام دینی پڑتی ہے[1]

زکوٰۃ الفطر اشخاص پر ٹیکس کی صورت اسلام نے سال میں ایک مرتبہ روزوں کے اختتام اور یوم عید کے موقع پر ہر شخص پر زکوٰۃ الفطر عائد کی ہے اور اس میں یہ خوبیاں رکھی ہیں کہ اس کی فرضیت اور اس کا حصول سہل ہے اور وہ تمام افراد کو عام ہے اور اس کے باوجود شخصی ٹیکس کی تمام خامیوں سے مبرا ہے کہ یہ بہت معمولی ہے اور ہر شخص بآسانی دے سکتا ہے اور ایک عظیم عبادت سے ملحق ہونے کی بنا پر اس روحانی اور اخلاقی فوائد موجود ہیں مزید برآں یہ کہ جو اس کی ادائیگی کی مقدرت نہ رکھے وہ مستثنیٰ ہے۔

ہر شخص پر سالانہ اس زکوٰۃ کی فرضیت کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان شخص تنگی و فراخی ہر حال میں خرچ کرنے کی عادت رہے، ضرورتمندوں کی ضرورت کا احساس رہے اور بالخصوص ایام مسرت میں نادار مسلمان بھائیوں کو فراموش نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شخص جو خود زکوٰۃ لینے کا مستحق ہو اس کے بھی فطرہ دینے پر ممانعت نہیں ہے کہ حدیث نبوی ہے کہ

"غنی کو اللہ پاک کر دے گا اور فقیر کو اللہ اس سے زیادہ دے گا جتنا اس نے دیا ہے"

یہی وجہ ہے کہ دور میں مسلمان زکوٰۃ الفطر بڑے اشتیاق سے ادا کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ وہ مسلمان جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تساہل برتتے ہیں فطرہ دینے میں وہ بھی تامل نہیں کرتے۔

---

[1] محمد فواد ابراہیم: مبادی علم المالیۃ العامہ، ج ۱، ص ۳۰۵، ۳۰۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھی فصل

ٹیکس اور زکوٰۃ کے اُصول ہائے زکوٰۃ

چونکہ ٹیکس ایک لازمی فریضہ ہے جسے اگر دہندہ از خود نہ دے تو جبراً وصول کیا جاتا ہے اس لیے دور جدید کے ماہرین مالیات نے بعض ایسے اصول تجویز کیے ہیں جو دہندگان کو ظلم اور ناانصافی سے بچا سکیں اور قوانین ٹیکس انصاف کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ اور ٹیکس نویس اوقات میں اس طرح وصول کیے جائیں تاکہ دہندہ مشقت میں نہ پڑے۔ ان ماہرین کی رائے میں ٹیکس کی شرح اور اس کے تعین میں ان اصولوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وصول کرنے والے ادارے ان اصولوں کو ملحوظ رکھیں۔

مشہور ماہر معاشیات آدم سمتھ نے اس سلسلے میں درج ذیل چار اصول بیان کیے ہیں۔

عدالت، یقین، ملائمت اور اقتصاد[1]

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے زکوٰۃ میں یہ اصول پہلے ہی ملحوظ رکھے ہیں جنھیں ہم آگے بیان کرتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی بحث

عدل وانصاف

عدل وانصاف اولین اصول ہے جس کی رعایت ہر ٹیکس میں ملحوظ رہنی چاہیے چنانچہ آدم سمتھ[1] کہتا ہے کہ

"لازم ہے کہ رعایا حکومت کے اخراجات میں اس طرح شرکت کرے کہ ہر فرد کو اس کی آمدنی کے بقدر ادائیگی لازم ہو"[2]

ظاہر ہے کہ اسلامی شریعت نے ہر معاملہ میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھا ہے اور بالخصوص زکوٰۃ میں بھی انصاف کی پوری رعایت موجود ہے کہ عدل اللہ سبحانہٗ کی صفت ہے اور اسی پر زمین وآسمان قائم ہیں۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (الحدید : ۲۵)

ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔

زکوٰۃ میں عدل وانصاف کے درج ذیل پہلو ہیں۔

۱: وجوب زکوٰۃ میں مساوات ہر نصاب زکوٰۃ کے مالک مسلمان شخص پر خواہ وہ کسی بھی رنگ ونسل اور کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا

---

[1] اٹھارہویں صدی عیسوی کا مشہور ماہر معاشیات (ADAM SMITH)

[2] احمد ثابت عویضہ، مقالہ الاسلام وضع الاسس الحدیثۃ للضریبہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو زکوٰۃ یکساں فرض ہے۔ اور اس فریضہ میں حاکم و محکوم، عوام و خواص، اور مذہبی لوگ اور دنیا دار سب برابر ہیں، جبکہ قدیم دور کے مغرب میں شرفاء اور اہل مذہب ٹیکس سے مستثنیٰ ہوا کرتے تھے۔[1]

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ

"زکوٰۃ مردوں، عورتوں، بچوں، بڑوں، ارباب عقل اور مجنوں سب پر فرض ہے کہ ارشاد ربانی ـــــ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا عام ہے اور اس حکم میں تمام افراد شامل ہیں کہ سب کے لیے تزکیہ ضروری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا کہ۔ انھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لی جاتی ہے اور ان کے غریبوں کو لوٹائی جاتی ہے۔ یہ حکم بھی عام ہے اور ہر مسلمان غنی اس میں شامل ہے۔[2]

۲: نصاب سے کم مقدار کا استثنا

زکوٰۃ میں ایک اصول انصاف یہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ معمولی مال پر زکوٰۃ عائد نہیں کی گئی بلکہ اس مال پر زکوٰۃ عائد کی گئی ہے جو بقدر نصاب ہو، تاکہ زکوٰۃ دہندگان کو سہولت ہو، اسی لیے فرمایا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ (الاعراف : ۱۹۹)

خوب کر معاف کرنا اور کہہ نیک کام۔

اور فرمایا

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط (البقرہ : ۲۱۹)

اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں؟

---

[1] ایضاً۔

[2] المحلی، ج ۵، ص ۱۹۹، ۲۰۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حضرت ابن عباسؓ نے عفو کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد فضل یعنی ہے۔

۳: تکرارِ زکوٰۃ زکوٰۃ کے قانون میں انصاف و عدالت کی سب سے نمایاں صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ ایک ہی سال میں دو مرتبہ عائد نہیں ہوتی کہ فرمانِ نبوت ہے کہ

و زکوٰۃ میں تکرار نہیں ہے۔[1]

اسی حدیث کی بنا پر ابن قدامہ نے فرمایا ہے کہ ایک ہی سال میں ایک ہی سبب سے دو مرتبہ زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی[2] اور یہ وہ صورت ہے جسے جدید نظام مالیات اور ٹیکس میں تکرار ٹیکس کہا گیا ہے۔

مذکورہ فرمان نبوتؐ کی روشنی میں فقہائے اسلام نے ایسے اصول وضع کیے ہیں اور ایسی بالغ نظر توجیہات بیان کی ہیں جن کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

ا) چنانچہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مال کے مالک کے جن مویشی کی زکوٰۃ دے دی ہے ان کو اس زرِ نقد کے ساتھ جمع نہیں کیا جائے جس کی زکوٰۃ نہیں دی گئی ہے کہ اس جمع سے تکرار لازم آئے گی کہ مویشی کی حد تک زکوٰۃ مقرر ہو جائے گی اور ایک ہی سبب سے دو مرتبہ زکوٰۃ ہو جائے گی جو کہ از روئے حدیث ممنوع ہے۔[3]

ب) جس شخص نے زرِ نقد پر زکوٰۃ دے دی، بعد ازاں اونٹ وغیرہ مویشی خریدے اور اس نوع کے مویشی اس کے پاس پہلے بھی موجود تھے تو پہلے سے موجود مویشی کے سال کے اختتام پر زکوٰۃ کی ادائیگی میں ان بعد میں خریدے ہوئے مویشی کی زکوٰۃ نہیں دے گا کیونکہ یہ مویشی اس مال کا بدل ہیں جس کی زکوٰۃ دی جا چکی ہے، اور ایک ہی سال میں اس مال پر دوبارہ زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔[4]

---

[1] روایت ابوعبید (الاموال، ص ۳۷۵، و ابن ابی شیبہ۔

[2] المغنی، ج ۳، ص ۳۴، ۳۵۔

[3] البحر الرائق، ابن نجیم، ج ۲، ص ۲۳۹، ۲۴۰۔

[4] ایضاً۔ المختار، ج ۲، ص ۲۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ج) کسی شخص نے مویشی جانور بتعداد نصاب برائے تجارت خریدے تو امام ابوحنیفہؒ ثوریؒ اور احمدؒ کے نزدیک ان مویشی کی زکوٰۃ تجارت ادا کرے گا اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ مویشی کی زکوٰۃ ادا کرے گا، دلیل اس قول کی یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے اور پہلی رائے کے قائل حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ مساکین کے حق میں زیادہ بہتر ہے کہ تجارتی سامان میں اضافہ کے ساتھ زکوٰۃ میں اضافہ ہوگا[1] بہرحال فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ یا تو بلحاظ تجارت عائد ہوگی یا بسبب سائمہ ہونے کے، ہر دو اعتبار سے زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی کہ اس طرح ایک ہی مال پر ایک ہی سال میں دو مرتبہ زکوٰۃ عائد ہو جائے گی جو کہ از روئے حدیث درست نہیں ہے۔

د) فقہاء نے فرمایا ہے کہ وہ اونٹ گائے جو کھیتوں میں ہل چلانے کے لیے یا پانی دینے کے لیے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے کہ زکوٰۃ پیداوار پر عائد ہوتی ہے اور یہ جانور پیداوار حاصل کرنے کے آلات کے درجے میں ہیں[2] ابوعبید نے اس کی وضاحت اس طرح بھی کی ہے کہ درحقیقت پیداوار پر عائد زکوٰۃ کی ادائیگی سے ان جانوروں کی بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے جبکہ اگر جانوروں پر علیحدہ سے زکوٰۃ عائد کی جائے تو یہ زکوٰۃ مکرر ہو جائے گی[3]

ہ) اسی اصول انصاف کے مدنظر اور اس امر کے پیش نظر کہ ایک ہی مال پر دو مرتبہ زکوٰۃ عائد نہ ہو فقہاء نے احناف نے کہا ہے کہ خراجی زمین پر عشر نہیں لیا جائے گا کہ اس طرح عشر اور خراج جمع ہو جائیں گے۔ جس طرح کہ ایک ہی مال پر مویشی کی زکوٰۃ اور تجارت کی زکوٰۃ جمع نہیں ہوتیں[4]

---

[1] المغنی، بحوالہ مذکور۔

[2] الاموال، ص ۳۸۱۔

[3] ایضاً

[4] بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۵۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و) اصولِ عدل کی تطبیق ہی کے لیے جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ مال کا قرض سے فارغ ہونا شرطِ زکوٰۃ ہے، اس لیے کہ جو مال قرض میں ادا ہونا ہے وہ معدوم کی طرح ہے بلکہ وہ مقروض شخص جس کے پاس ادائے قرض کے بعد مال باقی نہ بچے وہ تو غنی بھی نہیں ہے بلکہ اہلِ احتیاج میں سے ہے اور اس میں اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ برابر ہیں۔ بعض فقہاء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ مقروض کی ملکیت ہی مالِ قرض پر کمزور ہے اور بعض دیگر فقہاء نے کہا ہے کہ قرض خواہ بھی اس مال پر زکوٰۃ ادا کرے گا تو اگر مقروض پر بھی زکوٰۃ عائد ہو تو ایک ہی مال پر دو مرتبہ زکوٰۃ عائد ہو جائے گی جو کہ از روئے حدیث ممنوع ہے [1]

مختصر یہ کہ ایک ہی مال پر سال واحد میں دو مرتبہ زکوٰۃ کھانے کی ہر صورت ممنوع ہے۔

۴: محنت کے لحاظ سے مقدارِ زکوٰۃ میں فرق اسلام کی عدالت یہ ہے کہ اس نے زکوٰۃ کی مقداروں میں انسانی جہد و کاوش کے اعتبار سے فرق ملحوظ رکھا ہے اور اس کی واضح مثال یہ ہے کہ وہ زمین جو بغیر آلات کے سیراب ہو (بارانی زمین) اس پر عُشر ہے اور جو زمین انسانی کاوش سے سیراب ہو اس پر نصف عُشر ہے اسی طرح کنز اور کان وغیرہ سے حاصل ہونے والا مال محنت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے اس لیے اس پر خُمس عائد ہوتا ہے۔

یہ اصول انتہائی مبنی بر انصاف ہے اور ہمارے علم کی حد تک نظام ہائے ٹیکس میں سے کسی نظام نے اس کو ملحوظ نہیں رکھا ہے حالانکہ ماہرین مالیات کو شریعت اسلامیہ کے اس زریں اصول پر غور کرنا چاہیے اور اس حقیقی فرق کو سامنے رکھنا چاہیے کہ نظام ہائے ٹیکس میں صرف آمدنی ٹیکس کے مصدر کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس امر کی کوئی رعایت نہیں رکھی گئی کہ حاصل شدہ آمدن میں کس قدر انسانی محنت صرف ہوئی ہے۔

۵: ٹیکس دہندہ کے شخصی حالات زکوٰۃ میں عدالت و انصاف کی مکمل رعایت

---

[1] المجموع، ج ۵، ص ۳۶۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملحوظ رکھنے کی خاطر زکوٰۃ دہندہ کے ذاتی حالات کی بھی رعایت کی گئی ہے، جبکہ نظام ٹیکس میں عین مال پر عائد ہونے والے ٹیکس مال کو مدِ نظر رکھ کر عائد کیے جاتے ہیں اور ان میں ٹیکس دہندہ کے حالات و ظروف کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا جبکہ شخصی ٹیکس میں یہ امور ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔

۱) حدِ کفایت تک ٹیکس کا استثناء۔

۲) آمدنی کے مصدر کی رعایت۔

۳) اخراجات اور واجبات کو منہا کر کے خالص آمدن پر ٹیکس۔

۴) خاندانی ذمے داریوں کی رعایت۔

۵) فرضیت کی رعایت۔

اسلام نے پہلے ہی زکوٰۃ کی فرضیت میں ان امور کو ملحوظ رکھا ہے بلکہ دیگر ایسے امور بھی اسلام نے ملحوظ رکھے ہیں جن کی جانب ہنوز انسانیت کی رسائی نہیں ہو سکی اور اسلام کی یہ تعلیمات اس وقت منصۂ شہود پر آئیں جب دنیائے معاشیات میں عین مال پر ٹیکس اور شخصی ٹیکس میں کوئی فرق سرے سے موجود نہیں تھا۔

ا) ایک مقررہ نصاب سے کم مقدار مال فرضیت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اسلام میں زکوٰۃ اغنیاء پر فرض ہے تاکہ وہ ان کے فقراء کو لوٹائی جائے اور نصاب اسی غنی کی کم سے کم حد ہے۔

ب) ایک کم سے کم حد مال کی جو فرد کی اور اس سے متعلق افراد کی ضرورتوں کے لیے لازمی ہو، فرضیت زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دی گئی اور فقہاء نے وجوبِ زکوٰۃ کی یہ شرط بیان کی کہ وہ مال جس پر زکوٰۃ عائد ہو رہی ہے زکوٰۃ دہندہ کی حاجات اصلیہ سے زائد ہو خود قرآن نے فرمایا ــــ قل العفو ــــ یعنی زائد از ضرورت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"زکوٰۃ تونگر (غنی) ہی پر عائد ہوتی ہے"

ج) اگر قرض مقروض کے تمام مال کے بقدر ہو، تو اس مقروض کو وجوبِ زکوٰۃ سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور ہم پہلے ہی قرآن و سنت کی روشنی میں اس اصول کی وضاحت کر چکے ہیں [1]

اس مقام پر فقہائے احناف کی رائے ذکر کر دینا مناسب ہوگا، وہ فرماتے ہیں کہ جس شخص پر اتنا قرض ہو جو اس کے تمام مال پر حاوی ہو اور اس کے ذمے مطالبات بھی ہوں، مثلاً زکوٰۃ کی اور قرض کی ادائیگی، کسی شئے کی قیمت تلف ہو جانے والی کسی شئے کا تاوان اور بیوی کا مہر وغیرہ خواہ یہ واجبات فوری ادائیگی کے متقاضی (معجّل) ہوں یا ان کی ادائیگی بعد میں (موجّل) کی جا سکتی ہو، ہر حال میں اس شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ مقروض کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اصل ضرورتوں کے لیے ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے حقیقتاً یا تقدیراً ہلاکت کو دور کر سکے اس لیے کہ اسے مطالبہ جس اور اللہ کے مواخذہ سے بچنے کے لیے قرض کی ادائیگی ضروری ہے کہ قرض اس کے اور جنت کے درمیان حائل ہے اور اس سے بڑی آدمی کی کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی، غرض اس مال کی حیثیت ایسی ہوئی جیسے پینے کی ضرورت کے بقدر پانی کی موجودگی میں تیمم روا ہو جاتا ہے اور پہننے کے کپڑے شرعاً معدوم متصور ہوتے ہیں اور ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی خواہ وہ بقدر نصاب ہی کیوں نہ ہوں۔

۴) زکوٰۃ اخراجات اور ذمے داریوں کے استثناء کے بعد عائد ہوتی ہے جو کہ حضرت عطاء کی رائے ہے وہ فرماتے ہیں کہ — زمین اور فصل کی پیداوار میں سے اپنے اخراجات نکال کر باقی پر زکوٰۃ ادا کرو، اور یہی نفقات اگر قرض کی صورت میں ہوں تو ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کی بھی یہی رائے ہے، اسی طرح حضرت امام احمدؒ سے مروی ہے کہ اگر نفقات قرض ہوں تو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً بیج یا پیداوار پر قرض دینے والے بنک کا قرض ہو، اور اسی پر عمارتوں اور کارخانوں وغیرہ کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ کیجیے اسی کتاب میں مال زکوٰۃ سے متعلق شرائط کا بیان۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تجارت میں سے بھی نفقات اسی وقت مستثنیٰ ہوں گے اور سال کے آخر میں بچنے والے اصل مال اور منافع پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر کسی قسم کے اخراجات مثلاً دکان کا کرایہ قرض ہو تو وہ منہا کر کے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۵) جیسا کہ پچھلی فصل میں بیان ہو چکا ہے زکوٰۃ میں آمدنی کی کیفیت بھی مدنظر رکھی گئی ہے یعنی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی پر عشر اور نصف عشر زکوٰۃ ہے، لیکن تنخواہوں، اجرتوں اور آزاد پیشوں سے ہونے والی آمدنیوں پر ربع عشر زکوٰۃ ہے۔

نفاذ زکوٰۃ میں انصاف کی رعایت

اسلام نے نظام زکوٰۃ کے قوانین میں عدل کی واضح صورتوں اور انصاف کے روشن پہلوؤں ہی پر اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ ان قوانین کے نفاذ اور ان کے اجراء میں بھی عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا ہے اور عاملین زکوٰۃ کو ہر طرح کی ہدایت اور راہنمائی کی ہے کہ وہ انصاف کریں اور عدل سے کام لیں، کیونکہ عدل و انصاف اپنے حقیقی معنی میں اسی وقت جاری ہو سکتا ہے جب اس کو نافذ کرنے والے افراد کے دلوں میں وہ ایمان کے درجے میں سرایت کیے ہوئے ہو ورنہ تو انصاف کے ضابطے قانون کی کتاب میں لکھے ہوئے رہ جائیں گے، اور کوئی ان پر عمل کرنے والا نہ ہوگا۔

چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید کو لکھا کہ

"کسی امانت دار، قابل اعتماد، پاکدامن، ناصح اور آپ کے اور رعایا کے حق میں موزوں فرد کو جمع صدقات پر مامور کیجیے وہ لوگوں کے پاس جائے اور نرمی سے ان کے مسلک، طریقہ آمدنی، اور امانتوں کے بارے میں دریافت کرے اور صدقات جمع کرے۔

مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض اوقات عمال خراج جن لوگوں کو صدقات کی وصولیابی پر روانہ کرتے ہیں وہ ظلم اور زیادتی روا رکھتے ہیں۔ حالانکہ نیک اور پارسا لوگ اس کام پر مامور ہونے چاہئیں۔"[1]

---

[1] الخراج، ص ۸۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

"صدقہ پر عامل غازی فی سبیل اللہ کی طرح ہے۔"[1]

نیز آپؐ نے ایک عامل سے فرمایا کہ

"اے ابوالولید خدا سے ڈرو تاکہ روزِ قیامت یہ نہ ہو کہ کوئی اونٹ گائے اور بکری چیختی ہوئی آئے۔"[2]

---

[1] احمدؒ، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ الترغیب والترہیب، ج ۱، ص ۵۵۹۔ ط۔ الحلبی۔ الحاکم، ج ۱، ص ۴۰۶۔ حاکم نے شرط مسلم کے مطابق صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

[2] طبرانی، اس حدیث کی سند صحیح ہے، بحوالہ مذکور، ص ۵۶۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث دوسری

تیقن

ٹیکس کے سلسلے میں تقاضائے انصاف کا دوسرا اصول تیقن ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مالدار شخص جس پر ٹیکس عائد ہو اُسے یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ اُسے کس قدر ٹیکس دینا ہے اور طریقہ ادائیگی کیا ہے چنانچہ آدم سمتھ کہتا ہے کہ مالدار شخص کا یہ علم بے حد ضروری ہے کہ اس پر کیا مالی ذمے داریاں عائد ہیں کیونکہ اس کا علم نظام ٹیکس میں عدالت کا ثبوت ہے۔

اس بارے میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ ٹیکس دہندہ کو تیقن اسی وقت حاصل ہوگا جب وہ ایک معین ٹیکس ادا کرنے کا عادی ہو، اس کے احکام سے واقف ہو اور اس کے ضروری سے باخبر ہو، اسی بنا پر ٹیکس کے بعض ماہرین نے کہا ہے کہ پرانا ٹیکس جدید ٹیکس کی بہ نسبت زیادہ درست ہے، کیونکہ ٹیکسوں کی ردوبدل سے عدم اطمینان پیدا ہوتا ہے اور لوگ حکومت کی نیت پر شک کرنے لگتے ہیں[1]

زکوٰۃ میں تیقن کا اصول پوری طرح موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مقدار کی تحدید فرمادی ہے اور قرآن و سنت میں اس کی تفصیلات ذکر کر دی گئی ہیں اور فقہ اسلامی میں اس کی وافر تشریحات موجود ہیں۔ اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ان احکام کا ضروری علم حاصل کرے۔

غرض زکوٰۃ کا قانون غیر متغیر ہے اور اس میں ٹیکسوں کی طرح ردوبدل نہیں ہوتا۔ اور جہاں تک فقہی اختلاف کا تعلق ہے تو دورِ جدید میں تدوین فقہ کر کے کسی ایک موزوں رائے کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

●

---

[1] فؤاد ابراہیم، مبادیٔ علم المالیۃ العامہ، ص ۲۶۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث تیسری

نرمی

آدم سمتھ کہتا ہے کہ ٹیکس میں انصاف کا تیسرا اصول نرمی ہے اور ٹیکس دہندگان کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا ہے تاکہ وہ بغیر کسی شکوہ شکایت کے ٹیکس ادا کریں اسلام نے اس اصول کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور متعدد ہدایات دی ہیں چنانچہ

۱) عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
"زکوٰۃ وصول کنندگان زکوٰۃ کے جانوروں کو اپنے پاس نہ منگوائیں اور نہ ہی صاحب مال افراد زکوٰۃ کی تشخیص کے وقت غیر موجود رہیں۔ اور زکوٰۃ زکوٰۃ دہندگان کے گھروں پر وصول کی جائے"[1]

اس حدیث میں لا جَلَبَ اور لا جَنَبَ کے الفاظ آئے ہیں، جس کے معنی خطابی نے یہی بیان کیے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال کو زکوٰۃ وصول کنندگان کے پاس نہ لے جایا جائے اور زکوٰۃ دہندگان مال سے دُور نہ جائیں[2] لا جنب کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ زکوٰۃ وصول کنندہ دور دراز مقام پر ہو اور وہاں مال زکوٰۃ لے جایا جائے[3] امام شوکانی رح فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ وصول کنندہ کو جہاں مال موجود ہو وہیں آکر زکوٰۃ کا حساب کرنا چاہیے[4]

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۶۔ مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۷۹۔
[2] معالم السنن، ج ۲، ص ۲۰۵۔
[3] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۶، ۱۵۷۔
[4] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲) مال زکوٰۃ میں درمیانے درجے کا مال وصول کرنا اور نفیس اور اچھے مال کو ترک کر دینا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو وصیت (نصیحت) فرمائی کہ

"لوگوں کے نفیس مال زکوٰۃ میں وصول نہ کرنا"

نیز آپؐ نے ایک زکوٰۃ وصول کنندہ کو خوبصورت اونٹنی لے لینے پر تنبیہ فرمایا جس پر اس نے وضاحت کی کہ اس نے یہ بہترین اونٹنی دو عام اونٹوں کے تبادلے میں لی ہے۔ اسی طرح آپؐ نے زکوٰۃ دہندہ کو منع فرمایا کہ وہ زکوٰۃ میں بوڑھے، نکمے اور بیمار اونٹ دیں، اور فرمایا کہ بہتر یہی ہے کہ درمیانی درجے کے اموال دیں کہ اللہ سبحانہٗ نے نہ تم سے بہترین کا مطالبہ کیا اور نہ بدترین کا حکم دیا ہے[1]

۳) زکوٰۃ کا اندازہ لگانے والوں کو فصل اور پھلوں والوں کو سہولت بہم پہنچانے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ

"اندازہ کرتے وقت تہائی یا چوتھائی چھوڑ دو"

اور فرمایا کہ

"اندازہ میں تخفیف برتو کیونکہ پھلوں میں عاریت دیتے ہوئے درخت بھی ہوتے ہیں اور کچھ راہ گیر مسافروں اور مالکوں کے اہل وعیال وغیرہ میں سے کھانے والوں کا بھی حصہ ہوتا ہے"[2]

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ تہائی یا چوتھائی چھوڑ دو کا حکم بعض فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض اوقات پھل پرندے خراب کر دیتے ہیں اور کچھ راہ گیر کھانے کے لیے لے لیتے ہیں اگر خرص (تخمینہ) پورا پورا ہو تو صاحبِ مال کا نقصان ہو سکتا ہے اس لیے اس کے توسع کے لیے چوتھائی چھوڑ دیا جائے چنانچہ حضرت عمرؓ بن الخطاب بھی تخمینہ لگانے والوں کو

---

[1] ایضاً، ص ۲۱۴، ۲۱۵۔

[2] دیکھیے اس کتاب میں "فصلوں اور پھلوں پر زکوٰۃ"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی حکم دیتے تھے۔

بعض دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کھجوروں میں کوئی عام مقدار نہیں چھوڑی جائے گی، بلکہ کچھ درخت چھوڑ دیئے جائیں گے جن کی مقدار تخمینہ کے وقت معلوم ہو۔

۴) زکوٰۃ اپنے وقت مقررہ سے مؤخر کی جاسکتی ہے جب کہ کوئی ضرورت درپیش ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ نے بھوک کے سال مؤخر فرمادی تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث چوتھی

اقتصاد

نظامِ ٹیکس میں عدالت کا یہ چوتھا بنیادی اصول ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ لوگوں سے ٹیکس وصول کرنے میں اقتصاد برتا جائے اور اسراف سے دُور رہا جائے یعنی وہ ٹیکس جو ملازمین کی تنخواہوں اور دیگر اداروں اور تنظیمی امور میں صرف کیے جائیں، نیز اس کا مقصود یہ ہے کہ ٹیکس دہندگان کو اوقات و مال کے اس ضیاع سے بچایا جائے جو انھیں مالی اداروں کے چکر لگانے، اپنے توضیحات پیش کرنے، اپنے حسابات کی پڑتال کروانے، شکایات درج کروانے اور زیادتیوں کے رفع کروانے میں ہو سکتا ہے۔

یہ امر مخفی نہیں ہے کہ ٹیکس دہندگان اس لیے ٹیکس ادا کرتے ہیں کہ ریاست ان محصولات کے ذریعے عام اخراجات پورے کرے جس سے خود ٹیکس دہندگان کو بھی فائدہ پہنچے، لیکن اگر ٹیکس دہندہ کو یہ احساس ہو کہ اس کے ادا کردہ ٹیکس کا مصرف صحیح نہیں ہے اور اس کا بیشتر حصہ مالیاتی اداروں کے انتظام و انصرام پر ہی خرچ ہو جاتا ہے تو وہ اسے بُرا محسوس کریں گے اور اکتا جائیں گے اور ٹیکس کی ادائیگی سے گریز کے طریقے اختیار کریں گے۔

اسلام بالعموم اعتدال اور اقتصاد کا حکم دیتا ہے اور اسراف اور افراط سے منع کرتا ہے اور بالخصوص مالِ زکوٰۃ میں اس کی بے حد تاکید کی ہے چنانچہ روایات موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے وصول کرنے والوں کو اقتصاد و عدل کا حکم فرمایا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی عامل کے ہدیہ لینے پر بھی سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور یہ حکم دیا کہ عاملین جس مقام سے زکوٰۃ وصول کریں اُسے وہیں تقسیم کر دیں اور جب واپس آئیں تو ان کے پاس کچھ نہ ہو اور ریاست پر ان کی معتدل تنخواہ کی ذمے داری ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عاملین کو زکوٰۃ کے محصولات میں سے آٹھواں حصہ دیا جائے اور اس سے زائد نہ دیا جائے کیوں کہ ان کے نزدیک زکوٰۃ آٹھ مصارف میں برابر تقسیم کرنا ضروری ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچویں فصل

تناسبی ٹیکس اور تصاعدی ٹیکس

تناسبی ٹیکس جس مالیت پر عائد ہوتا ہے اس کی شرح متعین رہتی ہے خواہ مالیت تبدیل ہوتی رہے مثلاً آمدنی پر اور مالیت پر دس فی صد ٹیکس جو تمام آمدنیوں اور مالیتوں پر عائد ہو خواہ وہ بڑی ہوں یا چھوٹی۔ جب کہ تصاعدی ٹیکس مالیت میں اضافہ کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے جیسے آمدنی ٹیکس کہ وہ مثلاً آمدنی کی پہلی تعیین پر ۱۰ فیصد پھر ۱۲ فیصد اور پھر ۱۵ فیصد ہوتا ہے[1]

اس ٹیکس کی آج کے دور میں تائید کی جاتی ہے اور اس کے منصفانہ ہونے کے دلائل بیان کیے جاتے ہیں جن میں سے چند اہم دلائل یہ ہیں۔

۱) دولت مند افراد پر زیادہ دولت کا ضابطہ عائد ہو جاتا ہے کہ ان کی دولت میں جس قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے اس پر ٹیکس میں اضافہ ہوتا چلا جائے اور ٹیکس میں اضافہ کی شرح سے زائد ہو کیونکہ اس شخص میں یہ استطاعت موجود ہے کہ وہ اس تصاعدی ٹیکس کو ادا کر سکے۔

۲) آمدنیوں کے فرق اور دولت کے وسیع تناسب کو کم کرنے کا تصاعدی ٹیکس ایک بہترین ذریعہ ہے کہ اس سے غریبوں اور امیروں کے درمیان دولت کے فاصلے کم ہوتے ہیں۔

---

[1] مبادی النظریۃ العامۃ للضریبہ۔ ص ۱۲۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ تناسبی ٹیکس ہے

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زکوٰۃ میں یہ پہلو موجود نہیں ہے کہ جس قدر مال میں اور آمدنی میں اضافہ ہوتا جائے اسی قدر زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ ہوتا جائے بلکہ زکوٰۃ فرض تناسبی ہے کیونکہ زکوٰۃ کی نسبت (شرح) متعین ہے اور اس میں دولت کی کمی بیشی مدِ نظر نہیں ہے، یعنی جس کے پاس ہزار روپے ہیں وہ بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرے گا اور جس کے پاس لاکھ روپے ہیں وہ بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے گا، اور جس کی زمین کی پیداوار پانچ وسق ہے وہ بھی عُشر یا نصف عُشر دے گا اور جس کی زمین کی پیداوار ایک ہزار وسق ہے وہ بھی عشر یا نصف عشر دے گا۔

فی اوّل وھلۃ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض حیوانات کی زکوٰۃ عکسی تصاعُد کی حامل ہے مثلاً زکوٰۃ غنم (بکریوں کی زکوٰۃ) چنانچہ احادیث صحیحہ بتاتی ہیں کہ چالیس پر ایک بکری ہے، اس سے زائد پر دو سو تک دو بکریاں، اس سے زائد تین سو تک تین بکریاں، بعد ازاں ہر سو پر ایک بکری۔

اس سے بعض محققین نے یہ سمجھا کہ حیوانات میں زکوٰۃ عکسی تصاعُد کی حامل ہے (یعنی جانوروں کی تعداد بڑھنے پر زکوٰۃ کی مقدار کم ہوتی گئی) اور اس کی وجہ حیوانات کی افزائش کی جانب متوجہ کرنا ہے کیونکہ جزیرہ نمائے عرب میں مویشی کم تھے۔ بلاشبہ یہ ایک عمدہ توجیہ ہے لیکن اگر ہم بایک بینی سے زکوٰۃ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ رائے درست نہیں ہے بلکہ درحقیقت اسلام نے نقد اور تجارتی مال پر ۲٫۵ فیصد (ڈھائی فی صد) زکوٰۃ کی جو شرح اختیار کی ہے تقریباً وہی شرح حیوانات میں بھی ملحوظ ہے۔

اونٹوں اور گائے میں یہ نسبت واضح ہے کہ تیس گائے پر ایک تبیعہ، چالیس پر ایک مُسِنّہ (ایک سال کی عمر کی گائے) اونٹوں میں چالیس کی تعداد پر بنت لبون اور پچاس اونٹوں پر ایک حِقّہ ــــ اگر آپ ان چھوٹے بڑے اور درمیانی اعداد پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تقریباً چالیسویں حصہ کی رعایت ملحوظ ہے۔

بکریوں اور بھیڑوں وغیرہ میں پہلی چالیس پر ایک بکری ہے جس کا واضح مطلب یہی ہوا کہ پہلی چالیس پر زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے لیکن آگے بڑھ کر اس میں تخفیف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان جانوروں میں بچوں کی کثرت ہوتی ہے اور بھیڑیں اور بکریاں سال میں ایک سے زائد مرتبہ اور ہر مرتبہ میں ایک سے زائد بچے دیتی ہیں، اگر ہر چالیس پر ایک بکری کی شرح آگے بھی چلے تو یہ بچے بھی اس تعداد میں شمار ہوں گے، جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ بچوں کو بھی شمار کرو اگر بچہ چرواہا بچہ کو ہاتھوں پر اٹھا کر لاتے۔ بہرحال اس سے یہی معلوم ہوا کہ حیوان میں چالیسواں حصہ ہی زکوٰۃ ہے جیسا کہ ابراہیم نخعی اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ گھوڑوں کی قیمت لگا کر اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ عائد ہوگی۔

زکوٰۃ میں تصاعدی اصول کو کیوں مدِ نظر نہیں رکھا گیا

اس سوال کا جواب کہ زکوٰۃ میں تصاعدی پہلو کو کیوں مدِ نظر نہیں رکھا گیا بے حد اہم ہے اس لیے کہ دورِ جدید میں ٹیکس کی اس قسم کو بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے اور اس کے بارے میں یہ تاثر پیدا ہوگیا ہے کہ اس سے امیری اور غریبی کا فرق کم ہو جاتا ہے اور معاشرے میں اقتصادی توازن پیدا ہوتا ہے۔

میری نظر میں زکوٰۃ میں تصاعدی پہلو کے نہ ہونے کی اہم وجوہ حسب ذیل ہیں۔

الف) زکوٰۃ ایک دائمی دینی فریضہ ہے اور جب تک انسان اور اسلام باقی رہے گا یہ فریضہ بھی باقی رہے گا اور ہر مسلمان سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ رہے گا اور ظروف و حالات سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جب کہ تصاعدی ٹیکس خاص حالات کے علاج کے طور پر اور کسی ملک سے متعلق مخصوص اجتماعی اور اقتصادی مقاصد کے حصول کے لیے لگایا جاتا ہے اسی لیے اس کی شرح اوپر نیچے کی جانب گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور جب ضرورت نہ ہو تو اسے بالکل ختم بھی کر دیا جاتا ہے۔

مزید برآں یہ کہ شریعتِ اسلامیہ علاوہ زکوٰۃ کے کوئی اور ٹیکس لگانے سے مانع نہیں ہے بلکہ اولوالامر کو اجازت ہے کہ وہ آمدنیوں کے فرق، بجٹ کی ضرورتوں اور عدم توازن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اسباب کی بنا پر تصاعدی اور غیر تصاعدی ٹیکس عائد کر سکتے ہیں جن سے زیادتی اور ناانصافی کا قلع قمع ہو، عدل قائم ہو اور ریاست کی ضرورتیں پوری ہوں، بشرطیکہ یہ ٹیکس فی الواقع ضرورت کے مطابق ہوں اور اہل شوریٰ سے رائے لی گئی ہو اور کتاب اور میزان سے راہنمائی لی گئی ہو جو اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اسی لیے اتاری ہیں تاکہ لوگ راستی (قسط) قائم کریں۔

ب) زکوٰۃ اپنے مصارف کے لحاظ سے بدرجۂ احسن ان مقاصد کو پورا کرتی ہے جو تصاعدی ٹیکس میں متصور کیے گئے ہیں چنانچہ زکوٰۃ سے دولت کے وسیع فاصلے کم ہوتے ہیں، اور کمزور غریب طبقوں کا معیار بلند ہوتا ہے کیونکہ زکوٰۃ سے منتفع ہونے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی کوئی آمدنی نہ ہو یا ہو تو محدود ہو، مثلاً فقراء، مساکین، غارمین اور ابن السبیل۔

بیشتر ٹیکس دولت مند طبقے سے اس لیے لیے جاتے ہیں کہ انھیں بالواسطہ طور پر واپس کر دیے جائیں مثلاً زرعی زمین پر ٹیکس اس لیے لیا جاتا ہے کہ اس کا اکثر حصہ اصلاح اراضی پر صرف کیا جائے جبکہ زکوٰۃ امراء سے لے کر براہ راست فقراء اور ذوی الحاجات کو لوٹائی جاتی ہے اور دین اسلام اور اسلامی ریاست کے بعض مصالح پر صرف کی جا سکتی ہے۔ یعنی زکوٰۃ اغنیاء سے اس لیے وصول کی جاتی ہے کہ فقراء کا معیار بلند ہو اور افراد معاشرہ کے درمیان دولت کے ذخیرہ کو مٹا کر توازن قائم کیا جائے اور اس طرح تصاعدی ٹیکس کا مقصود بدرجۂ اولیٰ حاصل ہو جائے۔

ج) تصاعدی ٹیکس کے قائلین جو مقاصد اور اہداف اس ٹیکس کے بیان کرتے ہیں اسلام ان مقاصد کو اور ذرائع سے بھی حاصل کرتا ہے، مثلاً اسلام نے میراث اور وصیت کے قوانین جاری کیے ہیں اور اسلام کسب حرام سے حاصل ہونے والے مال کو ضبط کر لینے کا حکم دیتا ہے اور اسلام سود کو اور ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیتا ہے اور ان سب ذرائع سے ملکیتوں میں کٹوتیاں واقع ہوتی ہیں، مختلف طبقات قریب قریب آتے ہیں اور عدل قائم ہوتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

د) خود نظریۂ تصاعد پر بہت سے اعتراضات کیے گئے ہیں اور مالیاتی اور اقتصادی مفکرین نے درج ذیل اشکالات ظاہر کیے ہیں۔

- تصاعدی ٹیکس کے گروپ کی تحدید کسی مضبوط اساس پر قائم نہیں ہوتی بلکہ محض ایک تعسف اور تحکم پر ہوتی ہے اس لیے کہ مساوات تضحیہ کا جو اصول بیان کیا جاتا ہے، اس کے کوئی مستقل ضوابط موجود نہیں ہیں کہ کیا یہ مساوات ایا ۲ کی زیادتی کی نسبت سے ہے یا زیادہ، کیا یہ تصاعد آمدنی کے ساتھ ہے، کیا جن لوگوں پر یہ ٹیکس عائد ہوتا ہے ان کے طبقات ہیں، کیا آمدنی اجزا میں منقسم ہو سکتی ہے.... یہ چند دشواریاں ہیں جو نظام تصاعدی میں پیش آتی ہیں اور تعسف کے دائرہ کو بڑھاتی چلی جاتی ہیں [1]
- مسلسل تصاعد حسابی لحاظ سے ایک عملی استحالہ پر منتج ہوتا ہے کیونکہ اس تصاعد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر ٹیکس کی شرح آمدنی سے بڑھ جاتی ہے۔
- تصاعدی ٹیکس سے مالدار طبقوں پر زد پڑتی ہے اور سرمایہ کے ذخائر ختم ہو جاتے ہیں بالخصوص اشتراکی ممالک میں طبقاتی کشمکش اسی جانب لے جاتی ہے۔
- تصاعدی ٹیکس سے بچت اور منافع بخش کاموں میں سرمایہ لگانے کی کوشش ختم ہو جاتی ہے جس سے پیداواری سرگرمیاں متاثر ہوتی ہیں [2]

---

[1] رشید الدقر: علم المالیہ، ص ۳۷۹۔

[2] فؤاد ابراہیم: مبادی علم المالیہ، ج ۱، ص ۲۷۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھٹی فصل

ٹیکس کی ضمانتیں اور زکوٰۃ کی ضمانتیں

ٹیکس سے فرار ٹیکس میں آدمی کو اپنا مال دینا پڑتا ہے جس کی محبت اس کے دل میں رچی بسی ہے یہی وجہ ہے کہ ٹیکس دہندگان مختلف حیلوں بہانوں سے ٹیکس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ جو عام حالات میں لوگوں سے امانت دارانہ معاملات کرتے ہیں وہ بھی حکومت کو، جو ایک معنوی وجود ہے ٹیکس دینے سے گریز کا جذبہ رکھتے ہیں۔

فرار کے اسباب اس فرار کے متعدد نفسیاتی عوامل ہیں مثلاً یہ کہ ہر مالدار شخص چاہتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس باقی رہے یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو ٹیکس اس سے لیا جا رہا ہے وہ مبنی بر انصاف نہیں ہے، یا اس کا خیال ہے کہ وہ جو ٹیکس دیتا ہے حکومت کی جانب سے اسے فلاحی اقدامات کی صورت میں اس کا صلہ نہیں ملتا یا وہ سمجھتا ہے کہ حکومت ٹیکسوں کی رقوم کو مفاد عامہ میں صرف نہیں کرتی، یا اس کی رائے میں حکومت وصول زیادہ کرتی ہے اور دیتی کم ہے، یا بعض لوگ اس لیے ٹیکس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ ایسا کرتے ہیں یا ٹیکس دہندہ ایک ٹیکس سے فرار اس لیے چاہتے ہیں کہ یہ دوسرے ظالمانہ ٹیکس کا بدل ہو جائے۔ وغیرہ۔

جس قدر ٹیکس بھاری ہوگا لوگوں کا فرار کا جذبہ اسی قدر زیادہ ہوگا اسی طرح ٹیکس دہندگان اس صورت میں بھی ٹیکس سے فرار چاہیں گے جب وہ ٹیکسوں کے وجوب اور ان کے مصارف سے مطمئن نہ ہوتے ہوں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرار کے اسالیب ٹیکس سے فرار کے مختلف طریقے ہیں چنانچہ قانون میں موجود خامیوں سے بھی ٹیکس دہندگان ٹیکس سے بچنے کی سعی کرتے ہیں اور بعض اوقات غلط گوشوارے داخل کر دیتے ہیں یا مشینری اور آلات پر آنے والے اخراجات بڑھا چڑھا کر دکھاتے ہیں اور بسا اوقات دولت کو چھپا لیتے ہیں۔

فرار کے نقصانات بہرحال بہت سے لوگ ٹیکسوں سے فرار کے مختلف ذرائع اختیار کرتے ہیں جن سے متعدد نقصانات رونما ہوتے ہیں۔

ا) خزانے کو نقصان پہنچتا ہے اور اس کے محصولات میں کمی آجاتی ہے۔

ب) کچھ افراد پورے ٹیکس ادا کرتے ہیں، ٹیکس چوری سے اصل وزن غیر منصفانہ طور پر ان کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔

ج) محصولات میں کمی پھر مزید ٹیکسوں کے عائد ہونے کا سبب بنتی ہے۔

د) محصولات میں کمی کی بنا پر بہت سے مفید منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچنے سے رہ جاتے ہیں۔

ہ) اس دھوکہ دہی اور بے ایمانی سے عام اخلاقی حالت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

فرار کا سدِباب اور حصولِ ٹیکس کی ضمانتیں جدید مالی قوانین میں ٹیکس سے فرار کے سدِباب کے لیے بعض ضوابط بھی مقرر کیے گئے ہیں، مثلاً

ا) مالی اداروں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ ٹیکس دہندہ کا حساب اور ضروری کاغذات چیک کر سکتے ہیں۔

ب) ٹیکس دہندہ اپنے حقیقی گوشوارے داخل کرے، بلکہ بعض ملکوں میں یہ بھی شرط ہے کہ یہ بیانات حلفیہ ہوں، اور عدمِ صحتِ بیان کی صورت میں سزا بھی رکھی گئی ہے۔

ج) جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ اس نے اپنے گوشوارے غلط داخل کیے ہیں اس سے ہرجانہ وصول کرنا۔

د) ملازمین وغیرہ کی تنخواہوں اور آمدنیوں سے ادائیگی سے پہلے ہی ٹیکس وضع کر لینا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہ) ٹیکس چوری کرنے والوں پر دیوانی اور فوجداری جرمانے عائد کرنا۔

و) ٹیکس کے مقروض پر خزانے کا امتیازی حق، جو اس کے دوسرے قرض خواہوں پر ترجیح کا حامل ہو۔[1]

ان سب ضوابط کے باوجود مالیاتی ادارے ٹیکس سے فرار کو ختم کرنے میں اپنے عجز کا اظہار کرتے رہتے ہیں بالخصوص ان اموال میں جن کو چھپایا جا سکتا ہے، کیونکہ درحقیقت اس کا تعلق قانون کی دفعات سے نہیں ہے بلکہ ضمیر کی اصلاح سے ہے۔

شریعت اسلامیہ میں زکوٰۃ کی ضمانتیں

زکوٰۃ کی صورتِ حال ٹیکس کی اس مذکورہ صورتِ حال سے قطعی طور پر مختلف ہے اور مسلمان زکوٰۃ کو اس زاویۂ نظر سے نہیں دیکھتے جس زاویۂ نظر سے ٹیکس دہندگان ٹیکس کو دیکھتے ہیں۔

دینی اور اخلاقی ضمانتیں

مسلمان زکوٰۃ کو اپنے اور حکومت کے درمیان ایک معاملہ نہیں سمجھتا بلکہ اپنے اور خدا کے درمیان ایک معاہدہ تصور کرتا ہے اور یہی زکوٰۃ کے عبادت ہونے کا مفہوم ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس مفہوم کو ابوبکر بن العربی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

"حقیقی مستحق اللہ سبحانہٗ ہے اور اس نے اپنے اس حق کو ان لوگوں کی جانب منتقل فرما دیا ہے جن کے رزق کی ذمے داری وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا کہہ کر خود اپنے ذمے لی ہے۔"

امام کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ

"مال کے ایک حصہ کو اللہ کے لیے علیحدہ کر دینا زکوٰۃ ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس مال کا فقیر کو مالک بنا دے یا جو اللہ سبحانہٗ کا نائب ہو کہ مالدار سے لے کر فقیر کو دے اسے مالک بنا دے، چنانچہ فرمایا۔

---

[1] عبدالحکیم الرفاعی، حسین خلاف: مبادئ النظریۃ العامہ للضریبہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ (التوبہ : ۱۰۴)

کیا جان نہیں چکے کہ اللہ آپ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکاتیں۔

اور فرمان نبویؐ ہے کہ

"صدقہ فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے رحمٰن کے ہاتھ میں جاتا ہے"[1]

غرض زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ عمل پوری طرح خالصتاً للہ کیا جائے۔[2]

زکوٰۃ دہندہ کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ زکوٰۃ کے ذریعے اس پر کوئی زیادتی ہو رہی ہے اس لیے کہ اس کا عقیدہ ہے کہ زکوٰۃ اللہ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ سبحانہٗ سراپا عدل ہے اور وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا کہ وہ خود رب العباد ہے۔

جب مسلمان کا تصور ہی یہ ہے کہ زکوٰۃ اس کے اور اس کے رب کے درمیان ایک معاہدہ ہے جو ہر پوشیدہ اور خفیہ بات کو جانتا ہے اور جو جانتا ہے کہ اللہ نقیر اور قطمیر (ریزے اور دانے) کا بھی حساب کرے گا، تو اس کے زکوٰۃ سے فرار کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لحاظ سے مسلم کی تربیت اسلامی ہی ادائے زکوٰۃ کی سب سے بڑی ضمانت

---

[1] ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس خبر کو ابن مسعودؓ تک موقوف روایت کیا ہے۔ الآثار، ۱۷۱۶۳، ۱۷۱۶۶۔ تفسیر الطبری، ج ۱۴، ص ۵۹، ۴۶۱۔ ط۔ المعارف۔ یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ کہ آدمی جب صدقہ کرے تو کسب طیب سے صدقہ کرے کیونکہ اللہ صرف طیب رزق کو ہی قبول کرتا ہے، رحمٰن اس صدقہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسی طرح اسے بڑھاتا اور نشوونما دیتا ہے جس طرح آدمی کسی جانور کے بچے کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ البزار، (مجمع الزوائد ج ۳، ص ۱۱۲)

[2] البدائع، ج ۲، ص ۳۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ اسلام مسلمان کی تربیت ان خطوط پر کرتا ہے کہ اس میں زہد دنیا اور رغبت آخرت پیدا ہوتی ہے وہ راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اور تمام دنیا کی نعمتوں پر اللہ اور رسولؐ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام لذائذ اور جملہ نعمتیں ایک طرف ہوں اور اللہ اور رسولؐ کی محبت دوسری جانب ہو اور اسے ان دونوں میں سے کسی کے اختیار کا موقع دیا جائے تو وہ بلاشبہ اللہ اور رسولؐ کی محبت کو اختیار کرے گا، خود اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ : ۲۴)

تو کہہ، اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو کماتے ہیں، اور سوداگری جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور حویلیاں جو پسند کرتے ہو تم کو عزیز ہیں، اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں، تو راہ دیکھو جب تک بھیجے اللہ حکم اپنا، اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

اسلام کی اس تربیت کے زیر اثر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ مال کا حقیقی مالک اللہ ہے اور وہ اس مال میں بطور نیابت احکام الٰہی کے مطابق تصرف کرتا ہے، چنانچہ قرآن بیان کرتا ہے کہ مؤمنین نے دو مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ وہ کیا خرچ کریں، قرآن نے ایک مقام پر اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ایک مرتبہ انفاق کو بیان فرمایا اور دوسرے مقام پر مصارف کو بیان کیا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلِ الْعَفْوَ ۭ (البقرہ : ۲۱۹)

اور پوچھتے ہیں تجھ سے کہ کیا خرچ کریں؟ تو کہہ جو فاضل ہو۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (البقرہ : ۲۱۵)

تجھ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں؟ تو کہہ جو چیز خرچ کرو فائدے کی، سو ماں باپ کو اور نزدیک ناتے والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور راہ کے مسافر کو اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ کو معلوم ہے۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ بنی تمیم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بہت سا مال ہے، فرمایئے میں اُسے کس طرح خرچ کروں، آپؐ نے فرمایا زکوٰۃ ادا کرو جو تمھیں پاک کرے گی، اپنے اقربا سے صلہ رحمی کرو مسکین، پڑوسی اور سائل کا حق ادا کرو، اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ ذرا مختصر ارشاد فرمایئے، آپؐ نے فرمایا، کہ قرابت داروں مساکین اور مسافروں کا حق ادا کرو اور اسراف نہ کرو، اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں آپؐ کے ایلچی کو زکوٰۃ ادا کر دوں تو کیا میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک بری ہو گیا آپؐ نے فرمایا، ہاں، اور تمھیں اجر ملے گا اور جو اس میں ردوبدل کرے گا گناہ اس پر ہو گا۔[1]

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک دینار ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اپنے اوپر صدقہ کرے، اس نے کہا کہ میرے پاس اور بھی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو صدقہ کرے اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اپنی بیوی کو دے، اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور ہے آپؐ نے فرمایا کہ اب تم جو مناسب سمجھو کرو۔[2]

بعض اصحاب آپؐ کی خدمت میں پورا مال نذر کر دیتے اور اپنی ضرورت روک کر

---

[1] الہیثمی: مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۶۳۔

[2] المستدرک، ج ۱، ص ۴۱۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے صرف فرمائیں، آپؐ اس پر انھیں متنبہ فرماتے، چنانچہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونا لے کر آیا اور اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مجھے کان میں سے ملا ہے، آپؐ اسے لے لیجیے یہ میری جانب سے صدقہ ہے لیکن میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اس پر آپؐ نے اس سے اعراض فرمایا، وہ پھر دائیں جانب سے آیا اور یہی عرض کی، آپؐ نے پھر اعراض فرمایا، پھر وہ بائیں جانب سے آیا، آپؐ نے پھر اعراض فرمایا، پھر وہ پیچھے سے آیا اور عرض کی آپؐ نے وہ سونے کا ڈلا اس کے ہاتھ سے لے کر پھینک دیا کہ اگر اس کے لگ جاتا تو اسے تکلیف پہنچتی، پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی جس شئے کا مالک ہوتا ہے اُسے صدقہ لے کر آجاتا ہے اور خود لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھ جاتا ہے۔ بہترین صدقہ وہی ہے جو تونگری کے ساتھ ہو[1]

یہ ہے ایمان کا صحیح اور سچا اثر اور یہ ہے اسلامی تربیت کی تاثیر جو ایک مسلمان کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ خود ولی امر کے پاس آتا ہے اور اس سے اپنے مال کی زکوٰۃ لے لینے کی درخواست کرتا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس لوگ آئے کہ ہمارے گھوڑوں کی زکوٰۃ لے لیجیے[2] ایک شخص شہد کی زکوٰۃ لے کر آیا اور اس نے کہا کہ جس مال پر زکوٰۃ ادا نہ ہو اس میں کوئی تاخیر نہیں ہے[3] حضرت ابن مسعودؓ نے اپنی زمین کا عُشر اور نصف عُشر دینے کے بعد پیداوار کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ایک حصہ اپنے گھر والوں کی ضرورت کے لیے رکھتے، ایک حصہ بیج کی ضرورت کے لیے رکھ چھوڑتے اور ایک تہائی راہِ خدا میں صدقہ کر دیتے تھے[4]

---

[1] الذہبی، ج ۱، ص ۳۱۴۔

[2] مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۶۹۔

[3] مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۷۷۔

[4] مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۶۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ سے وہ خود پاک ہوتا ہے اور اس کا مال پاک ہوتا ہے اور نشوونما پاتا ہے۔ اور جو کمی واقع ہوتی ہے وہ محض ظاہری ہے حقیقی نہیں ہے، اسی لیے فرمایا کہ

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (الروم : ۳۹)

اور جو دیتے ہو پاک دل سے چاہ کر منہ اللہ کا۔ سو وہی ہیں جن کے دونے ہوئے۔

اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ (البقرہ : ۲۶۸)

شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے اپنی بخشش کا اور فضل کا۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (سبا : ۳۹)

اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا۔

اس مقام پر دورِ نبوت ؐ کی دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ عقیدہ و ایمان کے زیر اثر ان دینی ضمانتوں کی کس قدر گہری تاثیر تھی کہ اس وقت لوگ نہ صرف یہ کہ فرض زکوٰۃ از خود ادا کرتے بلکہ واجب سے زائد ادا کرتے۔

سوید بن غفا سے مروی ہے کہ عہد نبوت ؐ میں زکوٰۃ وصول کنندگان کو حکم تھا کہ دودھ پلانے والا جانور زکوٰۃ میں نہ لیا جائے، جدا جدا جانوروں کو جمع کیا جائے، اور یکجا جانوروں کو جدا نہ کیا جائے۔ میں ایک مرتبہ ایک زکوٰۃ وصول کنندہ کے ساتھ تھا، اس نے ایک چشمہ آب پر جا کر کہا کہ اپنے جانوروں کی زکوٰۃ دو، ایک شخص بڑی کوہان کا اونٹ لایا، اس نے اسے قبول نہیں کیا، پھر وہ دوسرا لے کر آیا جو اس نے قبول کر لیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کہا کہ میں اگر اچھے اونٹ زکوٰۃ میں لوں گا تو آپ ناراض ہوں گے۔[1]

حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عامل زکوٰۃ بنا کر بھیجا، میں ایک شخص کے پاس پہنچا، اس نے اپنا مال میرے سامنے جمع کیا تو اس میں ایک ہی بنت مخاض تھی، میں نے کہا بس یہی اونٹنی دے دو یہی تمہاری زکوٰۃ ہے، اس نے کہا کہ اس کا دودھ بھی نہیں ہے اور سواری کے بھی کام نہیں آتی، البتہ میں یہ بڑی موٹی اونٹنی دے دیتا ہوں یہ لے لو، میں نے کہا کہ میں تو ایسا جانور نہیں لوں گا جس کے لینے کا مجھے حکم نہیں، چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں اگر وہ قبول کریں تو میں لے لوں گا، چنانچہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس نے کہا کہ اے نبی اللہ! اس سے قبل میرے پاس اللہ کا رسول یا اس کا ایلچی نہیں آیا اب یہ آپ کا ایلچی آیا تو میں نے اپنا تمام مال جمع کیا، اس نے مجھے بتایا کہ میرے مال پر ایک بنت مخاض ہے لیکن میرے پاس جو بنت مخاض تھی نہ تو اس میں دودھ ہے اور نہ سواری کے قابل ہے، اس پر میں نے ایک بڑی موٹی اونٹنی پیش کی، لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا، اب یہ آپ کی خدمت میں پیش ہے آپ اسے قبول فرمالیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر بنت مخاض ہی لازم تھی لیکن اگر تم بطور تطوع زیادہ اچھی اونٹنی دیتے ہو تو ہم قبول کر لیتے ہیں اور آپ نے اس کے مال میں خیر و برکت کی دعا کی۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ یہ دینی ضمانتیں زکوٰۃ سے فرار سے مانع ہیں ـــــ جبکہ تمام مغربی دنیا میں ٹیکسوں سے فرار ایک شیوہ عام ہے چنانچہ ۱۹۳۶ء میں فرانس کے صدر نے کہا کہ اگر ٹیکس چوری نہ کی جائے تو ٹیکسوں کی شرح میں تخفیف کر دی جائے اور محصولات میں

---

[1] مختصر السنن، ج ۲، ص ۱۹۶۔ نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۳۳۔

[2] الذہبی، ج ۱، ص ۳۹۹، ۴۰۰۔ مختصر السنن، ج ۲، ص ۱۹۸، ۱۹۹، نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۱۵۔ المجموع، ج ۵، ص ۳۲۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اضافہ ہو جائے۔ روزویلٹ نے کہا کہ ٹیکس کی چوری میں قانونی اور غیر قانونی ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں، ٹائمز نے ایک مرتبہ لکھا کہ اگر ٹیکس چوری کا سدباب ہو جائے تو بجٹ کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

قانونی اور تنظیمی ضمانتیں

ضمیر و اخلاق پر عائد کی جانے والی ان دینی اور اخلاقی ضمانتوں کے علاوہ شریعت اسلامیہ نے تحصیل زکوٰۃ کی چند قانونی اور تنظیمی ضمانتیں بھی فراہم کی ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

زکوٰۃ وصول کنندگان سے تعاون اور ان سے مال کے پوشیدہ نہ رکھنے کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

تمہارے پاس کچھ ناپسندیدہ سوار آتے ہیں، جب وہ آئیں تو انھیں خوش آمدید کہو، اور جو وہ زکوٰۃ لینا چاہیں وہ انھیں لینے دو اگر وہ انصاف کریں گے تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر وہ ناانصافی کریں گے تو اس کا وبال خود ان پر ہوگا۔[1]

حضرت جریر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہمارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والے آتے ہیں اور زیادتی کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا انھیں راضی رکھو، وہ بولے خواہ ہم پر ظلم کریں، آپؐ نے پھر فرمایا کہ انھیں راضی رکھو۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ کے اس فرمان کے بعد ہمارے پاس جو زکوٰۃ وصول کنندہ آیا وہ راضی واپس گیا۔[2]

بشیر بن خصاصیہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہم پر ظلم کرتے ہیں کیا ہم ان کے ظلم کے بقدر مال چھپالیں، آپؐ نے فرمایا، نہیں۔[3]

---

[1] مختصر السنن، ج ۲، ص ۲۰۲۔

[2] ابوداؤد۔

[3] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۵۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی وصولیابی میں بعض وصول کنندگان کی سختی اور ان کا ظلم اس امر کا جواز نہیں ہے کہ ان کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے، ان سے مال چھپایا جائے، اور ریاست کے میزانیہ کو متاثر کرنے کا ذریعہ بنا جائے۔ لیکن اگر زکوٰۃ دہندگان یہ محسوس کریں کہ ان پر صریح ظلم کیا جا رہا ہے تو پھر وہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر سکتے ہیں، جیسا کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی مقداریں بڑی وضاحت سے بیان فرما دی ہیں جو ان کے مطابق زکوٰۃ لے تو درست ہے اور اگر ان مقداروں سے زائد وصول کرے تو زکوٰۃ دہندہ انھیں نہ دے۔

سقوط زکوٰۃ کے حیلوں کا ابطال

اسلام نے سقوط زکوٰۃ کے حیلوں سے بھی منع فرمایا ہے اگرچہ وہ بظاہر قانونی لحاظ سے جائز قرار پائیں، جنھیں اہل مغرب ٹیکس سے فرار کے جائز طریقے کہتے ہیں اور فقہ کی زبان میں انھیں حیل شرعیہ کہا جاتا ہے، مثلاً سال گزرنے سے پہلے شوہر اپنی ملکیت بیوی کے نام کر دے اور وہ پھر سال گزرنے سے قبل شوہر کی طرف منتقل کر دے۔ بہر حال یہ حیلے حرام ہیں اور ان کی حرمت کی دلیل حدیث ——انما لاعمال بالنیات—— ہے۔

امام بخاریؒ نے حیلوں کے باطل ہونے پر حضرت انسؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ

> وزکوٰۃ میں کمی بیشی کرنے کے لیے یکجا جانوروں کو جدا جدا نہ کیا جائے اور جدا جدا جانوروں کو یکجا نہ کیا جائے۔[1]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مثلاً تین اشخاص ہیں سے ہر ایک کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہوں تو ہر ایک پر ایک بکری زکوٰۃ عائد ہوگی تو وہ تینوں اپنی بکریاں جمع کر لیں تاکہ تینوں پر ایک ہی بکری زکوٰۃ عائد ہو یا دو اشخاص ہیں ہر ایک کے پاس ایک سو ایک بکریاں ہوں اس طرح دونوں پر تین بکریاں زکوٰۃ ہو جائے تو

---

[1] ابن القیم، اغاثۃ اللہفان، ج ۱، ص ۳۷۶، اعلام الموقعین، ج ۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ علیحدہ علیحدہ کریں تاکہ ہر ایک پر ایک بکری زکوٰۃ عائد ہو۔[1]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ نہ دے یا زکوٰۃ سے بچنے کے لیے مال زکوٰۃ کسی اور کو دے دے اور یا کوئی اور ایسا حیلہ کرے جس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے۔[2]

زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ اختیار کرنا حرام ہے جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کے مذکورہ بالا قول سے ظاہر ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسا کوئی حیلہ کرلے تو قانوناً اس کے باطل ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا، اس لیے کہ قانون کا تعلق اعمال کے ظاہر سے ہے نیتوں سے نہیں ہے، جب کہ فقہائے حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ حیلے قانون بھی باطل قرار پائیں گے۔ چنانچہ مسلک امام احمد بن حنبلؒ کی کتب میں ہے کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ سے بچنے کے لیے جائیداد خرید لے تو اس جائیداد کی قیمت پر زکوٰۃ ہوگی[3] اور اسی طرح فقہائے مالکیہ کے یہاں ہے جس کی تفصیل ہم پانچویں باب میں بیان کر چکے ہیں۔

اسی طرح اگر بیوی نے زکوٰۃ سے فرار کے لیے بیوی کے زیورات خرید لیے تو فقہائے احناف کے نزدیک ان پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

زکوٰۃ نادہندہ پر دیوانی اور فوجداری تعزیرات

حدیث میں زکوٰۃ نادہندہ کی سزا بیان ہوئی ہے چنانچہ احمد، ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے کہ ہر چالیس اونٹوں کی تعداد پر ایک بنت لبون ہے اس حساب سے کوئی اونٹ علیحدہ نہیں کیا جائے گا جو اجر کی نیت سے یہ زکوٰۃ دے گا اسے ضرور اجر ملے گا اور جو نہیں دے گا اس سے ہم لے لیں گے اور اس کے نصف اونٹ بھی لے لیں گے اور یہ ہمارے رب کی طرف سے ایک فیصلہ ہوگا اور آل محمدؐ کے لیے اس میں

---

[1] الموطا، ج ۱، ص ۲۶۴۔ الجلبی۔

[2] الخراج، ص ۸۰۔ السلفیہ۔

[3] شرح غایۃ المنتہی، ج ۱، ص ۱۰۱۔ القواعد النورانیہ، ص ۸۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کچھ بھی حلال نہیں ہے۔

منتقی الاخبار میں ہے کہ یہ حدیث زکوٰۃ نادہندہ سے بزور زکوٰۃ لینے کے بارے میں حجت ہے[1] اور نصف اونٹ (یا نصف مال) ضبط کر لینا ایک نوع کی مالی سزا ہے جو ولی امر اختیار کر سکتا ہے تاکہ زکوٰۃ نادہندگان کو اس فعل سے روک سکے لیکن بہرحال یہ سزا لازم نہیں ہے۔

بعض ائمہ کی رائے یہ ہے کہ عدم ادائے زکوٰۃ پر مالی سزا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ سزا پہلے پہلے دی گئی پھر منسوخ ہو گئی نیز مال کی سزا اس حدیث کے برخلاف ہے کہ

"اللہ نے تم پر تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں کو حرام کر دیا ہے" (مسلم)

اور اس لیے کہ صحابۂ کرام نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد تو کیا مگر ان سے مال نہیں لیا۔ لیکن بہرحال مذکورہ حدیث ان کی رائے کو رد کرتی ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور مالی تعزیر اور بھی متعدد دلائل سے ثابت ہے[2]

زکوٰۃ نادہندہ کی سزا صرف مالی سزا ہی نہیں ہے بلکہ جنگ کر کے ان سے مستحقین کا حق وصول کرنا بھی ان کی سزا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا اور فرمایا کہ

"قسم بخدا اگر انھوں نے ایک رسی بھی نہ دی جو وہ عہدِ نبوت میں دیتے تھے تو میں ان سے اس پر قتال کروں گا"[3]

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ

"مانع زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ بزور اس سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے اگر نہ دے

---

[1] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۲۲۔

[2] ابن القیمؒ: الطرق الحکمیہ، ص ۲۸۷، ۲۷۹، ۲۸۲ — ابن قیمؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے پندرہ ایسے فیصلے بیان کیے ہیں جن میں مالی سزائیں دی گئیں۔

[3] ملاحظہ کیجیے اس کتاب کا پہلا باب۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو وہ محارب ہے اور اگر زکوٰۃ کے حکمِ الٰہی ہونے کو نہ مانے تو مرتد ہے اور اگر منع نہ کرے مگر مال زکوٰۃ چھپا لے تو منکر کا ارتکاب کرنے والا ہے اور اُسے اس وقت تک تادیبی سزا دی جائے گی جب تک وہ زکوٰۃ پیش نہ کر دے یا اس کی موت واقع نہ ہو جائے اس لیے کہ فرمانِ نبوتؐ ہے کہ

جو شخص کوئی منکر دیکھے اور وہ اسے بدل سکتا ہو تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے زکوٰۃ نہ دینا بھی منکر ہے اور اسے بھی بزور بدل دینا چاہیے۔[1]

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زکوٰۃ حق العبد ہے اور مدت گزرنے اور تقادم سے ساقط نہیں ہوتی بلکہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے اس کی موت سے بھی ساقط نہیں ہوتی، مرنے والے کے مال میں زکوٰۃ قرض کے طور پر ہوگی اور دوسرے قرض کی ادائیگی پر اس کی ادائیگی مقدم ہوگی، کیونکہ یہ قرض حق اللہ اور حق العبد کا جامع ہے۔[2]

---

[1] المحلّٰی، ج ۱۱، ص ۳۱۳۔

[2] ملاحظہ کیجیے اس کتاب کا باب: ادائے زکوٰۃ کا طریقہ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتویں فصل

کیا زکوٰۃ کے ساتھ اور ٹیکس بھی لگائے جا سکتے ہیں؟

اسلام نے مسلمانوں کے مالوں میں زکوٰۃ کو ایک مقررہ حق کے طور پر لازم کیا ہے اور اس کی وصولیابی اور مصارف کے طریقے واضح کر دیے ہیں، بایں صورت کیا اسلامی حکومت کو اختیار ہے کہ وہ مصالح اُمت کی تکمیل اور دیگر اخراجات کے لیے مزید ٹیکس عائد کر دے ــــ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت کے لیے ہم اس موضوع کو تین مباحث میں بیان کرتے ہیں۔

بحث اوّل : ٹیکس عائد کرنے کے جواز کے دلائل۔

بحث دوم : ٹیکس عائد کرنے کی شرائط۔

بحث سوم : ٹیکس عائد کرنے کے خلاف رائے رکھنے والوں کے شبہات۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث اوّل

ٹیکس عائد کرنے کے جواز کے دلائل

عادلانہ ٹیکسوں کے عائد کرنے کے جواز کے حسب ذیل دلائل ہیں۔

اوّل: استحاد امت ایک اجتماعی فریضہ ہے

ہم پہلے ہی اس موضوع پر دلائل کیا مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے؟ کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ بہرحال فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر زکوٰۃ کے ماسوا کوئی ضرورت مسلمانوں پر آجائے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے، یہاں تک کہ جو فقہاء اس امر کے قائل ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا حق نہیں ہے، وہ بھی اس کے قائل ہیں، جیسا کہ ہم نے نظریۂ تکافل اور نظریۂ اخوت کے ضمن میں بیان کیا ہے اور یہی وہ اصول ہے جو علاوہ زکوٰۃ کے ہر طرح کے حق کے وجوب کی اساس بن سکتا ہے۔

دوم: مصارف زکوٰۃ محدود ہیں جبکہ ریاست کے اخراجات وسیع ہیں

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ زکوٰۃ ایک ایسا ٹیکس ہے جس کا ایک خاص مزاج ہے اور وہ مخصوص مقاصد کی حامل ہے، یعنی زکوٰۃ صرف مالی مقصد کی حامل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اجتماعی، اخلاقی، دینی اور سیاسی مقاصد بھی ہیں، اور تمام مرافق ریاست پر اس کی آمدنی صرف نہیں کی جاتی سوائے ان فقہاء کے نزدیک جن کے یہاں فی سبیل اللہ تمام مصلحتوں اور اطاعتوں پر مشتمل ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف قرآن نے بیان کیے ہیں جو دو انواع پر مشتمل ہیں، ایک نوع مسلمانوں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں محتاج افراد کی ہے یعنی فقرا، مساکین، فی الرقاب، الغارمین اور ابن السبیل اور دوسری نوع ان افراد کی ہے جن کے مسلمان محتاج ہوتے ہیں یعنی مجاہدین، مؤلفۃ قلوبہم اور عاملین علیہا، اور الغارمین لمصلحۃ المجتمع (معاشرتی فلاح کے سلسلے میں مقروض ہو جانے والے)۔

زکوٰۃ کی جداگانہ اور علیحدہ بیت مال ہے اور اس کی آمدنی کو دیگر مصارف میں صرف کرنا جائز نہیں ہے اسی لیے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ مال خراج کو مال زکوٰۃ کے ساتھ ملانا درست نہیں ہے کیونکہ خراج عام مسلمانوں کے لیے ہے جب کہ زکوٰۃ انہی مصارف میں صرف ہوگی جو قرآن نے بیان کیے ہیں[1]

اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ پلوں کی تعمیر، راستوں کے بنانے، نہریں نکالنے، مساجد مَرَبط (جانوروں کو باندھنے کی جگہ) مدارس اور پانی پینے کے مقامات تعمیر کرنا زکوٰۃ کے مال سے درست نہیں ہے[2] لیکن بہر حال یہ امور ضروری ہیں اور ان پر ہر ریاست کو توجہ دینا لازم ہے۔

اوّلاً مسلمان ان مصارف پر جنگوں سے حاصل ہونے والے خُمس غنائم سے صرف کیا کرتے تھے، اسی طرح ان مصالح پر ان موارد سے خرچ کرتے تھے جو انھیں دشمنوں سے بغیر جنگ بطور فیٔ حاصل ہوتے تھے، فتوحات کے عہد اوّل میں یہ دونوں مصادر مسلمانوں کی تمام ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے کافی تھے اور انھیں مزید ٹیکس لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ نیز یہ کہ اس دور کی ریاستوں کی ذمے داریاں آج کے دور کی بہ نسبت محدود تھیں۔ جبکہ دور جدید میں یہ دونوں اہم مصادر ختم ہو چکے ہیں اور اب مصالح امت کی تکمیل کے لیے کوئی ذریعہ اس کے ماسوا نہیں ہے کہ ٹیکس لگائے جائیں اور ان سے کاروبار ریاست چلایا جائے، کیونکہ فقہی اصول ہے کہ فرض کی تکمیل جس شئے پر موقوف ہو وہ بھی

---

[1] الخراج، ص ۹۵۔

[2] المغنی، ج ۲، ص ۶۶۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرض ہو جاتی ہے۔

ہم نے اس سے قبل فقہائے شافعیہ کی یہ رائے بیان کی ہے کہ وہ منظم اہلِ لشکر جن کی خزانۂ عامہ سے تنخواہیں مقرر ہوں ان پر زکوٰۃ کے مال سے صرف کرنا درست نہیں ہے، اور فی سبیل اللہ کا حصہ ان مجاہدین کے لیے ہے جو باقاعدہ حکومت کے ملازم نہ ہوں اور پیشہ حصول ثواب شریک جہاد ہوں، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حکومت کے باقاعدہ ملازم فوجیوں کو مال زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال سے تنخواہیں دی جائیں گی اور اغنیاء مسلمین پر ان کی اعانت لازم ہوگی۔[1]

سوم: شریعت کے کلی قواعد

زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس کے جواز کی دلیل صرف یہی اصول نہیں ہے جو اوپر بیان ہوا کہ جس شئے پر کسی فرض کی تکمیل موقوف ہو وہ بھی فرض ہو جاتی ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی اصول کلیہ اور تشریعی مبادی موجود ہیں، مثلاً

مصالح کی رعایت، حصول مصلحت پر فساد کا دُور کرنا مقدم ہے۔

اعلیٰ تر مصلحت کے حصول کے لیے کم تر مصلحت کو ترک کر دینا، اور عام ضرر کو دُور کرنے کے لیے خاص ضرر کو انگیز کرنا۔[2]

ان تمام قواعد سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکس کا عائد کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مصالح اُمت کے حصول اور مفاسد اور اضرار کے دُور کرنے کے لیے ضروری بھی ہے ـــــ الّا یہ کہ ایسے مصادر موجود ہوں جو ٹیکس سے مستغنی کر دیں، جیسے پیٹرول ـــــ اگر دورِ جدید میں کوئی ریاست ٹیکس عائد نہ کرے تو ہر جانب سے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا اور عسکری خطرات پیدا ہو جائیں گے۔

---

[1] الروضہ، ج ۲، ص ۳۲۱۔ تحفۃ المحتاج، ج ۳، ص ۹۶۔

[2] ابن نجیم: الاشباہ والنظائر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختلف عصور میں فقہائے اُمت نے بیت المال کی امداد کے لیے ٹیکس عائد کرنے کے جواز کے فتاوی دیے ہیں چنانچہ امام غزالیؒ جو کہ مصالح مرسلہ کے اختیار کرنے میں سخت رویہ رکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ

"اگر مالیہ کی کمی واقع ہو جائے اور اخراجاتِ لشکر کے پورا کرنے کے لیے سرمایہ نہ رہے درانحالیکہ دشمن کا بھی خطرہ ہو اور اہل شر کے فتنہ کا اندیشہ ہو تو امام کے لیے اغنیاء پر مقدار کفایت لازم کر دینا جائز ہے، کیونکہ اگر دو شر اور دو ضرر جمع ہوں تو شرعی اصول یہ ہے کہ بڑے شر اور عظیم ضرر کو دور کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اغنیاء بیت المال کو جو کچھ دیں گے، وہ جان و مال کے اس نقصان سے بہت کم ہوگا جو کہ اسلامی حکومت کے کمزور ہو جانے سے رونما ہو سکتا ہے۔"[1]

امام شاطبی مالکی فرماتے ہیں کہ

"اگر امام کو ضرورت ہو کہ سرحدوں کی حفاظت کے لیے لشکر میں اضافہ کیا جائے اور بیت المال سے لشکر کی ضروریات پوری نہ ہو سکتی ہوں تو امام اغنیاء پر ضرورت کے مطابق وظائف (ٹیکس) عائد کر سکتا ہے اور اسی طرح پھل اور پیداوار پر بھی وظیفہ (ٹیکس) عائد کر سکتا ہے۔"

یہ اقوال بلاشبہ بعد کے فقہاء کے ہیں اور دور اوّل کے فقہاء سے اس طرح کے اقوال اس لیے منقول نہیں ہیں کہ اس زمانے میں بیت المال میں ان تمام ضروریات کے پورا کرنے کی وسعت موجود تھی، لیکن بعد کے ادوار میں مسلمانوں کی شان و شوکت ماند پڑ گئی اور وہ کافروں کا ہدف بن گئے۔ اس لیے نئے ٹیکسوں کی ضرورت پیش آئی تاکہ ضرر عظیم اور متوقع نقصانات سے بچایا جا سکے۔[2]

امام غزالیؒ اور امام شاطبیؒ کے ہر دو اقوال اس اصول پر مبنی ہیں کہ زیادہ ضرر سے تحفظ

---

[1] المستصفی، ج ۱، ص ۳۰۳۔

[2] الاعتصام، ج ۱، ص ۱۰۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار کرنے کے لیے کم تر ضرر کو قبول کر لیا جائے۔

چہارم: جہاد بالمال اور اس کے مطالبات

اسلام نے مسلمانوں پر جہاد بالمال اور جہاد بالنفس فرض قرار دیا ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ: ۴۱)

نکلو ہلکے اور بوجھل، اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات: ۱۵)

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر، پھر شبہ نہ لائے اور لڑائی کی اللہ کی راہ میں، اپنے مال اور جان سے۔ وہ جو ہیں وہی ہیں سچے۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ط (الصف: ۱۱)

ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۱۹۵)

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو۔ بے شک اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جہاد بالمال زکوٰۃ کے علاوہ ایک فریضہ ہے اور اولوالامر (حکمرانوں) کو یہ اختیار ہے کہ وہ ہر غنی شخص پر جہاد بالمال کے ضمن میں کوئی حصہ متعین کر دے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ امام ابن تیمیہؒ صاحب غیاث الامم سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اب لشکروں کے اخراجات اور انھیں مسلح کرنے کے مصارف بہت بڑھ چکے ہیں اور قوموں کی ہر طرح کی علمی صنعتی اور اقتصادی ترقی ناگزیر ہو چکی ہے جس کے لیے وافر دولت کی ضرورت ہے جو ٹیکس لگا کر ہی پوری کی جا سکتی ہے اور یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ قوم اپنے جان و مال اور عزت کی حفاظت کر سکے۔

پنجم: مفادات کے مطابق ذمے داریاں

ٹیکسوں سے حاصل شدہ مال مرافق عامہ میں صرف ہوتا ہے جس سے تمام افراد معاشرہ مستفید ہوتے ہیں اور دفاع، امن، تعلیم، صحت، نقل و حمل اور آب کاری و آب رسانی کی سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، کیونکہ ہر فرد ریاست کی فراہم کردہ ان سہولتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال سے ریاست کی مدد کرے یعنی فرد معاشرے سے جو فوائد حاصل کر رہا ہے ان کے بالمقابل اس پر جو ذمے داریاں اور پابندیاں عائد ہوں وہ انھیں پورا کرے اور یہی اصول ہے جسے فقہاء نے الغرم بالغنم کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث دوسری

ٹیکس عائد کرنے کی شرائط

اسلام میں جس ٹیکس کی اجازت ہے وہ حسب ذیل شرائط کا حامل ہے۔

پہلی شرط: حقیقی احتیاج

پہلی شرط یہ ہے کہ ریاست کو مال کی حقیقی احتیاج ہو اور کوئی اور مصدر بھی موجود نہ ہو۔ کیونکہ مال میں اصل اساس حُرمت (احترامِ مالِ غیر) ہے اور بلا ضرورت شدیدہ اور سخت احتیاج کے کسی کی شخصی ملکیت پر دست درازی درست نہیں ہے یعنی اگر حکومت کے پاس مال موجود ہو اور اس کے پاس حصولِ سرمایہ کے ذرائع موجود ہوں تو ٹیکس لگانا جائز نہیں ہے۔

بعض فقہاء نے اس شرط کی بڑی سخت تاکید کی ہے اور ان کے نزدیک جب تک سرکاری خزانہ بالکل خالی نہ ہو جائے، ٹیکس لگانا درست نہیں ہے اور اس شدت کا مقصود یہ ہے کہ حکام جائز ناجائز ٹیکس لگا کر اسراف سے کام نہ لیں۔

تاریخ اسلامی میں فقہائے اسلام کی عزیمت کے درخشاں ابواب موجود ہیں کہ انھوں نے حکام کو ناجائز ٹیکس عائد کرنے سے روکا اور اس سلسلے میں سختی برتی۔

چنانچہ شاہِ مصر قطز ملک ناصر کے ایما پر تاتاریوں سے جنگ کے لیے لشکر تیار کرنا چاہا تو اس نے مشورہ کے لیے قاضیوں اور فقہا کو جمع کیا، فقہاء اور علماء میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام اور قاضی بدرالدین سنجاری بھی تھے۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس موقع پر کہا کہ بلادِ اسلام پر دشمن حملہ آور ہو تو بلاشبہ اسلامی حکومت پر جہاد فرض ہے اور بیت المال خالی ہو، اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہوں کے پاس عطیات اور صلہ خدمات کے طور پر دی جانے والی تھیلیاں بھی نہ ہوں تو رعایا سے اخراجات جہاد لینا درست ہے لیکن مال موجود ہونے اور آلات فاخرہ موجود ہونے کی صورت میں لوگوں سے مال لینا درست نہیں ہے۔[1]

شام میں ظاہر بیبرس نے تاتاریوں سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا تو بیت المال میں ان وسیع اخراجات کی گنجائش نہیں تھی تو اس نے علمائے شام میں ٹیکس لگانے کے بارے میں فتویٰ طلب کیا، علمائے مصلحت وضرورت کے پیش نظر ٹیکس لگانے کی اجازت دے دی، اس وقت امام نوویؒ موجود نہیں تھے، بادشاہ نے انھیں بلوایا اور کہا کہ اس فتویٰ پر تم بھی دستخط کر دو، امام نوویؒ نے انکار کیا، تو سلطان نے سبب دریافت کیا، اس پر امام نوویؒ نے فرمایا کہ تم ایک بندوق دار تھے اور تمھارے پاس کچھ نہیں تھا پھر خدا نے تمھیں بادشاہ بنا دیا، اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک ہزار غلام ہے اور ہر غلام کے پاس سونے کی تھیلی ہے اور تمھارے پاس دو سو باندیاں ہیں اور ہر باندی کے پاس زیورات کی پوٹلیاں ہیں، یہ سارا مال جہاد میں صرف کر دو اور تمھارے خدم وحشم عام لوگوں کی طرح صوف پوش رہیں، جب یہ سارا مال جہاد کی تیاریوں میں صرف کر لو گے تب میں فتویٰ دوں گا کہ اب رعایا سے ٹیکس لینا جائز ہے۔ یہ سن کر ظاہر بیبرس امام نوویؒ سے ناراض ہو گیا اور انھیں دمشق سے نکال دیا اور آپ نوی چلے گئے، بعد ازاں اس نے دمشق آنے کی اجازت دے دی لیکن امام نوویؒ نے کہا کہ جب تک ظاہر وہاں موجود ہے میں وہاں نہیں جاؤں گا، ظاہر ایک ماہ بعد ہی مر گیا۔[2]

امام نوویؒ نے سلطان ظاہر بیبرس کو یہ خط بھی لکھا کہ

"جب تک بیت المال میں سرمایہ موجود ہے اور حکومت کے پاس زمین موجود

---

[1] النجوم الزاہرہ، ج ۷، ص ۲۷۳۔ السلوک لمعرفۃ دول الملوک، ج ۱، ص ۴۹۶، ۴۹۷۔ طبقات الشافعیہ

[2] الاستاذ محمد الغزالیؒ: الاسلام المفتری علیہ، ص ۲۲۲، ۲۲۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، رعایا سے ٹیکس لینا جائز نہیں ہے، اس وقت بیت المال میں سرمایہ موجود ہے، خدا برکت دے اور شاد و آباد رکھے۔[1]

دوسری شرط: ٹیکسوں کے وزن کی منصفانہ تقسیم

اگر حکومت کو سرمایہ کی احتیاج ہو اور ٹیکس کے ماسوا حصول سرمایہ کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو ٹیکس لگانا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ٹیکس کے بار کو لوگوں میں منصفانہ طریقے پر تقسیم کیا جائے کہ کسی پر زیادتی اور ظلم نہ ہو واضح رہے کہ اس مقام پر عدل و انصاف سے مراد مساوات نہیں ہے کیونکہ دو مختلف درجے کے لوگوں میں مساوات انصاف نہیں ہوتا ظلم ہوتا ہے، یہاں پر تقاضائے انصاف یہی ہے کہ ہر اجتماعی اور اقتصادی طبقے کے لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق لیا جائے۔

چنانچہ ابو عبید نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ بنطیوں سے زیتون کے تیل اور گیہوں پر تو نصف عشر (۱/۲۰) لیا کرتے تھے تاکہ مدینہ میں یہ سامان زیادہ مقدار میں پہنچے اور دوسرے دانوں اور والوں پر دسواں حصہ لیا کرتے تھے۔[2]

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اہل حرب تاجروں پر دسواں حصہ، ذمی تاجروں پر بیسواں حصہ اور مسلمان تاجروں پر چالیسواں حصہ مقرر فرمایا تھا۔[3]

ایک شہر سے دوسرے شہر سامان کی منتقلی پر چنگی لی جاتی۔ حضرت عمرؓ متامنین سے عشر (۱/۱۰) (معاملہ مثل) کے اصول پر کیا کرتے تھے کیونکہ حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عمرؓ کو تحریر کیا تھا کہ غیر مسلم مسلمان تاجروں سے عشر لے رہے ہیں[4] اور آپؓ ذمیوں سے

---

[1] السخاوی: ترجمۃ الامام النووی۔
[2] الاموال، ص ۳۴۵۔
[3] ایضاً
[4] الخراج، یحییٰ بن آدم، ص ۱۷۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نصف عُشر (۵٪) اس لیے لیا کرتے تھے کہ ان سے اسی پر صُلح ہُوئی تھی کہ[1] ان سے یہ شرح سامان کی ایک شہر سے دوسرے شہر منتقلی کے وقت وصول کی جائے جبکہ مسلمان شہر میں رہتے ہُوئے بھی اپنے سامان تجارت کی زکوٰۃ دے گا، نیز ذمیوں سے ان کے پھلوں، فصلوں، مویشی اور دیگر اموال پر کوئی مطالبہ نہیں کرتا اور نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمرؓ نے ایک مخصوص معاملہ کے ساتھ صُلح کی تھی۔

غرض قاعدہ یہ تھا کہ نبطیوں سے عُشر لیا جاتا جیسا کہ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں بازار مدینہ کا عامل تھا اور ہم اس وقت نبطیوں سے عُشر لیا کرتے تھے۔

لیکن بعد ازاں حضرت عمرؓ نے اس مقصد کے پیش نظر کہ مدینہ میں غذائی اشیا زیادہ پہنچیں نبطیوں پر عُشر (۱۰٪) کم کر کے ۵ فی صد ٹیکس عائد کر دیا تھا۔ اور یہ وہ اصول ہے جو محصولات میں آج کی جدید ریاستیں بھی اختیار کرتی ہیں کہ اشیا کی رسد بڑھانے کے لیے وطنی مصنوعات کے تحفظ کے لیے یا آسائشات کی درآمد میں کمی کے لیے محصولات میں کمی بیشی کر دی جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا یہ عمل کہ آپ نے مدینہ میں غذائی اشیاء کی فراہمی کو بڑھانے کے لیے ۱۰٪ کو ۵٪ کر دیا، ہمارے لیے مصالح کے پیش نظر ٹیکسوں کی شرح کم و بیش کرنے کی دلیل فراہم کرتا ہے۔ یہ بات ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ اسلام کے اجتماعی اور اقتصادی مقاصد یہ ہیں کہ ثروت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو، اسی لیے اسلام نے ایسے طریقے اختیار کیے ہیں جن سے بڑی بڑی دولتیں تقسیم ہوتی رہیں اور بڑے بڑے فرق دُور ہوتے رہیں اور امراء ہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہے۔

اگر دولت و غربت کے فاصلے کو کم کرنے کے لیے تصاعدی ٹیکس کے سوا کوئی اور ذریعہ باقی نہ رہے تو اسلام اس کی تائید کرے گا تاکہ مالدار ایک درجہ نیچے آتے اور غریب ایک درجہ اوپر ہو جاتے لیکن اس میں وہ شخصی رعایتیں مدِنظر رکھی جائیں جو ہم پہلے

---

[1] الاموال، ص ۵۳۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان کر چکے ہیں کہ عائلی اخراجات اور قرضوں کو مستثنیٰ رکھا جائے۔

تیسری شرط: ٹیکس مصالحِ اُمت میں صرف کیے جائیں

ٹیکس حق و انصاف کے ساتھ لگائے جائیں اور انھیں مصالحِ امت میں صرف کیا جائے، لہو و لعب میں اور حکمرانوں کی آسائشوں پر صرف نہ کیے جائیں۔ قرآن کریم نے مصارفِ زکوٰۃ اس وضاحت کے ساتھ اسی لیے بیان فرمائے ہیں کہ حکمرانوں کو اس میں من مانی کرنے کا کوئی موقع باقی نہ رہے، خلفائے راشدین زکوٰۃ وغیرہ سے حاصل شدہ سرمائے کو بڑی حرص کے ساتھ مصالحِ اُمت ہی پر صرف کرتے رہے اور خلافتِ راشدہ اور بعد کے ملکِ عضوض میں یہی فرق ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سلمانؓ سے پوچھا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ، تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ اگر آپ کے پاس ایک درہم محصول میں آئے اور آپ اسے بلاحق صرف کر دیں تو آپ بادشاہ ہیں، اس پر حضرت عمرؓ آبدیدہ ہو گئے۔[1]

سفیان بن ابی العوجا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے استفسار کیا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ اگر میں بادشاہ ہوں تو یہ بڑی مصیبت ہے۔ کسی نے کہا، امیر المومنین! خلیفہ جو لیتا ہے وہ حق کے ساتھ لیتا ہے اور حق کے ساتھ صرف کرتا ہے، آپ بحمداللہ ایسے ہی ہیں جب کہ بادشاہ زیادتی کر کے لیتا ہے اور زیادتی کر کے صرف کرتا ہے یعنی اس سے لے کر اسے دے دیتا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔[2]

طبری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے کسی رشتہ دار نے حضرت عمرؓ سے کچھ طلب کیا آپ نے اسے سرزنش کر کے باہر نکال دیا۔ جب آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مجھ سے اللہ کے مال میں سے مانگ رہا تھا اگر میں اس کو دے دیتا تو

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۳۰۶، ۳۰۷۔

[2] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے سامنے کیا عذر پیش کرتا کہ میں خائن بادشاہ نہیں ہوں[1]

چوتھی شرط: اہل شوریٰ اور اُمّت کی رائے کا اتفاق

امام (سربراہ مملکت) کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ از خود بغیر ارباب حل وعقد کے شوریٰ کے ٹیکس عائد کر دے چہ جائیکہ یہ اختیار اس کے کسی کارندے (وزیر خزانہ وغیرہ) کو ہو، کیونکہ مال کی اصل حرمت ہے اور اصلاً ذمے داریوں سے بری الذمہ ہیں البتہ جب مصلحت وضرورت اس امر کی متقاضی ہو کہ جن کے پاس مال ہے ان سے مال لیا جائے تو اہل حل وعقد کے مشورے کے ساتھ اور تمام شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ماہرین کی آراء حاصل کر کے ٹیکس لگایا جائے۔

شوریٰ کا وجوب قرآن اور سُنّت سے ثابت ہے

ہماری اس رائے کی تائید قرآن اور سُنّت سے ہوتی ہے۔

قرآن نے شوریٰ کو اسلامی معاشرے کی ساخت کی اساس قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

(الشوریٰ : ۳۸)

اور جنھوں نے حکم مانا اپنے رب کا اور کھڑی کی نماز۔ اور ان کا کام ہے مشورہ سے آپس کے اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

ان آیات میں قرآن نے شوریٰ کو استجابت لرب، اقامت صلوٰۃ اور انفاق کا قرینہ قرار دیا ہے اور یہ مکی آیات ہیں جن میں اصول وعقائد بیان کیے گئے ہیں اور مدح وثنا، اور مذمت وسرزنش کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے جب کہ مدنی قرآن میں بیان احکام

---

[1] تاریخ الطبری، ج ۵، ص ۱۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اسلوب ہے۔ مدنی قرآن میں فرمایا گیا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ

(آل عمران : ۱۵۹)

اور ان سے مشورت لے کام میں۔ پھر جب ٹھہر چکا تو بھروسہ کر اللہ پر۔

یہ آیت غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوئی، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا کہ مدینہ منورہ میں ہی رہ کر مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے اور بیشتر صحابہ نے یہی رائے دی کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے، حالانکہ آپؐ کی رائے نہیں تھی لیکن آپؐ نے صحابہ کے مشورہ کو ترجیح دی اور باہر نکل کر مقابلہ کیا جس میں ستر صحابہ شہید ہوئے لیکن اس کے باوجود آیت میں شوریٰ کی تاکید کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہم معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے رہے، چنانچہ بدر کے موقع پر صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا، اور مہاجرین ہی کی رائے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انصار سے بھی رائے لی اور لشکر کی فرودگاہ کے بارے میں حباب بن المنذر کی رائے اختیار فرمائی، اسی طرح آپؐ نے اُحد اور خندق کے موقع پر مشورہ فرمایا، اور خندق کے موقع پر یہ مشورہ کیا کہ مدینہ کے ایک تہائی پھلوں پر اضراب سے صلح کر لی جائے، جس کا سعد بن معاذ اور سعد بن معاذ نے مشورہ نہیں دیا اور آپؐ نے اس رائے کو ترک فرمادیا۔ یوم حدیبیہ کے موقعہ پر مشرکین کے بچوں کے بارے میں مشورہ کیا اور صدیق اکبرؓ نے جواب دیا ہم کسی کے قتال کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ کے لیے آئے ہیں، آپؐ نے اس رائے کو قبول فرمایا، اور واقعۂ افک میں صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مجھے میرے گھر والوں کے بارے میں تہمت سے متعلق مشورہ دو اور حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے حضرت عائشہؓ کو جدا کرنے کے بارے میں مشورہ کیا۔[1]

علامہ ابن کثیرؒ نے ان تمام مشوروں کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ آپؐ جنگوں وغیرہ

---

[1] تفسیر ابن کثیرؒ، ج ۱، ص ۴۲۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مشورہ کیا کرتے تھے، بہرحال فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مشورہ پر عمل واجب ہے یا آپؐ تطییب قلوب کے لیے مشورہ فرمایا کرتے تھے[1]

آیت میں حکم شوریٰ بالکل واضح ہے اور امر کے صیغے میں ہے اس لیے مسلمان امرا اور حکام پر مشورہ کی اتباع لازم ہے بالخصوص جب کہ مسلمانوں کی طویل تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں پر بہت سے مصائب مستبد حکمرانوں کے استبداد کی بنا پر آئے ہیں۔

کیا حکام شوریٰ کے پابند ہیں؟

بلاشبہ حکام شوریٰ کے پابند ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ کے بعد صحابہ کی رائے پر عمل فرماتے اور جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ عزم کا کیا مطلب ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اہل الرائے سے مشورہ کر کے ان کی اتباع کرنا[2]

اگر شوریٰ لازم نہ ہو تو اس کی کوئی قیمت ہی باقی نہیں رہتی بلکہ ایسا مشورہ مستبد حکمرانوں کے لیے ایک ذریعۂ مذاق بن جائے گا کہ وہ اُمت سے مشورہ کر کے اپنی استبدادی رائے پر عمل کریں گے، جیسا کہ عورتوں کے بارے میں حدیث گھڑی ہوئی ہے کہ ان سے مشورہ کرو مگر ان کے مشورہ پر عمل نہ کرو، یہ بالکل غلط ہے اور قرآن صریحاً اس کے خلاف ہے۔

بلکہ اُمت کے اہل حل وعقد کا فرض ہے کہ وہ حکمرانوں کو اس امر کا پابند کریں کہ وہ ہر معاملۂ اہم میں مشورہ لیں اور اکثریتی رائے کو قبول کریں، کیونکہ معاہدۂ حکمرانی بھی اسی بنیاد پر طے پایا ہے اور اس معاہدہ کی شرط مشورۂ اُمت کو تسلیم کرنا ہے۔

آیت میں شوریٰ کو بعض معاملات کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے بلکہ ایک عمومی حکم ہے جس میں جہاں صلح وجنگ اور بین الاقوامی معاملات شامل ہیں وہاں لامحالہ ٹیکس عائد کرنے کا مسئلہ بھی شامل ہے کہ ٹیکس بہت سے دُور رس اثرات کا حامل ہوتا ہے اسی لیے جمہوری حکومتوں میں عوام کے نمائندوں کی رائے ضرور لی جاتی ہے اور اس کے بعد ٹیکس میں کوئی ردوبدل کیا جاتا ہے۔

---

[1] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث تیسری

ٹیکس کے خلاف رائے رکھنے والوں کے شبہات

بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ ٹیکسوں سے مستغنی کر دیتی ہے اور زکوٰۃ کی موجودگی میں کسی ٹیکس کے لگانے کی ضرورت نہیں ہے، اس سلسلے میں ان کے درج ذیل شبہات ہیں۔

پہلا شبہ: مال میں ماسوا زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں ہے

مشہور یہ ہے کہ زکوٰۃ ہی مال پر ایک حق ہے اور اس کے سوا کوئی حق لازم نہیں ہے اس لیے ٹیکس لگانا جائز نہیں ہوگا۔

دوسرا شبہ: شخصی ملکیت کا احترام

اسلام نے شخصی ملکیت کا احترام کیا ہے اور ہر شخص کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی ضمانت دی ہے چنانچہ حدیث ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، اور یہ کہ جب تک کوئی شخص خوش دلی سے اجازت نہ دے اس کا مال لینا جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ٹیکس ہر طرح کے جواز پیش کرنے کے باوجود جبراً ہی لیے جاتے ہیں اور ان میں دینے والے کی طیب نفس شامل نہیں ہوتی۔

تیسرا شبہ: ٹیکس کی مذمت اور عشور کی ممانعت کے بارے میں احادیث

ٹیکس کی مذمت اور ٹیکس لینے والوں کے جنت سے دور ہونے کے بارے میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احادیث آئی ہیں۔

چنانچہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

"صاحب مکس جہنمی ہے"[1]

عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

"جنت میں صاحب مکس داخل نہیں ہوگا"[2]

اگرچہ ان دونوں احادیث میں کلام ہے لیکن ان کی تائید صحیح مسلم کی مروی حدیث غامدیہ سے ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ——— اگر صاحب مکس بھی ایسی توبہ کرتا تو اس کی مغفرت بھی ہو جاتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب مکس کا گناہ زنا کے گناہ سے بھی زیادہ شدید ہے۔

اسی طرح عشاروں کے بارے میں احادیث مروی ہیں جو اگرچہ صحت کے درجے کو نہیں پہنچی ہیں لیکن ایک دوسری کی مؤید ہیں۔

حضرت عثمان بن العاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کو معاف کر دے گا، سوا زناکار کے اور عشار کے"[3]

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ مکس وہ ٹیکس ہے جو عشار لیتا ہے[4]

البغوی کہتے ہیں کہ صاحب مکس سے مراد وہ شخص ہے جو تاجروں سے عشر کے نام پر چنگی وصول کرے[5] المنذری کہتے ہیں کہ مکس لینے والے عشر کے نام پر یا بغیر کسی نام کے چنگی لے لیتے ہیں، یہ حرام اور سحت ہے اور یہ اپنے پیٹوں میں

[1] الترغیب والترہیب، ج ۱، ص ۵۶۸۔

[2] ایضاً، ج ۱، ص ۵۶۶، ۵۶۷۔

[3] مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۸۸۔

[4] النہایۃ فی غریب الحدیث، ج ۴، ص ۱۱۰۔

[5] الترغیب والترہیب، ج ۱، ص ۵۶۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہنم کی آگ بھرتے ہیں [1]

المناوی کہتے ہیں کہ صاحب مکس سے مراد عشار ہے جو لوگوں سے ٹیکس وصول کرے نیز الطیبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ ہلاک کرنے والے امور میں سے ہے۔ اور الذہبی نے اسے کبائر میں شمار کیا ہے [2] کیونکہ یہ قطع طریق ہی کی ایک قسم ہے جو کہ چوری سے بھی بڑھا ہوا جرم ہے کہ اگر وہ زیادتی کر کے لوگوں پر نئے نئے ٹیکس عائد کرے تو یہ ظلم ہے اور اس ناانصافی میں شریک سب اکالون للسحت (حرام کھانے والے) ہیں [3]

عشور کے بارے میں سعید بن زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اے معشر عرب اللہ کی حد بیان کرو کہ اس نے تم پر عشور ختم فرمائے۔" [4]

نیز آپ نے فرمایا کہ

عشور تو یہود و نصاریٰ پر تھے اور مسلمانوں پر عشور نہیں ہیں۔ [5]

المناوی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ پر عشور واجب ہیں جب ان سے عشر پر صلح ہو جاتے تو وہ ان پر لازم ہے جب کہ مسلمانوں پر عشور زکوٰۃ کے سوا عشور نہیں ہیں۔ غرض یہ حدیث مسلمانوں سے ٹیکس لینے کی تحریم پر مشتمل ہے۔

---

[1] ایضاً۔
[2] الذہبی: الکبائر، ص ۱۱۹۔
[3] فیض القدیر، ج ۶، ص ۴۴۹۔
[4] مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۸۷۔
[5] مسند احمد، ج ۳، ص ۴۷۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے شبہ کا جواب

اس کا جواب ہم پہلے ہی تفصیل سے دے چکے ہیں کہ واضح دلائل سے یہ امر ثابت ہے کہ شریعت میں ماسوا زکوٰۃ کے بھی مال میں حق ہے اور عملاً اس اصول پر اجماع ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب

جہاں تک انفرادی ملکیت کے احترام کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ مال پر حقوق کا عائد ہونا اس کے احترام کے برخلاف نہیں ہے کیونکہ بہرحال انسانی اخوت، دینی تعلق اور ضرورتمندوں کی ضرورت کے لحاظ سے فقراء اور مساکین کا حق مسلمانوں کے مال پر عائد ہوتا ہے۔

فرد کے مال پر جماعت کو اس لیے بھی حق حاصل ہے کہ فرد جو کچھ کماتا ہے وہ جماعت ہی کے ذریعے کماتا ہے اور اجتماعی صلاحیتیں اور ذرائع ہی فرد کو صاحب ثروت بنانے میں ممد ہوتے ہیں، بغیر ان ذرائع کے وہ صاحب ثروت نہیں بن سکتا اور درحقیقت یہی انسان کے مدنی الطبع ہونے کا تقاضا ہے۔

اللہ سبحانہٗ انسان کا خالق ہے، رازق ہے اور وہی اس کے لیے حصول زر کے مواقع فراہم کرتا اور اسباب مہیا کرتا ہے اور اصلاً مال کا مالک اللہ ہی ہے اور انسان اس مال میں اللہ کا وکیل اور نائب ہے اس لیے امین اور وکیل کی ذمے داری کے طور پر انسان پر فرض ہے کہ وہ ہر اس موقع پر مال خرچ کرے جہاں مال کا دینے والا خرچ کرنے کا مطالبہ کرے۔

اگر اسلامی ریاست میں اس قدر محتاج موجود ہوں کہ زکوٰۃ ان کی ضروریات کے لیے ناکافی ہو، یا جماعت کی عسکری اور اقتصادی ضروریات اس امر کی متقاضی ہوں کہ صرف کیا جائے یا دعوت و تبلیغ کے لیے ضرورت ہو تو ان ضرورتوں کی تکمیل کے لیے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اغنیاء پر واجبات عائد کرنا ضروری ہے جس کا حصول ٹیکسوں کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے اور اصول ہے کہ جو شئے کسی امر واجب کے تحقق کے لیے لازمی ہو وہ خود بھی واجب ہو جاتی ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب

مکس (چنگی) کی مذمت میں جو احادیث وارد ہیں ان میں سے اکثر کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہے اور جن احادیث کی صحت ثابت ہے وہ ٹیکس کی ممانعت پر قطعی نہیں ہیں، کیونکہ از روئے لغت و شرع مکس کے معنی متعین اور واضح نہیں ہیں۔ چنانچہ اللسان میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے بازاروں میں سامان فروخت کرنے والے سے جو دراہم لیے جاتے تھے وہ مکس ہے نیز مکس وہ ہے جو عشار لیا کرتے تھے۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ زکوٰۃ وصول کنندہ وصولی زکوٰۃ کے بعد جو کچھ لیتا وہ مکس کہلاتا تھا نیز مکس وہ ٹیکس ہے جو ماکس وصول کرے۔ لسان العرب میں ہے کہ مکس کے معنی نقص کے ہیں، یعنی بیع میں ثمن میں کمی کرنا[1]

البیہقی فرماتے ہیں کہ مکس کے معنی نقصان کے ہیں اگر عامل اہل زکوٰۃ کے حق میں سے کم کر دے تو وہ صاحب مکس ہے[2]

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ صاحب مکس وہ عامل زکوٰۃ ہے جو ظلم و تعدی کرے اور زکوٰۃ دہندہ سے بغیر حق کچھ لے لے یا جو مال زکوٰۃ اس کے پاس جمع ہو اس میں سے کچھ رکھ لے چنانچہ بعض روایات میں عاشر کے معنی یہی بیان کیے گئے ہیں[3] اور اس مفہوم کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو زکوٰۃ کے عاملوں کی زیادتیوں اور ناانصافیوں

---

[1] لسان العرب، مادہ، مکس۔

[2] فیض القدیر، ج ۶، ص ۴۴۹۔

[3] مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۸۷/۸۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر وعید کے بیان پر مشتمل ہیں اور انہی وعیدوں کے پیش نظر سعد بن عبادہ، ابو مسعود اور عبادۃ بن الصامت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انھیں زکوٰۃ کی وصولیابی پر نہ مامور کیا جائے۔

ٹیکس کا ایک اور مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ ظالمانہ ٹیکس ہو سکتے ہیں جو اسلام سے پہلے دنیا میں مروج تھے کہ یہ ٹیکس بغیر حق لیے جاتے اور ان کے مصارف میں عدل و انصاف کو ملحوظ نہ رکھا جاتا، نیز یہ کہ یہ ٹیکس شہریوں کی قدرت و استطاعت سے زیادہ ہوتے اور ملی مصالح پر صرف ہونے کے بجائے بادشاہوں کی عیش و عشرت پر صرف ہوتے تھے۔

فقہ حنفی کی کتاب التبیین میں ہے کہ جو احادیث عشّار کی مذمت میں منقول ہیں ان میں عشّار سے وہ شخص مراد ہے جو ظلماً لوگوں سے ان کا مال لے[1] اسی طرح الدر المختار میں ہے[2]

ٹیکسوں کی وہ قسمیں جو ناانصافی پر مبنی ہوں اور لوگوں سے ان کی استطاعت سے زیادہ وصول کیے جائیں ان پر مکس اور عشّار کے لفظ کا اطلاق ہوگا، چنانچہ الذہبی نے اس کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے کیونکہ مکّاس اور عاشر بلا استحقاق لیتا ہے اور بلا استحقاق صرف کرتا ہے[3]

بہرحال وہ ٹیکس جو مذکورہ شرائط کے ساتھ عائد کیے جائیں اور جن کا مقصود بجٹ کی ضروریات اور عسکری اقتصادی اور ثقافتی ضروریات کی تکمیل ہو، اور جن سے مقصود یہ ہو کہ قوم کی تعلیمی اور معاشی ضروریات پوری کی جائیں اور انھیں تمام ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں تو اس کے جواز میں شبہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اسلامی حکومت کے لیے ناگزیر ہے کہ

---

[1] البحر الرائق، ج ۲، ص ۲۴۹۔

[2] الدر المختار و حاشیۃ۔ ج ۲، ص ۴۲۔

[3] الکبائر، ص ۱۱۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مصلحت اور ضرورت کے مطابق ٹیکس عائد کرے۔

رفع عشور کی حدیث کا مفہوم جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں سے عشور رفع کر لیے گئے ہیں، تو اس حدیث کی صحت ثابت نہیں ہے، نیز یہ صریح الدلالت نہیں ہے بلکہ اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں۔

ابو عبید کی تاویل ابو عبید صاحب مکس اور عاشر کے بارے میں وعید پر مشتمل احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

ان احادیث کی توجیہ یہ ہے کہ یہ وہ محصولات ہیں جن کا سراغ جاہلیت میں ملتا ہے۔ عرب و عجم کے تمام بادشاہ اس قسم کے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ ان کا دستور تھا کہ وہ اپنے علاقہ میں تاجروں کے داخلہ پر ان کے اموال کا دسواں حصہ لے لیا کرتے تھے۔ اس کی وضاحت ہمارے بیان کردہ ان مکاتب نبوی سے ہوتی ہے جو آپ نے مختلف شہروں کے عاملوں کو تحریر فرمائے کہ وہ لوگوں کے جانوروں کو اکٹھا کر کے زکوٰۃ وصول نہ کریں اور نہ ان سے دسواں حصہ لیں؛ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جاہلیت کا دستور تھا جسے اسلام نے ختم کر دیا اور اس کے بجائے فریضۂ زکوٰۃ مقرر کیا جس کی مقدار چالیسواں حصہ ہے یعنی ہر سو درہم پر پانچ درہم، اس مقدار کے مطابق زکوٰۃ لینے والا عاشر نہیں ہے اور یہی مفہوم اس حدیث کا کہ مسلمانوں پر عشور نہیں ہیں بلکہ عشور یہود اور نصاریٰ پر تھے۔ اور اسی طرح وہ حدیث ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں اس میں عاشر سے مراد وہ ہے جو ناجائز ٹیکس لے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے کہ ان سے استفسار کیا گیا کہ کیا حضرت عمرؓ نے مسلمانوں سے عشر لیا تو انھوں نے کہا نہیں مجھے معلوم نہیں ہے۔ زیاد بن حدیر کی حدیث ہے کہ ہم کسی مسلمان یا معاہد سے عشر نہیں لیتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مسلمانوں سے ربع عشر اور ذمیوں سے نصف عشر لیتے تھے۔

غرض رفع عشور سے مراد یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب و عجم کے بادشاہ عشر کی صورت میں جو ٹیکس لیتے تھے اسلام نے اس میں تخفیف کی اور چالیسواں حصہ فرض

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ حدیث میں وارد یہود و نصاریٰ سے مراد اہل حرب ہیں چنانچہ عبدالرحمٰن بن معقل بیان کرتے ہیں کہ میں نے زیاد بن حدیر سے پوچھا کہ آپ عُشر کن سے لیتے تھے انھوں نے کہا کہ ہم مسلمانوں سے عُشر نہیں لیتے تھے بلکہ اہل حرب تاجروں سے لیتے تھے کہ وہ بھی ہم سے لیتے تھے[1] مسلمان غیر مسلم اقوام سے ان کے طرزِ عمل کے مطابق سلوک کیا کرتے تھے، اور اسی اصول پر آج کل عمل ہوتا ہے۔

ذمی یہود و نصاریٰ سے نہ تو اہل حرب کی طرح عُشر لیا جاتا اور نہ مسلمانوں کی طرح رُبع عُشر، بلکہ ان سے نصف عُشر لیا جاتا تھا۔ یہی مسئلہ ہے جس سے ابوعبید کو اوّلاً اشکال پیدا ہُوا بعد ازاں جب انھوں نے حضرت عمرؓ کی حدیث پر غور کیا تب انھوں نے سمجھا کہ یہ حضرت عمرؓ نے علاوہ جزیہ اور خراج کے ان سے صلح کی تھی، یعنی بربنائے صلح ان کے تاجروں سے عُشر لیا جائے گا[2] اور یہ اس لیے کہ ان کے مواشی اور نقود پر کچھ نہیں لیا جاتا جو مسلمانوں سے لیا جاتا ہے[3]

امام ترمذیؒ کی توجیہ عشور کے ایک معنی جزیہ کے بھی بیان کیے گئے کہ جزیہ کو خراج الرؤس بھی کہا جاتا ہے اور حدیث میں ہے کہ "مسلمانوں پر خراج نہیں ہے"

چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس فرمانِ نبوتؐ کہ "مسلمانوں پر عشور نہیں ہے" کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں پر جزیہ نہیں ہے کیونکہ اس کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ

"یہود و نصاریٰ پر عشور ہے، مسلمانوں پر نہیں ہے"[4]

---

[1] الاموال، ص ۷۰۷، ۷۰۸۔

[2] ایضاً، ص ۷۰۹، ۷۱۰۔

[3] احکام الذمیین والمستامنین فی دارالاسلام۔

[4] سنن الترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیۃ، ج ۲، ص ۳۹۹۔ طبع حمص۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اگر ذمی اسلام لے آئے تو اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

المناوی کی رائے المناوی نے التیسیر میں پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ مسلم سے مکس (ضریبہ) لینا حرام ہے، اور ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو، کیونکہ المقریزی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی کہ مسلمان تاجر ہندوستان آئے تو ان سے عُشر لیا گیا تو انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو تحریر کیا کہ مسلمان تاجروں سے دو سو درہم پر پانچ درہم اور ذمی تاجروں سے بیس درہم پر ایک درہم لو، بعد ازاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ ٹیکس ختم کر دیا[1] کیونکہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے کسی والی کو لکھا کہ مکس ختم کر دیا جائے اور رَفع میں قائم بیت المکس کو منہدم کر دیا جائے[2]

ہماری نظر میں المناوی کا کلام تحقیق طلب ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ

۱) انھوں نے عشور کی حدیث کو صحیح یا حسن تسلیم کر لیا ہے، حالانکہ یہ حدیث نہ صحیح ہے اور نہ حسن اور خود المناوی نے فیض القدیر میں یہی بیان کیا ہے۔

۲) اس سے یہ فرض کرنا لازم آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا عمل اس حدیث کے برخلاف تھا اور صحابۂ کرام نے بھی ان کو اس پر متنبہ نہیں کیا۔

۳) حضرت عمرؓ کا یہ عمل منکر تھا اور کبیرہ گناہ تھا کیونکہ صاحب مکس جنت میں نہیں جائے گا ——— ظاہر ہے کہ یہ صورت خلفائے راشدین کی سنت کے اتباع کے حکم کے خلاف ہے۔

۴) اس کا ایک مفہوم یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے ایک بے انصافی کا آغاز کیا جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ختم کیا حالانکہ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

---

[1] التیسیر، شرح الجامع الصغیر، ج ۱، ص ۳۶۸۔

[2] الاموال، ص ۷۰۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے حضرت عمرؓ کی سنتوں کا احیا کیا اور بنو اُمیہ کے دور میں جاری ہونے والے مظالم کو ختم کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ظالمانہ ٹیکسوں کا خاتمہ کیا اور جو ٹیکسوں کی وصولیابی میں مختلف قسم کی ناانصافیاں کی جاتی تھیں ان کو مٹایا، چنانچہ ابن حزم نے زریق بن حیان الدمشقی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انھیں تحریر کیا کہ وہ مسلمان تاجروں سے ہر چالیس دینار پر ایک دینار وصول کریں اور جو اس میں کمی رہے تو وہ اسی حساب سے لی جائے۔[1]

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ حدیث کہ مسلمانوں پر عشور نہیں ہے، اس امر کی دلیل نہیں بنتی کہ مسلمانوں سے مبنی بر انصاف ٹیکس وصول کرنا حرام ہے۔

مسالک اربعہ کے فقہاء منصفانہ ٹیکسوں کو جائز کہتے ہیں

منصفانہ ٹیکسوں کی مخالفت میں جو شبہات بیان کیے جاتے ہیں ہم نے ان کا جواب دے دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ فقہ اسلامی میں علاوہ زکوٰۃ کے ٹیکس بیان کیے گئے ہیں جن میں بعض کو عادلانہ ٹیکس شمار کیا گیا ہے اور بعض کو غیر عادلانہ ٹیکس کہا گیا ہے لیکن فقہاء نے ان ٹیکسوں کو ضرائب کے عنوان سے ذکر نہیں کیا ہے بلکہ فقہائے مالکیہ نے 'وظائف' اور 'خراج' کا نام دیا ہے۔ بعض فقہائے احناف نے 'نوائب' کہا ہے اور بعض حنبلی فقہاء نے 'الکلف السلطانیۃ' کی تعبیر اختیار کی ہے۔

فقہ حنفی کی تصریحات

متقدمین اور متأخرین فقہائے احناف نے منصفانہ ٹیکسوں کو بیان کیا ہے چنانچہ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ 'نوائب' (ٹیکس) منصفانہ بھی ہوتے ہیں، مثلاً نہر کے کھودنے کے لیے، محلہ کی حفاظت کے لیے حارس (چوکیدار) مقرر کرنے کے لیے لشکروں کی تیاری اور قیدیوں کا فدیہ دینے

---

[1] المحلی، ج ۶، ص ۶۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے، امام (سربراہ مملکت) بوقت ضرورت ٹیکس عائد کرسکتا ہے، لیکن بعض ٹیکس غیر منصفانہ بھی ہوتے ہیں جیسے ہمارے دور کے ظالمانہ ٹیکس[1]

القنیہ میں ابوجعفر بلخی کا قول ہے کہ اگر سلطان رعایا کی مصلحت کے پیش نظر ٹیکس عائد کرے تو وہ خراج کی طرح لوگوں پر ایک لازمی قرض ہو جائے گا، جیسے راستوں کو عام کرنے کے لیے چوکیداروں اور محافظوں کو متعین کرنے اور نہروں وغیرہ کی درستگی کے لیے ٹیکس لینا ظلم نہیں ہے بلکہ درست ہے اور اس کی ادائیگی سے باز رہنا درست نہیں ہے لیکن اس مسئلہ کی تشہیر نہ کی جائے کہ اس سے حکام ٹیکس لگانے میں جری ہو جائیں گے۔

ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اس میں یہ قید ضروری ہے کہ بیت المال اس کے لیے کافی نہ ہو[2]

مسالک فقہاء کی آراء مسلمانوں پر خراج عائد کرنا مصالح مرسلہ میں سے ہے اور بلاشک جائز ہے۔ آج اندلس میں مزید خراج کی ضرورت ہے کیونکہ دشمن سے مقابلہ ہے اور بیت المال ناکافی ہے اس لیے خراج قطعی طور پر جائز ہے، جہاں تک اس کی مقدار کا تعلق ہے تو وہ امام کی رائے پر موقوف ہے[3]

الغزالیؒ اور الشاطبیؒ کی رائے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اگر بیت المال خالی ہو تو خراج جائز ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کے الکلف السلطانیہ اور المظالم المشترکہ کے بارے میں بیان سے ان کے نزدیک اس کے جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔[4]

غرض مسالک اربعہ کے فقہاء نے ضرائب عادلہ کو جائز کیا ہے اگرچہ انھوں نے اس تحفظ کی بنا پر اس کے جواز کا برملا فتویٰ نہیں دیا ہے کہ حکمران ٹیکس لگانے میں جری ہو

---

[1] حاشیۃ ابن عابدین، ج ۲، ص ۵۸۔

[2] رد المحتار، ج ۲، ص ۵۹۔

[3] تہذیب الفروق القواعد السنیہ، ج ۱، ص ۱۴۱۔

[4] غیاث الامم۔ کافی کشف المظنون، ج ۲، ص ۱۲۱۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائیں گے اور عوام پر ظلم شروع کر دیں گے۔

ظالمانہ ٹیکسوں سے متعلق بعض فقہی جزئیات

اگر حکمراں رعایا پر ظالمانہ ٹیکس عائد کر دیں تو ایسی صورت سے متعلق فقہاء نے بعض فقہی جزئیات بھی بیان کی ہیں۔

۱) ظالمانہ ٹیکس میں معاملہ کفالت درست ہے یعنی جو کچھ کفیل سے ظالمانہ طریقہ پر لیا گیا ہے کفیل بنانے والا اس میں کفیل سے رجوع کر سکتا ہے، لیکن ظالم کا کفیل سے حق مطالبہ ثابت نہیں ہے[1]

۲) جو شخص ان ظالمانہ ٹیکسوں کی تقسیم اور مصارف کا بندوبست کرے گا وہ بشرط عدل ماجور ہوگا یعنی وہ ہر شخص سے اس کی قدرت و استطاعت کے مطابق لے اور انصاف کے ساتھ تقسیم کرے[2]

۳) ان ظالمانہ ٹیکسوں سے کسی حیلہ اور سفارش سے بچنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی نادہندگی کا بار دوسرے لوگوں پر نہ پڑے۔

اس مقام پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ ٹیکس دینا ظالم کی ظلم میں اعانت کرنا ہے، اگر کوئی شخص اس ظلم کو اپنے آپ سے دفع کرے تو جائز ہونا چاہیے۔ لیکن بعض فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس طرح ظلم سے بچنے سے یہ ظلم ان کمزور لوگوں کی طرف سے منتقل ہو جائے گا جو ظلم سے کسی ذریعے سے نہیں بچ سکتے[3] اور یہی رائے صحیح ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے اس سلسلے میں بڑی عمدہ بات فرمائی ہے۔

اگر بستیوں و شہروں میں لوگوں سے ظالمانہ اجتماعی ٹیکس (المظالم المشترکہ) وصول

---

[1] حاشیۃ ردالمحتار، ج ۲، ص ۵۸، ۵۹۔

[2] ایضاً۔

[3] ایضاً۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے جائیں اور ان سے جان و مال اور مویشی کی تعداد اور درختوں کی تعداد پر ٹیکس لیے جائیں، یا ان سے زکوٰۃ اور خراج کی شریعت کی مقررہ مقدار سے زائد وصول کیا جائے یا ان اشیاء پر ٹیکس لیا جائے جن پر شریعت میں کچھ نہیں ہے جیسے اشیاء کی خرید و فروخت پر ٹیکس؛ اگرچہ یہ ٹیکس جہاد کی وجہ بیان کر کے وصول کیے جائیں، جیسا کہ صاحب غیاث الامم نے ذکر کیا ہے، یا بادشاہ کی کسی مقام پر آمد، یا ولی عہد کی پیدائش وغیرہ پر لیا جائے یا ان کو سامان زیادہ قیمت پر فروخت کیا جائے یا نفوس کی تعداد اور جانوروں کی تعداد اور مال کی مقدار پر وصول کیا جائے۔

یہ سب لوگ ان اموال کی ادائیگی پر مجبور ہیں، اس میں کسی کو کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہیے بلکہ اہتمام عدل کرنا چاہیے اور کسی حال میں بھی ظلم و ناانصافی نہیں ہونی چاہیے، یعنی دہندگان کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس سے دوسرے پر ظلم ہوتا ہو بلکہ انصاف سے اپنا حصہ دے دے اور اگر زائد دے دے تو اس طرح دوسرے کا حق ادا ہو جائے گا اور یہ اس کا حسن سلوک شمار ہوگا اور اگر وہ چاہے تو وہ اس سے بعد میں مطالبہ کر سکتا ہے اور اسے قرض کی طرح اسے ادا کرنا چاہیے۔ اور اگر کوئی شخص غیر موجود ہو اور موجود لوگ اس کی طرف سے ادائیگی کر دیں تو اس پر اس کی واپسی لازم ہوگی [1]

www.KitaboSunnat.com

---

[1] مطالب اولی النہی، ج ۳، ص ۵۶۹، ۵۷۰۔ ابن تیمیہؒ کا کتابچہ المظالم المشترکہ، دمشق سے علیحدہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آٹھویں فصل

کیا ضرائب زکوٰۃ سے مستغنی کر سکتے ہیں؟

یہ بڑا اہم سوال ہے اور اس کا جواب دینا ناگزیر ہے کیونکہ دورِ جدید میں ہر صاحب ثروت مختلف نوعیتوں کے ٹیکس ادا کرتا ہے اور ان ٹیکسوں کی مجموعی مقدار زکوٰۃ کی مقدار سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے، مزید برآں یہ کہ ٹیکسوں کے بھی کئی مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں یعنی معذوروں کی مدد، بے روزگاروں کو روزگار کی فراہمی اور بے سہارا لوگوں کو سہارا فراہم کرنا اور تعلیم اور علاج کی سہولتیں مفت فراہم کرنا۔ اس صورت حال کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تمام ٹیکس زکوٰۃ سے مستغنی کر دیتے ہیں یا نہیں؟

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ زکوٰۃ میں تین اہم بنیادی امور کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱) وہ متعین مقداریں جو شریعت نے متعین کی ہیں یعنی عُشر، نصف عُشر اور رُبع عُشر۔

۲) اللہ کے حکم کے ادائیگی کی نیت اور اس حکم کو فرض عبادت سمجھ کر انجام دینے کا ارادہ۔

۳) قرآن کریم کے بیان کردہ آٹھ مصارف میں زکوٰۃ کی تقسیم۔

اب ملاحظہ کیجیے کیا ٹیکسوں سے یہ تینوں امور انجام پاتے ہیں؟

جہاں تک مقداروں کا تعلق ہے تو بہرحال ٹیکسوں میں شریعت اسلامیہ کی مقرر کردہ یہ مقداریں ملحوظ نہیں ہیں بلکہ ان مقداروں سے کم و بیش ہیں بلکہ بعض ایسی اشیاء پر جن پر شریعت نے زکوٰۃ متعین کی ہے نظام مالیات میں کوئی ٹیکس نہیں ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بعض ایسی اشیاء پر ٹیکس لگائے ہیں جن پر شریعت میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

اس مقام پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نقود پر ٹیکس ربع عشر سے بہت زائد ہوتے ہیں اور اگر فرض کر لیا جائے کہ کم مقدار ہیں ہوتے ہیں، تو اس باقی ماندہ مقدار کو ادا کر دینا چاہیے۔

نیت کی شرط میں زکوٰۃ کے عبادت ہونے اور اس کے خالصتاً اللہ کے لیے انجام دیے جانے کا تصور ناگزیر ہے اس لیے یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ ٹیکس میں بھی اخراجِ مال کی نیت ہوتی ہے۔

مصارف کے نقطۂ نظر سے امام زکوٰۃ اغنیاء سے لے کر ان مصارف میں صرف کرے گا جن کی تحدید قرآن کریم نے فرمائی ہے اور اسی طرح وصول کی جائے گی جو طریقہ اسلام نے اس کی وصولیابی کا متعین کیا ہے اور اسی نام سے اور عنوان سے لی جائے گی جو اسلام نے مقرر کیا ہے کیونکہ شعائر اسلام میں سے ہے۔ اسی لیے فقہائے مالکیہ نے کہا ہے کہ زکوٰۃ کے نام سے حکمراں جو مال ظالمانہ طور پر وصول کر لیں زکوٰۃ دہندہ کی جانب سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس کا مفہوم یہ ہوا کہ ٹیکس کے عنوان سے پہلے جو مالیہ وصول کیا جاتا تھا اور ٹیکس کے نام سے جو مالیہ آج وصول کیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ کے قائمقام نہیں ہو سکتا اور نہ ٹیکسوں کی ادائیگی سے زکوٰۃ دہندہ زکوٰۃ سے مستغنی ہو سکتا ہے۔

مگر اس جواب کا یہ نتیجہ مرتب ہوگا کہ ایک دین دار مسلمان تمام ٹیکس بھی ادا کرے اور بعد ازاں زکوٰۃ بھی ادا کرے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے اوپر دہرا مالی بوجھ ہو جب کہ جو حضرات زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان پر یہ وزن نہیں ہے اور یہ بات دین کے سہل اور حرج کے بغیر ہونے کے برخلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل بار بار یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیوں نہ موجودہ ٹیکسوں کو زکوٰۃ کی جگہ تصور کر لیا۔

مسلمانوں کی زندگیوں میں موجود تضاد

دراصل مذکورہ الجھن مسلمانوں کی زندگی کے اس تضاد سے پیدا ہوئی ہے کہ مسلمان ایک جانب زکوٰۃ کو فرض و عبادت تصور کرتے ہیں اور دوسری طرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین اسلام بحیثیت ایک نظام کے اپنی زندگیوں میں جاری نہیں کرتے، دین کو مانتے ہیں مگر دین کو جاری نہیں کرتے، یہ ایسا عجیب تضاد ہے جو اس سے پہلے کبھی اس قدر وسعت کے ساتھ رونما نہیں ہوا تھا۔

مسلمانوں کی تاریخ کے ہر دور میں مسلمان حکمران زکوٰۃ وصول کرتے رہے ہیں اور مسلمان اپنے تمام اموال کی زکوٰۃ دیتے رہے ہیں۔ بلاشبہ بعض حکمرانوں نے وصولیابی میں جور و ظلم سے کام لیا اور بعض مسلمانوں نے ادائیگی میں تقصیر کی لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ زکوٰۃ بالکلیہ معطل ہو گئی ہو، اور لوگوں کے نفوس میں دین اسلام کی وقعت اس حد تک ختم ہو گئی کہ انھوں نے کاملاً نظام زکوٰۃ کو خیرباد کہہ دیا ہو۔

عقیدہ و عمل کے اس تضاد کو سامراجی قوتوں نے زیادہ وسیع کیا ہے

مسلمانوں کی زندگی پر حاوی فکر و عمل کا تضاد درحقیقت سامراج کا پیدا کردہ ہے کہ غیر ملکی قوتیں عالم اسلام پر قابض ہو گئیں اور انھوں نے نظام اسلام کے ہر مظہر کو مٹا کر اپنا نظام حیات جاری کر دیا اور اپنے نظام تعلیم کی مدد سے خود مسلمانوں میں سے ایک ایسی نسل اٹھائی جو اسلامی عقائد کے بارے میں شکوک سے دوچار اور اسلام کے فرائض و احکام کے بارے میں تذبذب کا شکار تھی اور یہی نفسیاتی، فکری اور عملی مؤثرات تا ہنوز کارفرما ہیں اور مسلمانوں کی شریعت و ثقافت اور اخلاق و عمل پر بڑی گیرائی سے اثر انداز ہیں۔

مسلمانوں کو فسق و فجور اور بدکاری کی جانب راغب کرنے کے لیے اسلام کا فوجداری قانون معطل کر دیا گیا!

مسلمانوں کو سود خوار بنانے کے لیے اور یہودی سود خواروں کا نرم چارہ بنانے کے لیے اسلام کا مدنی قانون ختم کر دیا گیا!

اسلام کے رفاہِ عام پر مبنی اجتماعی مالی نظام پر ضرب لگانے کے لیے نظام زکوٰۃ منسوخ کر دیا گیا اور ٹیکس جاری کر کے سرمایہ دارانہ سودی نظام کی اساس رکھ دی گئی یہاں تک کہ ایک زمانے میں مصری اسمبلی میں نظام زکوٰۃ کی تجویز پیش ہوئی تو خود مسلمانوں نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی مخالفت کی کہ اب دین، فرد کی نجی زندگی کا معاملہ ہے امر ریاست نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چند اسلامی ممالک سے مغربی سامراج رخصت ہو چکا ہے لیکن وہ اپنے پیچھے اپنی تیار کردہ ایک ایسی نسل چھوڑ گیا جس نے تہذیب مغرب کی گود میں پرورش پائی ہے اور جس کو مغربی تہذیب و ثقافت گھٹی میں پلائی گئی ہے اور اب یہ نسل سامراج کے تفویض کردہ فرائض کو انجام دے رہی ہے، اسلام کو رجعت اور پسماندگی قرار دیتی اور مغرب کے لادینی طرز زندگی کو ترقی اور حضارت تصور کرتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اسلامی دنیا سے بحیثیت ایک نظام کے بالکل ختم ہو چکی ہے اور اگر بعض ارباب خیر زکوٰۃ نہ دیتے رہتے تو زکوٰۃ کا نام تک باقی نہ رہتا!

اسلامی حکومتوں کا فریضہ

بلاشبہ زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اس فریضہ کی تقدیس موجود ہے۔ اس لیے اس کی اس اہمیت اور تاریخی پس منظر کی وسعت کی بنا پر اس کو اسی نام، اسی عنوان، انہی مقادیر اور مصارف کے ساتھ دیگر ٹیکسوں کے ساتھ ساتھ جاری کرنا چاہیے اور اسلام کے نظام حیات کے اجرا کی جو حکومتیں دعویدار ہیں انھیں چاہیے کہ وہ فقہائے شریعت اور ماہرین مالیات کے تعاون سے ایسے ادارے وجود میں لائیں جن کی مدد سے نظام زکوٰۃ از سر نو بحال ہو سکے، نہ صرف زکوٰۃ بلکہ مکمل اسلامی نظام حیات کا عملاً جاری کرنا تمام مسلمانوں اور جملہ اسلامی ریاستوں کا ناگزیر فریضہ ہے۔

مسلمان فرد کی ذمے داری

اگر اسلامی ریاستیں نظام زکوٰۃ جاری نہ کریں یا بالفاظ دیگر نظام اسلامی برپا نہ کریں اور اسی طرح اسلام سے روگردانی کیے رہیں تو کیا ایک مسلمان فرد کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ ٹیکسوں کو زکوٰۃ کے حساب میں محسوب کر کے ادائے زکوٰۃ کی نیت کر لے اور اس طرح ایک ہی مال پر ٹیکس اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے دھرے وزن سے بچ جائے؟

بعض فتاویٰ

مختلف عصور میں فقہائے اس صورت حال کے بارے میں فتویٰ دیا ہے جن میں بعض سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ ٹیکسوں کو زکوٰۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حساب میں محسوب کرنا جائز ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ فقہائے شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ جو خراج ظلماً لیا جاتے وہ عشر کے قائمقام نہیں ہے اور اگر حکمران عشر کے بدلے یہ خراج وصول کریں تو صحیح قول یہ ہے کہ اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اگر حکومت کا وصول کردہ خراج کم ہو اور بحساب شریعت زکوٰۃ زیادہ بنتی ہو تو باقی ماندہ زکوٰۃ ادا کر کے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ جس زمین پر زکوٰۃ واجب ہے اس پر عشر کے بدلے خراج لینا اسی طرح ہے جس طرح آج کل زکوٰۃ کی جگہ ٹیکس لیا جاتا ہے اور اس مال پر لیا جاتا ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہے اور ان مصارف پر صرف کیا جاتا ہے جن میں زکوٰۃ صرف کی جاتی ہے۔

لیکن اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ حکومت جو ٹیکس لیتی ہے اسے وہ زکوٰۃ کا بدل نہیں تصور کرتی اسی لیے یہ ٹیکس مسلم اور غیر مسلم سب سے لیے جاتے ہیں اور ہر طرح کے مصارف میں صرف کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک فتویٰ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ بادشاہ اگر سرزمین صلح سے نصف پیداوار لے تو آپؒ نے فرمایا کہ یہ ظلم ہے لیکن اگر مالک زکوٰۃ کی نیت کر لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی [1]

ابن تیمیہؒ سے منقول ہے کہ جو مال حکومت ٹیکس (مکس) کے نام سے وصول کرے اسے بہ نیت زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی [2] لیکن ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ میں ان کی رائے اس کے برخلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ حکمران جو محصول زکوٰۃ کے نام کے علاوہ کسی اور نام سے لیں تو وہ زکوٰۃ شمار نہیں ہوگا [3] اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں اقوال میں سے کون سا صحیح ہے اور اگر دونوں صحیح ہیں تو بعد کا قول کون سا ہے۔

---

[1] شرح غایۃ المنتہی، ج ۲، ص ۱۳۳۔

[2] احمد بن محمد المنقور: الفواکہ العدیدہ فی المسائل المفیدہ، ج ۱، ص ۱۵۴۔ (ط۔ دمشق)

[3] مجموع الفتاویٰ، ج ۲۵، ص ۹۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال ان فتاویٰ کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان مشقت میں مبتلا نہ ہوں اور ظالمانہ ٹیکسوں سے جس زحمت میں وہ مبتلا ہیں اس میں کچھ نرمی پیدا ہو، جب کہ ہمارے سامنے جو صورت ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ ٹیکسوں کے بارے میں تصور تو یہی ہے کہ یہ عادلانہ ٹیکس ہیں کیونکہ ان سے ریاست وحکومت کے مصارف پورے کیے جاتے ہیں۔ اور مسالک فقہیہ کی جو آراء ہم نقل کر چکے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ "نوائب"، "تکلف سلطانیہ"، اور "خراج" وغیرہ اس دور میں زکوٰۃ کے علاوہ واجبات تھے جو عوام کو دینے پڑتے تھے اور یہ زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوتے تھے۔

مکس یا ٹیکس زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوتا

بیشتر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مکس یا ٹیکس زکوٰۃ کی جگہ کسی بھی حال میں شمار نہیں کیا جاسکتا بلکہ بعض فقہاء نے اس کو جائز سمجھنے والوں پر شدید تنقید کی ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر الہیثمی الزواجر میں فرماتے ہیں کہ

ابن حجر ہیثمی کا کلام

بعض فاسق تاجر یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے جو محصول وصول کیے جاتے ہیں وہ اس پر زکوٰۃ کی نیت ادا کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یہ ایک ظن باطل ہے اور مسلک شافعیؒ سے اس کا کوئی جواز نہیں ملتا کیونکہ حکمرانوں نے ان مکس وصول کرنے والوں کو زکوٰۃ کی وصولیابی پر متعین نہیں کیا بلکہ یہ مکاس ہر کم وبیش مال پر محصول لے لیتے ہیں خواہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہو یا نہ ہو، بعد ازاں اس مال کو لشکروں کی تیاری پر صرف کرتے ہیں اگر بیت المال کے خالی ہونے کی بنا پر اس محصول کو جائز بھی قرار دیا جائے تو بھی یہ زکوٰۃ کا بدل نہیں ہے اس لیے کہ اس کو زکوٰۃ کے نام سے لیا ہی نہیں جاتا۔

بعض تاجروں نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ وہ جب مکاس (ٹیکس وصول کنندہ) کو محصول دیتے ہیں تو زکوٰۃ کی نیت کر لیتے ہیں اس طرح گویا انھوں نے مکاس کو زکوٰۃ دی اور اس نے اس کو زکوٰۃ کے علاوہ مصارف میں صرف کیا لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ مکاس مستحق زکوٰۃ نہیں ہوتا بلکہ ان کے پاس مال ودولت اور قوت وشوکت سب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ ہوتا ہے اس لیے انھیں زکوٰۃ دینا بالکل درست نہیں ہے ... درحقیقت یہ مال کی شیطانی محبت ہے جو انسان حیلے سمجھاتی ہے حالانکہ زکوٰۃ فریضۂ الٰہی ہے جس سے وہ کسی طرح بھی بری نہیں ہو سکتے۔

مکّاس (ناجائز ٹیکس وصول کرنے والے) کو فقہائے چوروں اور راہزنوں میں شمار کیا ہے بلکہ ان کا جرم راہزنوں کے جرم سے بھی زیادہ شدید ہے۔ اگر کوئی راہزن مال چھین لے اور مال والا زکوٰۃ کی نیت کرلے تو جس طرح یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اسی طرح ٹیکسوں میں نیت زکوٰۃ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ بہرحال یہ سمجھنا کہ زکوٰۃ کی نیت کر کے ٹیکس دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی محض جہالت ہے۔[1]

ابن عابدین کی رائے

علامہ ابن عابدینؒ الدرالمختار میں مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس ظلم میں اضافہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ حکومت ٹھیکہ پر چنگی کا کام دے دیتی ہے اور ٹیکس وصول کرنے والے ایک ہی مال پر سال میں کئی مرتبہ ٹیکس وصول کرتے رہتے ہیں اس لیے ہمارے فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ گزرنے والوں سے ٹیکس وصول کرنے کے لیے حکومت جو عاشر متعین کرتی ہے اس کو دیا ہوا محصول زکوٰۃ میں شمار کرنا درست نہیں ہے چنانچہ البزازیہ میں ہے کہ اگر کس دیتے ہوئے زکوٰۃ کی نیت کی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور یہی امام سرخسیؒ کی رائے ہے۔

ابن عابدین نے مزید فرمایا ہے کہ اگر کس دیتے ہوئے یہ نیت کی کہ وہ وصول کنندگان کو زکوٰۃ دے رہا کہ ان پر جو لوگوں کے واجبات ہیں اس کے لحاظ سے وہ فقیر ہیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بہرحال اس مسئلہ کو ہم تیسرے باب میں بیان کر چکے ہیں۔

سیّد رشید رضا کا فتویٰ

سیّد رشید رضا سے استفسار کیا گیا کہ ہندوستان کے مسلمان انگریز کو زرعی ٹیکس ادا کرتے ہیں تو کیا یہ اس

---

[1] الزواجر عن اقتراف الکبائر، ابن حجر ہیثمی، ج ۱، ص ۱۴۹۔

[2] حاشیۃ ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عُشر یا نصف عُشر کا بدل ہو سکتا ہے جو شریعت نے مقرر کیا ہے۔

سید رشید رضا نے اس سوال کا المنار میں یہ جواب دیا کہ

عُشر اور نصف عُشر کی مقداریں شریعت کے حکم کے مطابق مصارف ثمانیہ میں صرف ہونی چاہئیں اگر دارالاسلام کا مسلمان حکمران یہ زکوٰۃ وصول کرے تو دہندہ کی طرف سے ادا ہو جائے گی اور اگر حکومتِ اسلامی یہ زکوٰۃ وصول نہ کرے تو زکوٰۃ دہندہ کو خود ادا کرنی چاہیے اور انگریز جو زرعی ٹیکس لیتے ہیں وہ ٹیکس ہی ہیں زکوٰۃ نہیں ہیں اور نہ ان سے زکوٰۃ ادا ہوگی بلکہ اسے ان ٹیکسوں کے علاوہ اپنے پاس سے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی [1]

شیخ شلتوت کا فتویٰ شیخ الازہر شیخ شلتوت سے استفسار کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ٹیکسوں کو زکوٰۃ کی جگہ متصور کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں ہے بلکہ مالی عبادت ہے، ہر چند کہ اس میں اور ٹیکس میں بعض اتفاق کے پہلو بھی ہیں لیکن اختلاف کے پہلو کہیں زیادہ ہیں یعنی مصدر تشریع دونوں کا مختلف ہے، وجوب کی اساس جدا جدا ہیں، اہداف و اغراض علیحدہ علیحدہ ہیں، نسبتوں اور مقادیر میں فرق ہے اور مصارف و نفقات مختلف ہیں۔

زکوٰۃ اللہ سبحانہ کا مقرر کردہ دائمی ایمانی فرض ہے اور فقراء اور مساکین کی امداد کا مستقل ذریعہ ہے جب کہ ٹیکس حاکم وقت عائد کرتا ہے اس لیے ان دونوں کا مصدر تشریع مختلف ہے اور ان کے مقاصد، مقادیر اور دوام و استقرار بھی جدا جدا ہیں۔

ٹیکس کی حیثیت قرض کی سی ہے جو دینا لازم ہے ٹیکس کی ادائیگی کے بعد اگر مال بقدر نصاب زکوٰۃ ہو تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے اور ٹیکسوں کی وجہ سے جو بوجھ صاحبِ مال پر پڑتا ہے اس سے یہ گنجائش نہیں نکلتی کہ زکوٰۃ نہ دے کر فقراء کو محروم کر دیا جائے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ حکومت کو اقتصاد کا مشورہ دیا جائے اور اقتصادیات کو اسلام کے مطابق استوار کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔

---

[1] الفتاویٰ، ص ۱۱۶، ۱۱۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ ابوزہرہ کی رائے ابوزہرہ اپنی کتاب تنظیم الاسلام للمجتمع میں اس سوال کے جواب میں کہ کیا موجودہ ٹیکسوں کی موجودگی میں زکوٰۃ وصول کی جائے گی فرماتے ہیں کہ موجودہ ٹیکسوں کی کوئی مخصوص مقدار اجتماعی کفالت کے لیے مخصوص نہیں ہے جب کہ زکوٰۃ کا مقصود اسی اجتماعی کفالت کو بروئے کار لانا ہے [1]

شیخ ابوزہرہ کی یہ رائے محل نظر ہے کیونکہ اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اگر ٹیکسوں میں اجتماعی کفالت کا لحاظ رکھا جائے اور اس سے فقراء اور مساکین کی ضروریات پوری کر دی جائیں تو ٹیکس زکوٰۃ کی جگہ لے سکتے ہیں۔

حالانکہ زکوٰۃ کسی طرح بھی ساقط نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی ٹیکس زکوٰۃ کی جگہ لے سکتا ہے کیونکہ زکوٰۃ اللہ کا مقرر کردہ فریضہ ہے جس میں بندے کوئی ردوبدل نہیں کر سکتے بلکہ یہ امر لازم ہے کہ زکوٰۃ اسی نام سے اور اسی مقدار کے مطابق اور انہی شرائط کے ساتھ ادا کی جائے جو اسلام نے متعین کی ہیں۔

فرض کر لیجیے کہ فقراء بالکل باقی نہ رہیں تو بھی زکوٰۃ لازماً ادا کرنی ہوگی اور اسے اعلاء کلمۃ اللہ اور تالیف قلوب میں صرف کیا جائے گا اور کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر حکومت اجتماعی کفالت کے لیے وسیع پیمانے پر محصولات حاصل کر رہی ہو تو بھی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی اور قرآنی حکم زکوٰۃ بدستور باقی رہتا ہے اور تاقیام قیامت باقی رہے گا۔

دراصل شیخ ابوزہرہ نے اس مقام پر تحقیق کے ساتھ مسئلہ کو بیان نہیں کیا ہے بلکہ محض ایک جستہ سی رائے ظاہر کر دی ہے۔

خلاصۂ کلام بہرحال صحیح رائے یہی ہے کہ ضرائب (ٹیکس) زکوٰۃ سے مستغنی نہیں کرتے اور ہر شرعی اعتبار سے یہی فتویٰ درست ہے کیونکہ زکوٰۃ

---

[1] تنظیم الاسلام للمجتمع۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امر عقیدہ، تقاضائے ایمانی اور مقتضائے اسلام ہے اور نظام اسلام کی جانب رجوع کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اسلام کے تمام احکام کو مضبوطی سے تھاما جائے۔ بلاشبہ آج مسلم مالی، نفسیاتی اور اجتماعی تعویقات سے دوچار ہے جس کی واحد وجہ یہ ہے کہ اسلام عملاً نافذ اور جاری نہیں ہے اور مسلم فرد کو ایک ایسا انگیز کرنا پڑ رہا ہے جو تمام تر غلط اوضاع پر قائم ہے اور سراسر اسلام سے متناقض ہے۔

اگر مسلم کسی ایسی ریاست میں مقیم ہو جہاں ریاست فقراء اور تنگدست لوگوں کو دست گیری کرتی ہو اور مستحق زکوٰۃ کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو بھی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بلکہ دیگر مصارف میں زکوٰۃ کو صرف کیا جائے گا، مثلاً اسلام کی دعوت، تالیف قلوب اور داعیان اسلام کی تیاری کے مراکز قائم کرنا اور کلمۃ حق کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرنا۔ اگر بالفرض ان امور میں زکوٰۃ صرف کرنا ممکن نہ ہو تو کسی قریبی ملک زکوٰۃ بھیج دی جائے تاکہ زکوٰۃ کے شرعی مصارف میں صرف ہو سکے۔

جہاں تک ابن تیمیہؒ اور امام احمدؒ کے فتاویٰ کا تعلق ہے تو ان کے فتاویٰ جس دور سے تعلق رکھتے ہیں اس وقت نظام زکوٰۃ قائم تھا اور بالعموم تمام مسلمان زکوٰۃ دیتے اس لیے ان کا فتویٰ ایک استثنائی صورت ہے جب کہ آج حالات بالکل مختلف ہیں اور اگر یہی حالات ان ائمہ کے پیش نظر ہوتے تو ان کا فتویٰ یقیناً مختلف ہوتا، کیونکہ آج اگر بہ اجازت دے دی جائے کہ مسلمان ٹیکسوں کو زکوٰۃ میں محسوب کر سکتے ہیں تو جو چند مسلمان زکوٰۃ دیتے ہیں وہ بھی زکوٰۃ نہیں دیں گے اور زکوٰۃ کا فریضہ دینی بالکل ختم ہو جائے گا جیسا کہ اور بہت سے اسلامی احکام مسلمانوں کی زندگی سے ختم ہو چکے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاتمہ

اِسلام کا نظام زکوٰۃ منفرد اور جدید نظام ہے

گزشتہ ابواب سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی ہے کہ اسلام کا نظام زکوٰۃ تاریخ انسانیت میں جدید اور منفرد نظام ہے اور ایسا نظام ہے جس تک انسانی فکر کی کبھی رسائی نہیں ہوئی اور نہ کسی آسمانی شریعت نے اس قدر مفصل نظام وضع کیا۔

بلاشبہ اسلام کا نظام زکوٰۃ اجتماعی، سیاسی، اخلاقی اور دینی پہلوؤں کا حامل بے مثال مالی اور اقتصادی نظام ہے۔

زکوٰۃ مالی اور اقتصادی نظام اس لیے ہے کہ یہ ایک محدود مالی ٹیکس ہے جو زمین پر عائد ہوتا ہے جیسے زکوٰۃ الفطر اور اموال پر اور آمدنیوں پر عائد ہوتا ہے جیسے عام زکوٰۃ، یہ بیت المال کا ایک مستقل اور دائمی مصدر ہے جو ناداروں کی اقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لیے صرف ہوتی ہے اور کنز اور دولت کے ارتکاز کے خلاف ایک مؤثر جنگ کی حیثیت رکھتی ہے۔

زکوٰۃ اجتماعی نظام اس لیے ہے کہ یہ درحقیقت معاشرے کے تمام افراد کے لیے ایک نظام تامین ہے جس سے ہر فرد معاشرہ کو مصائب و آفات سے تحفظ ملتا ہے۔ انسانی اخوت و یکجہتی وجود میں آتی ہے، حاصلین (HAVES) اور غیر حاصلین (HAVES NOT) کے فاصلے کم ہوتے ہیں، معاشی ناہمواریاں دور ہوتی ہیں، قادرین اور عاجزین کے درمیان نفرت و حسد کی دیواریں منہدم ہوتی ہیں اور مصلحین کو امور خیر کے انجام دینے کی سہولتیں فراہم ہوتی ہیں کیونکہ سبیل خیر میں جو بوجھ ان پر آجاتا ہے زکوٰۃ اسے رفع کر دیتی ہے اور اس طرح معاشرے کے متعدد اعلیٰ مقاصد اور اہداف کی تکمیل ہو جاتی ہے اور انسانی سماج کے بے شمار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسائل کا حل نکل آتا ہے۔

زکوٰۃ کا سیاسی پہلو یہ ہے کہ ریاست زکوٰۃ کی تحصیل اور توزیع کے فرائض انجام دیتی ہے، عاملین علیہا کا ایک پورا نظام قائم کرتی ہے اور عدل کو ملحوظ رکھتی ہے اور ان مصارف کا اندازہ و تخمین کرتی ہے جو دربست حکومت کے دائرہ اختیار میں ہیں جیسے مؤلفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ۔

چونکہ زکوٰۃ قلوب کی تطہیر کرتی ہے اور اغنیاء کے نفوس کو بخل اور رذائت سے پاک کرتی ہے اور نا یحسد کو بجھا کر محبت اور اخوت پیدا کرتی ہے اس لیے یہ ایک اخلاقی نظام بھی ہے۔

اور اس امر میں تو شبہ ہی نہیں ہے کہ زکوٰۃ ایک دینی نظام ہے اس لیے کہ زکوٰۃ فریضہ اسلامی ہے اور اس کا مقصود ہی ایمان کو تقویت دینا اور اللہ کی اطاعت کے لیے تیار ہونا ہے اور اس لیے کہ زکوٰۃ دین اسلام کا ایک رکن ہے جس کی مقادیر اور مصارف تمام دین ہی نے مقرر کیے ہیں۔ اور اس لیے کہ اس کا ایک حصہ اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوت دین میں صرف ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کا اس قدر وسیع اور مفید نظام اس امر کی دلیل ہے کہ شریعت اللہ سبحانہٗ کی نازل کردہ ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک امی قوم میں موجود نبی امی نے خود اپنی فکر سے ایسا نظام وضع کر لیا ہو جس کی پہلے کوئی نظیر موجود نہیں تھی۔

زکوٰۃ کے بارے میں غیر مسلموں کی گواہی

تھامس آرنلڈ اپنی تصنیف دعوت اسلام میں لکھتے ہیں کہ

"نظام زکوٰۃ اسلام کا ایک دینی فریضہ ہے جو بڑی باریکی اور جزرسی سے اسلامی معاشرے میں اخوت اور بھائی چارہ پیدا کرتا ہے، جس میں ہر رنگ و نسل کے مسلمان برابر ہیں اور ایک نیا مسلمان ہونے والا شخص اسلام قبول کرتے ہی وہی مرتبہ حاصل کر لیتا ہے جو ایک قدیم مسلمان کا ہے۔ بلاشبہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام زکوٰۃ ایک منفرد اور بے مثل نظام ہے۔

ایک اور مستشرق لیوڈروش کہتا ہے کہ

اسلام دو عالمی اجتماعی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔

اوّلاً، ایک نظام اخوت قائم کر کے اجتماعیت تشکیل دیتا ہے۔

ثانیاً، زکوٰۃ فرض قرار دے کر اغنیاء کے مال میں فقراء کا حق متعین کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر اغنیاء نہ دیں تو فقراء زبردستی لے سکتے ہیں۔

ایک مصنف کہتا ہے کہ

زکوٰۃ ایک دینی اور لازمی ٹیکس ہے، ایک اجتماعی نظام ہے جس میں فقراء کی مدد ہوتی ہے اور مستقل طور پر ان کی دست گیری کی جاتی ہے۔ تاریخ انسانیت میں اسلام نے سب سے پہلے یہ انوکھا اور منفرد نظام وضع کیا ہے کہ ایک ایسا ٹیکس عائد کیا جو عملاً ارباب ثروت سے لیا جاتا ہے اور فقراء میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ایک اجتماعی دائرہ میں اُمت کی وحدت قائم ہو جاتی ہے جس سے اسلامی نظام ایک ایسی اساس پر قائم ہوتا ہے جس میں نفرت و حسد نہیں ہوتا۔[1]

فرانسیسی مستشرق ماسینیاں کہتا ہے کہ

اسلام نے اپنا تے معاشرہ کی کفالت کا اجتماعی اصول دے کر صحیح معنی میں تصور مساوات قائم کیا ہے اور زکوٰۃ عائد کی ہے جیسے ہر شخص بیت المال کو ادا کرتا ہے جس سے تمام بنیادوں ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے اور انفرادی ملکیت اور تجارتی سرمایہ کاری کی توثیق ہوتی ہے، ربا کا خاتمہ ہوتا اور بالواسطہ ٹیکسوں سے نجات ملتی ہے اور اس طرح ایک ایسا معاشی نظام تشکیل پاتا ہے جو سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان ایک نظام عدل کی صورت میں ابھرتا ہے۔

ایک اطالوی مصنفہ فاغلیری لکھتی ہیں کہ

---

[1] کرد علی: الاسلام والحضارۃ العربیۃ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقریباً تمام مذاہب نے صدقات کی اخلاقی اور اجتماعی اہمیت واضح کی ہے لیکن یہ شرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے صدقات کے فضائل بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے حکماً اور عملاً نافذ کر دیا کہ ہر شخص اپنی ثروت اور دولت میں سے ایک حصہ فقراء، محتاجین اور ضرورت مندوں کے لیے ادا کرے، اور اپنے نفس کو بخل سے پاک کر کے الٰہی کفالت کے نظام میں شریک ہو جائے۔[1]

بعض مصلحین اُمّت کی آراء مستشرقین کے خیالات ذکر کرنے کے بعد اب ہم بعض مسلمان مصلحین کی آراء بھی ذکر کرتے ہیں، شاید ان کی آراء ہدایت اور موعظت کا ذریعہ بن جائیں۔

اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی نظام زکوٰۃ کے از سر نو قیام سے ممکن ہو سکتی ہے

علامہ سید رشید رضا فرماتے ہیں کہ اسلام فرضیت زکوٰۃ میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے۔ اگر مسلمان نظام زکوٰۃ قائم کر لیں تو ان کے رزق میں برکت ہو اور مسلم معاشرے میں کوئی نادار مفلس نہ رہے۔ لیکن مسلمانوں نے خود اپنے اوپر زیادتی کی ہے کہ نظام زکوٰۃ کو معطل کر دیا ہے اور تمام اقوام عالم میں سیاسی اور مالی لحاظ سے پست ہو گئے اور حکومت بھی گئی اور عزت بھی ختم ہوئی اور مسلمان اپنی اولاد کی تربیت کے لیے بھی غیروں کے محتاج ہو گئے اب ہم اپنے بچوں کو علم و تربیت کے حصول کے لیے عیسائی مشنری اسکولوں میں بھیجتے ہیں اور ان کے ملی روابط منقطع کر کے انھیں غیروں کا غلام بنا دیتے ہیں۔ ہمارے مسلمان کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ ہم ایسے اسکول کھولیں، میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے پاس دین و عقل اور ہمت و غیرت نہیں ہے حالانکہ دوسری اقوام تو اپنی فہم و فراست اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اجتماعی خیر کے لیے سب مل کر مصارف کریں اور مسلمانوں کو خدا نے حکم دیا ہے لیکن مسلمان اسی ذلت پر راضی ہیں کہ غیروں ہی

---

[1] دفاع عن الاسلام، ص ۶۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے دست نگر بنے رہیں، اور خود اپنے آپ کو فراموش کیے رہیں تاکہ اللہ بھی اپنی رحمتیں ان سے دُور رکھے۔

اب داعیانِ اصلاح کا فریضہ یہ ہے کہ وہ حصولِ زکوٰۃ کی ایک تنظیم قائم کریں جسے اوّلاً اس تنظیم کے منسلکین ہی کی فلاح پر صرف کیا جائے اور اس امر کو ملحوظ رکھا جائے سامراج کی غلامی میں گرفتار اقوام کی آزادی جدّوجہد پر صرف کرنا بھی مؤلفۃ القلوب کے مصرف میں داخل ہے اور نظامِ اسلام کے از سرِ نو برپا کرنے کی مساعی پر صرف کرنا فی سبیل اللہ کے دائرے میں آتا ہے، اسی طرح دعوتِ اسلام اور اسلام پر بیرونی حملوں کی مدافعت بھی مصرف زکوٰۃ ہے۔

اسلام کی عظمت و تقدیس کی بحالی کے لیے ناگزیر ہے کہ نظامِ زکوٰۃ بحال کیا جائے بلکہ اگر نظامِ زکوٰۃ قائم ہو جائے تو اسلام کو مزید قوت حاصل ہو گئی اور مسلمانوں کو کافروں کی غلامی سے نجات دلائی جا سکے گی، اور یہ سب کچھ عُشر اور نصف عُشر کی معمولی زکوٰۃ فرض دے کر ممکن ہو جائے گا اور ہمارے سامنے یہ مثالیں بھی ہیں کہ غیر مسلم از خود اپنی قوم اور ملک کی فلاح پر اس سے کہیں زیادہ صرف کرتے ہیں جتنی ہم مسلمانوں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔

فوائد زکوٰۃ امت ہی کو حاصل ہوتے ہیں

مرحوم شیخ شلتوت حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہ

"زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء کو لوٹائی جاتی ہے"

فرماتے ہیں کہ

یہ تعلیم نبویؐ بتاتی ہے کہ زکوٰۃ اُمت کے بعض ہاتھوں میں موجود مال کو خود اُمت کے مصالح میں صرف کرنا ہے اور ان اغنیاء کے ہاتھوں سے لے کر جو اس مال کے امین ہیں اور محافظ ہیں ان ہاتھوں میں پہنچانا ہے جو عمل کرنے والے اور جدّوجہد کرنے والے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی معاشرہ میں زکوٰۃ کی اہمیت

مجدد عصر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اپنی کتاب "اسلام اور جدید معاشی نظریات" میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"اسلام کا مقصد جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ ہے کہ دولت کسی جگہ جمع نہ ہونے پائے۔ وہ چاہتا ہے کہ جماعت کے جن افراد کو اپنی بہتر قابلیت یا خوش قسمتی کی بنا پر ان کی ضرورت سے زیادہ دولت میسر آگئی ہو وہ اس کو سمیٹ کر نہ رکھیں بلکہ خرچ کریں اور ایسے مصارف میں خرچ کریں جن سے دولت کی گردش میں سوسائٹی کے کم نصیب افراد کو بھی حصہ مل جائے۔ اس غرض کے لیے اسلام ایک طرف اپنی بلند اخلاقی تعلیم اور ترغیب و ترہیب کے نہایت مؤثر طریقوں سے فیاضی اور حقیقی امداد باہمی کی اسپرٹ سے کرتا ہے تاکہ لوگ خود اپنے میلان طبع ہی سے دولت جمع کرنے کو بُرا سمجھیں اور اسے خرچ کر دینے کی طرف راغب ہوں۔ دوسری طرف وہ ایسا قانون بناتا ہے کہ جو لوگ فیاضی کی اس تعلیم کے باوجود اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے روپیہ جوڑنے اور مال سمیٹنے کے نوگر ہوں یا جن کے پاس کسی نہ کسی طور مال جمع ہو جائے، ان کے مال میں سے کم از کم ایک حصہ سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے لیے ضرور نکلوایا جائے۔ اسی چیز کا نام زکوٰۃ ہے اور اسلام کے معاشی نظام میں اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اس کو ارکانِ اسلام میں شامل کر دیا گیا ہے۔ نماز کے بعد سب سے زیادہ اسی کی تاکید کی گئی ہے اور صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ جو شخص دولت جمع کرتا ہے اس کی دولت اس کے لیے حلال ہی نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا

(التوبہ : ۱۰۳)

ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کرو اور اس کے ذریعے سے انھیں پاک

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ظاہر کردو۔

لفظ زکوٰۃ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مالدار آدمی کے پاس جو دولت جمع ہوتی ہے وہ اسلام کی نگاہ میں ایک نجاست ہے ایک ناپاکی ہے اور وہ پاک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا مالک اس میں سے ہر سال کم از کم ڈھائی فی صدی راہِ خدا میں خرچ نہ کر دے۔ 'راہِ خدا' کیا ہے؟ خدا کی ذات تو بے نیاز ہے اس کو نہ تمہارا مال پہنچتا ہے نہ وہ اس کا حاجت مند ہے۔ اس کی راہ بس یہی ہے کہ تم خود اپنی قوم کے تنگ حال لوگوں کو خوش حال بنانے کی کوشش کرو اور ایسے مفید کاموں کو ترقی دو جن کا فائدہ ساری قوم کو حاصل ہوتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۝ (التوبہ : ۶۰)

'صدقات تو دراصل فقراء اور مساکین کے لیے ہیں اور ان کارکنوں کے لیے جو صدقات کی تحصیل پر مقرر ہوں اور ان لوگوں کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور لوگوں کی گردنیں بندا سیری سے چھڑانے کے لیے اور قرض داروں کے لیے اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے اور مسافروں کے لیے'

یہ مسلمانوں کی کوآپریٹو سوسائٹی ہے۔ یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے۔ یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے یہ ان کے لیے بے کاروں کا سرمایۂ اعانت ہے۔ یہ ان کے معذوروں، اپاہجوں، بیماروں، یتیموں، بیواؤں کا ذریعۂ پرورش ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکرِ فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا سیدھا سادھا اصول یہ ہے کہ آج تم مالدار ہو تو دوسروں کی مدد کرو۔ کل تم نادار ہو گئے تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں یہ فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ مفلس ہو گئے تو کیا بنے گا؟ مر گئے تو بیوی بچوں کا کیا حشر ہوگا؟ کوئی آفت ناگہانی آپڑی، بیمار ہو گئے، گھر میں آگ لگ گئی،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیلاب آگیا، دیوالہ نکل گیا تو ان مصیبتوں سے مخلصی کی کیا سبیل ہوگی؟ سفر میں پیسہ نہ رہا تو کیونکر گزر بسر ہوگی؟ ان سب فکروں سے صرف زکوٰۃ تم کو ہمیشہ کے لیے بے فکر کر دیتی ہے۔ تمہارا کام بس اتنا ہے کہ اپنی پس انداز کی ہوئی دولت میں سے ڈھائی فی صدی دے کر اللہ کی انشورنس کمپنی میں اپنا بیمہ کرا لو، اس وقت تم کو اس دولت کی ضرورت نہیں ہے یہ ان کے کام آئے گی جو اس کے ضرورت مند ہیں۔ کل جب تم ضرورت مند ہو گے یا تمہاری اولاد ضرورت مند ہوگی تو نہ صرف تمہارا اپنا دیا ہوا مال بلکہ اس سے بھی زیادہ تم کو واپس مل جائے گا۔

یہاں پھر سرمایہ داری اور اسلام کے اصول و مناہج میں کلی تضاد نظر آتا ہے سرمایہ داری کا اقتضا یہ ہے کہ روپیہ جمع کیا جائے اور اس کو بڑھانے کے لیے سود لیا جائے تاکہ ان نالیوں کے ذریعے آس پاس کے لوگوں کا روپیہ بھی سمٹ کر اس جھیل میں جمع ہو جائے۔ اسلام اس کے بالکل خلاف یہ حکم دیتا ہے کہ روپیہ اول تو جمع ہی نہ ہو، اور اگر جمع ہو بھی تو اس تالاب میں سے زکوٰۃ کی نہریں نکال دی جائیں تاکہ جو کھیت سوکھے ہیں ان کو پانی پہنچے اور گرد و پیش کی ساری زمین شاداب ہو جائے۔ سرمایہ داری کے نظام میں دولت کا مبادلہ مفید ہے اور اسلام میں آزاد۔ سرمایہ داری کے تالاب سے پانی لینے کے لیے ناگزیر ہے کہ خاص آپ کا پانی پہلے سے وہاں موجود ہو، ورنہ آپ ایک قطرۂ آب بھی وہاں سے نہیں لے سکتے ——— اس کے مقابلے میں اسلام کے خزانۂ آب کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ پانی ہو وہ اس میں لا کر ڈال دے اور جس کو پانی کی ضرورت ہو وہ اس میں سے لے لے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں طریقے اپنی اصل طبیعت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی پوری ضد ہیں اور ایک ہی نظم معیشت میں دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔"

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ کی ایک نمایاں خصوصیت

مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب ارکان اربعہ میں زکوٰۃ کی نمایاں خصوصیات بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی سب سے نمایاں خصوصیت جو اسے ٹیکس سے ممتاز کرتی ہے۔ ایمان و احتساب کی وہ رُوح ہے جو اس فریضہ میں جان ڈال دیتی ہے۔ بعد ازاں فرماتے ہیں کہ

زکوٰۃ اور ان ٹیکسوں کے درمیان جو شخصی سلطنتوں میں یا نئے زمانے کی جمہوری اور عوامی حکومتوں میں نظر آتے ہیں ایک نمایاں اور بنیادی فرق جو اس کے اثرات و نتائج پر پورے طور پر اثر انداز ہے وہ اس کی شرعی ساخت اور حیثیت ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بلیغ و معجزانہ الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا

تؤخذ من اغنیاءھم وترد علی فقرائھم

ان کے دولت مندوں سے لیا جائے اور ان کے غربا میں تقسیم کیا جائے۔

یہ زکوٰۃ کی وہ شرعی حیثیت ہے جو عہد اوّل میں نظر آتی ہے اور جو قیامت تک برقرار رہنی چاہیے وہ ان اغنیاء (جو اس کے شرائط فرضیت پر اترتے ہیں اور زکوٰۃ کا منصوص اور معین نصاب ان کے پاس موجود ہے) سے لے کر ان مصارف میں صرف کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں اور کسی تفنن اور قانون ساز ادارہ یا شخصیت کو اس کا حق نہیں دیا ہے کہ وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ (التوبہ : ٦٠)

صدقات واجبہ تو صرف غریبوں کا حق ہیں۔

شریعت اور احادیث نبویؐ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد شہر کے فقراء اور اہل حاجت ہیں، زکوٰۃ کا یہ نظام ان حکومتوں میں بھی قائم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا جو اسلامی قوانین کی تطبیق پر سو فی صدی عامل نہ تھیں، چنانچہ فقراء و مستحقین ان حکومتوں کے سایہ میں کبھی اپنے حقوق سے کلیتہً محروم نہیں رہے اور حدود اللہ کبھی پوری طرح معطل نہیں ہوتے[1] یہ وہ حکومتیں ہیں جن کی خدمت میں بہت غرض مند مؤرخ اور مستشرق پیش پیش نظر آتے ہیں بلکہ ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے داعی ہیں۔

اس کے برعکس جو ٹیکس موجودہ حکومتوں میں لگائے جاتے ہیں وہ زکوٰۃ کی عین ضد ہیں یہ ٹیکس (خواہ ظالمانہ ہوں یا عادلانہ، کم ہوں یا زیادہ) زیادہ تر متوسط طبقہ اور غربا سے وصول کیے جاتے ہیں اور اغنیاء و امرا کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ یہ دولت جو کسانوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی اور مزدوروں کاریگروں اور تاجروں پر لگائے ہوئے ٹیکسوں سے حاصل ہوتی ہے، بڑی سخاوت، بلکہ بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ صدور مملکت اور بیرونی مہمانوں کے استقبال اور ان کی شاہانہ اور پر تکلف ضیافتوں پر (جن کو دیکھ کر الف لیلہ کے خیالی قصے یاد آجاتے ہیں) بیرونی ملکوں کے سفارت خانوں کی شاندار کابینہ پارٹیوں پر جن میں شراب پانی کی طرح بہائی جاتی ہے، حکومتوں کی پروپیگنڈہ مشینری پر جس کا کام عوام کی دولت کو لوٹنا اور ان کا خون چوسنا ہے، غیر ملکی صحافیوں، نیوز ایجنسیوں اور ریڈیو، ٹی وی کے اناؤنسروں پر جن کا مقصد جھوٹی خبریں گھڑنا، بے گناہوں پر الزام رکھنا اور اپنے دشمنوں کو دن رات گالی دینا اور ہر وقت برا بھلا کہنا ہے اور ان اخباروں پر جن کو آج کل فوجوں اور ہتھیاروں سے زیادہ مفید اور کارگر سمجھا جاتا ہے خرچ کی جاتی

---

[1] اس کے ثبوت کے لیے امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج کافی ہے جو خلیفہ ہارون رشید کے ایما اور تجویز پر لکھی گئی اور جس سے خراج زکوٰۃ اور صدقات کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اس دولت کا سب سے بڑا مصرف انہی چیزوں کو سمجھ لیا گیا ہے، آج ہر عوامی، جمہوری، اشتراکی اور سوشلسٹ حکومت اسپنج کی طرح عوام کا خون چوستی ہے اور پروپیگنڈہ، سیاسی رشوت اور صحافتی تلبیس کے سمندر میں انڈیل دیتی ہے، اس لحاظ سے ان ٹیکسوں کی اصل تصویر اور موجودہ حکومتوں کا اصل مرقع پیش کرنے کے لیے اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی کہ یہ ٹیکس غربا سے لے کر امرا کو دے دیا جاتا ہے۔ اسلامی زکوٰۃ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مالدار و مالک نصاب پر فرض کی گئی ہے اور جو اس امت کے ساتھ در حقیقت لطف و رحمت کا معاملہ اور نعمت نبوت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے ایک ایسا ٹیکس ہے (اگر اسے ٹیکس کہنا ضروری ہو) جس کا بار سب سے کم اور برکت سب سے زیادہ ہے اس لیے کہ وہ اغنیا سے وصول کیا جاتا ہے اور فقرا کو لوٹا دیا جاتا ہے۔

آخر میں زکوٰۃ کے موضوع پر میں اپنی یہ تحقیق ماہرین مالیات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ وہ جان سکیں دنیا کے تمام نظام ہائے مالیات میں سب سے پہلے اسلام نے بہترین اصولوں محکم ضمانتوں اور عدل و انصاف پر مبنی نظام زکوٰۃ قائم کیا ہے۔ اس روشنی میں ماہرین مالیات کو چاہیے کہ وہ اسلام کی دی ہوئی ہدایات اور دور جدید کے عملی حالات کے پیش نظر نظام زکوٰۃ کو از سر نو استوار کرنے کی سعی کریں اور ٹیکسوں کی فہرست میں زکوٰۃ کو سر فہرست رکھیں۔

میں اپنی یہ تحقیق ان حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو کسی بھی طرح "اجتماعی کفالت" سے متعلق ہیں تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ انسانی تاریخ میں یہ اولین "اجتماعی کفالت" کا نظام ہے جو حکومت کے توسط سے بروئے کار آتی ہے۔ درانحالیکہ مغرب میں ضعفا اور محتاجین کی امداد و تعاون کی تاریخ ہی سترھویں صدی سے شروع ہوئی ہے اور ہم نے بھی انشورنس کا نظام مغرب ہی سے لیا ہے، کیوں نہ ہم اسلام کے نظام کفالت" اور اجتماعی ضمانت کے نظام کو اختیار کریں!

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اپنی یہ تحقیق ان مسلمان دانشوروں کی خدمت میں بھی پیش کرتا ہوں جن کے نام اسلامی اور صورتیں مشرقی ہیں لیکن قلب و نظر سراسر مغربی ہیں، تاکہ انھیں علم ہو کہ اسلام محض انسان کی نجی زندگی کا معاملہ اور درونِ خانہ عبادت کی مذہبی رسوم کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اسلام دین و دنیا کے تمام امور پر مشتمل، علم و عمل کے ہر پہلو پر حاوی حقوق و واجبات کے تمام گوشوں پر محیط، حریت و عدل کے تمام تقاضوں کا جامع اور زندگی کے ہر ہر پہلو کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے اور اس کی واضح مثال نظام زکوٰۃ ہے۔

میں اپنا یہ مطالعہ تمام مسلمان حکومتوں کو پیش کرتا ہوں تاکہ وہ اسلامی شریعت کی رجوع کریں اور یکے بعد دیگرے اسلامی قانون کو اختیار کریں تاکہ مسلمانوں کی زندگی سے عقیدہ و عمل کے تضادات دور ہوں اور مسلمان ریاستیں اس قابل ہو سکیں کہ جس طرح وہ سیاسی سامراج سے آزاد ہو چکی ہیں اسی طرح وہ مغرب کی ذہنی غلامی سے بھی آزاد ہو جائیں اور اپنے قوانین اور نظام حیات کا سرچشمہ قانون اسلام کو بنالیں۔

اور سب سے آخر میں میں اپنی یہ علمی کاوش ان حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو اسلامی نظام کے داعی ہیں اور فقہ اسلامی سے متعلق ہیں کہ ہو سکتا ہے قرآن و سنت کی روشنی میں کیے گئے اس مطالعہ سے ان کے ایمان اور یقین میں اضافہ ہو اور وہ کامل یقین و ایمان کے ساتھ مسلمانوں کی قیادت کر سکیں اور ان کی حق و عدل کی جانب راہنمائی کر سکیں اور انھیں علم کی اساس پر اس امر سے آگاہ کر سکیں کہ شریعت اسلامیہ ہر دور اور ہر مقام کے لیے موزوں ہے اور یہی واحد نظام زندگی ہے جو انسان کی صلاح دنیا اور فلاح آخرت کا ضامن ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشاریہ (اعلام)

آمدی ، ابوالحسن علی ، اصول فقہ کی مشہور کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام" کے مصنف ۔ م ۶۳۱ھ ۔

البھری ، محمد بن عبداللہ بن صالح ، مالکی مسلک کے فقیہ ۔ م ۳۹۵ھ ۔

ابن الاثیر ، علی بن محمد ، "الکامل فی التاریخ" کے مصنف ۔ م ۶۳۰ھ ۔

ابن الاثیر ، مجدالدین ، مبارک بن محمد ۔ م ۶۰۶ھ ۔

اجھوری ، علی بن محمد ، م ۱۰۶۶ھ ۔

احمد بن ثابت عوامیہ ، مشہور مصری ماہر قانون ۔

اسحاق ، بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی ، ابن راہویہ ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ ۔ م ۲۳۷ھ ۔

ابواسحاق ، عمرو بن عبداللہ سبیعی کوفی ، تابعی ہیں ۔ م ۱۲۶ھ ۔

اسماء بنت ابی بکر ، حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی ، ذات النطاقین ، حضرت زبیر بن العوام کی اہلیہ ، ان کے دو فرزندان عبداللہ اور عروہ کی والدہ ۔ م ۷۲ھ ۔

اشہب ، بن عبدالعزیز قیسی ، مسلک مالک کے مطہر مشہور مصری فقیہ ، م ۲۰۴ھ ۔

اصبغ ، بن الفرج ، ابوعبداللہ ، ابن وہب کے تلامذہ میں سے تھے اور مسلک مالک میں بڑا درک رکھتے تھے ۔ م ۲۲۵ھ ۔

اعظمی ، ڈاکٹر محمد مصطفےٰ اعظمی ، ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں ، ازہر میں تعلیم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کی، انگریزی میں مقالہ تحریر کیا جس میں شناخت کے مزعومات کا علمی رد کیا۔

ابوالاعلیٰ مودودی ؒ، عصر جدید کے مایۂ ناز مفکر، ملت اسلامیہ کے مجدد، جماعت اسلامی کے مؤسس و بانی۔

انس ؓ، بن مالک بن نضر، مشہور صحابی، خادم رسول، م ۹۲ھ

اوزاعی ؒ، عبدالرحمٰن بن عمرو، مشہور فقیہ، م ۱۵۷ھ

ایوب السختیانی ؒ، ابن ابی تیمیۃ البصری، مشہور فقیہ، م ۱۳۱ھ

الباجی ؒ، ابوالولید، سلیمان بن خلف بن سعد، مسلک مالک کے مشہور فقیہ، قاضی، اور مؤطا امام مالک ؒ کے شارح۔ م ۴۷۴ھ

الباقر ؒ، ابوجعفر محمد بن علی، زین العابدین، م ۱۱۸ھ

ابن بشیر، ابن بطال، مسلک مالک کے فقیہ،

البغوی ؒ، عبداللہ بن محمد البغدادی، م ۳۱۷ھ

ابوبکر صدیق ؓ، عبداللہ بن ابی قحافہ، خلیفۂ رسول، رفیق غار۔ م ۱۳ھ

ابوبکر الاحم، عبدالرحمٰن بن الاحم العبدی، ابن معین نے ثقہ کہا ہے، ابوحاتم نے صدوق کہا ہے، مسلم اور نسائی نے ان سے ایک ایک حدیث روایت کی ہے۔

ابوبکر بن ابی شیبہ، عبدالرحمٰن بن عبدالمالک، امام بخاری ؒ نے ان سے دو حدیثیں نقل کی ہیں، ان کی توثیق اور تضعیف میں اختلاف ہے، امام نسائی نے بھی ان سے روایات نقل کی ہیں۔ م ۲۳۵ھ

ابوبکر عبدالعزیز، بن جعفر، حنبلی مسلک کے مشہور فقیہ، غلام الخلال کے نام سے متعارف ہیں۔ م ۳۶۳ھ

البلاذری ؒ، احمد بن یحییٰ، معروف مؤرخ، مشہور کتاب فتوح البلدان کے مصنف، م ۲۷۹ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلال بن رباح ، صحابی رسولؐ ، م ۱۷ھ

البہی الخولی ، صاحب تصانیف مصر کے مشہور داعی اسلام۔

البیہقی ، احمد بن الحسین ، السنن الکبریٰ (مجموعہ حدیث) کے مصنف م ۴۵۸ھ

ابن تیمیہؒ ، احمد بن عبدالحلیم ، مشہور مجتہد و فقیہ ، م ۷۲۸ھ

الثوری ، سفیان بن سعید ، مشہور فقیہ و محدث۔ م ۱۶۱ھ

ابو ثور ، ابراہیم بن خالد الکلبی ، فقیہ ، صاحب الشافعیؒ۔ م ۲۴۰ھ

جابر بن زید ، تابعی فقیہ ، م ۹۳ھ

جابر بن عبداللہ ، صحابی ، فقیہ ، م ۷۰ھ

الجصاص ، احمد بن علی ابوبکر الرازی ، مشہور حنفی فقیہ ، م ۳۷۰ھ

جعفر الصادق ، جعفر بن محمد الہاشمی ، فقیہ ، اہل بیت کے امام۔ م ۱۴۸ھ

ابن الجوزی ، عبدالرحمٰن بن علی ابوالفرج ، حنبلی مسلک کے فقیہ ، م ۵۹۷ھ

الجوینی ، عبدالملک بن عبداللہ ، مسلک شافعیؒ کے فقیہ ، امام الحرمین م ۴۷۸ھ

ابن الحاجب ، عثمان بن عمر ، مالکی ، اصولی و نحوی۔ م ۶۴۶ھ

الحازمی ، ابوبکر بن محمد بن موسیٰ ، م ۵۸۴ھ

ابن حامد ، حسن بن حامد بن علی ، حنبلی مسلک کے امام۔ م ۴۰۳ھ

ابن حبیب ، عبدالملک ، مالکی فقیہ ، م ۲۳۸ھ

ابو حثمہ ، عبداللہ ، یا عامر الانصاری ، صحابی رسولؐ ، جو اُحد میں آپؐ کے لیے راستہ بنانے کی خدمت پر مامور تھے۔

ابن حجر ، احمد بن علی العسقلانی ، فتح الباری کے مصنف۔ م ۸۵۲ھ

ابن حجر الہیثمی ، احمد بن محمد ، شافعی فقیہ ، "المنہاج" اور "الزواجر" کے مصنف م ۹۲۷ھ

ابن حزم ، علی بن احمد ، ابومحمد الظاہری ، المحلّٰی کے مصنف۔ م ۴۵۶ھ

حسن بصری ، ابن ابی الحسن ، تابعی ، فقیہ ، م ۱۱۰ھ

حسن بن صالح بن حی الہمدانی ، فقیہ عابد ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ان کی حدیث نقل کی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض نے ان کو ضعیف کہا ہے کیونکہ تشیع کی جانب میلان تھا اور جمعہ میں نہیں آتے تھے، اس لیے ان کے نزدیک فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز تھا۔ م ۱۶۶ھ

حسن بن علی بن ابی طالب ، نواسۂ رسولؐ، فرزند علی، جنت کے گل سرسبد۔ م ۴۹ھ

حسن بن علی ، فقیہ حنفی، الجواہر المضیہ میں اس نام سے متعدد شخصیات مذکور ہیں۔

حسین العبدی ، بن محمد زیاد العبدی النیسابوری، القبانی کے لقب سے مشہور ہیں اور محدث ہیں۔ م ۲۸۹ھ

حربی ، ابراہیم بن اسحاق۔

حقینی ، علی بن جعفر بن الحسن، زیدی مسلک کے فقیہ اور متکلم۔ م ۴۹۰ھ

حماد بن ابی سلیمان ، ابو اسماعیل الکوفی، مشہور فقیہ، امام ابوحنیفہؒ کے استاذ، م ۱۱۹ھ

خرشی ، ابو عبداللہ محمد مالکی، مختصر الخلیل کے شارح۔ م ۱۱۰۱ھ

خرقی ، ابوالقاسم عمر بن حسین بن عبداللہ، فقیہ حنبلی، م ۳۳۴ھ

ابوالخطاب ، محفوظ بن احمد الکلوذانی، حنبلی مسلک کے امام۔ م ۵۱۱ھ

الخطابی ، محمد بن محمد بن ابراہیم، ابوسلیمان، فقیہ، محدث، لغوی۔ م ۳۸۸ھ

ابن خلدون ، عبدالرحمن بن محمد، مشہور فلسفی، مؤرخ، علم الاجتماع کا مؤسس۔ م ۸۰۸ھ

خلاف ، الشیخ عبدالوہاب، فقیہ معاصر۔

خلیل ، بن اسحٰق الجندی المصری، مالکی فقیہ، المختصر کے مصنف۔ م ۷۷۶ھ

ابوخیثمہ ، زہیر بن حرب، حافظ، ثقہ، مسلمؒ نے ان سے روایت نقل کی ہے۔ م ۲۳۴ھ

داؤد الظاہری ، بن علی بن خلف، فقیہ، مسلک ظاہریہ کے امام۔ م ۲۷۰ھ

دراز ، شیخ محمد عبداللہ، معاصر عالم و فقیہ۔ م ۱۹۵۸ء

ابوالدرداء ، عویمر بن زید الانصاری، صحابیٔ رسولؐ۔ م ۳۲ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الدردیر ، احمد بن محمد العدوی المالکی المصری ۔ م ۱۲۰۱ھ

الدسوقی ، محمد بن عرفۃ ۔ المالکی المصری ۔ م ۱۲۳۰ھ

ابن دقیق العید ، محمد بن علی بن وہب ، ساتویں صدی ہجری کے مجدد ، م ۷۰۲ھ

دہلوی ، احمد بن عبدالرحیم ، شاہ ولی اللہؒ ۔ م ۱۱۷۶ھ

ابوذر غفاری ، جندب بن جنادہ ، صحابی رسولؐ ۔ م ۳۲ھ

ذہبی ، محمد بن احمد ، حافظ حدیث ، مؤرخ و نقاد ۔ م ۷۴۷ھ

رافعی ، ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد ، مسلک شافعیؒ کے امام ۔ م ۶۲۳ھ

رافعی ، مصطفےٰ صادق ، معاصر ادیب ۔ م ۱۹۳۷ء

ربیع بن انس ، البکری ، الحنفی ، ابوحاتم نے صدوق کہا ہے ۔ امام نسائیؒ نے فرمایا کہ ولیس بہ بأس ۔ م ۱۳۹ھ

ربیعہ ، بن ابی عبدالرحمٰن ، تابعی ، مسلک مالک کے مشہور فقیہ ، م ۱۳۶ھ

ابوزرین ، مسعود بن مالک اسدی ، تابعی ، م ۸۵ھ

ابن رشد ، محمد بن احمد (امجد) مشہور مالکی فقیہ ، م ۵۲۰ھ

ابن رشد ، محمد بن احمد ، (الحفید) قاضی ، فلسفی ، فقیہ ، م ۵۹۵ھ

رشید رضا ، مشہور مصری معاصر عالم ، تفسیر المنار کے مصنف ۔ م ۱۳۵۴ھ

ابن رشید ، محمد بن عمر بن محمد ، فقیہ مالکی ، محدث ، مفسر ۔ م ۷۲۱ھ

رملی ، شمس الدین ، المنہاج کے شارح ۔

ریاس ، محمد ضیاء الدین ، استاذ تاریخ اسلامی ، الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ کے مصنف ۔

ابن الزبیر ، عبداللہ بن زبیر بن عوام ، صحابی رسولؐ ۔ م ۷۸ھ

زرکشی ، بدرالدین عبداللہ بن محمد شافعیؒ ، م ۷۹۴ھ

زروقی ، احمد بن محمد بن عیسیٰ ، ۸۹۹ھ

زفر ، بن ہذیل بن قیس العنبری ، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ، مشہور فقیہ ،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

م ۱۵۸ھ

زمخشری ، محمود بن عمر، تفسیر الکشاف کے مصنف۔ م ۵۳۸ھ

زنباور ، معاصر مستشرق،

ابوزہرہ ، شیخ محمد، معاصر فقیہ، صاحب تصانیف۔

زہری ، محمد بن مسلم بن شہاب، فقیہ تابعی، م ۱۲۴ھ

زید بن ثابت ، کاتب وحی، جامع قرآن، صحابی رسولؐ۔ م ۴۵ھ

زید بن علی ، زیدیہ مسلک کے امام، فقیہ اہل بیت۔ م ۱۲۰ھ

ابن ابی زید ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، فقیہ مالکی، م ۳۸۶ھ

سالم بن عبداللہ، بن عمر بن الخطاب، تابعی فقیہ، سات فقہاء مدینہ میں سے ایک۔ م ۱۰۶ھ

سحنون ، عبدالسلام بن سعید تنوخی، فقیہ مالکی، م ۲۴۰ھ

سدی ، اسماعیل بن عبدالرحمٰن، مفسر، م ۱۲۷ھ

سرخسی ، محمد بن احمد ابوبکر، مشہور حنفی فقیہ، المبسوط کے مصنف، م ۴۸۳ھ

سعد بن ابی وقاص، الزہری، سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے، صحابی رسولؐ۔ م ۵۵ھ

سعید بن جبیر ، مشہور تابعی۔ م ۹۵ھ

سعید بن عبدالعزیز، الحاکم کہتے ہیں کہ وہ اہل شام کے لیے اس مرتبہ کے حامل ہیں جس کے اہل مدینہ کے لیے امام مالکؒ حامل ہیں۔ م ۱۶۷ھ

سعید بن المسیب، سید التابعین، م ۹۴ھ

ابوسعید الخدری، سعید بن مالک بن سنان الخزرجی، ان سات صحابہ میں سے ایک جنھوں نے ایک ہزار سے زائد احادیث روایت کی ہیں۔

م ۱۹۷ھ

سفیان بن عیینہ، ثقہ، حافظ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالکؒ اور سفیان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہوتے تو ارض حجاز میں علم باقی نہ رہتا۔ م ۱۹۸ھ

سلمان فارسی، ابوعبداللہ، ابن الاسلام، صحابیٔ رسولؐ، م ۳۳ھ

سلمۃ بن الاکوعؓ، صحابیٔ رسولؐ، م ۷۳ھ

ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ، تابعی، فقیہ، ثقہ، م ۹۴ھ

سلیمان بن حرب، ابوایوب بصری، مکہ کے قاضی، ثقہ، حافظ حدیث۔ م ۲۲۴ھ

سلیمان بن موسیٰ، فقیہ شام، تلامذہ، مکحول میں اعلم۔ م ۱۱۵ھ

سلیمان بن یسار، مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک۔ م ۱۱۰ھ

سہل بن حثمہ، صحابیٔ رسولؐ۔

سید قطبؒ، فی ظلال القرآن کے مصنف، مشہور اسلامی مفکر۔ م ۱۹۶۶ء

ابن سیرین، محمد ابوبکر البصری، فقیہ تابعی، م ۱۱۰ھ

شاطبی، ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ، المالکی، الموافقات کے مصنف۔ م ۷۹۰ھ

شاکر، شیخ احمد بن محمد، قاضی، محدث، لغوی، نقاد، المحلّٰی، الرسالہ، المسند، الطبری کے محققانہ حواشی تحریر کیے۔

ابن شبرمہ، عبداللہ بن الطفیل، قاضی، فقیہ، م ۱۴۴ھ

شریح، ابن الحارث بن قیس، قاضی، تابعی، م ۸۷ھ

شریک بن عبداللہ، قاضی، فقیہ، ثقہ، صدوق۔ م ۱۷۷ھ

شعبی، عامر بن شراحیل الکوفی، فقیہ تابعی، م ۱۰۵ھ

ابوالشعثاء، سلیم بن اسود بن حنظلہ، تابعی، ثقہ، م ۸۵ھ

شلتوت، شیخ محمود، سابق شیخ الازہر، مشہور معاصر صاحب تصانیف عالم۔

شہر بن حوشب، تابعی، بعض نے توثیق کی اور بعض نے تضعیف کی ہے۔ م ۱۰۰ھ

شوکانی، محمد بن علی العینی الزیدی، مجتہد فقیہ، م ۱۲۵۵ھ

شیرازی، ابواسحٰق، ابراہیم بن علی بن یوسف، مسلک شافعیؒ کے فقیہ، م ۴۷۶ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدرالشریعۃ ، مسعود بن احمد بن برہان، فقیہ حنفی۔
صدیق حسن خان، نواب ریاست بھوپال، امام مجتہد، م ۱۳۰۷ھ
صنعانی ، محمد بن اسماعیل، زیدی فقیہ، م ۱۱۸۲ھ
حمیری ، عبدالواحد بن الحسین، فقیہ شافعی، م ۳۸۶ھ
ضحاک ، بن مزاحم، مفسر، م ۱۰۰ھ
ابوطالب ، یحییٰ بن الحسین، م ۴۲۴ھ
طاؤس ، ذکوان بن کیسان، تابعی، م ۱۰۶ھ
طبری ، محمد بن جریر، مفسر، مؤرخ، م ۳۱۰ھ
طحاوی ، احمد بن محمد بن سلامہ، حافظ، فقیہ حنفی، م ۳۲۱ھ
طلحہ بن عبداللہ، تابعی، فقیہ، م ۹۷ھ
عائشہ بنت ابی بکر الصدیقؓ، ام المؤمنین، امت کی جملہ خواتین میں سب سے بڑی فقیہ خاتون۔
م ۵۸ھ
ابن عابدین ، محمد امین، حنفی فقیہ، ردالمحتار کے مصنف۔ م ۱۲۵۲ھ
ابوالعالیہ ، رفیع بن مہران، تابعی۔ م ۹۰ھ
عبادۃ بن صامتؓ، صحابی رسولؐ۔ م ۳۴ھ
ابوالعباس ، احمد بن ابراہیم، فقیہ اہل بیت، م ۳۵۳ھ
عبداللہ بن شداد ، بن الہاد اللیثی، تابعی، ثقہ۔
ابن عبدالبر ، ابوعمر یوسف بن عبداللہ، حافظ، فقیہ، الاستیعاب کے مصنف،
م ۴۶۳ھ
ابن عبدالحکم ، محمد بن عبداللہ، فقیہ مالکی، م ۲۶۸ھ
عبدالرحمٰن حسن، سابق وکیل الازہر۔
عبدالرحمٰن عیسیٰ، مدیر تفتیش علوم الدینیہ، الازہر۔
عبدالرحمٰن فہمی، اسلامی عجائب گھر قاہرہ کے ڈائرکٹر۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن عبدالسلام ، محمد بن عبدالسلام بن یوسف ، مالکی ، قاضی ۔ م ۷۴۹ھ
عبدالعلی لکھنوی ، بحر العلوم ، الارکان الاربعہ کے مصنف ۔
عبداللہ بن داؤد ، بن عامر ہمدانی ، ثقہ ، خُرَیبی کے لقب سے متعارف ہیں م ۲۱۳ھ
عبداللہ بن عباس ، صحابی رسولؐ ، حبرامت ، مفسر قرآن ۔ م ۶۷ھ
عبداللہ بن عمر ، صحابی رسولؐ ، فقیہ زاہد ، ساٹھ سال افتاء کے فرائض انجام دیئے ، ایک ہزار سے زائد غلاموں کو آزاد کیا ۔ م ۷۳ھ
عبداللہ بن عمرو ، بن العاص ، صحابی رسولؐ ۔ م ۶۳ھ
عبداللہ بن المبارک ، حافظ ، حجت ، ثقہ ، فقیہ و عالم ۔ م ۱۸۱ھ
عبداللہ بن مسعود ، صحابی رسولؐ ۔ فقیہ ، ۳۲ھ
عبدالوہاب ، بن علی القاضی المالکی ، فقیہ ، م ۴۲۲ھ
عبداللہ بن الحسن ، فقیہ بصری ، ثقہ ۔ م ۱۶۸ھ
ابوعبید ، قاسم بن سلام ، امام مجتہد ، الاموال کے مصنف ۔ م ۲۲۵ھ
ابوعبیدۃ بن الجراح ، عامر بن عبداللہ ، ابن الامۃ ، عشرۂ مبشرہ میں سے ایک صحابی رسولؐ ۔ م ۱۸ھ
عثمانؓ بن عفان ، خلیفۂ سوم ، صحابی رسولؐ ، م ۳۵ھ
ابن عرفہ ، محمد بن محمد ، فقیہ مالکی ۔ م ۸۰۳ھ
ابن العربی ، محمد بن عبداللہ بن محمد ، ابوبکر ، قاضی ، مجتہد م ۵۴۳ھ
عروۃ بن الزبیر ، مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ، تابعی ۔ م ۹۱ھ
عزالدین بن عبدالسلام ، ایک بڑے عالم اور مجاہد ۔ م ۶۶۰ھ
عطاء بن ابی رباح ۔ فقیہ تابعی ، م ۱۱۴ھ
عطاء الخراسانی ، امام مسلمؒ اور ماسوا بخاریؒ کے باقی چار محدثین صحاح نے ان سے روایات لی ہیں ۔ م ۱۳۵ھ
عطیۃ العوفی ، ابن سعد بن جنادۃ ، محدثین نے ان سے روایات اخذ کی ہیں لیکن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکثریت نے تضعیف کی ہیں۔ م ۱۱۱ھ

اُم عطیہ ، نسیبہ بنت کعب، صحابیہ، غزوات میں تیمارداری کرتی تھیں۔ م ۱۳ھ

ابن عقیل ، ابوالوفا، علی بن محمد، حنبلی فقیہ۔ م ۵۱۳ھ

عکرمہ بن عبدالرحمٰن، حضرت ابن عباس کے شاگرد، فقیہ مکہ، تابعی۔ م ۱۰۷ھ

علیش ، الشیخ محمد بن احمد المصری، مسلک مالک کے مفتی۔ م ۱۲۹۹ھ

علی بن الحسین، بن علی بن ابی طالب، زین العابدین، تابعی۔ م ۹۳ھ

علی بن ابی طالب، چوتھے خلیفہ راشد، م ۴۰ھ

علی مبارک ، مصری وزیر، جنھوں نے دارالکتب المصریہ قائم کیا۔ م ۱۸۹۳ء

ابن علیہ ، اسماعیل بن ابراہیم، محدث، وفقیہ۔ م ۱۹۳ھ

عمر الحافظ ، بن احمد بن محمد بن موسیٰ نیشاپوری، حنفی فقیہ۔ م ۴۶۷ھ

عمر بن الخطاب ، خلیفہ دوم۔ م ۲۳ھ

عمر بن عبدالعزیز، پانچویں خلیفہ راشد، مجدد ملت۔ م ۱۰۱ھ

عمرو بن دینار ، مفتی مکہ مکرمہ۔ م ۱۲۵ھ

عمرو بن شرحبیل الھمدانی، ابن مسعودؓ کے شاگرد۔ م ۶۳ھ

عمرو بن العاصؓ، صحابی رسولؐ، فاتح مصر۔ م ۴۳ھ

عمرو بن میمون ، تابعی۔ ثقہ، م ۷۴ھ

عمران بن حصین، صحابی رسولؐ۔ م ۵۲ھ

عمرۃ بنت عبدالرحمٰن، حضرت عائشہؓ کی زیر تربیت رہیں اور ان سے روایات نقل کیں۔ ۹۸ھ

عیسیٰ عبدہ ، معاصر عالم۔

عیاض بن موسیٰ، فقیہ ومحدث، م ۵۴۴ھ

غزالی ، [illegible] ابوحامد، م ۵۰۵ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غزالی ، شیخ محمد، معاصر عالم۔
فاطمہ بنت قیس ، صحابیہ، م ۵۰ھ
فخر الرازی ، محمد بن عمر بن الحسین، مفسر و متکلم، م ۶۰۶ھ
قاسم ، بن ابراہیم، ائمہ اہل بیت میں سے ہیں، م ۲۴۶ھ
قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، تابعی، عالم۔ م ۱۰۸ھ
ابن القاسم ، عبدالرحمن العتقی، امام مالکؒ کے شاگرد، م ۱۹۱ھ
القاسمی ، جمال الدین بن محمد، علامہ شام، م ۱۳۳۲ھ
قتادہ بن دعامہ ، تابعی، م ۱۱۷ھ
ابن قدامہ ، ابو محمد عبداللہ بن احمد، حنبلی فقیہ، المغنی کے مصنف، م ۶۲۰ھ
قرافی ، شہاب الدین ابوالعباس، فقیہ مالکی، اصولی، م ۶۸۴ھ
قرطبیؒ ، احمد بن عمر، شارح مسلم، م ۶۵۶ھ
قرطبیؒ ، ابوعبداللہ محمد بن احمد، مفسر، فقیہ مالکی، م ۶۷۱ھ
قشیری ، عبدالرحمن بن عبدالکریم، فقیہ، شافعی، م ۴۱۴ھ
قفال ، عبداللہ بن احمد، م ۴۱۷ھ
قہستانی ، احمد بن محمد، فقیہ حنفی۔
ابن القیمؒ ، ابوعبداللہ، محمد بن ابی بکر، امام محقق، م ۷۵۱ھ
ابوقلابہ ، عبداللہ بن زید، تابعی، م ۱۰۴ھ
کاسانی ، علاؤالدین ابوبکر بن مسعود، فقیہ حنفی، م ۵۸۷ھ
ابن کثیر ، ابوالفداء اسماعیل القرشی، م ۷۷۴ھ
الکرخی ، ابوالحسن عبیداللہ بن دلال، حنفی فقیہ، م ۳۴۰ھ
ابن اللبان ، محمد بن عبداللہ بن الحسن، فقیہ شافعیؒ، م ۴۰۲ھ
اللخمی ، علی بن محمد، مالکی فقیہ، م ۴۷۸ھ
ابن ابی لیلیٰ ، محمد بن عبدالرحمن، فقیہ، قاضی کوفہ، امام ابوحنیفہؒ کے ہم عصر، م ۱۴۸ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن، امام ثقہ، م ۱۷۵ھ
ابن الماجشون، عبدالملک بن عبدالعزیز، مفتی اہل مدینہ، م ۲۱۲ھ
مؤید باللہ، احمد بن الحسین، فقیہ زیدی، اہل بیت کے امام، م ۴۱۱ھ
مازری، محمد بن علی بن عمر، فقیہ مالکی، شارح مسلم، م ۵۳۶ھ
مالقی، محمد بن الحسن، فقیہ مالکی، م ۷۷۱ھ
ماوردی، ابوالحسن علی بن محمد، الاحکام السلطانیہ کے مصنف، م ۴۵۰ھ
مجاہد، بن جبر المکی، تابعی، م ۱۳۵ھ
محمد باقر الصدر، معاصر عالم
محمد بن الحسن الشیبانی، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد، م ۱۸۹ھ
محمد حمید اللہ حیدرآبادی، مشہور معاصر محقق، مقیم پیرس۔
محمد بن حنفیہ، بن علی بن ابی طالب، تابعی ثقہ، م ۷۳ھ
محمد عبداللہ العربی، معاصر عالم۔
محمد عبدہٗ، مفتی مصر، مصلح معاصر۔ م ۱۹۰۵ء
محمد عزیز، پاکستانی ماہر اقتصادیات۔
محمد بن کعب القرظی، تابعی، ثقہ، م ۱۰۸ھ
محمد بن مسلمہ، حنفی فقیہ۔
محمد بن یحییٰ، شافعی فقیہ، م ۵۴۸ھ
محمود ابوالسعود، ماہر اقتصادیات
مخلوف، حسنین محمد، مفتی مصر، معاصر۔
مخلوف، محمد حسنین المالکی، فقیہ، مفسر، ادیب، م ۱۳۵۵ھ
مراغی، احمد مصطفیٰ، صاحب تفسیر۔
مرتضیٰ، محمد بن یحییٰ، زیدی فقیہ، م ۸۱۰ھ
مرۃ الہمدانی، بن شراحیل، تابعی، ثقہ، م ۷۶ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مروان بن الحکم ، معاویہ بن یزید کے بعد نو ماہ حکومت کی، م ۶۵ھ

فرخی ، اسماعیل بن یحییٰ، امام شافعیؒ کے شاگرد، م ۲۶۴ھ

مسروق ، تابعی، فقیہ، م ۶۲ھ

مقریزی ، احمد بن علی، مشہور مؤرخ ، الخطط المقریزیہ کے مصنف، م ۸۴۵ھ

مکحول ، فقیہ تابعی، م ۱۱۲ھ

معاذ بن جبل ، صحابی رسولؐ، م ۱۸ھ

معاویہ بن ابی سفیانؓ صحابی رسولؐ، م ۶۰ھ

مغنیہ ، محمد جواد، شیعہ معاصر عالم۔

مغیرۃ بن شعبہ ، صحابی رسولؐ، م ۵۰ھ

ابن مفلح ، حنبلی فقیہ، م ۷۶۳ھ

مناوی ، محمد عبدالرؤف ، فیض القدیر کے مصنف، م ۱۰۳۱ھ

ابن المنذر ، محمد بن ابراہیم، فقیہ مجتہد، م ۳۱۹ھ

منذری ، زکی الدین عبدالعظیم مختصر سنن ابی داؤد کے مصنف، م ۶۵۶ھ

مہدی ، احمد بن یحییٰ، زیدی امام ، البحر الزخار کے مصنف، م ۸۴۰ھ

ابوموسیٰ اشعری ، صحابی رسولؐ، م ۴۴ھ

موسیٰ بن طلحہ ، بن عبداللہ القرشی، تابعی، م ۱۰۳ھ

میمون بن مہران ، تابعی فقیہ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی جانب سے الجزیرہ میں قاضی، م ۱۱۶ھ

ابن ناجی ، قاسم بن عیسیٰ، فقیہ مالکی، م ۸۳۷ھ

الناصر ، حسن بن علی، م ۳۰۴ھ

ابن نافع ، عبداللہ الصائغ، م ۲۰۶ھ

ابن نجیم ، البحر الرائق کے مصنف، م ۹۷۰ھ

نخاس ، ابوجعفر بن یزید، فقیہ تابعی، م ۹۶ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ندوی ، سید ابوالحسن علی، مفکر، داعی اسلام۔

نووی ، یحییٰ بن شرف، فقیہ شافعی، م ۶۷۶ھ

ہادی ، یحییٰ بن الحسین، اہل بیت کے امام، م ۲۹۸ھ

ابوہریرہؓ ، صحابی رسولؐ، م ۵۷ھ

ابن الہمام ، محمد بن عبدالواحد، حنفی فقیہ، فتح القدیر کے مصنف، م ۸۶۱ھ

واحدی ، علی بن احمد، مفسر، نحوی، م ۴۶۸ھ

وکیع بن الجراح ، محدث، مفتی، م ۱۹۶ھ

ابن وہب ، عبداللہ بن وہب، مالکی فقیہ، م ۱۹۷ھ

یحییٰ بن آدم ، الخراج کے مصنف، م ۲۰۳ھ

یحییٰ بن حمزہ ، زیدی فقیہ، م ۷۴۹ھ

یعقوب بن ابراہیم، فقیہ حنبلی، قاضی، م ۴۸۶ھ

ابویعلی ، محمد بن حسین الفراء، قاضی، حنبلی فقیہ، م ۴۵۸ھ

ابویوسف ، یعقوب بن ابراہیم، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد، فقیہ مجتہد، قاضی القضاۃ، م ۱۸۲ھ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابیات

قرآن، تفاسیر و علوم قرآن

ابن قتیبہ: تفسیر غریب القرآن ط۔ الحلبی

الطبری: تفسیر الطبری ط۔ الحلبی

الجصاص: احکام القرآن مصر

الواحدی: اسباب النزول

امام راغب اصفہانی: مفردات القرآن، الحلبی

الزمخشری: تفسیر الکشاف

قاضی ابوبکر بن العربی: احکام القرآن الحلبی

الطبرسی: مجمع البیان فی تفسیر القرآن

الرازی: التفسیر الکبیر مصر

ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم، الحلبی

الانتصاف من الکشاف

الزرکشی: البرہان فی علوم القرآن، ط الحلبی

السیوطی: الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور ط۔ المیمنیہ

〃 الاکلیل فی استنباط التاویل

〃 الاتقان فی علوم القرآن

آلوسی: روح المعانی

حاشیۃ الجمل

القاسمی: محاسن التاویل، الحلبی

سید رشید رضا: تفسیر المنار

محمود شلتوت: تفسیر القرآن الکریم ۔ دار القلم

سید قطب: فی ظلال القرآن، الحلبی

محمد عزہ دروزہ: التفسیر الحدیث، الحلبی

محمد فؤاد عبدالباقی: المعجم المفہرس لجدید الشعب لالفاظ القرآن الکریم

حدیث، شروح و علوم حدیث

امام مالک: المؤطا الحلبی

ابن ابی شیبہ: المصنف، ملتان

احمد بن حنبل: المسند، دار المعارف

البخاری: الجامع الصحیح، ط۔ الشعب

〃 التاریخ الکبیر، حیدرآباد

امام مسلم: صحیح مسلم، قاہرہ

سلیمان بن الاشعث: سنن ابی داؤد، ط۔ السعادہ

ابن ماجہ: سنن ابن ماجہ الحلبی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الترمذیؒ:	جامع الترمذی
امام ابی عبدالرحمٰن:	سنن النسائی
الطحاویؒ:	مشکل الآثار ، حیدرآباد
الخطابی:	معالم السنن، ط۔ انصار السنۃ
الرازی:	الجرح والتعدیل حیدرآباد
المنذری:	مختصر سنن ابی داؤد
الحاکم:	مستدرک علی الصحیحین، حیدرآباد
البیہقی:	السنن الکبری ، حیدرآباد
علی بن عثمان الماردینی:	الجوہر النقی ، حیدرآباد
الحازمی:	الاعتبار فی الناسخ حیدرآباد والمنسوخ من الآثار
المقدسی، عبدالغنی:	عمدۃ الاحکام ، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ
ابوالبرکات ابن تیمیہ:	منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار
المنذری:	الترغیب والترہیب ، الحلبی
النووی:	شرح النووی علی صحیح مسلم
ابن دقیق العید:	الاحکام شرح عمدۃ الاحکام
التبریزی:	مشکاۃ المصابیح
الذہبی:	تلخیص المستدرک ، حیدرآباد
〃	میزان الاعتدال ، الحلبی
ابن قیم الجوزیہ:	تہذیب سنن ابی داؤد
الزیلعی:	نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ، ط۔ دارالمامون
العراقی:	تخریج احادیث الاحیاء
ابوزرعہ:	طرح التثریب شرح التقریب
الہیثمی:	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ط۔ مکتبۃ القدسی
العسقلانی:	فتح الباری شرح صحیح البخاری، المطبعۃ الخیریہ
〃	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام
〃	تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر الہند
〃	تہذیب التہذیب حیدرآباد
〃	تقریب التہذیب ، دارالکتاب العربی
〃	تخریج احادیث الکشاف
بدرالدین العینی:	عمدۃ القاری، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ
السیوطی:	الجامع الصغیر من حدیث البشیر النذیر، الحلبی
〃	اللآلی المصنوعۃ من الاحادیث الموضوعۃ، المکتبۃ التجاریۃ
〃	زہر الربی علی المجتبی
〃	تدریب الراوی علی تقریب النواوی
صفی الدین الخزرجی:	خلاصۃ تذہیب الکمال فی اسماء الرجال
علاؤالدین المتقی:	کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال حیدرآباد
علی القاری:	مرقاۃ المفاتیح ، ملتان
〃	المبین المعین لفہم الاربعین
المناوی:	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر
〃	التیسیر شرح الجامع الصغیر، بیروت
اسماعیل العجلونی:	کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس
الصنعانی:	سبل السلام شرح بلوغ المرام، مطبعۃ صحیح
امام شوکانیؒ:	نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، الحلبی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام شوکانیؒ: الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ

عبدالحی لکھنوی: الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ، دارلبنان

" الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ ، حلب

محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری: تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی ، القاہرہ

عبدالرحمٰن البنا الساعاتی: الفتح الربانی بترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی و شرحہ بلوغ الامانی۔

ونسنک: مفتاح کنوز السنۃ، ترجمہ الاستاذ فؤاد عبدالباقی۔

ناصرالدین البانی: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، دمشق

" سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ

جماعۃ من المستشرقین: المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث ، لیدن

المبارکفوری: مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ، الہند

فقہ حنفی

الامام ابویوسفؒ: کتاب الخراج السلفیہ

السرخسی: المبسوط مطبعۃ السعادۃ

" شرح السیر الکبیر حیدرآباد

الکاسانی: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع

الرضیانی: الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی۔

البابرتی: العنایۃ علی الہدایۃ

ابن الہمام: فتح القدیر

شیخ زادہ: مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، استنبول۔

ابن نجیم: البحر الرائق شرح کنز الدقائق۔

الحصکفی: الدر المختار شرح تنویر الابصار۔

" در المنتقی شرح الملتقی۔

ابن عابدین شامی: رد المحتار علی الدر المختار، استنبول

فقہ مالکی

امام مالکؒ: المدونۃ الکبری ، المطبعۃ الخیریہ۔

ابن ابی زید القیروانی: الرسالۃ

ابوالولید سلیمان الباجی: المنتقی شرح الموطا، مطبعۃ السعادۃ

ابن رشد: بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، مطبعۃ الاستقامۃ

ابوالضیاء خلیل: مختصر خلیل

ابن ناجی: شرح الرسالہ ، مصر

علامہ زرقانی: شرح الرسالہ ، مصر

محمد الخرشی: شرح الخرشی علی مختصر خلیل

شرح الزرقانی علی الموطا

الشیخ محمد علی مفتی المالکیہ: تہذیب الفروق والقواعد السنیہ

الدردیر: الشرح الکبیر، علی مختصر خلیل۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الدردیر: الشرح الصغیر علی اقرب المسالک لمذہب الامام مالکؒ۔ الحلبی

الدسوقی: حاشیۃ الدسوقی۔

الصاوی: بلغۃ السالک لاقرب المسالک

شیخ محمد علیش: فتح العلی المالک فی الفتوی علی مذہب مالک، مطبعۃ مصطفی محمد

فقہ شافعی

الشافعی: الام بولاق

الماوردی: الاحکام السلطانیہ، الحلبی

الشیرازی: المہذب المنیریہ

الغزالی: الوجیز المنیریہ

الرافعی: فتح العزیز شرح الوجیز، المنیریہ

النووی: المجموع شرح لمہذب، المنیریہ

〃 روضۃ الطالبین، طبع المکتب الاسلامی

〃 المنہاج

ابن حجر الہیثمی: تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج

الرملی: نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج

فقہ حنبلی

الخرقی: مختصر الخرقی

ابو یعلی حنبلی: الاحکام السلطانیہ، الحلبی

ابن قدامہ المقدسی: المغنی، ط۔ المنار

ابن قدامہ المقدسی: الکافی، دمشق

〃 الشرح الکبیر علی المقنع

ابن تیمیہ: فتاوی ابن تیمیہؒ القاہرہ

〃 الاختیارات

ابن مفلح الفروع

ابو الحسن المرداوی: تصحیح الفروع، دار عمر للطباعۃ

〃 الانصاف فی الراجح من الخلاف، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ

منصور بن یونس البہوتی: الروض المربع شرح زاد المستنقع، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ

عبد العزیز العنقری: حاشیۃ العنقری،

مرعی بن یوسف الکرمی: غایۃ المنتہی

مصطفی السیوطی الرحیبانی: مطالب اولی النہی شرح غایۃ المنتہی، دمشق

محمد بن سالم بن ضویان: منار السبیل شرح الدلیل ط۔ المکتب الاسلامی۔

فقہ ظاہری

ابن حزم الاندلسی: المحلی المنیریہ

فقہ زیدی

امام زید بن علی: مجموع الفقہ الکبیر مع شرحہ الروض النضیر

المہدی لدین اللہ یحیی بن المرتضی: البحر الزخار الجامع لمذاہب علماء الامصار۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المنہدی لدین اللہ یحییٰ بن المرتضیٰ : الازہار
حسین الصیاغی : الروض النضیر، مطبعۃ السعادۃ
عبداللہ بن مفتاح : شرح الازہار ، مصر

فقہ امامیہ جعفریہ

جعفر بن حسن الحلی : شرائع الاسلام فی فقہ الامامیہ
〃 المختصر النافع فی فقہ الامامیہ
محمد حسن النجفی : جواہر الکلام ایران
محمد جواد مغنیہ : فقہ الامام جعفر الصادق، بیروت

مالیاتی و تنظیمی فقہ

یحییٰ بن آدم : الخراج السلفیہ
ابو عبید القاسم بن سلام : الاموال
ابن تیمیہؒ : السیاسۃ الشرعیۃ

فقہ عام

ابن تیمیہؒ : القواعد النورانیۃ الفقہیہ
ابن تیمیہؒ : مجموع فتاوی شیخ الاسلام ، ریاض
ابن القیمؒ : زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ
〃 الطرق الحکمیہ مصبعۃ المدنی
صدیق حسن خان : الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البہیہ
محمود خطاب السبکی : الدین الخالص
رشید رضا : فتاوی الامام رشید رضا ، بیروت

عبدالرحمٰن حسن، خلاف و ابو زہرۃ : حلقۃ الدراسات الاجتماعیۃ لجامعۃ الدول العربیۃ، محاضرات
محمد حسنین مخلوف : البیان فی زکوٰۃ الاثمان .
احمد الحسینی : بہجۃ المشتاق فی حکم زکوٰۃ الاوراق .
بسخۃ باشراف وزارۃ الاوقاف : الفقہ علی المذاہب الاربعہ
محمود شلتوت و السایس : مقارنۃ المذاہب فی الفقہ
محمود شلتوت : الاسلام عقیدۃ و شریعۃ ، الازہر
حسین محمد مخلوف : فتاوی اسلامیہ ، الحلبی .
علی الخفیف : احکام المعاملات الشرعیۃ .
عبدالرحمٰن عیسیٰ : المعاملات الحدیثۃ و احکامہا .
عبدالکریم زیدان : احکام الذمیین و المستامنین، دار الاسلام
سید سابق : فقہ السنۃ ، دار الکتاب العربی
〃 الحلال و الحرام ، المکتب الاسلامی

اصول فقہ و قواعد

امام الشافعی : الرسالہ الحلبی
ابن حزم : الاحکام فی اصول الاحکام ، المنیریہ
الغزالی : المستصفی من علم الاصول ،
السرخسی : اصول السرخسی ، حیدر آباد
ابن قدامۃ : روضۃ الناظر و جنۃ المناظر .
الآمدی : الاحکام فی اصول الاحکام ، مطبعۃ صبیح
الزنجانی : تخریج الفروع علی الاصول ، دمشق

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القرافی: الفروع ، الحلبی
〃 الاحکام فی تمییز الفتاوی من الاحکام
ابن تیمیہؒ: القیاس ، السلفیہ
ابن القیمؒ: اعلام الموقعین عن رب العالمین
الشاطبی: الموافقات
〃 الاعتصام
ابن نجیم: الاشباہ والنظائر

اسلامی علوم

الغزالی: احیاء علوم الدین ، الحلبی
ابن الجوزی: تلبیس ابلیس ، المنیریہ
الذہبی: الکبائر ، بیروت
ابن القیمؒ: اغاثۃ اللہفان ، الحلبی
〃 مدارج السالکین ، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ
〃 بدائع الفوائد ، المنیریہ
ابن حجر الہیثمی: الزواجر
شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغۃ
عبدالحی الکتانی: التراتیب الاداریۃ ، الرباط
محمد رشید رضا: الوحی المحمدی ، المنار
محمد فرید وجدی: الاسلام دین عام خالد
ابوالحسن علی ندوی: الارکان الاربعۃ ، بیروت
ابوالاعلیٰ مودودی: اسس الاقتصاد فی الاسلام ومنشق

محمد کرد علی: الاسلام والحضارۃ العربیہ
محمد الغزالی: الاسلام والاوضاع الاقتصادیۃ
〃 الاسلام المفتری علیہ بین الشیوعیین والرأسمالیین۔
البہی الخولی: الاشتراکیۃ فی المجتمع الاسلامی،
مصطفی السباعی: اشتراکیۃ الاسلام، القاہرہ
الاقتصاد والسیاسۃ، القاہرہ
ابوزہرہ: تنظیم الاسلام للمجتمع،
عباس محمود العقاد: اباطیل الاسلام وحضومہ
محمود ابوالسعود: خطوط رئیسیۃ فی الاقتصاد الاسلامی
دائرۃ المعارف الاسلامیۃ الادویۃ۔
توماس آرنلڈ: الدعوۃ الی الاسلام، لجنۃ البیان العربی
محمد عزہ دروزہ: صور تقریب من القرآن الکریم۔
(سیرۃ الرسولؐ)
〃 العبادۃ فی الاسلام ، مطبعۃ النصر
سید قطبؒ: العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام ، الحلبی
عبدالعزیز: فلسفۃ الزکوٰۃ عند المسلمین، بیروت
محمد حمید اللہ: مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی عہد الرسولؐ
والخلفاء الراشدین ، بیروت

مالیات وضرائب

محمد فؤاد ابراہیم: مبادئ علم المالیۃ
رشید الدفر: علم المالیۃ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعد ماہر حمزہ : موارد الدولۃ
حسین خلاف والرفاعی : مبادئ النظریۃ العامۃ للتشریع
حلمی مراد : میزانیۃ الدولۃ
" تشریع الضرائب
عبدالعزیز مرعی : النظم النقدیہ والمصرفیۃ
عبدالواحد والی : الاقتصاد السیاسی
رفعت المحجوب : الاقتصاد السیاسی

اجتماعیات

صادق مہدی : الضمان الاجتماعی
احمد الخشاب : علم الاجتماع

سیرت تاریخ وتراجم

محی الدین عبدالحمید (تحقیق) : سیرۃ ابن ہشام
ابن عبدالحکم : سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ، دمشق
الطبری : تاریخ الامم والملوک ، الحسینیہ
ابن خلکان : وفیات الاعیان
ابن کثیر : البدایۃ والنہایۃ ، مطبعۃ السعادۃ
القرشی : الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ ، حیدرآباد
ابویعلی : طبقات الحنابلہ
السبکی : طبقات الشافعیہ
ابن فرحون : الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان المذہب
عبدالحی الکھنوی : الفوائد البہیہ فی طبقات الحنفیہ
عبدالحی الکھنوی الحسنی : نزہۃ الخواطر
الزرکلی : الاعلام
ضیاء الدین الریس : الخراج فی الدولۃ الاسلامیۃ ، مصر
انیس کرملی : النقود العربیہ وعلم النمیات۔
عبدالرحمن فہمی : النقود العربیہ ما فیہا وحاضرہا۔
" ضبح السکۃ فی فجر الاسلام

لغت

ابن سلام : غریب الحدیث ، حیدرآباد
ابن الاثیر : النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ، الخیریۃ
ابن منظور المصری : لسان العرب ، بیروت
ابن علی المقری : المصباح المنیر ، مصر
فیروزآبادی : القاموس المحیط
الزبیدی : تاج العروس
المعجم الوسیط ، قاہرہ

متفرقات

کتاب مقدس : عہد قدیم وجدید

المکتبۃ الرحمانیۃ
مکتبۃ حضانۃ المسلمون بے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
فون ...

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ